GOVT GIRLS COLLEGE
SRINAGAR
ACC. NO. 14098
LIBRARY

آزادی کی طرف

(ایک روسی افسر کی ذاتی اور سیاسی سرگزشت)

وکٹر گرافشینکو

مترجم

سیتہ نند شاکر

نیشنل اکاڈیمی، ۹، انصاری مارکیٹ، دریا گنج دہلی

اشاعتِ اوّل

جون ۱۹۵۴ء

(یونین پرنٹنگ پریس دہلی)

920
SR 91A

قیمت

لائبریری ایڈیشن چار روپے آٹھ آنے + سستا ایڈیشن تین روپے

باب اوّل

تاریکی میں فرار

(۱)

راجدھانی میں اپنے ۷ ماہ کے قیام کے دوران میں - گرد و نواح کی جانب شاذ و نادر ہی توجہ دیتے ہوئے - ایک بوجھل سی طبیعت کے ساتھ - میں درجنوں بار اسی راستہ سے گزرا تھا - لیکن اس مرتبہ ہر چیز پہلے سے مختلف تھی - - اس مرتبہ میں فرار ہو رہا تھا - وہی گلیاں اور بتیاں گل ہو جانے کی وجہ سے تاریک عمارتیں آج عداوت کی نظر سے گھورتی ہوئی نظر آتی تھیں - جس کرائے کے کمرے میں میں رہائش پذیر تھا وہاں سے یونین اسٹیشن تک سنیچر وار کی اس رات کو ٹیکسی کے سفر کا ہر لمحہ خطرات سے پُر نظر آتا تھا -

کمیشن کے دفاتر میں پچھلے کئی دنوں سے میں سر درد اور طبیعت خراب ہونے کے بہانے بنا رہا تھا - اس دن صبح بھی میں نے اپنے کئی ساتھیوں سے کہا تھا کہ میرے لئے گھر پر ٹھہر کر آرام کرنا ہی بہتر رہے گا - اور کہ میں شائد سوموار کو بھی میٹنگ میں شامل نہیں ہونگا - میں یہ کوشش کر رہا تھا کہ پیشتر اس کے کہ میرے فرار کا انکشاف ہو مجھے ایک دن کی مہلت اور مل جائے -

مارچ کی تنخواہ وصول کرلنے کے بعد میں نے اس بات پر اصرار کیا کہ میرے ٹمکاگو اور اس کے بعد لنکا سٹر اور پنسلوانیا کے دورہ کے اخراجات کا حساب بیباق کر دیا جائے - ایسا لگتا تھا کہ کمیشن کے ذمہ میرے تیس ڈالر ابھی نکلتے ہیں - میرے اصرار کی وجہ یہ تھی کہ بعد میں کہیں روپے پیسے کے کسی معمولی ہیر پھیر کو بہانہ بنا کر میرے خلاف مالی بدعنوانیوں کا الزام نہ لگا دیا جائے - میں نے اس بات کی تسلی کر لی تھی کہ میرے تمام کاغذات مکمل ہیں تاکہ دوسرے لوگ وہاں سے کام شروع کر سکیں جہاں کہ میں نے اسے چھوڑا تھا -

بعد میں جب میرے فرار کی خبر واشنگٹن اور نیویارک کے اخبارات کے پہلے صفحات

یہ نمایاں طور پر شائع ہوئی تو کمیشن میں کام کرنے والے کئی مرد عورتوں کو یقیناً میری اُس سنیچر وار کی باتوں میں ایک خاص گرمجوشی کا خیال آیا ہوگا۔ خاص طور پر میرا "اینک" کہہ کر ہاتھوں کو زور سے بھینچنا اُن کے ذہن میں ضرور آیا ہوگا۔ انھیں اس بات کا بھی احساس ہوا ہوگا کہ اُس دن میں زبان سے کچھ کہے بغیر اُنہیں آخری بار الوداع کہہ رہا تھا۔ اب اُن میں سے کوئی یہاں امریکہ میں بھی۔ مجھ سے ملنے کی کبھی جرأت نہیں کریگا۔ مہینوں اکٹھے کام کرنے کی وجہ سے اُن میں سے کئی میرے کافی قریب آگئے تھے۔ زبان پر کچھ لائے بغیر ہم نے ایک دوسرے کو سمجھ لیا تھا۔ اگر میں کھُلم کھُلا جذبات کی رَو میں بہتے ہوئے۔ رُوسی ڈھنگ پر۔ اُن سے جُدا ہوتا تو میری رُوح کا کچھ بوجھ ضرور ہلکا ہو جاتا۔

آسمان پر کوئی ستارہ نظر نہیں آتا تھا۔ کڑکڑاتی ہوئی سردی پڑ رہی تھی۔ اور ریل روڈ سٹیشن پر خطرات کا سیلاب اُمڈتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اگر سامنے میرا کوئی ساتھی مل گیا۔ اور اُس نے شور مچا دیا۔ تو؟ یقیناً یہ بلا اجازت سفر اور پھر یہ دو سوٹ کیس اُس کے دل میں شکوک پیدا کر دیں گے۔ اور اگر کامریڈ سیروف یا جنرل ریڈینکو کو پہلے ہی میرے پلان کا علم ہو چکا ہوگا تو کیا ہوگا؟

چونکہ رُوسی افسر ہمیشہ خاص قسم کی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں۔ اسلئے میں ایک عام گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس سے کسی واقفکار کے مجھے ملنے کا خطرہ کم ہو گیا تھا۔ کچھ ٹھٹھری ہوئی اور تاریک سی کار میں جہاں سب لوگ سوئے ہوئے سے معلوم پڑتے تھے میں اپنے خیالات میں غرق بیٹھا ہوا تھا۔

عرصہ سے میں یہ جانتا تھا کہ یہ فیصلہ کن وقت ناگزیر ہے۔ مہینوں تک میں فرار ہونے کی سکیمیں بناتا رہا تھا۔ میں اس فرار کو بہر حال اپنے جذبۂ انتقام اور اُس روحانی کشمکش سے نجات پانے کے مترادف سمجھتا تھا۔ جس میں کہ میں اتنے سالوں تک پھنسا رہا۔

میں سمجھتا تھا کہ اپنے ملک کے حکمران طبقہ میں سے ہونے کی وجہ سے اُس کے مظالم

میں میں بھی حصہ دار ہوں گا۔ میں فرار کے ذریعے اس احساس سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اب جبکہ فرار ہونے کا وقت آیا تو اس میں کوئی خوشی نہیں رہی تھی۔ نئی آزادی حاصل ہونے کا کوئی احساس نہیں رہا تھا۔ یہ فرار تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا۔

میں نے دل میں سوچا کہ میں اپنی جڑوں پر کلہاڑا چلا رہا ہوں۔ آج میں خود اپنے آپ کو ایک بے وطن۔ بے گھر اور بے دوست آدمی بنا رہا ہوں۔ اب میں کبھی اُن رشتہ داروں اور دوستوں کی شکل تک نہیں دیکھ سکوں گا۔ اُن کا ہاتھ نہیں دبا سکوں گا۔ اُن کی آواز نہیں سُن سکوں گا۔ جن کے ساتھ میرا ایک۔ جان و دو قالب کا سا تعلق رہا ہے۔ جیسے وہ سب مر چکے ہوں۔ میں محسوس کرتا تھا کہ میری کوئی نہائت قیمتی چیز کھو گئی ہے۔ یہ خیال مجھے بار بار پریشان کر رہا تھا کہ میری زندگی میں یہ کھوکھلا پن۔ یہ خوفناک خلاء۔ اور یہ غمناک مُردنی اب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چھائی رہے گی۔ جہاں تک میرے دیش کا تعلق ہے مجھے سرکاری طور پر ایک اچھوت اور بدترین آدمی سمجھا جائے گا۔ جس حکومت پر میں نے زندگی بھر اعتماد کیا۔ اور جس کے لئے میں نے دن رات کام کیا۔ وہ میرے خلاف سزائے موت کا حکم دے گی۔ اس کے خفیہ ایجنٹ ہر وقت میری ٹوہ میں رہیں گے۔ وہ کھوجیوں کی طرح مجھے ڈھونڈیں گے۔ چھپ چھپ کر میرا پتہ چلائیں گے۔ اور اپنے آقاؤں کا حکم پاتے ہی میری زندگی کو ختم کر دینگے اور جن امریکنوں کے درمیان میں اپنی باقیماندہ زندگی گزارنا چاہتا ہوں اُنہیں اس بات کا کیا علم ہے کہ ایک روسی کمیونسٹ کیلئے سوویٹ ڈکٹیٹرشپ سے تعلقات منقطع کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔ بھگوان نے انہیں کتنے معصوم بنایا ہے!

میرے گاؤں میں جو لوگ مجھ سے پیار کرتے تھے اُن کو ہی نہیں بلکہ اُنہیں بھی مشکوک سمجھا جائے گا۔ جو میرے ساتھ کام کرتے رہے ہیں۔ یا جن کا میرے ساتھ دوستانہ تعلق رہا ہے۔ زندہ رہنے کے لئے انہیں مجھے بھول جانا پڑے گا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لئے اُنہیں میرے فعل کی مذمت کرنی ہو گی اور میرے ساتھ اپنی لاتعلقی ظاہر کرنی

ہوگی - جیسا کہ میں اُن لوگوں کی مذمت اور اُن سے لاتعلقی کا اظہار کرتا رہا تھا جن پر رُوس سرکار کا عتاب نازل ہو جائے - یہ سوال میری انتہائی پریشانی کا باعث بن رہا تھا - کہ کیا مجھے اخلاقی طور پر یہ حق ہے کہ میں اپنے ضمیر کو نجات دلانے اور سچائی کے تئیں اپنے فرائض کو ادا کرنے کیلئے رُوس میں مقیم اِن معصوم لوگوں کو خطرہ میں ڈال دُوں - اور اُنہیں رُوس سرکار کے پاس یرغمال بنا کر رکھ دُوں ؟

یہ تلخ یاد میرے لئے راحت افزا تھی - کہ میرا بھائی کانسٹینٹائن جو ہمیشہ میرے قریب رہا - بطور ایک فوجی افسر نازی حملہ آوروں سے اپنے دیش کی حفاظت کرتا ہُوا کاکیشیا کے محاذ پر مارا گیا تھا - تو کیا رُوسی سرکار کا انتقام اُس اکیلی اور بے بس بُڑھیا پر جو حال ہی میں جرمنی کے جنگی قیدی کیمپ سے رہا ہوئی ہے وار کریگا - صرف اس لئے کہ وہ میری ماں ہے ؟ یا یہ انتقام اُس عورت سے لیا جائیگا جو ۳ سال تک میری بیوی رہی لیکن جسے میرے سیاسی شکوک اور اس فرار کے متعلق کوئی علم نہیں ؟

اتوار کی صبح کو ۳ بجے جب گاڑی نیویارک ریلوے سٹیشن میں داخل ہوئی تو میرے ذہن میں ابھی یہ سوال اُبھر رہے تھے - اس تکلیف دہ ذہنی کشمکش سے میں نیم بیہوشی کی حالت کو پہنچ چکا تھا - لیکن کشمکش بدستور جاری تھی -

نیویارک میں میں ایک سستا ریک سے ہوٹل میں ٹھہرا - میں نے وہاں اپنے آپ کو ایک اطالوی باشندے کے طور پر درج کروایا - یہ ہوٹل اس قسم کا تھا جہاں کمرے کا کرایہ پیشگی ادا کرنا پڑتا ہے - جو کمرہ مجھے ملا وہ کچھ اس طرح کا تھا جیسے کہ خاص طور پر خودکشی کرنے کے لئے ہی بنوایا گیا ہو - کمرہ تنگ تھا - اور وہاں کی فضا بھاری بھاری اور بوجھل سی تھی - میں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور بجلی کے بلب کی مدھم سی روشنی میں اپنا بیان لکھنے بیٹھ گیا - جس کے کچھ حصے دو دن بعد امریکہ کے

اخبارات میں شائع ہونے تھے۔

ذہنی پریشانی کے اِن دِنوں میں اگر کوئی میری اکیلے پن کی حرکات۔ میری بے نیند راتوں۔ واشنگٹن سے میرے چھپ چھپ کر بھاگنے اور نیویارک میں چھپ کر رہنے کی کوششوں کو دیکھتا تو وُہ شائد یہ سمجھتا کہ میں نے کوئی بڑا سنگین جرم کیا ہے اور میں پولیس سے بچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے کسی کو لوٹا ہے۔ نہ کسی کا خون کیا ہے۔ میں نے تو صرف اپنی حکومت کے اقتصادی ایجنٹ کے عہدے، کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن کوئی امریکن یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی ڈکٹیٹری ملک کے باشندے کے لئے یہ سب سے بڑا جرم ہے۔ اُس کے اور کسی جرم کے نتائج اِس سے زیادہ خوفناک نہیں ہو سکتے۔ اُس کا یہ جرم ایک خدائے برتر سے منکر ہونے کے مترادف ہے۔ اِس کا ارتکاب کرنے والا مجرم نہ صرف سرکاری طور پر ایک اچھوت بن جاتا ہے بلکہ اُس کی زندگی بھی صرف چند روز کی مہمان ہوتی ہے۔ وُہ اپنے گھر والوں سے خط و کتابت تک نہیں کر سکتا۔ کسی رُوسی شہری کے لئے اُس سے ملنا یا اُس پر نظرِ کرم ڈالنا سیاسی اور شائد جسمانی خودکشی کے مترادف ہوتا ہے۔

میں نے جو قدم اُٹھایا تھا وُہ کوئی ایسا قدم نہیں تھا جو ایک رُوسی۔ خاص طور پر ایک پُرانا کمیونسٹ اور پھر وہ کمیونسٹ جو نوکرشاہی میں کافی اچھے مقام پر ہو۔ آسانی سے، بلا سوچے سمجھے۔ اور فوری جذبہ کے تحت اُٹھا سکے۔ ایسے اقدام کی بُنیاد کہیں اُس کے دِل کی گہرائیوں میں ہوگی جو آہستہ آہستہ طاقت پکڑتی رہی اور جسے وُہ دبا نہ سکا۔ اسلئے میں نے جو قدم اُٹھایا اُس کی وجوہات بھی کبھی سطح پر نہیں ہو سکتیں۔ اُنہیں بھی گہرائی میں جا کر میری ساری زندگی کی تہ تک پہنچنے کے بعد ہی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

سوموار ۳ اپریل ۱۹۴۴ء کو میں نے کئی نامہ نگاروں کے ساتھ بات چیت

کی۔ اور اُسی دن رات کو دیر گئے خبر "نیویارک ٹائمز" کے پہلے صفحہ پر شائع ہو گئی یہ بات کافی اہمیت رکھتی تھی کہ خبر آج شائع ہوئی۔ اگر میرے فرار کی خبر لوگوں تک پہنچنے سے پہلے میرے رُوسی نگہبانوں کو اس کا پتہ چل جاتا تو یقیناً واشنگٹن میں رُوسی سفارت خانہ وزارتِ خارجہ کو یہ لکھ بھیجتا کہ میں جرمن ایجنٹ ہوں۔ پھر وہ مجھے رُوس بھیجنے کا مطالبہ کرتا جس کا کہ مجھے مسلسل خدشہ تھا۔ لیکن اب جبکہ حقائق امریکی عوام تک پہنچ گئے تھے اور یہ سارا ڈرامہ اُن کی نگاہوں کے سامنے آچکا تھا۔ رُوسی سفارتخانہ۔ فوری طور پر ہی سہی۔ بے بس ہو گیا تھا۔

اخبار "ٹائمز" کی سُرخی تھی "یہاں مقیم ایک رُوسی افسر مستعفی ہو گیا۔" اور خبر میں درج تھا۔ "امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ مل کر کام کرنے کے متعلق ظاہرہ خواہش کے سلسلہ میں رُوس سرکار پر دورنگی خارجہ پالیسی کا الزام لگاتے ہوئے اور رُوس میں لوگوں کو سیاسی اور شہری آزادی نہ دئیے جانے کے لئے سٹالن سرکار کی مذمّت کرتے ہوئے آج واشنگٹن میں رُوسی پرچیزنگ کمیشن کے ایک افسر وکٹر اے کرافشینکو نے اپنے عہدہ سے استعفےٰ دیدیا۔ اور اپنے آپ کو امریکی رائے عامہ کی پناہ میں دینے کا اعلان کر دیا۔

مسٹر کرافشینکو۔ جن کے پاسپورٹ پر "رُوس سرکار کا نمائندہ" کے الفاظ ہیں سُرخ فوج کے ایک کپتان ہیں۔ وہ گذشتہ اگست میں امریکہ آئے تھے۔ اس سے پہلے وہ ماسکو میں بڑے بڑے صنعتی پلانٹوں کے ایک گروپ کے ڈائرکٹر تھے۔ پہلے وہ سوویٹ سوشلسٹ ری پبلک کی سب سے بڑی ریاست سوویٹ آنذدی پیپلز کی سارز کے اسلحہ سیکشن کے چیف رہے ہیں۔ وہ ۱۹۲۹ء سے رُوسی کمیونسٹ پارٹی کے ممبر بھی رہے ہیں۔ اور اُنہوں نے رُوس سرکار میں کئی اہم اقتصادی عہدوں پر کام کیا ہے۔"

اِس کے بعد میرے اُس لمبے بیان کا کچھ حصہ درج تھا۔ جو میں نے اتوار کا سارا دن محنت کر کے تیار کیا تھا۔ یہ بیان خونِ دل سے لکھا گیا تھا لیکن چھاپخانے میں سے گزرنے کے بعد اُس کا وہ رنگ کہاں؟

اپنے بیان میں مَیں نے امریکن عوام۔ گھر میں اپنے ساتھیوں اور واشنگٹن کے کمیشن آفس میں اپنے دوستوں پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ میں نے یہ خوفناک قدم کیوں اُٹھایا۔ یہ بیان لکھتے ہوئے میں بار بار ایک چیز کو لکھتا۔ کاٹ دیتا اور پھر لکھتا۔ پھر بھی مجھے اپنے فقرے بے معنی سے نظر آتے۔ کسی کی تمام زندگی کا نقشہ کھینچنے کے لئے کسی زبان میں تمام الفاظ نہیں ہیں۔ رُوسی حکومت کے ساتھ قطع تعلق کرنے کا میرا فیصلہ۔ جس کا مطلب اِس حکومت اور دوسری تمام پولیس حکومتوں کے خلاف ذاتی اعلانِ جنگ کرنا تھا — اتفاقیہ نہیں تھا۔ گذشتہ زندگی میں مَیں جو کچھ رہا تھا۔ میرے جو خیالات تھے اور مجھے جو تجربے ہوئے تھے اُن سب کا اِس سے تعلق تھا۔

اِس کی وضاحت کرنے کے لئے مجھے انصاف حاصل کرنے کے اُس اُتّساہ کا ذکر کرنا پڑیگا۔ جو دریائے نیپر کے کنارے۔ میرے بچپن میں پیدا ہوا تھا۔ آزادی حاصل کرنے کے اُس جذبے کا ذکر کرنا پڑیگا جو اُس وقت میرے لڑکپن میں بھرا ہوا تھا۔ جبکہ خانہ جنگی یوکرین کے شہروں اور دیہات میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایک کمیونسٹ نوجوان کے جوش کا اور پھر کمیونسٹ پارٹی کا ایک پورا ممبر ہونے کا ذکر کرنا پڑیگا۔ اور ساتھ ہی سال بہ سال منتشر اور ڈگمگاتے ہوئے اعتماد کو مضبوط اُمیدوں کے سہارے کھڑا کرنے کی زبردست کوششوں کا بھی ذکر کرنا پڑیگا۔

باب نمبر ۲

رُوسی بچپن

اینڈری فیوڈورووِچ کرانشینکو کے تینوں بیٹوں میں سے جن میں مَیں کانسٹنٹائن سے چھوٹا اور یوگِن سے بڑا تھا، ۱۹۰۵ء کا انقلاب میرے لئے محض ایک ذاتی تجربے سے زیادہ گہری حقیقت رکھتا ہے۔ اِس میں رومانس کا رنگ ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس کی شکست بھی شاندار تھی۔

دُرست کہ یہ ایک قدرے محدود سا انقلاب تھا۔ جس کے شعلے شہر یکٹیرینوسلاو سے باہر نہ پہنچے۔ اِس کے سلسلہ میں ہونے والی میٹنگوں لڑائیوں اور قتل و غارت جس میں ہمارے باپ نے حصّہ لیا تھا کی نوعیت بھی محدود تھی لیکن اُن بڑے آدمیوں کے نام جنہیں تاریخ میں جگہ پانی تھی رُوس میں سب سے پہلے ۱۹۰۵ء میں ہی سامنے آئے۔ ... اکیلی تاریخ ہماری اِس اندرونی واقفیت کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکتی کہ اس بغاوت کا حقیقی سرغنہ اور ہیرو ہمارا جوان خوبصورت باپ تھا۔ جس کا جسم گٹھا ہُوا۔ اور مضبوط تھا۔ جس کے کالے بال بل کھائے رہتے تھے۔ اور جس کی نیلی آنکھیں چمکا کرتی تھیں۔

اور بلاشبہ ہمارے اس فخر کی تہ میں کچھ حقیقت بھی تھی۔ یہ انقلاب ایک عام ہڑتال سے پیدا ہوا۔ اس کا آغاز ریلوے ملازموں کی ہڑتال تھی۔ جو کہ آخر تک ساری عام ہڑتال کی شہ رگ بنی رہی۔ میرا باپ جو کہ یکٹیرینوسلاو کی ریل روڈ ورکشاپ میں ملازم تھا ہڑتال کمیٹی کا ممبر تھا۔ وہ اس جدوجہد کی انتہائی شدت میں شریک رہا۔ اور ناکامی کے بعد اسے اپنے جوش و خروش کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑی۔ ہم نے چھوٹی عمر میں اس انقلاب کی تفاصیل کو اتنی بار سنا ہے کہ یہ ہماری زندگیوں کا ایک حصہ نظر آتی ہیں۔

۱۹۰۵ء کے انقلابی واقعات جو میں نے اپنے باپ اور اُن کے دوستوں سے سُنے تھے۔ وہ بعد میں ایسے ہی واقعات سے دوچار ہونے کی وجہ سے میرے دل کی گہرائیوں پر نقش ہو چکے ہیں۔ انکی میرے دل پر اتنی زبردست چھاپ ہے کہ اب بھی مجھے اپنے شہر کے مزدور مردوں اور عورتوں کو کچلنے والے قازق گھوڑ سواروں کے گھوڑوں کے کھٹ کھٹ کرتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔

اگر اکتوبر کی اس رات کو میرا باپ پکڑا جاتا تو اسے باغی ہونے کے ناطے ہڑتال کمیٹی کے کچھ اور ممبروں کے ساتھ پھانسی پر چڑھا دیا جاتا۔ وہ فرار ہونے سے پہلے اپنی بیوی اکانسٹینٹین اور بالبو شکا۔ میری نانی جو ہمیشہ ہمارے ساتھ ہی رہتی تھی کو آخری بار مل لینے کی خواہش کو نہ روک سکا تھا۔ آدھی رات کے وقت چھوٹی چھوٹی ویران گلیوں میں سے ہوتا ہوا۔ اور مکانوں کے تاریک سائے میں چھپتا چھپاتا وہ پشکن پراسپیکٹ سے پرے کانسٹنائے سٹریٹ کے مکان نمبر ۹ پر پہنچا جو کہ ہمارا گھر تھا۔ گھر میں تمام بتیاں جل رہی تھیں۔ اور اسے اندر سے کسی کے چلنے پھرنے اور چیزوں کو اِدھر اُدھر کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اُس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس بارے میں اب اُسے کوئی شک نہیں رہ گیا تھا۔ کہ پولیس مکان کی تلاشی لے رہی ہے۔ وہ ایک کھڑکی پر چڑھ گیا۔ نہایت احتیاط سے اُچک کر کھڑکی کے راستے اندر گھس گیا۔ تب اُسے احساس ہوا کہ وہ غلطی پر ہے۔ آہستہ سے اس نے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میری نانی نے دروازہ

کھولا۔ اور ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے اُسے خاموش رہنے کی تلقین کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "تانیا سو رہی ہے" اور پھر مسکراتے ہوئے وہ بولی "ہاں۔ ایک اور لڑکا.....

اُس رات کو مَیں پیدا ہُوا تھا۔ چلتی ہُوئی گولیوں کی سائیں سائیں۔ خون سے رنگی ہوئی تلواروں ناکہ بندیوں اور نچلے طبقہ کی آبادیوں سے اُٹھنے والی چیخ و پکار کے پس منظر کے ساتھ یہ رات موت کی سی رات تھی۔

اُسی وقت میں اس زور سے چیخنے لگا کہ میری ماں جاگ اُٹھی۔ میرے پاپا نے مسکراتے ہُوئے اُس سے کہا "دیکھو۔ یہ باغی رو رہا ہے۔" اِس کے بعد جب بھی کبھی اُنہوں نے مجھے پیار کیا مخاطب کیا تو "باغی" ہی کہا۔ جب میں جوان ہو کر کامیاب انقلاب کو مکمل کرنے کے کام میں مصروف تھا۔ تب بھی وہ مجھے خاص انداز میں اِسی نام سے پکارتے جس کا مجھ پر اُس سے بہت زیادہ اثر ہوتا جتنا کہ وہ سمجھتے تھے۔

اپنی زندگی کے پہلے ۹ سالوں میں ... پاپا ... میرے لئے ایک اچھے اجنبی سے زیادہ کچھ نہیں تھے۔ اُنہیں آزادی کے ساتھ گھر میں آنے اور ہمارے ساتھ ملنے کا کبھی اِتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ مَیں اور وُہ اُس طرح ایکدوسرے سے واقف اور نزدیک ہوتے جسطرح کہ ہماری گلی کے دوسرے بچے اور اُن کے باپ تھے۔ جن دِنوں میں وُہ مفرور ہوتے اُن دِنوں میں اُن کا چھپ چھپا کر گھر آنا بہت زیادہ انتظار کا حامل ہوتا۔ ہم ایسے موقعوں کا منتظر رہتا۔ جیسے یہ گردشِ ایام کا ایک حصّہ ہوں۔ جیسے کوئی ایسٹر یا کرسمس کا انتظار کرتا ہے۔

کانسٹنٹائن جو مجھ سے ۱½ سال بڑا تھا۔ اِس بارے میں مجھے تمام اطلاعات بہم پہنچاتا وہ کہتا "بٹیا۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پاپا کوئی لٹیرا یا قاتل نہیں ہیں۔ وُہ ایک سیاسی ملزم ہیں" اور مَیں اُسکی بات کو سمجھے بغیر کہہ دیتا "ہاں کوٹیا"۔

کرسمس کی ایک رات جو میری زندگی کی تیسری کرسمس تھی۔ اب تک مجھے پوری طرح یاد ہے وہ رات میری زندگی کے البم کا ایک ایسا ورق ہے جسے مَیں کبھی کبھی پُر لطف افسوس کے ساتھ

کھول کر دیکھا کرتا ہوں۔

اُس رات کو بابوشکا نے ہمیں گہری نیند سے جگایا۔ میرے کھلونے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔ بابوشکا نے اُوندھے ہوئے گلے سے کہا، "اُٹھو بچو۔ اپنے غریب باپ کو الوداع کہدو۔"

کرسمس کے درخت پر موم بتیاں ابھی تک جل رہی تھیں۔ لیکن ماں ایک سوٹ کیس بند کرتی ہوئی چپکے چپکے رو رہی تھیں۔ بابوشکا ہمیں کونے میں کرسمس کے سلسلہ میں جلتے والے لیمپوں کے پاس لے گئیں۔ اور ہم گھٹنوں کے بل اُس کے سامنے جھک گئے۔ بابوشکا نے مُنہ میں ہی دُعا کرتے ہوئے اپنا ماتھا فرش پر رکھ دیا۔ ایک آدمی نے جس کے متعلق میں صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ میرا باپ ہے۔ مجھے اُٹھایا اور چھاتی کے ساتھ بھینچ کر میرے کئی بوسے لئے۔ لیکن آج وہ آدمی مجھے عجیب سا لگ رہا تھا۔ مونچھیں اور داڑھی کٹی ہوئی ہونے کی وجہ سے مجھے اُس کا چہرہ ننگا ننگا سا دکھائی دیتا تھا۔

دروازے پر ایک لمبی داڑھی والا پولیس افسر جس کی وردی پر کئی بل پڑے ہوئے تھے کھڑا بے حیائی سے چلا رہا تھا۔ میرے والد کو اس طرح مجھ سے پیار کرتا ہوا دیکھ کر وہ بڑے بڑے آنسو اُس کی آنکھوں سے نکل کر اُبھری ہوئی مونچھوں میں جذب ہو گئے۔ مجھے اس ساری واردات میں سے یہ واقعہ باقی سب حصّوں سے زیادہ اچھی طرح یاد ہے۔

بعد میں مجھے یہ پتہ چلا کہ پاپا ۔۔۔۔ جو کہ اُن دنوں مفرور تھے۔ کرسمس کے موقع پر اپنے گھر آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُدھر پولیس کو اپنے تجربہ کی بنا پر یہ علم تھا کہ مفرور آدمی بعض اوقات گرفتاری کا خطرہ مول لے کر بھی اہم تیوہاروں پر اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اسلئے پولیس نے اُس دن ہمارے گھر پر چھاپہ مارا ۔۔۔۔۔ پاپا وہاں آئے ہوئے تھے۔ پولیس نے اُنہیں اپنا سامان باندھنے کے لئے ایک گھنٹہ کی مہلت دے دی۔ اور خود مکان کی تلاشی لیتی رہی۔

میں اُس وقت بہت چھوٹا تھا۔ اسلئے مجھے اس بات پر کوئی حیرانی نہیں ہوتی تھی کہ ہمارے کنبے کا گذارہ کس طرح سے چل رہا ہے جبکہ ہمارے گھر میں کما کر لانے والا ہمارا باپ جیل میں بیٹھا

ہے۔ اُس وقت تک ایوگن کا جنم بھی ہو چکا ہوتا۔ پاپا ..... کے ساتھیوں نے ہماری کچھ مدد کی۔ کبھی کبھی ریلوے ورکشاپ میں کام کرنے والے کچھ آدمی بھی تحفے دے جاتے تھے۔ اور کبھی کبھی مرغابیاں، چوزے، پھل اور سبزیاں الیگزینڈروفسک سے بھی آجاتی تھیں، جہاں کہ میرے دادا رہتے تھے۔ مجھے اس بات پر بھی کوئی حیرانی نہیں تھی کہ ماما ہر وقت دوسرے لوگوں کے کپڑے سینے میں مصروف رہتی تھی اور جب کبھی ہمارے اپنے کپڑے پھٹ جاتے تو انہیں مرمت کرنے کی بجائے بھی دوسروں کے کام میں لگی رہتی۔

ایک رات مجھے بالکل نیند نہ آئی میں اُس وقت چھ سال کا تھا۔ میں اُٹھکر مجرموں کی طرح آہستہ آہستہ پاؤں دھرتا ہوا دروازہ کے پاس گیا۔ احتیاط کے ساتھ دروازہ کھولا اور باہر کی طرف دیکھا۔ میری ماں مٹی کے دیئے کی روشنی میں سر جھکائے کوئی کپڑا سی رہی تھی۔ اتنے سالوں کے بعد اب کبھی جب کبھی میں اپنی ماں کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے اُس کی وہ شکل نظر آتی ہے جو کہ میں نے اُس دن دیکھی تھی۔ روشنی کی وجہ سے اُس کے بال چمک رہے تھے لیکن چہرہ اُداس تھا۔ اُس نے دھاگا توڑ دیا۔ اور کام کو ایک طرف رکھ کر مجھے گود میں اُٹھالیا۔ اُس نے کہا۔ "تم بڑے اچھے اور چالاک لڑکے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اب نہیں تو بڑے ہوکر تم ضرور سمجھ جاؤگے.....!!

"اتنے آدمیوں کا پیٹ بھرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اسلئے اگر مجھے اتنی دیر تک کام کرنا پڑتا ہے۔ تو کوئی بات نہیں۔ اور پھر تمہارے باپ کو بھی تو کپڑے بھیجنے ہیں۔"

"وِتیا جب تم الیگزینڈروفسک میں اپنے دادا فیوڈور پنیٹیلی وچ کے پاس چلے جاؤگے تو میرا کام کچھ آسان ہو جائیگا۔ وہ تمہاری دادی اور بوآ شُورا تمہیں بہت پیار کرتی ہیں تم وہاں جاکر سکول جانا شروع کردوگے۔ اور ہم تمہیں دیکھنے کے لئے اکثر وہاں آیا کریں گے۔ تمہاری بوآ شورا تمہیں لینے کل یہاں آرہی ہے۔ جاؤ میرے بیٹے۔ اب سو جاؤ۔"

اُس نے مجھے جلدی سے گود میں سے نکال دیا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔

(۲)

الیگزینڈر رونسک جسے انقلاب کے بعد زیپرونزے کا نام دیدیا گیا تھا۔ ایک صاف اور پُرامن صوبائی شہر تھا۔ یہاں کی زندگی پُرسکون تھی۔ اور یہ شہر چوڑے اور گہرے نیپر اور باہر کی گھنی جنگلاتی بستیوں کے درمیان واقع تھا۔ اگرچہ یہاں اینٹوں اور ٹائلوں کے بنے ہوئے کچھ مکان تھے اور کہیں کہیں میٹل پلانٹ اور دیگر ابتدائی صنعتیں ملتی تھیں پھر بھی یہاں کی زندگی کا زیادہ تر انحصار زراعت پر ہی تھا۔ یہاں کے اکثر مکانوں کے آگے پھولوں وغیرہ کے گملے رکھ کر باغیچے بنائے گئے تھے لیکن کچھ مکانوں کے آگے۔ باقاعدہ زمین پر اُگے ہوئے باغ بھی تھے۔

میرے دادا فیوڈور پینٹیلی وچ۔ دادی نتالیا میکسیونا اور اُن کے بڑھاپے کی اولاد میری بوا شورا پر مشتمل کراف شینکو خاندان سادگی سے لیکن خوشحالی سے ایک معقول پنشن اور اپنے ۳ چھوٹے مکانوں کے کرایہ کی آمدنی پر گذر اوقات کر رہا تھا۔

ہمارے باغیچے اور اُس کے ساتھ والے باغ میں۔ تازہ اور خشک سبزیاں پائی جاتی تھیں بارہ ماسال وہاں پھل پھول لگے رہتے تھے۔ مربّے وغیرہ ڈالنے کا موسم مجھے ہمیشہ یاد رہیگا۔ بوا کو ان کا بہت شوق تھا۔ اور وہ اس کام میں بہت فخر محسوس کرتی تھیں اس موسم میں گھر کے تانبے کے برتن پھلوں کے رس سے لبالب بھرے ہوتے۔ کھانڈ کی چاشنی بناتے وقت سارے مکان میں اس کی خوشبو پھیل جاتی۔

جب میں اپنے دادا فیوڈور پینٹیلی وچ کے پاس رہنے کے لئے آیا تھا تو اُن کی عمر تقریباً ۸۰ سال کی تھی۔ اُن کا قد درمیانہ تھا۔ کندھے چوڑے اور مضبوط تھے۔ چہرے پر سے خود اعتمادی ٹپکتی تھی۔ سفید داڑھی میں کوئی بل نہیں تھا۔ اور اُن کی شخصیت قابلِ احترام تھی۔

٭ ۱۸۷۸ء کی روس اور ترکی کی جنگ میں جنرل سکوب سیف کے زیر کمان لڑتے رہے تھے۔

اور کئی سالوں کے بعد بطور نان کمیشنڈ افسر ریٹائر ہو گئے تھے۔ میری دادی ایکیمو نیا اپنے خاوند سے عمر میں ۱۲ سال چھوٹی تھیں۔ وہ صاف ستھری رہتیں۔ طبیعت اُن کی نیک تھی۔ اور پُر مزاح بھی۔ جس سے کئی بار دادا پریشان ہو کر رہ جاتے۔ اُن کی صاف شفاف آنکھوں میں ایک گہری چمک تھی۔ دادا اور باقی سب لوگوں کے ساتھ اُن کا سلوک ایسا تھا۔ جیسے سب ہی بچے ہوں۔ جن کا مذاق اُڑاتے رہنا چاہیئے۔

سردیوں میں شام کے وقت جب چولھے میں جلنے والی لکڑیاں تڑ تڑ کی آواز پیدا کرتیں۔ اور جب اُن سے نکلنے والے شعلے عجیب و غریب سی شکلیں بنا کر اُٹھتے تو دادا ہمیں ترکوں اور کُردوں کی کہانیاں اور اُن کی لڑائی و اچانک حملوں کی داستانیں سنایا کرتے۔ اور اگر اُن کے کوئی پرانے دوست پاس موجود ہوتے تو وہ اُن دلیرانہ کارناموں کا ذکر بھی کرتے جو کہ انھوں نے خود سینٹ پیٹر برگ سے پرلی طرف دیکھے تھے۔ اور جو انہیں اب تک یاد تھے۔ جوں جوں دادا ہمیں اِن کے متعلق کچھ بتلاتے ہمارے لئے اِن کی اہمیت بڑھتی جاتی۔

اتوار یا کبھی اور چھٹی کے دِن پر دادا اپنی وردی پہنتے جس کا رنگ کہ نیلا چمکدار تھا اِس پر پیتل کے بٹن اور بھی چمکتے ہوئے سے دِکھائی دیتے۔ اُس وردی پر جگہ جگہ سفید ٹرمنگ لگی ہوئی تھی اور نیچے لمبے بُوٹ تھے۔ دادا ان بُوٹوں پر پالش کر کے اُنہیں شیشے کی طرح چمکا لیتے۔ میڈل اور کراس اپنی چھاتی پر سجاتے اور اُن پر اپنی داڑھی پھیلا دیتے۔ اِس طرح سج دھج کر وہ میرا ننھا سا ہاتھ اپنے بڑے اور مضبوط ہاتھ میں تھام لیتے اور چرچ کے لئے روانہ ہو جاتے۔ اُس وقت سارے الیگزینڈرو فسک شہر میں مجھے اپنے سے زیادہ خوش نصیب لڑکا کوئی بچہ نظر نہیں آتا تھا۔

دادا کو بھی اپنے پوتے پر کوئی کم فخر نہیں تھا۔ اگرچہ اُن کے فوجی طور و اطوار انہیں جذبات میں نہیں آنے دیتے تھے وہ مجھے دیکھنے کے بعد کبھی کبھی صرف اتنا کہتے "اینڈری کا لڑکا"

یہ اب کوئی راز کی بات نہیں کہ اُن کا پہلا لڑکا اینڈری زیرِ حراست تھا۔ جیل کا پرندہ بن چکا تھا۔ لیکن ہمسائے دادا کے سامنے اس بات کا کبھی ذکر نہ کرتے۔ دادا اینڈری سے پیار کرتے۔ اُن کی تعریف بھی کرتے تھے۔ لیکن اُن کے دِل اور دماغ سے زار کے خلاف جذبہ کو نکالنے میں ناکام رہے تھے اور اُنہیں "کفر" کا پرچار کرنے سے نہ روک سکے تھے۔ وہ کہتے "میں زندگی بھر ایک سپاہی رہا ہُوں۔ اور اِسی طرح میں اپنی زندگی کاٹ دُونگا۔ میں کام کرتا ہُوں۔ اور خدا کی پرستش کرتا ہُوں۔ مجھے اُس کے خلاف کوئی شکایات نہیں ہیں۔ لیکن اینڈری کیا چاہتا ہے؟ اگر مَیں یہ جان لُوں تو مَیں بھی قابلِ مذمت ہو جاؤں گا۔"

نادی اور سفُورا یہ جانتی تھیں کہ اس قسم کی باتوں سے میرے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی۔ اسلئے ایسے موقعوں پر وہ اُنہیں چُپ کرانے کی کوشش کرتیں۔

دادا کو مچھلیاں پکڑنے کا بڑا شوق تھا۔ اِسلئے دریائے نیپر اُن کے لئے دوسرے گھر کے مترادف تھا۔ جب ہماری چھوٹی سی کشتی دریا کی ہموار سطح پر تیرتی اور ہم کسی مچھلی کے جال میں پھنسنے کا انتظار کر رہے ہوتے تو دادا مجھے پھر میری دِل پسند کہانیاں سُناتے جن میں ہزاروں ترک مارے جاتے تھے۔ اور رُوسی۔ خاص طور پر یوکرین کے باشندے اور قازق ہمیشہ مالِ غنیمت حاصل کرتے اور عزت پاتے تھے۔

جب سُورج کچھ اور اُونچا اُٹھتا تو ہم کشتی کو کنارے پر کسی درخت کے ساتھ باندھ دیتے اور کپڑے اُتار کر تیرنے لگتے۔ ہنستے کھیلتے ہُوئے ہم پانی میں اُچھل پھاند مچاتے ایک دُوسرے پر پانی پھینکتے اور یہ بھول جاتے کہ ہم دونوں کے درمیان تین چوتھائی صدی کا فرق ہے۔

الیگزینڈر رونسک میں ہمارا کرافشینکو کنبہ دادا کی "نیم فوجی حکومت" کے ماتحت رہ رہا تھا۔ جس میں یوآ کی "سوئیلین نرمی" شامل تھی۔ اُس کے خاوند کے لئے چرچ میں دِیا جلانا۔ اور بھکاریوں کو روٹی دینا ایک فرض تھا۔ ہم رات کو جلد سو جاتے اور

صبح سورج کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ باغ باغیچے میں کام کرتے مویشیوں کا گوبر اُٹھانے۔ دودھ دوہنے اور بلونے کا کام ہوتا۔ مجھے ڈسپلن کے طور پر اپنے حصے کا کام ناشتے سے پہلے کرنا ہوتا تھا۔ کیونکہ میں اپنی پڑھائی پر چاہے جتنی بھی محنت کر لوں دادا اُسے کوئی کام نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے مجھے ایک انسان اور ایک سپاہی کی طرح ہر موسم میں کھلی ہوا کے اندر برف جیسے ٹھنڈے پانی کے ساتھ نہانا سکھایا اُنہوں نے مجھے ہائے ہائے کئے بغیر تکلیف کو برداشت کرنا سکھایا اور میرے جسم کو اتنا سخت بنا دیا کہ مجھ پر سردی گرمی کوئی اثر نہ رکھے۔

پبلک سکول میں کئی بچوں کے ساتھ میری دوستی ہو گئی اور حیرانی تو یہ ہے کہ وہ ہمارے بڑے ہونے تک جاری رہی۔ سکول میں کافی وقت لگتا ہے۔ اور گھر پر بھی کئی کام کرنے والے ہوتے تھے سستی اور غفلت کے لئے مار پیٹ ایک نارمل چیز تھی۔ اور اسے ایک لڑکے کی تعلیم کے دوران میں ضروری سمجھا جاتا تھا۔

عام طور پر معزز خاندانوں کے لڑکوں کا گپسی قبیلہ کے بچوں کے ساتھ میل جول ممنوع تھا۔ لیکن میں اکثر اس پابندی کی پروا نہیں کیا کرتا تھا۔ میں نے ایک گپسی لڑکے سیڈیمین سے دوستی پیدا کر لی۔ ہماری دوستی نے ایسا رنگ اختیار کیا۔ جیسے کہ میں اُنکے قبیلے کا ایک ممبر ہوں۔ ایک دن میں اور سیڈیمین دریائے نیپئر کے منجمد پانی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک میرے نیچے سے برف نکل گئی۔ سیڈیمین اُسی وقت برفیلے پانیوں میں کود گیا اور اُس نے مجھے بچا لیا۔ اس سے ہماری دوستی اور بھی پکی ہو گئی۔

جب پہلی بڑی جنگ شروع ہوئی تو میں ۹ ویں سال میں تھا۔ زندگی ایک دم اشتعال اور جذبات سے لبریز ہو اُٹھی۔ ہر طرف فوجوں کے مارچ شروع تھے۔ تقریریں ہو رہی تھیں۔ آنسو تھے۔ قومی شان و شوکت تھی۔ اور میں محسوس کر رہا تھا کہ زندگی ایک مستقل تہوار میں منتقل ہو گئی ہے۔ ہمارے ٹیچر ہمیں پڑھانا بھول کر حب الوطنی کا جذبہ ہم لوگوں

اندر پیدا کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ جب کسی کا بیٹا یا کسی کا خاوند لڑائی کو جاتا تو عورتیں روتی اور پیٹتی تھیں۔

بابوشکا بھی اُن کے ساتھ ہمدردی کے طور پر روتی۔ لیکن دادا میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ زیادہ سختی سے۔ زیادہ سپاہیانہ ڈھنگ سے اپنے گھر والوں پر حکم چلاتے۔ اب وہ اپنی نیلی اور سفید وردی تقریباً ہر روز پہنتے۔ ایک ہفتہ تک بھی جب جنگ کا کوئی مظاہرہ نہ ہوا تو وہ سمجھنے لگے کہ یہ ایک ہفتہ ضائع ہو گیا ہے۔ افسوس کے ساتھ اُنہوں نے کہا "اوہ۔ اگر کہیں اکیلے جنرل سکوب لیف ہی آج زندہ ہوتے تو جرمنوں کو سبق سکھا دیتے۔ اُن کے سامنے تو ترک بھی ٹھہر نہیں سکے تھے۔"

اگست ۱۹۱۴ء میں ایک دن جب میں اور دادا دریا سے مچھلی کا شکار کھیلنے کے بعد واپس آ چکے تھے۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ بوآ دروازہ کھولنے گئی اور دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی ہمیں اُس کے خوشی میں چلّانے کی آواز سنائی دی۔

"اندروشا! دیکھو کون آیا ہے۔ بچو! دیکھو خود اندروشا آیا ہے۔"

یقیناً یہ میرے بابا تھے۔ اُنہوں نے اچھے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اور جب اُنہوں نے سر سے کالی ٹوپی اُتاری تو میں نے دیکھا کہ اُن کے بالوں میں سیدھے پیچھے کی طرف ایک نئے ڈھنگ سے کنگھی کی ہوئی ہے۔ اُن کی داڑھی بھی کچھ اس ڈھنگ سے صاف اور سیدھی کی ہوئی ہے کہ وہ ایک مزدور کی نہیں بلکہ کسی ڈاکٹر کی داڑھی معلوم ہوتی تھی۔ داڑھی اُن کے بالوں سے کچھ زیادہ چمکدار تھی۔ وہ مجھے پہلے سے کچھ دُبلے اور کچھ کمزور دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اُن کی آنکھوں میں والد کی شفقت پہلے سے زیادہ نظر آتی تھی۔ مجھے اُن کے آنے سے بہت خوشی ہوئی۔

زار نے کچھ اقسام کے سیاسی قیدیوں کے لئے معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ اور خوش قسمتی سے میرے پاپا بھی اُن اقسام میں شمار ہونے کی وجہ سے رہا کر دیئے گئے۔ اب وہ یہاں اپنے

والدین کو اور مجھے دیکھنے آئے تھے۔ میرے دادا کو اُن کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی۔ ہونی بھی چاہیئے تھی۔ لیکن صبح کے کھانے پر بیٹھنے تک اپنے بیٹے کے خلاف جو کہ زمانے کے خلاف گڑبڑ پیدا کرتا تھا اُن کی ناراضگی پھر سے عود کر آئی۔ کھانے پر بیٹھتے ہی اُنہوں نے پُوچھا

" اینڈری۔ مجھے بتاؤ تو سہی۔ یہ سب کیا بیہودگی ہے؟ تم ایک مجرم کی طرح جیل کیوں جاتے ہو؟ تم چاہتے کیا ہو؟ کیا تمہیں اپنے بیوی بچوں کے تئیں اپنے فرائض کا کوئی احساس نہیں؟"

پاپا..... خاموشی سے سُنتے رہے۔ اُن کے چہرے پر اُتار چڑھاؤ جاری تھا۔ لیکن آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اُس وقت اُنہوں نے جو الفاظ کہے وہ میری یادداشت کی گہرائیوں میں اُتر چکے ہیں۔ اور اُس سے بھی زیادہ وہ سدقدلی جس سے کہ اُنہوں نے یہ سب کچھ کہا تھا۔ وہ بولے۔

" پاپا۔ میں جو کچھ چاہتا ہوں۔ تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ تم وہ سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ میں تمہاری رائے کی بہت قدر کرتا ہوں پاپا۔ میں چاہتا ہوں کہ سب لوگ آزاد اور خوش ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ سب لوگ انسانوں کی طرح زندہ رہیں۔ میں سیاسی مطلق العنانی اور اقتصادی غلامی کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھ پر یقین کرو پاپا۔ مجھے دُکھ ہے کہ میرے عزیز رشتہ داروں کو مصیبت اُٹھانی پڑے گی۔ لیکن ایک نسل کی قربانی سے آنے والی کئی نسلیں خوشحال اور مہذب بنیں گی۔

مجھے سمجھنے کی کوشش کرو پاپا۔ تم میں کسی بات کو ماننے کی حِس ہے۔ تم اپنے بزرگوں اور شہیدوں کے مقبروں پہ دیا جلاتے ہو۔ کیا اُنہوں نے بدی پر نیکی اور گناہ پر ثواب کو ترجیح دینے کی راہ میں اپنے بیوی بچوں کو رکاوٹ بننے دیا تھا؟ آج ہمارا پیارا رُوس ایک تاریک خطّہ ہے۔ جہاں لوگوں کی لُوٹ کھسوٹ جاری ہے۔ لوگ لاعلمی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم اِسے ایسا ملک بنا سکتے ہیں جہاں تاریکی نہ ہو۔ جہاں کوئی آقا نہ ہو اور جہاں کوئی

غلام نہ ہو۔"

پاپا۔۔۔ دادا سے مخاطب تھے۔ لیکن مجھے احساس ہوا کہ انہوں نے یہ الفاظ مجھے کہے ہیں۔ ان الفاظ نے میرے اندر ایسی سنسناہٹ پیدا کر دی جیسی کہ پادری کی آواز ایک ہجوم میں پیدا کر دیتی ہے۔

آخر میں میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انھوں نے کہا۔ "جہاں تک میرے بچوں کا تعلق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم نے جو خون بہایا ہے اس کے طفیل صرف میرے بچے ہی نہیں بلکہ سب بچے خوشحالی کی زندگی بسر کریں۔"

اس رات کو چارپائی پر پڑے پڑے سونے سے پہلے بہت دیر تک یہ الفاظ میرے ذہن میں گونجتے رہے۔ میری طرف دیکھ کر انہوں نے کہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم ان باتوں کو زندگی بھر یاد رکھو۔ کبھی اس بات کو مت بھولنا کہ تم کون ہو۔ ہمیشہ جنگ آزادی میں اپنا پارٹ ادا کرنا۔ آزادی کے بغیر زندگی کوئی معنے نہیں رکھتی۔ مجھے چاہے کچھ ہو جائے۔ تم تمام ذرائع سے اپنی تعلیم اپنا کام اور لڑائی جاری رکھنا۔ اگر ہم جانور نہیں انسان ہیں تو ہمیں غلام بن کر نہیں رہنا چاہیئے۔ اگر میں اور میرے ساتھی مارے جائیں تو ہمارے بچے ہمارا کام جاری رکھیں گے۔"

اس کے بعد کچھ مہینے مجھے معمول سے زیادہ لمبے محسوس ہونے لگے۔ میں اپنے والدین اور بھائیوں سے ملنے کے لئے بیتاب تھا۔ ماما مجھے پیار بھرے خطوط لکھا کرتی تھی۔ اب جبکہ پاپا پھر سے کام کرنے لگے تھے وہ سلائی کا کام نہیں کرتی تھیں۔ اپنے خطوط میں انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ اب ہر چیز اتنی بدل چکی ہے کہ میں اپنے گھر کو مشکل سے پہچان سکوں گا۔

چھٹیاں آئیں تو والدین کے پاس جانے کا اشتیاق اپنی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔ اُدھر جب میں پکٹیر نیو سلاو میں پہنچا تو گھر کے سب لوگ میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھ

پر بوسوں اور خوشی کے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی۔ گھر پہنچتے پہنچتے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اجنبی پن ختم ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ ہم سب ہر چیز کے متعلق ایک ساتھ بولنے لگے۔ ماما میری طرف ہی دیکھ رہی تھیں۔

"تم کتنے اچھے لگتے ہو بیٹا۔ تم تو سچ مچ ایک چھوٹے سے صحتمند آدمی بن گئے ہو"
وہ بار بار کہتی رہیں۔

میں الیگزینڈروفسک واپس آکر مزید ۱½ برس وہاں رہا۔ ۱۹۱۲ء کے آخر میں پڑھائی کا یہ سال اور ساتھ ہی میری ابتدائی تعلیم بھی ختم ہو گئی۔

ڈگری لینے کی رسم واقعی میرے لئے ایک یادگار ہے۔ اگرچہ تقریب اور وہاں ہونے والی تقریریں خشک سی تھیں۔ اس دن صبح میں نے پہلی بار بال کٹوائے۔ کالے بالوں کی لمبی لمبی جٹاؤں پر حجام نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اور میں نے سر پہ ایک ٹوپی پہنی جس کی خوبصورتی کو میری بائیں آنکھ پر جھکا ہوا "بلا" دوبالا کر رہا تھا۔ یہ میرے نئے دور کی نشانی تھی۔ اس وقت جلد دادا نے مجھے طالب علم کی پوشاک عطا کی جس میں پتلون بھی شامل تھی۔ وہ خواب پورا ہوا جو میں عرصہ سے دیکھ رہا تھا۔ ۱۱ برس کا ہو کر سب کی نگاہوں کا مرکز بننا بھی کتنا اچھا ہے۔

دوسرے دن صبح میں اپنے شہر کو لوٹ آیا اور کچھ مہینے بعد جمنیزیم یا بڑے سکول میں داخل ہو گیا۔ پہلی بار ہمارا سارا کنبہ اکٹھا ہوا تھا۔ ایوگن ابتدائی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اور کانسٹنٹائن بڑے سکول کے دوسرے سال میں تھا۔ پاپا ان دنوں ۸۰ سے ۱۲۰ روبل تک ماہوار کما لیتے تھے۔ جو کہ ایک مزدور کیلئے جس کے دو لڑکے اعلےٰ تعلیم حاصل کر رہے ہوں ایک کافی رقم ہے۔ زندگی اب نارمل اور معمول کے مطابق نظر آتی تھی۔

ماما خوش تھیں اور اتنی خوبصورت نظر آتی تھیں جتنا کہ میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن پاپا کے دل میں کچھ درد تھا۔ اور وہ اوپر سے چاہے پرسکون

تھے۔ لیکن اُن کے دل میں شانتی نہیں تھی۔ رُوس کی فضاؤں پر جو طوفانی بادل چھا رہے تھے۔ ہم سب کی نسبت اُنہیں اِن کا زیادہ احساس تھا۔

باب نمبر ۳

اِنقلاب اَور بھُوک

۱۹۱۶ء کی سردیوں میں زار شاہی تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ چاروں طرف پھیلی ہوئی دُھند کی طرح آنے والی قیامت کا احساس ہماری زندگی پر چھا چکا تھا۔ لڑائی بڑی شدّت سے جاری تھی۔ اور اس کے متعلق کانا پھوسیاں زیادہ تیزی سے اور زیادہ گرمجوشی سے ہو رہی تھیں۔ یہ اَب کوئی راز نہیں تھا۔ کہ سپاہیوں کے گروہوں کے گروہ میدانِ جنگ سے فرار ہو رہے ہیں اور ڈِسپلن ٹوٹ رہا ہے پیٹرز برگ میں بھی طرح طرح کی حوصلہ شکن افواہیں پھیل رہی تھیں۔ کوئی رسپوتن نام کے گناہگار پادری کے متعلق تھی۔ کوئی اناج کے لئے فسادات کے متعلق اور کوئی زار شاہی کے گرد جرمن نواز عناصر کے اجتماع کے متعلق تھی۔

فیکٹری میں سارا دن کام کرنے کے بعد پاپا کے پاس نہانے کھانا کھانے اور آرام کرنے کے لئے بہت کم وقت بچتا۔ اُن دنوں جگہ جگہ میٹنگیں ہو رہی تھیں۔ بحث مباحثے

ہو رہے تھے اور پیٹروگراڈ یا کیئف سے آنے والے ایجنٹ طرح طرح کی خبریں لا رہے تھے۔ اب ہمارا گھر سائبیریا یا دُور شمال کے خطّوں سے جہاں لوگوں کو جلاوطن کر کے بھیجا جاتا تھا۔ آنے والے مفروروں کے لئے راستے کی ایک سرائے بنا ہوا تھا۔

اتنا معروف ہونے کے باوجود پاپا کئی شامیں اور کبھی کبھی اتوار کا دن اپنے ۲ بیٹوں کے ساتھ گزارنے کے لئے نکال لیتے۔ ہم تینوں ہرزن۔ ٹالسٹائی اور دُوسروں کی کتابیں پڑھ کر اُنہیں سُناتے۔ پاپا رُوس کی نجات اور بنی نوع انسان کی آزادی کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار کے لئے اُن کتابوں میں سے ایک پیرا منتخب کر لیتے اور پھر تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات کی وضاحت کرتے۔ اُن کا یہ کٹّر اور شاید غیر حقیقی آدرش واد مجھ پر بہت گہرا اثر ڈالتا۔ یہ آدرش واد مذہبی جذبات کی فضاؤں میں پرواز کرنے والا تھا۔

فروری سنہ ۱۹۱۷ء کے آخری ہفتے اور مغربی کیلنڈر کے مطابق مارچ کے شروع میں طوفانی بادل برسنے لگے۔ جن لوگوں کو پہلے سے ہی ان کے برسنے کی توقع تھی وہ بھی حیران رہ گئے۔ انقلاب ---- اس لفظ سے لوگ واقف تھے۔ لیکن یہ اب تک نیم خلاف قانون تھا ---- اب اچانک شارعِ عام پر آگیا۔ یہ ایک حیران کُن اور خوفناک حقیقت تھی۔

اب تک کی زندگی کا جوڑ جوڑ ٹوٹ رہا تھا۔ سکولوں فیکٹریوں اور پبلک اداروں کے پہلے معنے تبدیل ہو گئے تھے۔ ہمارے شہر کے لوگ برف سے ڈھکی ہُوئی گلیوں میں جمع ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھر۔ دفاتر اور ورکشاپ سب اُلٹ کر باہر آگئے ہیں۔ اور اُن کے اندر جتنے انسان بھرے ہوئے تھے۔ اُن سب کو چوکوں اور میدانوں میں لاکر پھینک دیا گیا ہے۔ مظاہرے۔ جھنڈے۔ جشن۔ بڑھتا ہوا غصہ۔ کبھی کبھی گولی چلنے کی آوازیں۔ اور ان سے اُوپر۔ ان سب پر چھائی ہُوئی۔ اِن سب

کو اپنے اندر چھپائے ہوئے وہ باتیں تھیں جو گلی گلی اور کوچے کوچے میں ہو رہی تھیں صدیوں سے دبے ہوئے الفاظ تقریروں کی شکل میں پھوٹ پڑے۔ احمقانہ اور بہکی ہوئی تقریریں۔ سخت اور انتقام کے جذبہ سے پُر تقریریں جگہ جگہ شروع ہو گئیں۔

بڑے بڑے چوکوں میں سٹیجیں بن گئیں۔ مقررین جلوس کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے سٹیج پر آنے لگے۔ اب تک جو لوگ کانا پھوسیاں کیا کرتے تھے۔ اب جوش پھیلانے اپنے خیالات کا پرچار کرنے اور لمبی لمبی تقریریں کرنے کی ضرورت کو محسوس کرنے لگے گھنی ہوئی داڑھیوں والے پڑھے لکھے لوگوں نے سپاہیوں اور مزدوروں کو راستہ دیا۔ ہجوم نے نعرے لگائے۔ "ڈلوئی وان" زار مردہ باد ــ زار کو نکال دو۔۔۔۔

ایک دن مظاہرہ تھا۔ گھروں میں بنے ہوئے جھنڈوں اور ماٹوز کے سایہ تلے پاپا نے ایک پلیٹ فارم سے تقریر کی۔ ایسا لگتا تھا کہ جلسہ میں موجود سب لوگ اُن کا نام جانتے ہیں۔ تقریر شروع کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔

"دوستو اور بھائیو! مزدورو۔ کسانو دانشورو اور سپاہیو!"

میں اُنہیں پہلی بار پبلک طور پر تقریر کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ میری خوشی قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ پاپا کی آواز میں گونج تھی۔ اور اُس وقت اُن کا چہرہ بالکل بدلا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے آنکھیں مل مل کر دیکھا کہ کیا سچ مچ یہی میرے پاپا ہیں۔

جب وہ تقریر کر کے سٹیج سے اُترے اور بینڈ بجنے لگا تو میں بھاگتا ہوا دھکّے سے اپنا راستہ بناتا ہوا اور اُن کے گرد جمع اُن کے دوستوں کے درمیان میں سے ہوتا ہوا اُن کے پاس پہنچا اور کہا "پاپا۔ خوب!" اور پاپا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"تم نے دیکھا وٹینکا" وہ بولے "اب لوگ آزاد ہوں گے۔ اِس کے لئے لڑنا چاہیئے تھا۔" میں اُس وقت یہ جانتا تھا۔ یا شاید بعد میں میں یہ سمجھ گیا کہ وہ اپنے آپ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور مجھے بتانا چاہتے تھے کہ اُنہوں نے مصائب کو برداشت کرتے

ہوئے جنہا تنے سال جیلوں میں گذارے ہیں وہ یونہی نہیں گنوائے۔

لیکن اس انقلاب کا "ہنی مون" جلد اختلافات۔ الزام تراشی اور مصائب میں تبدیل ہوگیا۔ زبانی بحث مباحثوں اور مخالفانہ تقریروں نے کچھ ہی عرصہ میں پتھراؤ، گھونسے بازی اور ریوالوروں سے فائرنگ کی شکل اختیار کرلی۔ اُدھر خوراک کی زبردست قلت پیدا ہوگئی۔ لکڑی۔ کوئلہ۔ مٹی کا تیل سب بازار سے غائب ہوگئے۔ کچھ کارخانوں میں۔ کام بالکل بند ہوگیا۔ اور کچھ کارخانے جزوی طور پر چلتے رہے۔

پاپا کے دل کو اس سے ٹھیس لگی۔ وہ چپ چاپ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور اُن کی خاموشی دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ اُن کی طبیعت اتنی زیادہ چڑچڑی ہوگئی جتنی کہ خطرات اور قربانی کے زمانے میں بھی نہیں تھی۔ جب میں نے اُن سے مختلف پارٹیوں کی پالیسی اور پروگرام کی وضاحت کرنے کے لئے کہا۔ تو پریشان ہوگئے۔

انہوں نے کہا۔ "یہ اتنا پیچیدہ ہے کہ تمہاری عمر کا بچہ اسے نہیں سمجھ سکتا۔ یہ اقتدار کی جدوجہد ہے۔ کوئی پارٹی کیا چاہتی ہے۔ یہ بات زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ لیکن ان میں سے ایک پارٹی کا جیت جانا بُرا ہوگا۔ اس کا مطلب پرانے آقاؤں کی جگہ نئے آقاؤں کا آنا ہوگا۔ اس کے معنے ۔۔۔ طاقت کے ذریعے حکومت ۔ ہونگے۔ اور راج لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں چلے گا۔ انقلابیوں نے اس "انقلاب" کیلئے اپنی جانیں نہیں دی تھیں۔"

ایک مرتبہ پھر مائننگ۔ انسٹی ٹیوٹ میں جواب یکٹیر نبوسلاو سوویٹ کا ہیڈ کوارٹر ہے مینشویک۔ بالشویک اور کیڈٹ مقررین کی تقریریں سننے کے بعد افسوس کے ساتھ سر جھکائے ہوئے انہوں نے کہا

"ہم زارشاہی کا تختہ اُلٹنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ آزادی اور خوشحالی کیلئے ہم نے مصائب جھیلے تھے۔ اس تشدد اور انتقام کیلئے نہیں۔ ہمارے یہاں کئی پارٹیاں اور آزاد چناؤ ہونے چاہئیں۔ اگر ایک پارٹی کا غلبہ رہا تو اس سے آزادی ختم ہوجائیگی۔"

میں نے اُن کی یہ باتیں سُن کر پُوچھا
"پاپا۔ تم کیا ہو؟ تم مینشویک ہو۔ بالشویک ہو۔ سماجی انقلابی ہو۔ کیا ہو؟"
"اِن میں سے کوئی نہیں۔ بیٹا۔" اُنہوں نے جواب دیا اور کہا "یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ کوئی پارٹی چاہے کتنا پُرکشش نعرہ لگائے۔ وہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد اُس کی حقیقی پالیسی کا آئینہ دار نہیں ہے۔"

پاپا مزدور ابھی لیڈروں کے ایک گروہ کے ساتھ رومانوی محاذ پر چلے گئے۔ نومبر میں وہ ابھی وہیں تھے۔ کہ لینن اور ٹراٹسکی کی رہنمائی میں پیٹروگراڈ کے بالشویکوں نے حکومت اور انقلاب پر کنٹرول کر لیا۔ پاپا وہاں سے یہ خبر لیکر آئے کہ جنگ ختم ہو گئی ہے۔ اور سپاہی اب بندوقیں پھینک پھینک کر اپنے گھروں کو واپس جا رہے ہیں۔

اُس وقت حالات اتنے متزلزل تھے کہ بھوک اور سردی کے سوا کوئی چیز یقینی نظر نہیں آتی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کب کیا ہو جائے۔ روپئے کی کوئی قیمت نہیں رہی تھی۔ دوکانیں خالی پڑی تھیں۔ اور اُن کی الماریوں پر دُھول جم رہی تھی ہزاروں معمولی چیزیں جن میں خرابی پیدا ہونے کا یا جن کے دستیاب نہ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مثلاً آلات صفائی۔ ٹیلیفون سروس۔ پانی کی بہم رسانی وغیرہ میں ایکدم گڑبڑ ہو گئی۔ یہ سب چیزیں اتنی مہنگی ہو گئیں۔ کہ کئی بار عام آدمی کے لئے اِن کا استعمال ناممکن ہو جاتا۔ شہر میں ٹائیفائیڈ بخار وبائی شکل میں پھوٹ نکلا اور شہر کے مختلف حصوں سے جنازے نکلنے لگے۔

میں بابوشکا کو کتابیں پڑھ پڑھ کر سُنایا کرتا تھا۔ اُسے نیکراسوف۔ ٹالسٹائی اور ٹرگینیف کی کتابیں بہت پسند تھیں۔ ایک رات جب میں اُسے ٹرگینیف کا ایک سکیچ پڑھ کر سُنا رہا تھا۔ اُس کا ہاتھ مجھ تک آ پہنچا۔ اُس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں پڑھتا رہا جب اُس کی پکڑ کچھ ڈھیلی ہوئی تو میں نے سمجھا کہ وہ سو گئی ہے۔

میں اُسے سوتا چھوڑ کر کمرے سے نکلنے ہی والا تھا کہ اچانک میری نظر اُس کے چہرے پر پڑ گئی۔ میں نے دیکھا اُس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ اور وُہ کچھ عجیب ڈھنگ سے خاموش تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔

"بابوشنکا۔ بابوشنکا" میں چلّایا۔ گھر کے باقی لوگ میری آواز سُن کر بھاگتے ہُوئے وہاں پہنچ گئے۔ بابوشنکا مر چُکی تھی۔

اُوپر کی طرف شمال میں۔ خاص رُوس کے کچھ حصّوں میں نئی حکومت کے پاؤں چند مہینوں میں جم گئے۔ باقی ملک میں اور خاص طور پر ہمارے یوکرین میں کئی سال تک لگاتار خُونی اور احمقانہ خانہ جنگی جاری رہی۔ یکٹیرنوسلاو کا کنٹرول تقریباً ہر مہینے ایک سے دوسرے گروپ کے ہاتھ میں جاتا۔ اور کئی بار ایک ہفتہ کے اندر ہی اس شہر میں کئی کئی حکومتیں بدلتیں۔ ہم اب اس بات کو یاد نہیں رکھتے تھے کہ حکومت سُرخوں کی ہے۔ وائیٹس کی ہے گرینز کی ہے۔ پٹیلورسٹس کی ہے۔ ہٹمین سکوروپیڈسکی کی فوجوں کی ہے۔ باٹکو مینخنو کی فوجوں کی ہے۔ یا گریگیروف کی ہے۔ کچھ مہینے جرمن بھی یہاں قابض رہے۔ لیکن پھر وُہ یہاں سے چلے گئے اور مخالف فوجیں جن میں سے اکثر چیتھڑوں میں ملبوس تھیں۔ جنہیں نہ اپنی زندگیوں کا کوئی خیال تھا نہ دوسروں کی زندگیوں کا۔ ہمارے شہر کی لاش پر گِدھوں کی طرح لڑتی رہیں۔

اُن تمام واقعات کو یاد رکھنا آسان نہیں ہے۔ بعد کے علم اور واقفیت نے میری یادداشت میں کانٹ چھانٹ کی ہے۔ یہ ایک حیران کُن حقیقت ہے کہ اُس دور میں خانہ جنگی بدنظمی اور خطرات کے باوجود عام زندگی کچھ نہ کچھ نارمل ڈھنگ سے جاری رہی۔ آخر زندگی زندہ رہنے کا عزم اور جینے کی عادت ہر قسم کے تشدّد سے زیادہ طاقتور ہے۔

(۲)

دریائے نیپٹر کے کنارے۔ کارہو کے نزدیک الائن اسٹیٹ امیر ترین اور سب سے زیادہ پُرکشش علاقہ تھا۔ اس علاقہ میں ہزاروں ایکڑ زرخیز زمین تھی جس پر گندم پیدا ہوتی تھی، چراگاہیں تھیں۔ جنگلات تھے پھولوں کے باغ تھے۔ بڑے بڑے شاندار اصطبل تھے۔ اور ڈیری فارم تھے۔ دونوں طرف اُگے ہوئے گھنے درختوں کے درمیان میں سے ہوتی ہوئیں چوڑی اور پختہ سڑکیں زمینداروں کے اُن بڑے بڑے اور شاندار بنگلوں تک پہنچتی تھیں جہاں وُہ کبھی عیش و عشرت کے دِن گذارا کرتے تھے۔

اِنقلاب کے بعد بیشتر زمین اُن مزارعوں میں بانٹ دی گئی۔ جو اسے بوتے تھے لیکن ۱۹۱۹ کے آغاز میں اس اسٹیٹ کی بہترین ۵ سو ایکڑ زمین۔ باغات۔ مچھلیاں پالنے کے لئے بنائے گئے ایک بڑے تالاب الائن بلڈنگ اور دُوسری عمارتوں کو ملاکر شہری مزدوروں کے لئے ایک کواپریٹو "کمیون" بنادی گئی۔ بیکٹیرنیوسلاد سے وہاں جاکر آباد ہونے والے لوگ اسے نابات یا جنت کہا کرتے تھے۔

۲ سالوں بعد کرافشینکو خاندان بھی وہاں جاکر رہنے لگا۔ اُس وقت میری عمر ۱۷ برس کی تھی۔

شہر میں خام مال کی قلّت کی وجہ سے پَیداوار بالکل بند ہوگئی تھی۔ خوراک کی قلّت انتہائی شکل اختیار کرگئی تھی۔ اور لوگوں کی حالت فاقہ کشی تک جاپہنچی تھی۔ زندگی کی ایک ہی اُمید نظر آتی تھی کہ ہم کاشتکاری کو اپنائیں۔

پاپا کو کئی بار کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ لیکن انہوں نے انکار کردیا۔ ڈکٹیٹرشپ اور دہشت پسندی سے اُنہیں کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ سُرخ جھنڈے کے نیچے رہتے ہوئے بھی وُہ اِس بات کو دلیری سے کہتے تھے۔ وُہ اُن مزدوروں اور دانشوروں کو جو زار شاہی کے خلاف جدوجہد میں الگ تھلگ رہے تھے، اُس پارٹی میں شامل ہوتا دیکھ

رہے تھے۔ جس کے اب مستقل طور پر برسرِاقتدار رہنے کا امکان تھا۔ اِس سے اُن کے اِس خیال کو تقویت ملی کہ بہتر دُنیا بنانے کی جدوجہد میں آزاد رہا جائے۔

شہری مزدوروں نے فارم کے کام دھندوں میں ایک ایسا جوش اور اُتساہ بھر دیا تھا جس کی تہ میں نامرادی چھپی ہوئی تھی۔ وہ اِس لئے زیادہ محنت کرتے تھے کہ اُن کے کُنبے زیادہ خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔ وہ اپنے گھر والوں پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ماضی میں اُنہوں نے جو قربانیاں دیں۔ وُہ یُونہی نہیں تھیں۔ الائن اسٹیٹ اور گردو نواح کے کسان اِن شہری مزدوروں کو کسان بنا دیکھ کر مذاق اُڑاتے اور کہتے۔

"اب ہم دیکھیں گے کہ کمیونسٹ ہماری زمینوں پر کیسے کھیتی کرتے ہیں"۔

اِس فارم میں جسے کمیون بھی کہا جاتا تھا نوجوانوں کیلئے زندگی متحرک تھی۔ مَیں نے محنت کا۔ دیہاتی زندگی کا اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ مِلکر کام کرنے کا لُطف اٹھایا۔ ہمارے والدین کو ہماری تعلیم کے متعلق فکر تھا۔ اُنہوں نے ہمارے لئے سکول کھولنے کا انتظام کیا۔ لیکن ہم میں سے کوئی اُن کی اِس تشویش میں شریک نہیں تھا۔ سخت مشقّت کے بعد جو اب ہماری زندگی بن گئی تھی ہمیں جو وقت مِلتا، وُہ تیرنے مچھلیاں پکڑنے کشتی چلانے۔ کھیلنے اور نواحی علاقوں میں گھومنے میں ہی صرف ہوتا تھا۔

لیکن خانہ جنگی اب بھی ہم سے دُور نہیں تھی۔ بار بار اس سے ہماری روزمرّہ زندگی میں خلل پیدا ہوتا۔ اور کئی مرتبہ کمیون کے ختم ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ مَیں اور کانسٹینٹائن اِس بات پر فخر کرتے تھے۔ کہ اب ہم جوان ہو گئے ہیں۔ اور پاپا و دُوسرے لوگوں نے جو مسلّح سیلف ڈیفینس دستے بنائے ہوئے تھے۔ اُن میں شامل ہو سکتے ہیں۔ ہمارا چھوٹا بھائی الیوگین بھی اب تک گولی چلانا سیکھ گیا تھا۔ اَب سُرخ۔ وائیٹس اور نامعلوم گروہ ہمارے فارم پر حملہ کرتے۔ خوراک سکمبل حتےٰ کہ گھوڑے تک مانگتے تصادم ہوتے اور کبھی کبھی ہمارے پاس جو کچھ فالتو ہو وُہ اُن کے ساتھ بانٹ لینے کے لئے

بھی ہم تیار ہو جاتے۔ اس طرح ہمارا فارم بڑے حملوں اور تباہی سے بچا رہتا۔

کمیون یعنی ہمارے فارم کی دوسری فصل کٹنے کے بعد ۱۹۲۰ء کے موسم خزاں میں میں اور کانسٹنٹائن دونوں یکسا رونکا کے اراسٹونکا ایگریکلچرل سکول میں داخل کرا دئے گئے۔ یہ سکول اس ضلع کے ایک بڑے زمیندار ایراسٹس براڈسکی نے قائم کیا تھا اور وہ اپنی زندگی بھر فراخدلی سے اس پر روپیہ خرچ کرتا رہا تھا۔ اس نے سکول کے لئے اپنی زمین دی۔ اور خود ہی اس کی عمارت بنوائی۔ جس کے سامنے ایک خوبصورت جھیل تھی۔

جاہلوں اور غنڈوں کے ہاتھوں سکول کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ اس کے کئی حصے توڑ پھوڑ دئے گئے تھے۔ جو کہ اب ناقابلِ استعمال تھے۔ یہ لوگ یہاں کا فرنیچر ہی نہیں بلکہ چھت کی کڑیاں تک ایندھن کے طور پر استعمال کرنے کے لئے اُتار لے گئے تھے۔ یہاں مشینری کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ لیکن بہت سے پرانے ٹیچر اب بھی اس سکول میں کام کر رہے تھے۔ کچھ نئے ٹیچر بھی آ گئے تھے۔ اور اس وقت اناج کی شدید قلت اور ضروری سامان نہ ہونے کے باوجود روس کے تمام حصوں سے آئے ہوئے ۶سو طالب علم وہاں جدید کاشتکاری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ سکول کی گراؤنڈ میں جو کچھ پیدا ہوتا۔ اس سے یہ سب لوگ اپنا پیٹ بھرتے۔ مشترکہ مشکلات کی وجہ سے ٹیچر اور طالب علم ایکدوسرے کے قریب آ گئے تھے۔ سکول براہِ راست سوویٹ سرکار کے کنٹرول میں تھا۔ لیکن یہاں جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں سیاسیات کو بہت کم دخل حاصل تھا۔ اور سمجھا یہ جاتا تھا کہ روسی عوام کے لئے دھرتی سے زیادہ اور اچھا اناج نکالنا سیکھ کر ہم وہ کام کر رہے ہیں جس کی کہ انقلاب ہم سے توقع رکھتا ہے۔

میں میرا بھائی اور توآپلسے کا ایک تیسرا طالب علم فیوڈور۔ ہم تینوں ایک مقامی کسان کی جھونپڑی میں رہتے تھے۔ موسم سرما جلد گزر گیا۔ اور بہار آتے ہی ہماری تعلیم نے کلاس روم میں بیٹھ کر سبق پڑھنے کی بجائے سکول سے ملحقہ کھیتوں میں عملی کام کی شکل اختیار کر لی۔

بعد میں میں نے اِس بات کا اعتراف کیا کہ میں جتنا سمجھتا تھا۔ اُس سے زیادہ کچھ اِس سکول میں سیکھ چکا ہوں۔ جب اجتماعی کھیتی باڑی کا دور آیا تو یہاں سائینسی ڈھنگ سے کھیتی باڑی چلانے کے متعلق حاصل کی ہوئی تعلیم ہی میرے کام آئی۔

اِنہی دِنوں خوراک حاصل کرنے کی مشکلات روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں۔ سکّے کی کوئی قیمت نہیں رہی تھی۔ اور جو تھوڑی بہت تجارت ہوتی بھی تھی وہ بھی اجناس کے تبادلہ کی شکل میں ہوتی تھی۔ کمیون سے ہمیں کسی قسم کی امداد ملنے کے امکانات بہت کم تھے۔ وہاں کو اپریٹو کوشش کا نظریہ باہمی رنجش اور تلخی کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ وہاں آباد ہونیوالے لوگ اب بھاگ رہے تھے۔ اناج کا ذخیرہ کم ہوتے ہوتے اِس سطح تک پہنچ گیا تھا۔ کہ حکام کو وہاں سخت ترین راشن سسٹم نافذ کرنا پڑا۔

کچھ عرصہ بعد ہمارے کمیون سے تھوڑی دُور واقع قصبہ کورینو کی ایک آئرن فونڈری میں مجھے ایک تالے بنانے والے مستری کے اپرنٹس کے طور پر جگہ مِل گئی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مَیں معاوضہ پر سخت جسمانی محنت کرنے لگا تھا۔ اِس سے مجھے احساس ہُوا کہ اب میں واقعی بڑا ہو گیا ہوں۔ شام کو جب میں گھر آتا تو میرے کپڑے تیل سے لتھڑے ہوئے ہوتے اور میں تھکاوٹ سے چُور ہوتا۔

اب تک خانہ جنگی ختم ہو گئی تھی اور حکومت کا ملک پر کنٹرول مضبوط ہو گیا تھا پارٹی ایجی ٹیٹر بعض اوقات ہمارے کارخانہ میں آتے اور دوپہر کو کھانے کے وقت میں چھٹی ہونے کے بعد ہمارے سامنے تقریریں جھاڑتے۔ بوڑھے مزدور تو انہیں نظر انداز کر دیتے لیکن نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دھیان سے اُن کی باتیں سنتے۔ ہمیں یہ تقریریں مُصیبت اور مایوسی کے اِس دَور میں اُمید کی جھلک دکھاتیں۔ ہمارے ہاں ایک فیکٹری کلب بھی تھی۔ جس میں لینن ٹراٹسکی مارکس اور اینگلز کی دستی تصویریں آویزاں تھیں۔ اور ایک سُرخ کپڑے پر موٹے موٹے سفید الفاظ میں کچھ نعرے لکھ کر لٹکائے ہوئے تھے۔

میں ان تقریروں کو بڑے دھیان سے سنتا اور بعض اوقات سوالات کرنے کی بھی جرأت کرتا۔ فوری تکالیف کے مقابلہ میں اچھا مستقبل زیادہ پُرکشش تھا۔ میں سیاسی نظریات کے متعلق اپنے گھر میں پائے جانے والے شکوک اور ایک نئے اعتماد اور نئے نظریہ کی تلاش کے دوراہے پر کھڑا تھا۔ کمیونسٹوں کے سخت گیرانہ طریق کار کے متعلق پاپا کے اعتراضات کو میں سمجھتا تھا۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ میں سمجھنے لگا کہ پاپا یونہی اپنے خیال سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اور ان کا آدرش واد کسی حد تک پرانے زمانہ کی چیز ہے۔ کبھی کبھی میں ان سے کہتا۔

"پاپا۔ تم کلب میں آکر لیکچر کیوں نہیں سنتے" میں انہیں اپنے ساتھ نئی زندگی میں کھینچ لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ پژمردہ سے ہو کر کہتے۔

"وہ مجھے کیا بتا سکتے ہیں؟ جو کچھ وہ جانتے ہیں۔ اس سے زیادہ تو میں بھول چکا ہوں۔ مجھ پر مہربانی کرو۔ انڈہ مرغی کو کیا سکھائیگا"

۱۹۲۱ء کے موسم گرما میں قحط پورے زوروں پر تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی بھائی بند وبائیں ٹائیفائیڈ وغیرہ پھوٹ نکلی تھیں۔ اور لاکھوں زندگیاں ان کی وجہ سے خطرہ میں تھیں۔ کئی سالوں کی خانہ جنگی کے بعد اب ہمیں انتہائی شدید اور ظالم بھوک کا سامنا تھا۔ وولگا کے علاقے میں خشک سالی کا زیادہ زور تھا۔ لیکن نیپئر کے پار کا علاقہ بھی اس کے اثرات سے نہ بچ سکا۔ جن علاقوں میں خانہ جنگی کا زیادہ زور تھا قحط نے بھی تقریباً انہی علاقوں میں بہت زیادہ بھیانک شکل اختیار کی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے دھرتی جسے ایک عرصہ تک پینے کے لئے انسانی خون ملتا رہا تھا۔ اب یہ نہ ملنے پر آمادۂ بغاوت ہو رہی ہو۔

جن تکالیف اور مصائب کا اس وقت لوگوں کو سامنا کرنا پڑا وہ ناقابل بیان ہیں انسان ہر جاندار چیز کو وہ گھوڑا ہو۔ کتا ہو۔ بلی ہو یا کوئی اور پالتو جانور ہو۔ للچائی ہوئی نظروں

سے دیکھتے تھے۔ جن مویشیوں کو ذبح نہ کیا جاتا تھا وہ بھوکوں مر رہے تھے۔ اور سرکاری طور پر اِس وارننگ کے باوجود کہ مُردہ مویشیوں کو کھانے سے پلیگ پھیلنے کا خطرہ ہے۔ لوگ اِنہیں کھا جاتے تھے۔ درخت عُریاں نظر آتے تھے۔ کیونکہ لوگ "چائے" اور "سوپ" بنانے کے لئے اُن کی چھال تک اُتار کر لے گئے تھے۔ زندہ رہنے کیلئے کچّا چمڑا تک چبایا جاتا تھا۔ کھیتوں میں گھاس پھوس کا ایک تنکا کہیں ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا تھا۔ اِس بارے میں طرح طرح کی کہانیاں پھیل رہی تھیں کہ فلاں جگہ ایک کِسان نے اپنے مُردہ بچّے کو کھا لیا۔ کِسی نے اپنے مُردہ بھائی کو کھا لیا۔ کِسی نے اپنی بہن کے مُردہ گوشت سے پیٹ بھرا۔ بدقسمتی سے یہ کہانیاں اکثر درست ہوتی تھیں۔

موت۔ بھدّی موت۔ بھیانک موت۔ ہولناک موت۔ تڑپا تڑپا کر مارنے والی موت اُس وقت ہماری زندگی پر چھائی ہوئی تھی۔ ہم سب کو اپنی زندگی بنائے رکھنے کی ہی اتنی فکر دامنگیر تھی کہ ہم دوسروں کی مدد کرنا تو کُجا اُن کی طرف توجہ تک نہیں دے سکتے تھے۔

میرا جسم مضبوط اور صحتمند تھا۔ اور مجھے زندہ رہنے کے لئے بہت کم خوراک درکار تھی میں کمیون کے ایک اور لڑکے سینیا کے ساتھ خوراک کی تلاش میں بذریعہ ریل اُوپر شمال کی طرف صوبہ پولٹاوا میں گیا۔ ہم نے اپنے ساتھ وہ سب چیزیں لے لی تھیں۔ جنہیں ہم بوقت ضرورت اشیائے خوردنی حاصل کرنے کے لئے استعمال کر سکتے تھے۔ اِن میں پُرانے کپڑے، چاندی کے چمچ، زیورات کا بچا کھچا حصّہ، بُرش اور گھر کا دوسرا سامان شامل تھا۔ سِکّے کی اب کوئی قیمت نہیں تھی۔ لیکن اگر کِسی کی قسمت ساتھ دے تو یہ ہو سکتا تھا کہ گھریلو سامان کے بدلے میں کہیں سے خوراک مِل جائے۔

چند دنوں میں ہم پریلیوکی نامی شہر میں پہنچے اور وہاں ہم نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ سینکڑوں اور لوگ بھی وہاں اسی کام پر آئے ہوئے تھے۔ اور مقابلہ بڑا سخت تھا۔ ہم اپنا تھوڑا بہت سامان جو ہمارے پاس تھا زمین پر بکھیر کر سارا دن مارکیٹ میں کھڑے رہے

اَور راہگذار کِسانوں سے درخواست کرتے رہے کہ وُہ ہماری چیزوں کو بھی دیکھیں۔ شام کے وقت ہم اپنا سامان لے کر نواحی دیہات میں گھر گھر گھومے۔ چُونکہ ہم دونوں نوجوان تھے۔ اِسلئے ہمیں کوئی خاص تکلیف نہ ہُوئی۔ ہمیں اِسلئے بھی زیادہ تکلیف نہ ہُوئی کہ مجھے یوکرین کی زبان آتی تھی۔ اور مَیں اِن کسانوں کی اپنی زبان میں اُن سے بات چیت کر سکتا تھا۔

جب میں اناج کا بوجھا اُٹھائے گھر واپس آیا تو میرا اِتنا سواگت ہُوا جتنا کہ کسی فاتح ہیرو کا بھی نہیں ہوتا۔ اِس کے بعد کچُھ مہینوں مَیں نے ریل گاڑی کے ذریعے بھی اور گھوڑے پر بھی ایسے ہی کئی سفر کئے۔ بابوشکا کا ایک سونے کا زیور ہمارا آخری سرمایہ تھا۔ اور جب تک ہمیں اِسکے بدلے خوراک حاصل کئے بغیر زندہ رہ سکنے کی اُمید تھی تب تک ہم نے اُسے فروخت کرنے کا خیال تک نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد کو ویکرز ہوورز امریکن ریلیف ایڈمنسٹریشن اور دوسرے گروہوں کی معرفت امریکہ سے اِمداد آئی۔ لیکن وُہ سب وولگا کے علاقے میں چلی گئی۔ اُدھر یوکرین میں نئی فصل آگئی تھی۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ زندگی نے نارمل شکل اختیار کر لی۔ اور میں کورینو پلانٹ میں تالے بنانے والے مِستری کے اپرینٹس کے طور پہ پھر سے کام کرنے لگا۔

باب ۴

سُرخ دیش کی جوانی

۱۹۲۲ء کے موسم گرما کی فصل بہت قد آور اور پہلے سے کافی زیادہ تھی۔ اِس سے زندگی اور اُمید کی جھلک نظر آئی تھی۔ مرنے والے لاکھوں لوگ دفنائے جا چکے تھے اور اب اِس قیامت کے متعلق سب لوگ اِس طرح خاموش تھے۔ جیسے کہ سبھی نے زبان نہ کھولنے کا فیصلہ کر رکھا ہو۔

نئی زندگی کے اِس اُبھار کے موسم میں ہی میں نے کان کنی کا پیشہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نئی زندگی کو بنانے اور اس کو وُسعت دینے کے لئے دھرتی کے سینے کو چیرنا چاہتا تھا۔ کورنبو کلب میں لیکچر تو سبھی سُنتے تھے لیکن میرے لئے لیکچرار کا ہر لفظ ایک نقارہ تھا جو مجھے عمل کے لئے چیلنج کر رہا تھا۔

موسم خزاں کی ایک رات کو کلب میں تقریر کرتے ہوئے ایک مقرر نے کہا تھا: "ساتھیو! ہمارے دیش کو کوئلے۔ دھات۔ اور تیل کی ضرورت ہے۔ اِنہیں چیزوں پہ ہمارے مستقبل کی عمارت کھڑی ہوگی۔ اِسلئے تم سب کو جنہیں انقلاب عزیز ہے۔ فیکٹریوں اور کانوں میں

SRINAGAR
14098
LIBRARY

جاکر کام کرنا چاہیئے ؟

سینیا اور میں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور بنا کچھ کہے جان گئے کہ ہم دونوں کے ذہن میں ایک ہی تحریک اُٹھ رہی ہے۔

ہمیں ضلع الشیفسک میں الگو فروذکا کے نزدیک ایک کان میں بھیج دیا گیا۔ ڈونیٹز بندرگاہ کے علاقہ میں یہ سب سے پُرانا کوئلے کا میدان تھا۔ اور اب اِسے وسیع کیا جا رہا تھا۔ پہلی رات ہم نے ایک تاریک سی بیرک میں لکڑی کے تختوں پر سو کر گزاری جن پر کہ کوئی بستر وغیرہ نہیں تھا۔ بیرک میں اتنے زیادہ آدمی بھرے ہوئے تھے۔ اتنی باسی اور بُری خوراک کھائی جا رہی تھی۔ اِتنا گندا تھا کہ پیٹا جا رہا تھا کہ وہاں ایک ناقابلِ برداشت سڑاند اور بدبو پھیل گئی تھی۔

لیکن نیپیٹر سے آنے والے ہم دو نوجوان جو کھچا کھچ بھری ہوئی ریلوے گاڑی میں لمبا سفر کرنے کے بعد کافی تھک گئے تھے۔ خوب مزے سے سوئے۔ صبح جب ہم جاگے تو پتہ چلا کہ ہمارا سوٹ کیس چوری ہو گیا ہے۔ ہمارے پاس اب اُن میلے کچیلے کپڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا جن میں کہ ہم نے سفر کیا۔ اور جن میں ہم رات کو سوئے تھے۔ کان کنوں کی بستی میں گھومنے پھرنے سے۔ ہماری حوصلہ شکنی ہی ہوئی۔ حوصلہ بڑھا نہیں۔ یہ بستی کیا تھی۔ خستہ حال بیرکوں کی ایک لمبی اور ٹیڑھی میڑھی قطار۔ جس پر گذرا ہوا زمانہ اپنی اُلٹے سیدھے قدموں کی چھاپ چھوڑ گیا تھا۔ ہر چیز پر کوئلے کی دھول ایک تہ بن کر جمی ہوئی تھی۔ اپنے ہاتھوں سوشلزم کی تعمیر کا اشتیاق تیزی کے ساتھ منہدم ہوتا ہوا معلوم پڑا۔ اور جس اُلتساہ سے ہم یہ کام کرنے آئے تھے اُسے بحال کرنے میں ہمیں کئی ہفتے لگے۔

سینیا کو ایک گھنے جنگل میں کوئلہ کھودنے کے کام پر لگا دیا گیا۔ لیکن میری قسمت میں ابھی اور کچھ دیکھنا باقی تھا۔ پڑھے لکھے لوگوں کی کمی کے سبب ٹریڈ یونین عہدیداروں نے اس بات پر اِصرار کیا کہ میں ایڈمنسٹریشن آفس میں کام کروں۔

اس کام کے پہلے ایک مہینہ کے دوران میں ہم بڑی بڑی اور گندی بیرکوں میں سے

ایک بیرک میں رہے۔ جہاں کہ نئے آنے والوں کو رکھا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں ہمیں اس عمارت کا ایک کمرہ مِل گیا۔ جس پر کہ پُرانے اور مستقل کان کن قابض تھے۔ جب میں کوئلے کی ڈھول اوڈیہاں کی زندگی کا عادی ہوگیا تو مجھے یہ زندگی رنگین اور پُراز اشتیاق نظر آنے لگی۔ مَیں یہاں رُوس کے مختلف طبقوں مختلف نسلوں اور مختلف سماجی گروپوں کے سنگم پر رہا تھا۔ جن کی عادات جن کے خیالات۔ طرزِ معاشرت۔ بول چال کا ڈھنگ سبھی مختلف تھے۔ بلکہ بعض اوقات ایکدوسرے کے متضاد تھے۔

بیرکوں کے اندر زندگی بھدی اور غیر مہذب تھی۔ آدمی ووڈکا (شراب) کو بوتلوں سے ہی پی جاتے۔ پھر آپس میں جھگڑتے اور خوب مکّے بازی ہوتی۔ کچھ لوگ قمار بازی کرتے اور جب کوئی جھگڑا کھڑا ہوتا تو زور زور سے فحش کلامی کرتے۔ مَیں کان کنوں کو اپنی تنخواہ ہی نہیں بلکہ پاؤں کے جُوتے اور اپنا کمبل تک جُوئے میں ہارتے ہوئے دیکھتا تھا۔ بہت کم مزدور ہوکر سنجیدہ تھے۔ کلب۔ لائبریری یا تعلیم کی کلاسوں میں جاتے۔

تاہم میری اپنی زندگی کا محور صرف کلب تھی۔ میرا کتابیں پڑھنے کا شوق جو کہ خانہ جنگی کی وجہ سے پُورا نہ ہوسکا تھا۔ پھر سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لائبریری میں جو کتابیں موجود تھیں اُن کے علاوہ اور کتابیں بھی ہم ایک دوسرے سے مانگ کر پڑھا کرتے تھے۔ تقریباً ہر شام کو اور ہر چھٹی والے دن میں کیمسٹری۔ حساب۔ فزیکس وغیرہ کے سبق پڑھا کرتا یا کوئلے کی کانوں کے ٹیکنیکل کام کے متعلق تقریریں سُنا کرتا تھا۔

لبطور کمیونسٹ اپنی زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے مَیں یہ کہونگا کہ مجھ میں ذہنی تبدیلی اُسی دن پیدا ہونی شروع ہوگئی تھی جس دن کہ کامریڈ لذلیف وہاں آئے جنہوں نے کہ وہاں سوشلزم کے مسائل پر کئی لیکچر دیئے تھے اُن کی عمر ۳۰ برس کے قریب تھی۔ اور وہ سفرڈلوسک۔ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ لمبا قد چھریرا بدن اور صاف ستھرے کپڑے یہ اُن کی خاصیتیں تھیں۔ وہ سیدھے سادھے الفاظ میں

باتیں کرتے۔ مارکس اور لینن کے حوالے دینے کی اُنہیں عادت نہیں تھی۔ اُن کی جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ وہ نکٹائی لگایا کرتے تھے۔ اُن کے نکٹائی لگانے سے ہم میں سے اُن لوگوں کی دلیل کافی وزندار ہو جاتی تھی۔ جو یہ کہا کرتے تھے کہ کوئی آدمی اچھا رُوسی شہری ہوتے ہوئے بھی یہ بورژوائی فیشن (نکٹائی لگانا) کر سکتا ہے۔

ایک دن میں لائبریری میں بیٹھا ایک کتاب پڑھنے میں مگن تھا کہ کسی نے میرے پیچھے آکر کہا

"کیا پڑھ رہے ہیں آپ؟ ہمیں بھی تو بتلائیے!"

میں نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ کامریڈ لنزلیف کھڑے تھے۔

میں نے گھبراہٹ میں مسکراتے ہوئے جواب دیا "جی۔ اینا ٹولے فرانس کی *The Disquisitions of Father Jerome Cougniard* پڑھ رہا ہوں۔"

"اوہ۔ اینا ٹولے فرانس؟ آپ رُوسی ادب یا اینا ٹولے جیسے کسی رُوسی ادیب کی کتابیں کیوں نہیں پڑھتے؟" اُنہوں نے پہلے کے سے ہی انداز میں کہا۔

"اینا ٹولے فرانس میں جو چیزیں ملتی ہیں وہ رُوسی ادیبوں میں نہیں ہیں۔ وہ بہت پُرفن اور ایماندار ہے۔ میں رُوسی فن کو بھی پڑھتا ہوں۔ لیکن نئے فن کار صرف سیاسیات کے متعلق لکھتے ہیں اور ہمارے گرد و نواح کی حقیقی زندگی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔" میں نے جواب دیا "خوب"۔ وہ بولے "ہمیں اِس بارے میں بحث کرنی چاہیئے۔ آپ میرے کمرے میں آئیے۔ وہاں ہم باتیں کریں گے۔"

وہ یہ کہہ کر چلے گئے۔

کچھ دن بعد میں اُنہیں کوئلے کا ایک پہاڑ سا ڈھیر ہٹا کر سڑک کو صاف کرنے

کی مہم کے دوران میں ملا - جہاں کہ سینکڑوں والنٹیئر بلا معاوضہ کام کر رہے تھے ۔ کامریڈ لنز ریف نے بھی جسمانی کام والے کپڑے پہن رکھے تھے ۔ اُنہوں نے میرا اس طرح سے سواگت کیا جیسے کوئی کسی پرانے دوست کا کرتا ہے ۔ مجھے اُن کے اِس سلوک سے خوشی ہوئی ۔

اُسی شام کو وُہ پھر مجھے لائبریری میں ملے - اور پھر وہی پہلا سوال اُن کے ہونٹوں پر آ گیا - "آپ کیا پڑھ رہے ہیں ؟"

مَیں نے اُنہیں بتایا کہ میں چرنشیوسکی کی کتاب What to do ? پڑھ رہا ہُوں - یہ سُن کر سر ہلاتے ہُوئے اُنہوں نے کہا " ایک اہم کتاب ہے "۔

"ہاں" میں نے جواب دیا اور کہا "اُس سوال کا کیا کیا جائے -' اِس وقت مجھے پریشان کر رہا ہے "۔

"لینن نے اور اُس سے پہلے مارکس نے کروڑوں لوگوں کے لئے اس کا جواب دیا ہے - کیا آپ نے لینن اور مارکس کو پڑھا ہے " اُنہوں نے استفسار کیا -

"ہاں تھوڑا بہت لینن کو پڑھا ہے لیکن مارکس کو نہیں - میں نے پارٹی لٹریچر کا تو یقیناً مطالعہ کیا ہے - لیکن میرا خیال ہے کہ وُہ کیا کیا جائے ؟ اِس سوال کا جواب نہیں دیتا "

میرا یہ جواب سُن کر اُنہوں نے پھر مجھے دعوت دیتے ہُوئے کہا "آپ میرے کمرے میں آئیے - وہاں ہم چائے وغیرہ پی کر کسی کو تکلیف دئے بغیر بات چیت کرینگے"

اور مَیں اُن کے ساتھ چل دیا - کامریڈ لنز ریف کا کمرہ بڑا صاف ستھرا اور روشن تھا - صوفے پہ ایک ہرے رنگ کی چادر پڑی ہُوئی تھی - ڈیسک پہ کتابیں بڑی خوبصورتی سے سجی ہُوئی تھیں - اور ایک رنگدار ... پھولدان میں کچھ پھول رکھے ہُوئے تھے - ایک دیوار پر شیشے میں جڑی ہُوئی مارکس اور لینن کی تصویریں آویزاں

سکیں۔ اور اِن کے درمیان لیو ٹالسٹائی کی جانی پہچانی، بڑھاپے کی، کسان کے لبادے میں لپٹی ہوئی تصویر تھی۔ جس میں ٹالسٹائی نے اپنے دونوں انگوٹھے پیٹی میں دبائے ہوئے تھے۔ نہ جانے کیوں میں تصاویر کی اس ترتیب سے بہت متاثر ہوا۔ اور اسی کی وجہ سے اُن کا گرویدہ ہو گیا۔

اُس رات کو ہم گھنٹوں تک کتابوں۔ پارٹی اور روس کے مستقبل کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ لِزریف نے کہا کہ میری جگہ تو کمیونسٹ اقلیت میں ہے۔ جسے ملک کی رہنمائی کرنی پڑے گی۔ انہوں نے کہا کہ مجھے کومسومول میں اور اُس کے بعد پارٹی میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ انہوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ پارٹی ابھی مکمل نہیں ہے۔ اور شاید اس کا پروگرام بھی ابھی مکمل نہیں۔ لیکن اُن کا خیال تھا کہ پروگراموں کی نسبت اُن کو عملی جامہ پہنانے والے لوگ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔

"اگر تم جیسے روشن خیال۔ آدرش وادی نوجوان ایک طرف رہیں تو ہو گا کیا؟ کیوں نہ تم ہمارے نزدیک آؤ۔ اور مشترکہ مفاد کیلئے کام کرو۔ ذرا اپنے ارد گرد دیہاتوں میں ہی دیکھو۔ جہاں صفائی۔ کتابیں اور روحانی روشنی ہونی چاہیئے۔ وہاں گندگی۔ لالچ۔ جوا اور شراب کی بدمستی دکھائی دے رہی ہے۔ تمہیں یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ہمارے کرنے کے لئے ایک بہت بھاری کام سامنے پڑا ہے۔ اتنے بڑے "اصطبل" کو ہمیں صاف کرنا ہے۔ ہمیں اس گندے سڑاند پیدا کرنے والے غیر سماجی ماضی کو جڑ سے اکھاڑ دینا ہے۔ جو کہ آج بھی چاروں طرف نظر آ رہا ہے۔ اور اس کے لئے ہمیں اچھے آدمیوں کی ضرورت ہے دِتیا۔ صحیح الفاظ میں ہمارا کام صرف رسمی سوشلزم قائم کرنا نہیں بلکہ عوام کو شعور، تعلیم اور بہتر زندگی مہیا کرنا ہے۔"

کمیونسٹ پہلے بھی مجھ پر اسی طرح دباؤ ڈالتے رہے تھے۔ لیکن آج پہلی مرتبہ مجھے وہ جذبہ اُبھرتا ہوا معلوم پڑا جو میرے بچپن پر چھایا رہا تھا۔ میں نے کامریڈ لِزریف کے

ساتھ بحث نہیں کی میں نے کہا۔ میں اس بات پر غور کروں گا۔ لیکن درحقیقت میں دل میں اُن کی بات مان چکا تھا۔ اور میں نے اُس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کچھ ہفتے بعد جب کامریڈ لنز لیف ماسکو کے لئے روانہ ہوئے۔ تو میں معمولی کان کنوں دفتر کے نوکروں اور ایڈمنسٹریشن کے بڑے افسروں پر مشتمل اُس بڑے ہجوم میں شامل تھا۔ جو کہ اُنہیں الوداع کہنے کے لئے اسٹیشن پر جمع ہو گیا تھا۔

سارے ہجوم میں سے مجھے ڈھونڈتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔ "اِدھر آؤ۔ ویٹا! میں نے اتفاقاً سنا ہے کہ تم کومسومول میں شامل ہو گئے ہو۔ اچھا کیا۔ میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ لیکن ایک بات ہے۔ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں تمہاری سفارش کر دیتا۔"

"مجھے معلوم تھا۔ آپ کا شکریہ۔ لیکن میں یہ کام خود ہی۔ بغیر کسی کی سرپرستی کے۔ کرنا چاہتا تھا۔"

" میں نے جواب دیا اور وہ مسکراتے ہوئے بولے "تم درست کہتے ہو۔ اچھا یہ لو ایک چھوٹا سا تحفہ جو میں نے خاص طور پر تمہارے لئے رکھا ہوا تھا۔"

یہ ایک کتاب تھی۔ میں نے سوچا۔ مارکس یا لینن کی ہو گی۔ لیکن جب گھر واپس آتے ہوئے میں نے کتاب کا ٹائیٹل کھول کر دیکھا۔ "Three plays of Shakespeare"

ایک دم میرے دماغ میں خیالات اُٹھنے لگے۔ لنز لیف۔ ایک مسلّمہ کمیونسٹ۔ ایک مؤثر لیڈر۔ اُس نے ٹالسٹائی کی انسانیت پسندی۔ اور شیکسپیئر کی حسن پرستی کو اپنے مارکسی۔ لیننی اعتماد کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ کیا یہ میل چلیگا؟ کیا لنز لیف کبھی کامیاب ہو سکے گا؟

اَب زندگی میرے لئے ایک ضرورت! ایک مقصد بن گئی تھی۔ اور میں نے اپنے تئیں ایک کاز کے ارپن کر دیا تھا جس میں ایک نئی حرارت۔ ایک نیا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ میں اُن "فرشتوں" میں سے ایک بن گیا تھا جنہیں تاریخ نے اپنے ملک اور ساری دُنیا کو تاریکی سے نکال کر سوشلزم کی روشنی میں لانے کے لئے منتخب کیا تھا مجھے اب تک

یاد ہے کہ اُس وقت ہم یہی دعوے کیا کرتے تھے۔

پارٹی کا ایک منتخب ممبر ہونے کے ناطے میرا یہ فرض تھا کہ میں زیادہ کام کروں۔ دولت سے پیار ترک کر دوں۔ اور ذاتی خواہشات کو دباؤں۔ میرے لئے یہ سمجھنا ضروری تھا کہ میں پہلے کوسومول ہوں اور بعد میں انسان ہوں۔ کوسومول میں میری ممبرشپ اِسلئے بھی زیادہ اہم تھی کہ میں کالوں کے خِطّے میں کوسومول میں شامل ہوا تھا۔ جو کہ صنعتی بغاوت کا خِطّہ تھا۔

اب تفریح طبع کے لئے میرے پاس کوئی وقت نہیں ہوتا تھا۔ زندگی میں فرائض ہی فرائض شامل تھے۔ تقریریں کرنا۔ کان کنوں کے لئے ڈرامے کرنا۔ پارٹی کا "Thesis" پڑھنا۔ اور اُس پر بحث کرنا یہی زندگی تھی۔ ہمیں ہر وقت اِس بات کا خیال رہتا تھا کہ ہم میں سے ہی کل کے لینن اور سٹالن پیدا ہوں گے۔ ہم لیڈرشپ میں پیدا ہونیوالے خلاء کو پُر کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہے تھے۔ ہم ایک طرح سے مادی مذہب کے ماننے والے گوروؤں کے چیلے تھے جنہیں کل کو گورو کی گدّی پر بیٹھنا تھا۔

یہ دیکھ کر کہ میں فصاحت سے بول اور لکھ سکتا ہوں۔ میں پارٹی کا سرگرم رکن بن گیا۔ میں نے پارٹی کی ہر قسم کی کمیٹیوں میں کام کیا۔ جن علاقوں میں پارٹی نہیں تھی وہاں پارٹی قائم کرنے کے لئے پرچار کیا۔ اور مختلف تقاریب میں اہم پارٹ ادا کیا۔ یومِ انقلاب کے علاوہ اور بھی بے شمار ایسے دن تھے جن پر خاص تقاریب منعقد ہوتی تھیں۔ باقی دُنیا میں تو کوئلہ کو شائد صرف کوئلہ سمجھا جاتا ہو لیکن ہمارے لئے یہ انقلاب کی انجن کو چلانے کے لئے ایندھن کی سی اہمیت رکھتا تھا۔

کام پر بلاشبہ لیف کی مداخلت کی وجہ سے مجھے دفتر سے ہٹا کر کوئلہ کھودنے کے کام پر لگا دیا گیا تھا۔ میں، سینیا اور کچھ اور نوجوان مِلکر ایک ایسا کوآپریٹو گروپ تھے جنہیں اپنے کام کیے۔ لئے ایک یونٹ کے طور پر تنخواہ ملتی تھی۔ ہم اپنے جوش اور اُتساہ

کو ظاہر کرنے کے لئے مشکل سے مشکل اور خطرناک سے خطرناک کام میں ہاتھ ڈالنے سے بھی نہ ہچکچاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم نے ایک باقاعدہ نعرہ بنا لیا تھا۔ جو ہم افسروں کے سامنے لگاتے۔ وہ نعرہ یہ تھا کہ "اگر یہ کام ضروری ہے۔ تو یہ ہو سکتا ہے"

موسم برسات کے آخری دنوں نے ہمارے گروپ کے اس نعرے نے ایک بار ہمیں بہت کڑے امتحان میں ڈال دیا۔ ایک کان پانی سے بھر گئی تھی۔ اور اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں اوپر سے کوئلہ اور مٹی کے ڈھیر گر نہ پڑیں۔ لکڑی کے ستونوں سے انہیں آسرا دیا گیا تھا۔ اور کام بغیر رکاوٹ کے جاری تھا ہمیں اس کان میں کام کرنے کو کہا گیا۔ تاکہ یہاں کے مستقل کان کنوں کے لئے ایک مثال قائم ہو جائے۔ جن میں کہ بیشتر تاتاری اور چینی تھی۔

میں کان میں بھرے ہوئے برفیلے پانی میں گھٹنوں تک ڈوبا ہوا کام کر رہا تھا۔ ایک دم مجھے ساری دنیا کانپتی پھٹتی اور غراتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ میں نے کسی کو زور سے چیخ مارتے ہوئے سنا۔ شاید یہ میری اپنی ہی آواز تھی۔ جس کان میں ہم کام کر رہے تھے اس کے اندر آنے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ جب میں نے دوبارہ آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو ہسپتال کے ایک وارڈ میں پایا جس کی دیواریں سفیدی کی وجہ سے چمک رہی تھیں۔

ایلگو فرڈنکا کے ہسپتال میں جو دو مہینے میں نے گزارے۔ وہ میری جوانی کے بہترین دنوں میں سے تھے۔ ہمارے گروپ کی داستان اور کوئلے کی کان کے حادثہ میں مبتلا ہونے کی انتہا اب سوشلسٹ ہیروازم کی داستان کا ایک باب بن چکی تھی۔ جس میں میں ایک ہیرو تھا۔

ڈاکٹروں نے مجھے کم از کم ایک سال کیلئے کانوں میں کام کرنے کی مناہی کی۔ اور میری بار بار درخواستوں کے باوجود وہ اپنی یہ رپورٹ اعلیٰ افسروں کو بھیجنے سے

نہ رُک سکے۔ میں واپس جا کر دفتر میں کام کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسلئے میں نے واپس اپنے کمیون یا یکٹیر نیوسلاو جانے کا فیصلہ کر لیا۔

میں ابھی واپسی کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ لینن ۲۴ جنوری ۱۹۲۴ کو راہی مُلکِ عدم ہو گئے۔ وادیٔ ڈونٹیز میں اس خبر نے حقیقی اور گہرا صدمہ پہنچایا اور لوگوں کے چہروں پر افسردگی چھا گئی۔ اس خبر کا جو ردِ عمل ہوا سیاسیات پر اُس کا زیادہ اثر نہیں پڑا۔ کارخانوں میں کام کرنے والے عام لوگوں کے لئے۔ کمیونسٹ نوجوان ایکطرف۔ بیرکوں میں جُوا کھیلنے والے۔ اور شراب پینے والے مزدوروں کے لئے بھی۔ کامریڈ لینن اُمید کی ایک کرن بن چکے تھے۔ ہمیں اُس وقت یہ یقین کرنے کی ضرورت تھی کہ انقلاب کے خونی سالوں میں دیگئی قربانیاں ہمارے مستقبل کو شاندار بنائیں گی۔ اسلئے کامریڈ لینن کی موت کو سب نے اپنا ذاتی نقصان تصوّر کیا۔

میں ہزاروں دوسرے لوگوں کیساتھ ۳ میل کا راستہ پیدل طے کر کے کان کے انتظامیہ دفتر کے باہر جسے پیرس کمیون کہا جاتا تھا پہنچا۔ وہاں ماتمی جلسہ ہو رہا تھا۔ اُسدن برفباری کی وجہ سے شدّت کی سردی پڑ رہی تھی۔ اور ہوا تلوار کی طرح جسم کو کاٹتی ہوئی چل رہی تھی۔ سٹیج سُرخ اور سیاہ کپڑوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اگرچہ کچھ ہی دیر بعد برف کے ایک طوفان نے سب چیزوں کو اپنے نیچے ڈھانپ لیا۔ ایک کے بعد دوسرا مقرر سٹیج پر آتا رہا۔ اور شور مچاتی ہوئی ہواؤں سے بھی زیادہ اونچی آواز میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہا۔

خارکوف کے ایک ڈیلیگیٹ نے سٹیج پر آتے ہوئے کہا "کان کن ساتھیو! لینن مر گئے۔ لیکن لینن کا کام آگے بڑھ رہا ہے۔ پرولتاری انقلاب کے لیڈر۔۔۔ دُنیا کے مزدور طبقہ کے لیڈر۔۔۔ مارکس اور اینگلز کے بہترین پیروکار۔۔۔۔۔"

اِن رسمی الفاظ سے مجھے سخت کوفت ہوئی۔ اور میرے دماغ میں سوال اُٹھا کہ

یہ لوگ "پراودا" اور "از دلیشیا" کے ایڈیٹوریل کالموں سے الفاظ مستعار کیوں لیتے ہیں؟ سیدھی سادھی زبان میں دِل کی بات کیوں نہیں کہتے؟ برفانی طوفان کے دوران میں واپس گھر آتے ہوئے مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ سینیا اور دوسرے لوگوں نے بھی اس قسم کی تقریروں کو ناپسند کیا ہے۔ مقررین لینن کے تئیں ہمارے جذبات کی ترجمانی نہیں کر سکے۔ کیونکہ ہمارے احساسات کا تعلق اتنا مرحوم لیڈر سے نہیں تھا جتنا کہ ہماری اُمیدوں اور تمناؤں سے تھا۔

چند دِن بعد ہم نے اخبارات میں ماسکو کے سُرخ چوک میں لینن کے جنازے پر جوزف سٹالن کے حلف اُٹھانے کی خبر پڑھی۔ یہ حلف گرجے میں کی جانے والی دُعا کی طرح مختصر تھا۔ اور اس میں مرحوم لیڈر کے نقشِ قدم پر چلنے کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ ہمارے ماتمی جلسہ میں مقررین کی لمبی چوڑی تقریریں مجھے متاثر نہ کر سکی تھیں۔ لیکن اس مختصر سے حلف نامے نے مجھ پر اثر کیا۔ سٹالن پارٹی کے سب سے بڑے پولیٹیکل بیورو کے سیکرٹری جنرل تھے۔ اور نئے دور کے آغاز سے رُوس میں ایک اہم شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ پہلا موقعہ تھا۔ جب مجھے یہ احساس ہوا کہ سٹالن بھی کوئی ہستی ہے۔ اور مجھے یہ سوچ کر حیرانی ہوئی کہ اَب تک سٹالن کی تصویر بھی ہماری دیواروں پر نہیں ہے۔

اُس دِن کے بعد سٹالن کا نام اِتنا وسیع اور اتنا ناقابلِ فراموش ہوتا گیا کہ اَب ایسے کسی لمحہ کو یاد کرنا بھی مشکل ہے۔ جب ہماری زندگیوں پر اس نام کا سایہ نہ رہا ہو۔

(۲)

میں صرف ایک سال کالوش کے ضلع میں رہا۔ لیکن اسی ایک سال میں میں یہاں کی زندگی سے اتنا زیادہ ہِل مِل گیا کہ اب میرے لئے اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کرنا مشکل

ہو رہا تھا۔ جس دن میں یہاں آیا تھا۔ اُس دن اگر کوئی مجھے یہ کہتا کہ اِن کھلے میدان سے یہاں کی غیر مہذب آبادی سے یہاں کے جان توڑ کام سے مجھے اُنس ہو جائیگی۔ تو میں اُس آدمی کو پاگل کہتا۔ لیکن آج حالت اس کے برعکس تھی۔ میں اپنے آپ کو ایسے ہی سمجھ رہا تھا جیسے میں کوئی پُرانا کان کن ہوں۔ آج میں کان مزدور کی غلطیوں اور اُس کی مایوسیوں کو باہر کی تنقیدی نگاہوں سے نہیں بلکہ اُس کے اندر کی اتھاہ گہرائیوں سے دیکھ رہا تھا۔ کوئلے کے میدانوں میں اپنے اِس مختصر سے قیام کو میں کبھی بھلا نہیں سکا۔ آج بھی میں کوئلہ کھودنے والے۔ زمین کے نیچے کی اِس دُنیا کے آباد کاروں کو ہر لمحہ اپنے قریب پاتا ہوں۔

جس وقت میں کیمون میں پہنچا تو شام ہو چلی تھی۔ میرا کُتا ریکھر باہر سڑک پر ہی مجھے مل گیا۔ اور مجھے دیکھتے ہی خوشی سے پاگل ہو اُٹھا۔ میں نے اپنے مکان کی کھڑکی سے اندر جھانک کر دیکھا۔ ماما کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں وہ پہلے سے کچھ بوڑھی۔ اور کچھ پتلی نظر آتی تھیں۔ اُن کے بال پہلے سے زیادہ سفید ہو رہے تھے۔ میں نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور بناوٹی آواز میں پُوچھا۔

”کیا سٹیز منیس کرافشینکو یہاں رہتے ہیں؟“

ماما نے زور سے چلاتے ہوئے کہا ”دیٹا! میرے بیٹے۔“

اور اُس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ نکلے۔

شام ہوتے ہوتے مجھے کیمون کی موجودہ حالت کا پتہ چلنے لگا۔ یہ بستی اب ویران ہو چکی تھی۔ اب صرف ۳ یا ۴ خاندان یہاں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ کیمون کا گراؤنڈ ایسے ہو گیا تھا۔ جیسے کبھی کسی نے اِس طرف توجہ ہی نہ دی ہو۔ ہر طرف مکانوں کی چھتیں آدھی گری ہوئی اور دروازے۔ ساکھوں سے اُکھڑے ہوئے نظر آتے تھے۔ چھتوں اور دیواروں میں سے لکڑی کے ٹکڑے نکال نکال کر ایندھن کے طور پر جلائے جا چکے تھے۔ اور نواحی دیہات

کے کسان کھلے بندوں کہہ رہے تھے ــــ "دیکھا اکم نے۔ ہم نہ کہتے تھے کہ کمیونسٹوں سے کھیتی باڑی کا کام نہ ہو گا۔ یہ تو بس۔ لوگوں کو گرفتار کر سکتے ہیں یا ٹیکس وصول کر سکتے ہیں۔"

جب میں کورہنو کے ورکشاپ میں گیا تو مزدوروں نے مجھے گھیر لیا۔ اور مجھ پر طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ میں نے اُن کے سوالوں کے ایسے ہی جواب دیئے جو کہ میرے خیال میں ایک وفادار کومسومول کو دینے چاہئیں تھے۔ چند دن بعد فیکٹری کلب میں ڈونٹیز کے کان کنوں کی زندگی کے متعلق میری تقریر ہوئی۔

ہمارے پاس اب تک ایک گائے تھی۔ اور جس احاطے میں اُسے باندھا جاتا تھا اُس کا دروازہ ٹوٹ گیا تھا۔ میں نے لکڑی کا ایک بڑا سا تختہ کاٹ کر اُس دروازے کی مرمت کی میں کمیون سے شہر کو چلا گیا۔ پاپا اور میرا چھوٹا بھائی ایوگن پیٹرافسکی کی لیننن میٹالرجیکل فیکٹری میں کام کرتے تھے۔ کچھ دن بعد مجھے بھی اُسی فیکٹری کی مکینیکل لیبارٹری میں کام مل گیا۔

اتنے سال گذر جانے کے بعد بھی پاپا ابتک کمیونسٹوں کے ہمخیال نہیں ہو سکے تھے وہ یہ ماننے کو تو تیار تھے کہ کمیونسٹوں میں سے کئی لوگ ایماندار ہیں لیکن انقلاب کا جو سپنا اُنہوں نے اپنی جوانی میں دیکھا تھا۔ انقلاب کے بعد آج کی حقیقت اُس سے بہت مختلف تھی۔ اُنہوں نے کومسومول کا ممبر ہونے کے ناطے میری سرگرمیوں میں کبھی کوئی مداخلت نہ کی۔ لیکن کبھی کبھی وہ افسروں و اعلےٰ انجنیروں کی خوشحال زندگی اور عام مزدور کی ناگفتہ بہ حالت کے فرق پر نہائت سخت الفاظ میں نکتہ چینی کرنے سے نہ رُک سکتے تھے۔

وُہ کہتے

"بیٹا۔ ہم اتحاد کی باتیں کرتے ہیں۔ اور مساوات کے نعرے لگاتے ہیں۔ لیکن دیکھو کامریڈ ایبن ۔ ۔ ۔ ۔ کیسے زندگی بسر کرتا ہے اُس کے پاس بڑا شاندار مکان ہے۔ موٹر کاریں ہیں۔ اچھے اچھے کپڑے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر ان بیرکوں کو دیکھو۔ جہاں گاؤں سے آئے

والے نئے مزدوروں کو بھوسے کی طرح بھر دیا گیا ہے۔ افسروں کے ریستوران میں کمرے صاف ستھرے ہیں۔ اور اعلیٰ قسم کی خوراک ملتی ہے۔ لیکن مزدوروں کے ریستوران میں جو کچھ بھی مل جائے اچھا ہے.....“

میں جیسے صفائی پیش کرتے ہوئے جواب دیتا۔

”ہمیں کچھ مہلت دو۔ پاپا! ہمیں اتنے سارے مسائل ایکدم حل کرنے ہیں۔“

پاپا جھلا کر کہتے۔

”مجھے اِن مسائل کا علم ہے۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ امیر اور غریب طبقہ کے درمیان فرق کم نہیں ہو رہا۔ بڑھ رہا ہے بیٹا! طاقت کا نشہ بہت بُرا ہوتا ہے۔“

کبھی کبھی میرے اور اُن کے درمیان اِس قسم کی بحث ہوتی رہتی تھی۔

کچھ ہی وقت بعد مجھے ترقی دے کر میکینکل لیبارٹری سے پائپ رولنگ مل میں بھیج دیا گیا۔ اور ایک سال سے بھی کم عرصہ میں میں کنٹرول فورمین کے عہدہ پہ لگا دیا گیا۔ میری تنخواہ بڑھ جانے کی وجہ سے ہمارے گھر کی مالی حالت بہتر ہو گئی۔

فیکٹری میں میرے تعلقات زیادہ تر اعلیٰ طبقہ سے جس میں جناب سپرنٹنڈنٹ انتظامیہ افسر۔ پارٹی لیڈر اور ٹریڈ یونین عہدیدار شامل سمجھے جاتے تھے۔ بڑھتے گئے عوام سے تعلق منقطع نہ کرنے کی اپنی خواہش اور پاپا کے بار بار اصرار کے باوجود میں روسی زندگی کو لیڈر شپ کے برتری کے نقطۂ نگاہ سے دیکھنے کا عادی ہو گیا۔ اُدھر میرے چھوٹے بھائی الوگن اور بڑے بھائی کانسٹینٹائن میں کسی قسم کا سیاسی اُتساہ پیدا ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔

چھوٹا الوگن ازراہِ مذاق مجھے کہا کرتا۔

”بھیا۔ اگر پاپا کی انسانیت پرستی تمہیں نہ بھٹکا دے تو تم میں ایک حقیقی کمیونسٹ بیوروکریٹ کی تمام صفات موجود ہیں۔“ ——————

ہماری اس ۱۵ سو میل لمبی سرحد پر جہاں کہ انتہائی گرم آب و ہوا والی روسی وسط ایشیا کی سلطنت ایران - افغانستان اور ہندوستان کی ریاست کشمیر کی سرحدوں سے ملتی ہے - بسماچی قبائل کی طرف سے مسلسل گڑبڑ جاری تھی - ہماری فوجوں نے کئی بار انہیں مار بھگایا - لیکن ہر بار وہ پھر سر اٹھاتے - نئے حملے کرتے - اور لوگوں پر نت نئے مظالم ڈھاتے -

کئی سال تک روسی اخبارات میں بسماچیوں کی دہشت انگیز اور ظالمانہ سرگرمیوں کی خونیں داستانیں شائع ہوتی رہیں - انہیں مسلمان ملاؤں کے زیر ہدایت لوٹ مار کرنیوالے لٹیروں کے گروہ قرار دیا جاتا تھا - اور کہا جاتا تھا کہ یہ معزول شدہ امیروں اور برطانوی سامراج کے کرائے کے ٹٹو ہیں - ان دشمنوں کے مظالم کی کوئی انتہا نہ رہی تھی وہ جن روسیوں کو پکڑ کر اپنا قیدی بنا لیتے - انہیں سخت اذیت دیتے - روسی قیدیوں کو اذیت پہنچانے کے لئے ان کا عام طریقہ یہ تھا - کہ وہ روسی قیدیوں کو گردن تک زمین میں گاڑ دیتے - اور یہ قیدی گرمی اور پیاس کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر جاتے پھر انکی لاشوں کو کیڑے مکوڑوں اور گدھوں کے لئے وہیں چھوڑ دیا جاتا -

صورت حالات کا جو نقشہ اخبارات ہمارے سامنے پیش کرتے اس میں کچھ تضاد ہوتا تھا منظم اور وسیع پیمانہ پر مسلح سرخ فوج کے مقابلہ میں - جس جرأت سے بسماچیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ مسلسل ڈٹے ہوئے تھے - اسکی وجہ محض لوٹ اور ڈاکہ زنی تو نہیں ہو سکتی تھی - اور پھر لوٹ مار - ملاؤں کے مذہبی جنون - یا معزول شدہ امیروں اور برطانوی سامراج کی سیاسی چالوں دونوں کا آلہ کار تو نہیں بن سکتی تھی -

کچھ بھی ہو - یہ سارا معاملہ جنوبی یوکرین کے نوجوان کسانوں اور مزدوروں کے لئے کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا - ہم اگر اس کے متعلق کچھ جانتے بھی تھے تو بس اتنا کہ دور کہیں کوئی دنیا ہوگی جس میں یہ خونی ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے - لیکن اب اچانک ہم اس ڈرامہ

کے کردار بن گئے تھے۔ ہم اپنے شوقِ حوادث کے شکار تھے۔ گو اب بھی ہمارے چہروں سے کوئی گھبراہٹ عیاں نہیں تھی۔ لیکن آنیوالے خطرات کے احساس سے دل کے اندر کچھ پریشانی موجود تھی۔

ہم میں سے ۲۲ نوجوانوں کو جو سب ضلع نائیپر و پیٹرو فسک سے بھرتی کئے جانیوالے نئے رنگروٹ تھے۔ بسماچی علاقہ میں لیجایا جا رہا تھا۔ ٹرک میں بیٹھے ہوئے ہم گیت گا رہے تھے۔ ایک دوسرے کو کہانیاں سُنا رہے تھے۔ اور اِس بات پر فخر کر رہے تھے کہ ہمیں رُوس کی ترکمین ریپبلک میں رکھے جانے والے فوجی دستوں کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ لیکن جب رات ہوئی۔ تو تاریک ٹرک میں بیٹھے بیٹھے ہمیں بسماچیوں کی بربریت کی وہ خوفناک کہانیاں یاد آنے لگیں جو ہم نے سُنی یا پڑھی تھیں۔

راستے میں ہم چند دن "کالے سونے" کے شہر باکو میں ٹھہرے۔ وہاں گھوم پھر کر نئی نئی چیزوں کے دیکھنے سے ہماری ذہنی پریشانی جاتی رہی۔ تیل کا یہ وسیع میدان جدید صنعت اور مشرقی طرزِ معاشرت کے ایک دوسرے میں مدغم ہو جانے کا ایک عجیب و غریب منظر پیش کرتا تھا۔ یہاں کی بیشتر آبادی روسیوں اور منگولوں پر مشتمل تھی۔ اِن میں سے اکثر مغربی پوشاک میں تھے۔ لیکن بہتوں نے۔ اب بھی قریب امشرق کے رواج کے مطابق گھٹنوں تک شیروانیاں جن پر رنگ برنگی ریشم کے جال ٹنکے رہتے تھے پہن رکھی تھیں۔ اُن کے سروں پہ قازقستان کے پرندوں کے پروں سے بنی ہوئی ٹوپیاں تھیں۔ یہاں کی تنگ لیکن معطر گلیوں میں جہاں مسلمان آباد تھے۔ میں نے پہلی بار عورتوں کو برقعہ پہنے ہوئے دیکھا جس میں سے اُن کی شکل و صورت اور اُن کے حُسن کا کوئی پتہ نہیں چل سکتا اور جسے پہن کر وہ صرف ایک چلتا پھرتا بُت نظر آتی ہیں۔

باکو کے مناظر تا زندگی میرے ذہن میں رہینگے۔ یہاں میں نے پہلی بار ایک بڑے "سمندر" کو دیکھا۔ حدِ نگاہ سے بھی دُور تک پانی ہی پانی دکھتا۔ ملک کے اندرونی حصّہ میں رہنیوالے

آدمی کیلئے واقعی ایک ایسی چیز ہے جسے وہ بھول نہیں سکتا۔

باقی ملک کے دوسرے حصّوں سے آنیوالے سینکڑوں رنگروٹ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ وہاں سے ایک چھوٹے جہاز میں ہمیں بحیرۂ قلزم کے اُس پار کراسنوفوڈسک کی بندرگاہ میں لے جایا گیا۔ وہاں سے بذریعہ ریل آسخ آباد روانہ ہونے سے پہلے ہم کچھ دن ساحل پر گھومتے رہے۔

آسخ آباد۔ مشرقی تہذیب و تمدن والا شہر تھا۔ اور حسین مناظر کی متلاشی جوان نظروں کی تسکین یہاں بآسانی ہو سکتی تھی۔ دیواروں میں کہیں کوئی کھڑکی نظر نہیں آتی تھی۔ اونچی نیچی تنگ گلیاں پرشور چوکوں میں جا ملتی تھیں۔ بازار موچیوں، ٹھٹھیاروں اور آلتی پالتی لگا کر کام کرنے والے دوسرے کاریگروں کے ہتھوڑوں کی کھٹاکھٹ سے گونج رہے تھے گلیوں پر کہیں کہیں چھتیں پڑی ہوئی تھیں۔

آسخ آباد سے ہم ٹرکوں میں سوار ہو کر ایرانی سرحد پر واقع ایک بڑے فوجی کیمپ میں پہنچے آئندہ سات آٹھ مہینوں کیلئے یہی کیمپ ہمارا گھر تھا۔ ہمیں انہیں لمبی لمبی تاریک بارکوں میں رکھا گیا۔ جہاں کہ ہم سے پہلے زار کے سپاہی رہتے تھے۔ ہم اب اس پہاڑ کے اس طرف روسی علاقہ میں تھے۔ جو کہ ایران اور روس کے درمیان سرحد کا کام دیتا ہے۔

تقریباً پہلے ہی دن سے میں کیمپ سے نکلنے والے اخبار " Red Frontier Guard " کے ایڈیٹوریل سٹاف میں شامل ہو گیا تھا۔ باقی فوج میں ہم کومسومول ایک اقلیت تھے۔ اسلئے ہمیں اپنے فرائض بڑی سنجیدگی سے سرانجام دینے پڑتے تھے۔ کیمپ کے فوجی نظام میں اگرچہ ڈسپلن بہت سخت تھا۔ پھر بھی کافی حد تک جمہوریت تھی۔ اسلئے کیمپ کے اخبار میں بعض اوقات ہم کیمپ کے حالات اور افسروں پر کبھی بار نام لے لیکر بھی نکتہ چینی کرنے سے گریز نہ کرتے۔

ٹریننگ مکمل ہونے کے بعد ہمیں رات کے وقت ناجائز تجارت کرنے والوں اور سمگلروں

GIRLS COLLEGE

کا تدارک کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ سرحد کے دونوں طرف ہمارے جو تنخواہ دار مخبر تھے وہ اکثر ہمیں گرم گرم خبریں لاکر دیتے رہتے۔ یہ افغان اور ایرانی باشندے ہمیں وقت وقت پر اطلاعات مہیا کرتے رہتے تھے کہ آج یہ مال فلاں جگہ سے فلاں جگہ جا رہا ہے یا فلاں جگہ سے فلاں جگہ آ رہا ہے۔ یا یہ کہ بسماچیوں نے آج فلاں روسی گاؤں پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔

متعدد بار اِن اطلاعات کی بنا پر ہم نے کئی مقامات پر چھاپے مارے۔ اور کافی تلاشی لینے اور چھان بین کرنے کے باوجود ہمیں کچھ نہ مل سکا۔ کئی بار ہمیں دو چار فائر بھی کرنے پڑے۔ لیکن کم از کم ایکبار جس کا مجھے تجربہ ہے۔ ہمیں ایک زبردست لڑائی لڑنی پڑی جس میں دونوں طرف کے لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے۔ یہ جھڑپ شاید اِسلئے بھی زیادہ شدید تھی کہ یہ ایک بالکل تاریک رات میں ہوئی جبکہ آسمان سے پانی برس رہا تھا۔ اور ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ ہمارے مقابلہ میں کون ہے۔

اِس کے فوراً بعد مجھے کچھ میل دور ایک سرحدی چوکی پر تعینات کر دیا گیا۔ کوسٹیا اور کچھ دوسرے ساتھی بھی میرے ہمراہ بھیجے گئے۔ وہاں جو لوگ پہلے تعینات تھے انہیں ہمارے وہاں پہنچنے سے بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ ہمارے وہاں جانے کا مطلب یہ تھا کہ انہیں چھٹی دی جا رہی ہے۔ اُن میں سے ایک کیتھف کا ایک دیہاتی تھا۔ اُسے صرف اِس بات کا افسوس تھا کہ اُسے اپنا خوبصورت اور دلیر گھوڑا چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ جسے کہ وہ لارڈ کرزن کہا کرتا تھا۔ اِس کی وجہ مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔ اُس دیہاتی نے مجھ سے یہ وعدہ لینے کے بعد کہ میں "لارڈ کرزن" سے اچھا سلوک کرونگا۔ یہ گھوڑا میرے حوالے کر دیا۔ اُس نے مجھے یقین دلاتے ہوئے کہا

"اِس سے مناسب سلوک کرو گے تو کرزن تمہارے لئے ایک بھائی ثابت ہو گا۔ یہ بہت سے لوگوں سے زیادہ سمجھدار ہے۔"

لارڈ کرزن کی برق رفتاری نے اس چوکی پر قیام کے دوران میں کئی بار میری زندگی بچائی۔ اور بالآخر یہی گھوڑا مجھے فوج سے نکل کر سول میں لانے کا بھی کارن بنا۔

ایک رات کو دس بجے میں ایک اور سپاہی کے ساتھ۔ اپنی چوکی سے بہت دور ایک جنگل میں گشت پر تھا۔ کہ اچانک دور سے شور کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ سامنے کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن جس طرف سے شور آرہا تھا اُدھر کو مُنہ کر کے میں نے زور کے ساتھ "ہالٹ" کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم دونوں اُدھر کو بڑھنے لگے۔ لیکن "لارڈ کرزن" نے اچھل کود شروع کر دی۔ اور مجھے اپنے سر پر سے لا کر زمین پر پھینک دیا۔

اس کے بعد ہوش آنے تک میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا۔ کہتے ہیں۔ میرے ساتھی نے جو مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا مجھے آواز دی لیکن اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے میرے گھوڑے کو دیکھا لیکن میں تلاش کے باوجود اُسے نہ مل سکا۔ ناکام تلاش کے بعد وہ کیمپ میں واپس آگیا۔ لیکن کچھ گھنٹے بعد فوجیوں کی ایک پارٹی نے جو میری تلاش میں نکلی ہوئی تھی مجھے ایک جوہڑ میں گرا ہوا پایا۔ میرا جسم زخموں سے چھلنی ہو رہا تھا اور میں وہاں بیہوش پڑا تھا۔

کئی ہفتے تک میں آسخ آباد کے قریب ایک فوجی ہسپتال میں پڑا رہا۔ انگ انگ میں شدت کا درد تھا۔ جب میں سفر کرنے کے قابل ہو گیا تو مجھے کیئف بھیج دیا گیا۔ جہاں کے ہسپتال میں میں تقریباً ایک مہینہ رہا۔ اور پھر دو مہینے کیئف کے سینی ٹوریم میں گزارنے کے بعد مجھے فوج سے خارج کر دیا گیا۔ اور واپس نائپر وپیٹروفسک کی پیٹرووسکی لینن فیکٹری میں فورمین کے عہدے پر بھیج دیا گیا۔ یہ ۱۹۲۸ کے موسم گرما کی بات ہے جبکہ میری عمر ۲۲ سال کی ہو گئی تھی۔

باب ۵
ماضی سے قطع تعلّق

ایک عظیم تاریخی ڈرامے کے چھوٹے چھوٹے ایکٹروں کو عام طور پر اس کی عظمت کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ایکٹنگ میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ وہ اس کی وسعتوں کو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ ۱۹۲۹ء کے آغاز میں مَیں بھی ایک ایسا ہی ایکٹر تھا۔ میں بھی اُن پُرجوش نوجوانوں میں سے ایک تھا جو اُس دور کے بڑے بڑے پلانوں اور اونچے اونچے خیالات سے متحرک تھے۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب میرے وطن نے ایک نئے اور ایک زیادہ گہرے انقلاب کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا تھا۔ جبکہ سٹالن اور اُن کے قریبی ساتھی پولٹ بیورو اور کسی حد تک ساری پارٹی میں اپنے مخالفوں کے ساتھ زبردست جدوجہد میں مصروف تھے۔ وہ ملک سے سرمایہ دارانہ اقتصادیات بورژوا ذہنیّت کے بچے کھچے عنصر کو ختم کر دینے کا تہیّہ کئے ہوئے تھے تاکہ روس کو صنعتی فروغ اور اجتماعی زراعت کی طرف لیجایا جا سکے۔

یہ دور درحقیقت ہر اُس چیز کو جڑ سے اُکھاڑ دینے کا دور تھا۔ جس کا ایمان متزلزل ہو۔ جو انقلاب کو اپنانے میں ہچکچائے۔ اور جو اب بھی اپنے آپ کو نہ بدل کر انقلاب کے ساتھ

میں اڑچن پیدا کر رہی ہو۔ اُس دور میں پارٹی لائن ـــــ یعنی خاص خاص منتخب مقاصد کو حاصل کرنے کے تئیں فرائض۔ ہر قسم کے ذاتی مفاد سے زیادہ اہمیت حاصل کر گئے تھے۔ جدید آلات جو صنعتی فروغ کا نشان اور اس کی حقیقت تھے۔ ہماری زندگی میں گھر کر گئے تھے اور دن بدن اُن کی کشش بڑھتی ہی جاتی تھی۔

لاکھوں اشخاص اپنی پرانی زندگیوں سے لا کر ان آلات کی نئی راہوں پر ڈال دیئے گئے تھے۔ ان میں سے کچھ رضاکارانہ طور پر آئے اور کچھ جبری طور پر لائے گئے تھے۔ ان لوگوں کو اس دور کا بیشتر حصہ نیم مجبور کے نیم ننگے رہ کر گذارنا پڑا۔ اُن کی زندگیوں میں کوئی چمک نہیں تھی۔ مجھے اس طریق کار کے اچھے اور بُرے تمام پہلوؤں کا علم تھا۔ لیکن میں اُنہیں ایک ۲۳ سالہ نوجوان کمیونسٹ کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جس نے کومسومول اور سُرخ فوج میں پرورش پائی تھی۔ اور جو ایک روشن مستقبل کو روس کی طرف آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اس کام میں بہت سی خرابیاں تھیں ـــــــــ بہت سے لوگوں کو متعدد مشکلات کا شکار ہونا پڑتا تھا۔ لیکن زبردست توقعات اور کام کرنے کے جوش نے بھی شدت اختیار کر لی تھی۔ مُلک کا اچھا مستقبل ایک بڑی اُمید تھی۔ اسلئے میں نے بھی اس وقت پارٹی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ میرا تعلق اُس اقلیت سے تھا جس میں اس عظیم کوشش کے پس منظر نے حرکت پیدا کر دی تھی ہم نے زوروں سے کام شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ایسا لگتا تھا کہ یہ جوش ذہنی جنون کی حد تک پہنچ رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ میں اُس وقت کے حالات اور واقعات کو اپنے آج کے خیالات کی روشنی میں نہیں دیکھ رہا۔ اُس وقت میری زندگی کام اور ذہنی بوجھ تلے دبی ہوئی تھی آرام و آسائش سے بالکل محروم تھی۔ لبرل خیالات کے "پچھلے وقتوں کے لوگ" جو اس کوشش سے باہر رہ کر صرف نکتہ چینی کرنا ہی جانتے تھے۔ میرے لئے پریشان کن تھے۔

رولنگ مل میں ٹیکنیکل فورمین کے فرائض افسروں اور سرکردہ کمیونسٹوں کے ساتھ تعلقات

اور دوستی اور فیکٹری کے اخبار کا ایڈیٹر ہونے کے ناطے میرا کام اتنا بڑھ گیا تھا کہ مجھے ایک لمحہ بھی فرصت کا نہیں ملتا تھا۔ مجھے کام سے محبت تھی۔ گرم اور پر شور ورکشاپ میں سارا دن سخت محنت کرنے کے بعد بھی میں اتنی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ کہ میں ٹیکنیکل کورس سماجی سیوا کے پراجیکٹ پارٹی میٹنگ یا ادبی محفلوں میں نہ جاؤں۔ تھکاوٹ کو میں ایک بورژوائی ڈھکوسلہ سمجھتا تھا۔

رُوس کے اخبارات اور ریڈیو نئے دور کے نعرے لگاتے رہتے تھے۔

"سرمایہ دار ممالک پر چھا جاؤ اور انہیں مقابلہ سے بھگا دو۔"

"اپنے ملک میں صنعت کو فروغ دینے کے لئے آگے بڑھو۔"

"قُلاقوں کو بطور جماعت ختم کر دو۔"

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم مستقل طور پر ایک بائلر فیکٹری میں رہ رہے ہوں۔ ہمارے کھانے۔ سونے۔ اور کام کرنے کا ماحول ایک جنگ کا سا ماحول تھا۔ ورکروں کی میٹنگیں۔ لٹریچر کا مطالعہ۔ غیر ملکی اور اندرونی دشمنوں کے خلاف ولولہ انگیز تقریریں۔ ہماری زندگیوں پر چھا چکی تھیں۔

کوندتی ہوئی بجلی جیسے الفاظ میں آوازۂ خدا کی طرح کریملن سے جن فیصلوں کا اعلان کیا جاتا تھا ان پر اعتراض کرنا ایک زلزلے کو روکنے کی کوشش سمجھی جاتی تھی۔ ہم اکثر ان فیصلوں کو جوں کا توں قبول کر لیتے۔ چاہے بعد میں ہماری سیاسی تعلیم کے دوران میں ہمیں اُن کے متعلق سب کچھ سمجھا دیا جاتا۔ اور اُن کی وضاحت کر دی جاتی۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ جو کچھ ہمیں بتایا جاتا تھا۔ کریملن کے برسر اقتدار لوگوں کے دماغ میں بھی وہی ہو۔ لیکن یہ خیال ہمیں بہت دیر کے بعد آیا۔ اُس وقت نہیں۔

سرکار کی خُفیہ پولیس جی۔پی۔یُو نے اب تک کبھی مجھ پر نگرانی نہیں رکھی تھی حالانکہ مجھے یہ بات بالکل قدرتی معلوم ہوتی تھی کہ قومی زندگی کے اس نازک دور میں ہر آدمی پر

محتاط نظر رکھی جائے اور اُسکی سرگرمیوں کو کنٹرول کیا جائے۔ پاپا کی طرح کے بزرگ جو پرانی یادوں کو اب تک نہ بھلا سکے تھے۔ خفیہ پولیس کے زیرِ نگران تھے۔ لیکن اُن کا ناخوش ہونا ایسا ہی تھا۔ جیسا کہ کوئی میدانِ جنگ میں بھی شانتی شانتی پکار رہا ہو۔

مقامی کمیونسٹ لیڈر مجھ پر یہ زور دے رہے تھے کہ میں پارٹی میں شامل ہو جاؤں۔ مَیں اُن کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ اور وہ مجھے کہا کرتے تھے۔ کہ تم نئی زندگی کیلئے ہماری عظیم جدوجہد میں مدد دے رہے ہو تو تنظیمی طور پر ہم سے علیحدہ کیوں رہو؟ مَیں نے اُن کی بات مان لی۔ دِل سے تو میں پہلے ہی اپنے آپ کو اُن کے ساتھ وابستہ کر چکا تھا۔ اب میں نے کسی غلط فہمی یا کسی قسم کے شکوک کے بغیر دیانت داری کے ساتھ پارٹی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ مَیں نے طے کر لیا کہ میں نئی سنعتی اور بالآخر سوشلسٹ دُنیا کی تعمیر کرنیوالی فوج کا ایک سپاہی بنوں گا۔

جب مَیں نے پاپا سے یہ بات کہی کہ مَیں پارٹی میں شامل ہونے کا ارادہ رکھتا ہُوں۔ تو نہ جانے کیوں مجھے کچھ پریشانی سی محسوس ہُوئی۔ اِس کی وجہ مَیں آجتک نہیں سمجھ سکا۔ شائد اس کی وجہ ــــ اِس کی جڑیں میرے تحت الشعور میں جہاں بچپن کی حسین یادیں۔ غرق ہو چکی ہیں ہوں۔ بہرحال پاپا نے میرے ارادے کو سُنا تو بڑی سنجیدگی سے کہنے لگے۔

"میں جانتا تھا کہ جلد یا بدیر تم پارٹی میں شامل ہو جاؤ گے۔ میں دیکھتا رہا ہُوں کہ تمہاری سیاسی سرگرمیاں بڑھ رہی ہیں۔ تم سیاسی مضامین لکھتے ہو۔ سیاسی کتب کا مطالعہ کرتے ہو لیکن تمہارے اِس فیصلہ پر مَیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے خوشی ہُوئی ہے۔ تم خود اِس بات کو جانتے ہو کہ آج ہمارے چاروں طرف کتنی نا انصافی ہو رہی ہے۔ حکمرانوں اور عوام کے درمیان فاصلہ کتنا بڑھتا جا رہا ہے۔ مَیں پُوچھنا چاہتا ہُوں کہ اِن سب چیزوں کی بابت تمہارا کیا خیال ہے۔ تمہارے دماغ میں کیا ہے؟"

اور پاپا کی یہ بات سُن کر میں نے کہا۔

"مجھے خوشی ہُوئی ہے پاپا کہ آپ نے مجھ سے یہ سوال کیا ہے۔ مَیں اس بارے میں

کھُل کر باتیں کرنا چاہتا ہُوں۔ آپ نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ جس کا میں مشکور ہُوں۔ لیکن آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ میری عمر اب ۴۲ سال کی ہے۔ مَیں نے اِس زمانے کے لوگوں کے ساتھ اور نئے خیالات و مستقبل کی بڑی بڑی سکیموں کے ماحول میں کام کیا ہے۔ اور اسی ماحول میں مَیں بڑا ہُوا ہوں۔ میں ایکدم پارٹی میں شامل ہونے کے لئے تیار نہیں ہُوا۔ آہستہ آہستہ اور بتدریج اِس طرف کو بڑھا ہُوں۔ پارٹی پر میرا اعتماد آہستہ آہستہ قائم ہُوا ہے۔ اور اب میں بعض اوقات اپنے آپ کو ویسے ہی پارٹی کا ممبر سمجھنے لگتا ہُوں میں جانتا ہُوں کہ آج بھی عہدوں کی بھُوک۔ طاقت پرستی۔ روزمرہ عملی زندگی کی تکالیف ایسی بہت سی خامیاں موجود ہیں۔ لیکن مَیں اُنہیں محض مرحلے سمجھتا ہُوں۔ جو کہ گزر جائینگے مَیں بھی آپ کی طرح اِن چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن ایک ایسے ملک کو جو ابھی بنی نوع انسان کے ابتدائی طریق کار پر چل رہا ہو۔ ایک جدید صنعتی مُلک اور پھر ایک سوشلسٹ مُلک بنانا ایک بہت بڑا کام ہے۔ اِس کام میں غلطیاں بھی ہوں گی۔ اور ناانصافیاں بھی ہوں گی۔ لیکن میں ایک طرف کھڑا ہو کر محض نکتہ چینی کرنا نہیں چاہتا۔ مَیں پارٹی کے اندر جا کر بُرائیوں سے لڑتا ہُوا۔ اور اچھائیوں کو اپناتا ہُوا دیانتداری سے کام کرنا چاہتا ہُوں۔

میں نے یہ فیصلہ کرنے سے پہلے بہت دیر تک اِس پر غور کیا ہے۔ اِس بات کا فیصلہ تو وقت اور تجربہ ہی کریگا۔ کہ پارٹی درست راستے پر جا رہی ہے۔ یا نہیں۔ لیکن میں اس کے مقاصد میں یقین رکھتا ہُوں۔ اور اُن کے حصُول کیلئے حتےٰ المقدُور کوشش کرنا چاہتا ہُوں۔ آخر آپ بھی تو صنعتی فروغ کے خلاف نہیں ہیں! آپ پُرانے اور مریل گھوڑوں کی مدد سے کاشت کرنے کی بجائے ٹریکٹروں کو استعمال کرنے کے بھی خلاف نہیں ہیں آپ اِس بات کے بھی خلاف نہیں ہیں کہ کِسانوں کو رضاکارانہ طور پر اجتماعی فارموں میں شامل ہو کر کھیتی کرنے کے لئے کہا جائے۔"

بابا نے گھورتے ہُوئے میری طرف دیکھا۔ لیکن اُن کی آنکھوں میں غصّہ نہیں تھا۔

وُہ بولے:۔

' وِتیا۔ بیشک مَیں اِن چیزوں کے خلاف نہیں ہُوں۔ مجھے تمہارے جذبات اور احساسات کا بھی علم ہے۔ درحقیقت مجھے تمہارے اندر اپنی جھلک دکھائی دے رہی ہے۔ جب میرے دِن تھے تو میں بھی ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا۔ میں نے بھی اپنے آپ کو۔ اپنی بیوی کو۔ اپنے بچّوں کو ایک طرف رکھ کر اپنے ضمیر کا کہا کیا تھا۔ کوئی عقیدہ نہ رکھنے کی نسبت کوئی عقیدہ کیسا بھی کیوں نہ ہو رکھنا بہتر ہے۔ تمہیں گورکی کی کتاب "Lower Depths" کے یہ فقرے یاد ہوں گے۔

" تمہیں یقین ہو تو خدا ہے۔ نہ ہو تو نہیں ہے"۔

تم نے اب ایک عقیدہ کو اپنا لیا ہے۔ تو میں تہہ دِل سے دُعا کرتا ہُوں۔ کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو"

" لیکن وِتیا۔ یاد رکھو۔ عوام سے دُور نہ ہونا۔ اِس بات کا خیال نہ کرنا کہ تمہیں کون کون سے عہدے ملے ہیں۔ اپنے مُفید ہونے کا اندازہ اِس بات سے لگانا کہ یہ لوگ کیسے زِندگی گذارتے ہیں۔ کیا اِن کی حالت بہتر ہُوئی ہے۔ کیا یہ پہلے سے زیادہ خوشحال ہوئے ہیں۔ کیا انہیں پہلے سے زیادہ آزادی ملی ہے۔ اگر تُم ہمیشہ اُن سے تعلق قائم رکھو گے اُن کی مشکلات کو سمجھو گے اُن کی مدد کرو گے تو مَیں تمہارا شکرگذار ہُونگا۔ خالی نعروں پر اعتبار نہ کرنا' سیاستدانوں کے متعلق کوئی اندازہ اُن کے عمل سے لگانا۔ میٹھے میٹھے اور خوبصورت الفاظ سے نہیں۔ کریملن میں رہنے والوں نے یہ تھیوری مرتّب کی ہے۔ دیکھنا چاہیئے۔ کہ اِس پر عمل کیسے ہوتا ہے۔ خدا کرے تمہارا اعتماد ختم ہونے کی کوئی وجہ پیدا نہ ہو"

کچھ لمحے رُکنے کے بعد اُنہوں نے پھر کہا۔

' کون جانتا ہے کہ شائد ہمارے بچّے ہی عوام کو حقیقی آزادی اور بہتر زِندگی دِلانے میں کامیاب ہو جائیں"

میں نے انہیں یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"پاپا۔ ہم ضرور کامیاب ہوں گے"۔

پاپا اور میرے درمیان یہ بات چیت کئی سالوں تک جبکہ میں پارٹی کے اندر پارٹی کے لئے کام کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں رہی۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے پاپا میرے کام کو دیکھ رہے ہیں۔ جائزہ لے رہے ہیں۔ نعروں کے پیچھے عمل اور حقائق کو ہر وقت پرکھ رہے ہیں۔

۱۹۲۵ء کے وسط میں مجھے پارٹی میں شامل کیا گیا تھا۔ اور میں اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا واقعہ تصور کرتا تھا۔ اس نے مجھے روس کے "دیوتاؤں" کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ اب میں ایک ایسا فرد نہ رہا تھا جسے اپنے دوست اپنا مفاد اور اپنا نظریہ منتخب کرنے کی آزادی ہو۔ میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے ایک خیال اور ایک کاز کیلئے وقف کر دیا تھا۔ میں ایک ایسی فوج کا سپاہی بن چکا تھا۔ جس کا ڈسپلن بہت سخت تھا۔ اور جس میں مرکز کی تابعداری ہی پہلی اور تمام خوبی تھی۔ اس اقدام کے بعد غلط لوگوں سے ملنا اور غلط باتیں سننا میرے لئے ممنوع تھا۔

(۲)

۱۹۲۸ میں ایک واقعہ نے جسے شاختائی کا واقعہ کہا جاتا تھا۔ روسی اور غیر ملکی اخبارات کے کالم کے کالم بھر دیئے تھے۔ اُس وقت ماسکو میں کوئلے کی صنعت کے کچھ سرکردہ انجنیئروں کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ مقدمہ کی سماعت کے وقت روسی اور غیر ملکی اخباری نمائندے بھی موجود تھے۔ نیوز ریل کیمرے گھر گھر کرتے ہوئے کارروائی کی فلم لے رہے تھے۔ اور ریڈیو مائیکروفون کے ذریعے کارروائی کی تفاصیل سارے ملک کو سنائی جا رہی تھیں۔ کریملن کی طرف سے جنتا کے نام یہ اعلان ہو رہا تھا۔

"ہماری بہت سی اہم خامیوں کی وجہ یہ ہیں۔ سرمایہ داری کے ایجنٹ اور

پُرانے دَور کے بچے کُھچے عناصر جان بوجھ کر حادثات کرا رہے ہیں اور پیداوار کو کم کر رہے ہیں۔"

یہ مقدمہ اپنی قسم کا پہلا ڈرامائی اور نمائشی مقدمہ تھا۔ جو بعد میں ایک معیار بن گیا۔ اس قسم کے مقدمات میں ملزم خاموشی کے ساتھ مُلک کے خلاف جرائم کا اعتراف کر لیتے تھے۔ شاختائی کے مقدمہ میں کچھ مُلزموں نے صحتِ جرم سے اِنکار کیا تھا۔ اور اپنی زندگیاں بچانے کے لئے جدوجہد کی تھی۔ لیکن اِس قسم کی "بدعنوانیوں" کو روکنے کیلئے آئندہ مقدمات میں خاص احتیاط سے کام لیا گیا۔

اُن انجنیئروں کو جنہیں نئے دَور نے پرانی حکومت سے ورثہ میں پایا تھا نکال دینے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ ایک نئی انجنیئرنگ کور تیار کی جائے۔ جس کے ذہن میں ماضی کی کوئی یاد نہ ہو۔ اور جو نئے رُوس کی وِچار دھارا اور پارٹی کی سکیموں کے تئیں پورے طور پر وفادار ہو۔ ایسے لوگ نوجوان ورکروں اور ملازموں میں سے پارٹی کے ذمہ دار ورکروں میں سے یا کم از کم اُن کے ... خیال کے آدمیوں میں سے ہی لئے جا سکتے تھے۔ اِسلئے پارٹی کے اعلےٰ حلقوں نے فیصلہ کیا کہ پارٹی اور ٹریڈ یونین میں ایک ایسی جماعت بنائی جائے جو پرانی اور نئی یونیورسٹیوں میں اور ٹیکنیکل اداروں میں تعلیم حاصل کرے۔ یہ سکیم خود پولٹ بیورو نے تیار کی تھی جو کہ تمام طاقت کا مالک تھا۔

۱۹۳۰ میں پارٹی کے سنٹرل کنٹرول کمیشن کا ایک نمائندہ گروپ ہمارے پلانٹ میں سرگرمیوں اور یہاں کام کرنیوالے آدمیوں کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے آیا۔ مجھے ڈائرکٹر کے دفتر میں بُلایا گیا۔ شیشم کے بڑے سے میز پر ٹیلیفونوں کا ایک جال سا لگا ہوا تھا۔ اور اُس کے پیچھے ڈائرکٹر کی کرسی پر ایک اجنبی بیٹھا تھا۔ میں نے اخبارات میں اُس کی تصویریں دیکھی ہوئی تھیں۔ اِسلئے میں جان گیا کہ یہ صاحب ماسکو کے اہم ترین لیڈروں میں سے ایک اور سنٹرل کمیٹی کے ایک سرکردہ ممبر آرکاڈی رونگولٹر

ہیں ـــــ مسکرا کر میرے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔ "کیا حال ہے کامریڈ کرافشنکو! میں نے تمہیں اسلئے بُلایا ہے کہ میرے پاس تمہارے کام کی بہت تعریف ہوئی ہے۔ تم پیداوار بڑھانا چاہتے ہو۔ اچھی بات ہے۔ تم اخبارات میں اپنے خیالات بڑی دلیری سے ظاہر کرتے ہو۔ یہ بھی بڑی اچھی بات ہے۔ کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

"نہیں کامریڈ روزنگولٹز۔ آپکا شکریہ!" میں نے جواب دیا۔

"اچھا تو اب مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔" اُنہوں نے کہا۔

میں نے مختصر طور پر اُنہیں اپنی زندگی کے حالات بتا دیئے۔ انقلابی خاندان میں بچپن۔ کیمون میں کام۔ کوئلے کی کانوں کے واقعات۔ کامسومول میں شمولیت اِن سب کے بارے میں تھوڑی تھوڑی باتیں میں نے اُنہیں بتائیں۔ میں نے اُنہیں یہ بھی بتایا کہ اِس پلانٹ میں مجھے کیسے کام ملا۔ اور پھر میں پارٹی میں کیسے شامل ہوا۔ ساتھ ساتھ میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے یہ داستان کتنی بار دوہرانی پڑیگی۔ کسی آدمی کی زندگی کے پرائیویٹ حالات کو یوں بار بار سامنے لانا روسی سماج میں ایک قسم کا رواج بن گیا ہے۔

کامریڈ روزنگولٹز میری باتیں سُننے کے ساتھ ساتھ بڑی احتیاط کے ساتھ میرے چہرے کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اُنہوں نے کہا۔

"تم ایک نوجوان ہو۔ ابھی تمہاری عمر ۲۵ سال کی نہیں ہو گی۔ تم جانتے ہو کہ پارٹی کو صنعتی انجنیروں کی ضرورت ہے۔ کیا تم تعلیم حاصل کرنا چاہو گے؟ ہم تمہیں کچھ سالوں کے لئے کسی ٹیکنیکل ادارے میں بھیج دیں گے۔ پارٹی کو اِس کا معاوضہ تم اپنی بہترین کوششوں اور محنت کے ذریعے دو گے۔ پارٹی کو صنعتی فروغ کا کام اپنی پالیسی کے مطابق جاری رکھنے کے لئے اپنے ٹیکنیکل ماہرین کی ضرورت ہے۔"

اور میں نے ایکدم اُن کی اِس پیشکش کو منظور کرتے ہوئے کہا۔ "شکریہ! اپنے مُلک کیلئے میں جو کچھ بھی کر سکوں مجھے اِس سے خوشی ہو گی۔"

دُوسرے دِن سیرگِہ آرڈزہونی کِڈز خود ہمارے پلانٹ میں آ گئے - غیر متوقع طور پر وُہ پلانٹ کے ایک سوداگتی افسر اور علاقائی افسروں کے ہمراہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں گھس آئے - مجھے اِتنی زیادہ خوشی ہُوئی جتنی کہ سٹالن کے سوا کِسی بھی اور آدمی کو اِس طرح اپنے سامنے دیکھ کر نہ ہو سکتی تھی - آرڈزہونی کِڈز - سٹالن کے ایک قریبی ساتھی - مزدوروں اور کِسانوں کے معائنہ کے انچارج اور پارٹی کے سنٹرل کنٹرول کمیشن کے چیئرمین تھے - ڈائرکٹر نے اُنہیں مجھ سے متعارف کرایا - اور کامریڈ آرڈزہونی کِڈز نے اپنی گونجدار آواز میں کہا -

"ہاں - میں نے تمہارے متعلق سُنا ہے" اور اس کے ساتھ ہی ہاتھ بڑھاتے ہُوئے وُہ پھر بولے کہو - یہاں کام کیسا چل رہا ہے ؟"

مَیں نے جواب دیا -

"اچھا ہے - اگرچہ یہ اِس سے بھی بہتر ہو سکتا ہے"

"خوب ! ہم اِسے بہتر بنانے کے لئے کیا کر سکتے ہیں ؟" اُنہوں نے پُوچھا -

"اُسے چند لفظوں میں کہنا مشکل ہے -" میں نے جواب دیا -

لیکن کامریڈ آرڈزہونی کِڈز نے قہقہہ لگاتے ہُوئے پھر کہا -

"بولو - بولو - شرم کی کوئی بات نہیں"

اِس پر میں پھوٹ پڑا - اور اُنہیں مخاطب کرتے ہُوئے مَیں نے کہا -

"کامریڈ ! کام زیادہ بہتر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں اپرینٹس بہت زیادہ ہے - ایک دُوسرے کی نگرانی کے لئے بہت زیادہ لوگ رکھے گئے ہیں - میں نے اپنے پلانٹ کا انقلاب سے پہلے کا ریکارڈ دیکھا ہے - اُس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے یہاں کا منتظم سٹاف ۳۵ فیصدی بڑھ گیا ہے - میرے خیال میں یہ اضافہ نہیں ہونا چاہیئے - زیادہ لوگ ایک دُوسرے کے کام میں ... رکاوٹ بنے ہُوئے ہیں - کام کے نتائج کی ذمہ داری ہر آدمی پر ہے

جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی بھی آدمی ذمّہ دار نہیں۔ ہم اچھے طریقے سے کام نہیں کرتے۔ اور خرچ زیادہ کرتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ سرمایہ داروں نے تو اس پلانٹ سے منافع کمایا اور ہم صرف خسارہ ہی دکھا رہے ہیں؟ آخر مزدور تو پہلے کی طرح ہی کام کرتے ہیں۔ خرابی لازمی طور پر ہم میں ہوگی۔"

اپنی اس گرمجوشی کے دوران میں بھی میں محسوس کر رہا تھا کہ پلانٹ کے افسر پریشان ہو رہے ہیں۔ ڈائرکٹر زور سے کھانسا۔ پارٹی اور ٹریڈ یونین کے عہدیدار ایڑیاں اُٹھانے لگے۔ سارے محکمہ میں کام بند ہوگیا۔ اور کہیں سے آواز آئی۔

"وکٹر اینڈریوچ۔ درست۔ بالکل درست!"

اور میں نے پھر بولنا شروع کر دیا۔

"کامریڈ! کئی بار یہاں نتائج کی نسبت شور زیادہ پیدا ہوتا ہے ڈسپلن کمزور ہے کیونکہ اتنے سارے لوگ اس پر عمل کرواتے ہیں۔ ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک آدمی ہماری رہنمائی کرے۔ ایک آدمی ذمّہ دار ہو۔ اور ہمارے کام میں اتنی زیادہ اطراف سے مداخلت نہ ہو۔"

"خوب" کامریڈ آرڈزہونی کڈزے نے ایک بار پھر کہا۔

"اجتماعی طور پر تم درست ہو۔ ہمارا لیڈر بھی انہی لائنوں پر سوچ رہا ہے کامریڈ کراوشینکو۔ تمہیں انجنیئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ضرور ہی جانا چاہیئے۔"

اُنہوں نے میرے ساتھ ہاتھ ملایا۔ اور باہر چلے گئے۔ اُن کے پیچھے ہمارے پلانٹ کے افسر خوفزدہ حالت میں جا رہے تھے۔ لیکن چند ہی قدم چلنے کے بعد کامریڈ آرڈزہونی کڈز لوٹ پڑے۔ اور میرے پاس آ کر بولے۔

"اگر تمہیں کبھی کوئی تکلیف ہو یا کسی چیز کی فوری ضرورت ہو تو مجھے لکھ دینا میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔"

میں نے سوچا کہ آنیوالے مشکل سالوں میں مَیں اِس پیشکش سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔ مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ آرڈزہونی کِڈز نے میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ہے۔ مجھے "راج دربار" میں ایک سرپرست مِل گیا تھا۔ ۱۹۳۷ کے آغاز میں جب اُن کی مرتبہ ہوئی تب تک مَیں اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتا تھا۔ اُس وقت تک اپنی زندگی کے بدترین لمحوں میں۔ اِس خیال نے مجھے دلیری عطا کی کہ میں سٹالن کے جیارجیا کے رہنے والے ساتھی سے مدد حاصل کر سکتا ہوں ۔ اور کوئی آدمی اِتنی دلیری نہیں دکھا سکتا تھا جتنی کہ میں دکھاتا تھا۔

حالات کے نیا رُخ اختیار کرنے سے میرے والدین اور بھائیوں کو بھی بہت خوشی ہوئی۔ خاص طور پر ماما کو یہ بات ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ کہ مَیں بھی پاپا کی طرح ساری عمر ایک فورمین رہوں۔ انقلاب نے میری تعلیم میں خلل ڈال دیا تھا۔ اِس لئے اُن کا دِل پریشان تھا۔ اب، اگرچہ دیر سے، مَیں ایک انجنیئر بننے کی تیاری کر رہا تھا تو اُن کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ پاپا بھی بہت خوش نظر آتے تھے۔ مَیں نے اُن کے سامنے کامریڈ آرڈزہونی کِڈز کا جو نقش کھینچا۔ اور اُن کی جو تعریف کی اُنہوں نے اُسکی تائید کی۔

ایک دِن باہر آنگن میں بیٹھے ہوئے اُنہوں نے اپنے دوستوں سے کہا تھا "میرا لڑکا انجنیئر بنے گا"

اُن کے لہجہ سے فخر جھلک رہا تھا۔

میں نے کئی مہینے انٹرنس پاس کرنے کے لئے تیاری کی۔ انجنیئرنگ کورس کیلئے جسے "تھاؤزنڈرس" کہا جاتا تھا چُنے جانے والے خوش قسمت نوجوانوں کو خاص کورس مہیا کئے گئے۔ اور پھر ۱۹۳۱ کے شروع میں مَیں نے خارکوف کی ٹیکنالوجیکل انسٹی ٹیوٹ سے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔

⁂ ——— ⁂ ——— ⁂ ——— ⁂

باب نمبر ۴

خارکوف میں طالب علمی کا زمانہ

۲۵ سال کی عمر میں ایک بار پھر میں خارکوف میں ایک طالب علم تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس مرتبہ سرکار میری سرپرست تھی۔ مجھے زندگی گذارنے کیلئے پیٹرووسکی۔ لینن پلانٹ کے بجٹ میں سے ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ اس میں سے میں کپڑے وغیرہ بھی سلا سکتا تھا۔ اور تفریح طبع کیلئے بھی خرچ کر سکتا تھا۔ لیکن بھوک اور سردی جن کا مجھے خانہ جنگی کے دنوں میں تجربہ ہوا تھا۔ اب پھر اپنے رنگ دکھا رہی تھیں۔ اس وقت سے پہلے شاید کبھی مختلف اقسام کے اتنے مردوں اور عورتوں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک تعلیمی ادارہ میں بھرتی نہیں کیا گیا تھا۔ جتنے کہ اس وقت ہمارے کالج میں تھے۔ بیشتر طلباء کی عمر ۲۳ برس سے اوپر تھی۔ اور متعدد ایسے بھی تھے۔ جو ۳۰ سال یا اس سے زیادہ عمر تک پہنچ چکے تھے۔ سمجھدار اور بالغ الذہن آدمی اُن نوجوان مزدوروں کے ساتھ بیٹھ کر تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ جن کے لئے تعلیم واقعی ایک معجزہ اور ایک قسم کے ٹارچر سے کم نہیں تھی۔ نئے ٹیکنیکل ماہرین تیار کرنے کے لئے ہمیں کارخانوں، کانوں

دفتروں۔ سرکاری فارموں اور فوجی کیمپوں میں سے بھرتی کر کے یہاں لایا گیا تھا۔ یہاں کچھ مقامی طلبا بھی تعلیم حاصل کر رہے تھے جو اپنے گھروں میں رہتے تھے اور اُن کے ساتھ کچھ وسط ایشیا کے طلبا بھی تھے۔ جنہوں نے کبھی کوئی مغربی شہر نہیں دیکھا تھا۔ ہم میں میدانِ جنگ کے بہادر۔ سائبیریا کے گوریلے۔ اور کمیونسٹ پارٹی کے عہدیدار بھی شامل تھے۔ جو کہ نئی سیاسیات کو پورے طور پر سمجھتے تھے۔

شائد اس سے پہلے کبھی موجودہ طلبا سے زیادہ سنجیدہ طالب علم یہ مشکل کورس پڑھنے کے لئے نہیں آئے ہونگے۔ ہم یہ کورس اس طرح سے پڑھ رہے تھے۔ جیسے کوئی آدمی۔ خطرناک جنگلات میں سے اپنا راستہ بناتے ہوئے جا رہا ہو۔ جیسے ہم دشمن کی فوج پر فتح حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہوں۔ اِس تعلیم کا عام وقتوں کے کسی عام سکول کی تعلیم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ اُس سے بہت مختلف تھی۔

خارکوف کے متعدد دیگر اداروں کے ہزاروں طلبا کے ساتھ میں بھی لیبنن ایونیو کی سرائے میں رہتا تھا جو کہ جگنت کے نام سے مشہور تھی۔ یہاں ہر کمرے میں ہم چار چار پانچ پانچ آدمی رہتے تھے۔ سردیوں میں سردی اور گرمیوں میں گرمی ہماری مصیبت کا باعث بنتی تھی۔

۱۹۳۰ - ۳۱ء کے موسم سرما میں جگنت میں اکثر اتنی سردی ہوتی تھی کہ ہمارے غسلخانے کا پانی جم جایا کرتا تھا۔ ہم لوہے کے چھوٹے سے چولھے کو گرم کرنے کے لئے لکڑی کے ٹکڑے ٹوٹا ہوا فرنیچر اور پرانے اخبارات تلاش کیا کرتے۔ اِس چولھے کی ٹیڑھی میڑھی چمنی جس میں کئی جگہوں پر جوڑ لگے ہوئے تھے۔ ایک کھڑکی کے راستے باہر لگا دی گئی تھی۔ اس طرح ہم وہاں بھوک اور سردی سے لڑتے ہوئے پڑھتے رہے۔ اپنے ملک کے صنعتی مستقبل کے خواب دیکھتے رہے۔ اور اس بارے میں آپس میں بحث مباحثے کرتے رہے۔

عورتیں ایک علیحدہ حصے میں رہتی تھیں۔ لیکن ہم کھانے کے کمرے اور سوشل ہال

میں آزادانہ طور پر ایک دوسرے سے گھل مل سکتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے کمروں میں جا کر اکٹھے پڑھنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ قدرتی طور پر اس طرح سے طلباء کے درمیان کئی نئے نئے تعلقات قائم ہو گئے۔ جگنت میں پارسائی کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ لیکن عام طور پر اخلاق کا معیار بہت بلند تھا۔ طلباء میں پڑھائی کے لئے اتنا شوق تھا۔ اُن کی روزمرّہ کی مشکلات اتنی زیادہ تھیں اور آن کا باہمی احترام اتنا حقیقی تھا۔ کہ یہاں نازیبا حرکات کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

میں اپنے چار دیگر ساتھیوں۔ الیگزی کارنوخوف جارج دائیگورا۔ ونیا افلا اشٹینکو۔ اور پاویل پاکھولکن کے ساتھ رہتا تھا۔ ہم سب کو نئی انجنیئرنگ کور کیلئے بھرتی کیا گیا تھا۔ اور ہم سب کے سب پارٹی کے ممبر تھے۔

لیکن الیگزی کو مسومول کی سنٹرل کمیٹی کا ممبر ہونے کے ناطے ہم سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ لمبے بالوں۔ شربتی آنکھوں اور مضبوط جسم کے ساتھ جتنا وہ دیکھنے میں خوبصورت لگتا تھا۔ اتنا ہی وہ عملی طور پر بھی نیک تھا۔ وہ دیانتدار تھا۔ دل کی بات منہ پر کہہ دیتا تھا اور کمیونسٹ لیڈروں میں خال خال ملنے والے "تنقید پسند لوگوں میں سے ایک تھا۔ اپنی پوزیشن پر اُسے کوئی غرور نہیں تھا۔ اور نہ وہ سکول کے معاملات یا عام پبلک معاملات پر کھل کر اپنی رائے دینے سے گریز کرتا تھا۔

ہمارے کورس میں ٹیکنیکل معاملات کی نسبت سیاسی تعلیم زیادہ تھی۔ حکومت ہمیں صرف انجنیئر ہی نہیں بنانا چاہتی تھی۔ بلکہ ایسے انجنیئر بنانا چاہتی تھی جو "روسی ڈھنگ" پر سوچیں۔ ہم نے پروفیسر فلیپوف سے تعلیم حاصل کر کے لینن ازم کا جو ڈپلومہ حاصل کیا تھا۔ یہاں اُس نے ہماری مدد کی۔ جو طلباء مارکس کی 'DAS KAPITAL' اینگلز کے دلائل لینن کی کتابوں۔ اور سٹالن کی تقریریں کو نہیں سمجھ

سکتے تھے۔ اُنہیں اُن لوگوں سے بھی پہلے کالج سے نکال دیا گیا جو کہ ٹیکنیکل امور کو سمجھنے کے ناقابل تھے۔

ہم پانچوں رُوم میٹ ہوائی جہازوں کی تعمیر کے ادارے میں تھے۔ گو ہم میں سے صرف وائیگودا کو ہوائی جہاز بنانے کا کچھ عملی تجربہ تھا۔ لیکن رُوس کو جدید بنانے کے لئے دُوسری چیزوں کی طرح ہوا بازی بھی ایک ضروری چیز تھی اسلئے ہمیں اس سے دلچسپی ہو گئی۔

ہمارے خیالات میں اختلافات۔ اور ہماری شخصیتوں میں باہمی تصادم کے باوجود اکیساتھ رہنے کی وجہ سے ہم میں ایک گروپ کی سپرٹ پیدا ہو گئی تھی۔ جب کبھی ہم پانچوں میں سے کسی نے کسی لڑکی سے ملنے کے لئے جانا ہوتا تو باقی ساتھی۔ نکٹائیاں۔ اور دُھلے ہُوئے کوٹ پتلونوں سے اُس کی مدد کرتے اور بعض اوقات اُسے ملاقات کے لئے پُوری سج دھج بنانے کے واسطے کچھ روبل بھی اکٹھے کر کے دیتے۔

رُوس کے دُوسرے اداروں کی طرح اس ادارے کا بھی ایک اپنا اخبار تھا۔ میں جلد ہی اُس میں بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر کام کرنے لگا۔ جگنت کے نظم و نسق کے خلاف لوگوں کو بہت زیادہ شکایات تھیں۔ وہ شکایتیں اب ہمارے اخبار کے کالموں میں چھپنے لگیں۔ ہم نے کم راشن ملنے۔ اچھا کھانا نہ بننے کپڑے دُھلانے کا مناسب انتظام نہ ہونے جگنت کے اندر صفائی کی ناگفتہ بہ حالت اور نظم و نسق کی تنظیم ناقص ہونے پر سخت نکتہ چینی کی۔

اس کے نتیجہ کے طور پر طالب علموں کا ایک عام جلسہ ہماری پارٹی اور کامسومول یونٹوں کے اہتمام میں منعقد ہُوا۔ بہت سی تقریریں ہُوئیں۔ اور کئی طرح کی تجاویز پیش کی گئیں۔ سٹیرنگ کمیٹی کے ساتھ بات چیت کرنے کے بعد میں نے تجویز کیا کہ طالب علم نظم و نسق کی کچھ ذمہ داریاں خود سنبھال لیں۔ اس پر الیگزنی نے یہ تجویز پیش کر دی کہ مجھے ابھی یہ کام سنبھالنے کے لئے نامزد کر دیا جائے۔ اس مرحلہ پر ایک

پرکشش لڑکی نے جس کی طرف میں نے پہلے توجہ نہ دی تھی بولنے کے لئے وقت مانگا۔ اور اُٹھ کر کہا۔ کہ

" میں کامریڈ کرافیشنکو کے چناؤ کی تائید کے لئے کھڑی ہوئی ہوں۔ میں آٹھ سال سے اُنہیں جانتی ہوں۔ اور میں اِس بات کی تصدیق کر سکتی ہوں کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو پارٹی کے ارپن کر رکھا ہے۔"

وہ یقیناً" ایک بہت حسین لڑکی تھی سا پنے بھرے ہوئے جسم پہ خوبصورت پوشاک زیبِ تن کئے۔ اُس نے بڑی دلیری اور خود اعتمادی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جلسے کی کارروائی جاری رہی لیکن مجھے اِس بات پہ حیرانی ہو رہی تھی کہ یہ لڑکی کون ہے اور مجھے کیسے جانتی ہے۔ مجھے "جگنت کمیون" کا لیڈر چن لیا گیا جلسے کے بعد میں گیلری میں اُس لڑکی کے پاس پہنچا۔

"کیا حال ہے آپکا۔ وکٹرا اینڈری وچ!" شرارت آمیز ہنسی کے ساتھ اُس نے پوچھا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے بھول گئے ہوں گے۔ خیر۔ یہی کافی ہے کہ میں نے آپکو یاد رکھا۔"

" اچھا۔ تو آپ ہی بتائیے آپ کون ہیں "۔ میں نے پوچھا۔

" میں پاشا ہوں۔ یاد آیا آپکو؟" مسکراتے ہوئے اُس نے پھر کہا۔

" پاشا؟ نہیں بھئی مجھے تو یاد نہیں آرہا۔" قدرے پریشانی کے ساتھ میں بولا۔

" اچھا۔ تو شاید اب یاد آجائے ۔۔ میں الگو فرووفکا۔ میں کوئلہ کی ایک گاڑی کھینچا کرتی تھی۔۔۔۔"

اُس کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ کوئلہ کی کان میں گزرے ہوئے میری زندگی کے سات مہینے میری نظروں میں سے گذر گئے اور میں نے حیرانی کے ساتھ کہا۔

" یا خدا! کیا یہ وہی پاشا ہو سکتی ہے۔" اس کے ساتھ ہی ہم دونوں قہقہہ

لگا کر ہنس پڑے۔ اور میں نے حقیقی مسرت کے ساتھ اُسے اپنے بازوؤں میں بھینچ دیا
اُدھر سے الیگزی ہمارے پاس آپہنچا اُسے دیکھتے ہی میں نے چلا کر کہا۔

"الیوشا۔ آؤ پاشا سے ملو۔ پچھلی بار جب میں نے اسے دیکھا تھا تو یہ کوئلے کی طرح کالی اور کسانوں کی طرح چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تھی۔"

"اور ناخواندہ بھی۔" میری مدد کرتے ہوئے پاشا نے کہا۔

"ہاں اور اب اس کی طرف دیکھو۔ اب یہ ایک طالبہ ہے۔ اور تمہاری ہی طرح مہذب ہے پہلے اس کے حسن پر کوئلے کی دھول جمی ہوئی تھی۔ اب وہ ہٹ چکی ہے۔ یہ انقلاب کی فتح ہی تو ہے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

اور حقیقتاً یہ تبدیلی غیر معمولی تھی۔ آج کی پاشا میں سے اُس کے ماضی کا کوئی سراغ ڈھونڈنا ناممکن تھا۔

کوئلے کی کان میں جب میری اُس سے واقفیت ہوئی تو وہ محض ایک کالے رنگ کی کسان لڑکی تھی۔ اُس کے جسم پر پھٹا ہوا سا چولا ہوتا تھا۔ اور گندھے ہوئے بال پیٹھ پر لٹکا کرتے تھے۔ اور اُسوقت جب ہم اُسے مہذب بنانے کی کوشش کرتے تھے تو وہ اُسی طرح ناراض ہوا کرتی تھی۔ جس طرح کہ پنجرے میں بند جنگلی جانور اُس آدمی کو دیکھ کر بھی غراتا ہے جو اُسے وہاں سے نکالنے کے لئے آیا ہو۔ اپنے ذہن کی گہرائیوں میں میں نے پاشا کے ارتقاء کا تصوّر کیا۔ اور اسے انقلاب سے پیدا ہونے والی برائیوں کے مقابلہ میں انقلاب سے ہونے والی ایک اچھائی سمجھا۔

اس کے بعد پاشا اور الیگزی کے تعلقات آپس میں بڑھتے گئے۔ میں اُن کی دوستی کا "سرپرست" تھا۔ اور اس میں مدد دیتا رہا۔

خارکوف سوویٹ اور لوکل پارٹی کے یونٹوں کی مدد سے ہم سرائے کے حالات زندگی کو بہتر بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ ہمارا خوراک کا راشن بڑھا دیا گیا۔ ایندھن بھی پہلے

سے زیادہ ملنے لگا۔ نیچے کے کمروں میں کئی کمیونٹی لائبریریاں کھل گئیں۔ والنٹیروں کے "صفائی دستے" دن میں کئی کئی بار گیلریوں کی صفائی کرنے لگے۔ اور سب سے بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ بلڈنگ میں حجام کی دوکان اور ساتھ ہی ایک "میک اپ شاپ" کھل گئی۔ چونکہ یہ سارا کام میری رہنمائی میں ہوا تھا۔ اس لئے طلبا میں میری عزت بڑھ گئی۔

لیکن اس تمام بہتری کے باوجود جدوجہد ختم نہ ہوئی۔ اپنی مشکلات کے ہوتے ہوئے بھی ہم میں سے بیشتر لوگوں کو اس ناخوشگوار حقیقت کا علم تھا کہ شہر اور خاص طور پر نواحی دیہات میں حالات بڑی تیزی سے خراب ہو رہے ہیں۔ انہیں نظرانداز کرنے کی کوششیں اور کھلے بندوں ان کا ذکر کرنے کے خطرات کا احساس سب کو روکے ہوئے تھا۔ ورنہ سب لوگ ہی، سارے نہیں تو کچھ نہ کچھ حالات سے ضرور واقف تھے۔

دیہات میں قلاقوں کا قلع قمع کرنے کے لئے ناقابلِ بیان مظالم کی افواہیں پھیل رہی تھیں۔ ہم کسانوں سے بھری ہوئی بیل گاڑیوں اور بچوں کی قطاروں کی قطاریں خارکوف میں سے گذرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ جو کہ شاید اپنے "خاتمہ" کے نتیجہ کے طور پر شمال میں ٹنڈرا کی طرف جا رہے تھے۔ دیہات میں کمیونسٹ افسروں کو ہلاک کیا جا رہا تھا۔ اور اس کے جواب میں حکومت کی طرف سے وہاں کے کسانوں کا قتلِ عام ہو رہا تھا۔ یہ افواہیں بھی پھیل رہی تھیں کہ کسان جبری طور پر اجتماعی کھیتی باڑی کی مزاحمت کے لئے اپنے مویشیوں کو قتل کر رہے ہیں۔ ماسکو کے اس اعلان نے کہ مویشیوں کو بلا اجازت ہلاک کرنا سنگین جرم سمجھا جائے گا۔ ان افواہوں کے بدترین حصّہ کی بھی تصدیق کر دی۔

شہر کے ریلوے سٹیشن اور موٹروں کے اڈّے، چیتھڑوں میں ملبوس بھوکے کسانوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ جو کہ اپنے آبائی گھروں کو چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ بے گھر اور یتیم بچّے جن کی تعداد جنگی کے دنوں میں بہتات تھی۔ اب پھر ہر جگہ دکھائی دینے لگے تھے۔ اور شہر کی گلیوں میں بھکاریوں کی تعداد پھر بڑھ رہی تھی۔ جن میں سے بیشتر دیہاتی تھے۔

اُدھر رُوسی اخبارات میں انقلاب کی شاندار کامیابیوں کی داستانیں شائع ہو رہی تھیں "ترکستان۔ سائبیرین ریلوے مکمل ہو گئی ——— یورال (سائبیریا) میں نئے کارخانے کھول دئے گئے ——— ایک کے بعد دوسرے صوبے میں سو فیصدی اجتماعی کھیتی باڑی شروع ہو گئی ———" یہ عنوان اُن دِنوں رُوسی اخبارات میں دیکھنے میں آتے تھے۔ نئے کارخانے لگانے اور مکانات کی تعمیر کی نئی نئی سکیموں کے لئے اخبارات میں "سٹالن کا شکریہ" کے عنوان سے کھلی چٹھیں شائع ہوتی تھیں۔ غیر ممالک ۔ حتےٰ کہ امریکہ اور آسٹریلیا جیسے دُور اُفتادہ ممالک سے آنیوالے دفد بھی انقلاب کے معرکوں کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ اور جنون آمیز جوش کے ساتھ رُوس کی کامیابیوں کی تعریف کرتے تھے۔ ہم روسی لوگ اس معمّہ کو کبھی سُلجھا نہیں سکے۔ کہ یہ غیر ممالک سے آنیوالے لوگ تصویر کے دوسرے رُخ کو کیسے نظر انداز کر گئے؟

سوال یہ تھا۔ کہ حقیقت کیا ہے؟ اور دھوکا کیا؟ دیہات میں پھیلی ہوئی بےپناہ بھوک دیہاتیوں پر ہونے والے بےانتہا مظالم ——— اور بے گھر بچے ——— یا ——— کامیابیوں کے اعداد و شمار؟ یا دونوں ہی درست ہیں؟ کھلے بندوں نہ اِس قسم کے سوال کئے جا سکتے تھے نہ اِن کا جواب دیا جا سکتا تھا۔ لیکن پرائیویٹ طور پر مَیں اکیلا ہی نہیں۔ اور لاکھوں لوگ بھی اِن سوالوں پر غور کرتے تھے۔

میرے متعلق ایک اچانک فیصلہ نے جس کے بارے میں مجھ سے مشورہ تک نہیں لیا گیا تھا خارکوف میں میرا مزید قیام ناممکن بنا دیا۔ اچانک مجھے الیکٹرک کوٹا سے تبدیل کر کے میٹالرجی کوٹا میں بھیجدیا گیا۔ اور پہلے لینن گراڈ اور پھر میرے آبائی شہر کی ایک میٹالرجیکل انسٹی ٹیوٹ میں جانے کا حکم دیا گیا۔ لیکن خارکوف میں مَیں نے جو دن گذارے وُہ چاہے تھوڑے ہی تھے۔ اَب تک وُہ میری یادداشت میں ہیں۔ یہاں قیام کے دوران میں مَیں پارٹی کے کام۔ اخبار کے ادارتی فرائض اور جگنت کے نظم و نسق کے کام میں بہت مصروف رہا تھا۔

ایک دِن مجھے پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے دفتر میں طلب کیا گیا۔ پارٹی ممبروں کے ساتھ تعلق

دیکھنے والے محکمہ کے ایک کامریڈ شلکن نے دفتر میں میرا سواگت کیا۔ اور کہا۔

"کامریڈ کرافیشنکو۔ پارٹی نے ایک ریزولیوشن میں ہمیں ہدائت کی ہے کہ ہم جن لوگوں کو انجینیرنگ کی ٹریننگ دے رہے ہیں انہیں اسی لائن میں مزید ٹریننگ دی جائے جس میں کسی کو پہلے تجربہ ہو۔ آپ انسٹی ٹیوٹ میں داخل ہونے سے پہلے میٹالرجیکل فیکٹری میں کام کرتے تھے نہ ؟"

"جی ہاں ! پیٹروسکی۔لینن پلانٹ میں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تو پھر جب آپ میٹل کا اتنا اچھا کام کرتے رہے ہیں تو آپ کو ہوائی جہازوں کی تعمیر کی ٹریننگ دینے کی کیا ضرورت ہے۔" کامریڈ شلکن نے کہا۔ مجھے اس سے کچھ مایوسی ہو رہی تھی۔ اسلئے میں نے کمزور سی آواز میں جواب دیا۔

"لیکن میں ہوائی جہازوں کے کام کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ مانیں گے کہ وہ صرف ایک ذاتی پسند ہے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے سیکرٹری کو مخاطب کر کے بولے۔ "دیکھئے کامریڈ کرافیشنکو کو نائپرو پیٹروفسک کی میٹالرجیکل انسٹی ٹیوٹ میں منتقل کر دیا جائے۔"

اس کے بعد میں کئی گھنٹے تک موسم بہار کی رنگینی سے بے بہرہ ہو کر خود فراموشی کے عالم میں سمسکیا پارک میں گھومتا رہا اور کافی سوچ کے بعد بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ پارٹی کا فیصلہ اتصات پر مبنی ہے۔

باب نمبر ۷

مشین کی جیت

میرے والدین اور بھائیوں کو میرے واپس نائیمر ویہیٹر وفسک میں آنے پر خوشی ہوئی۔ میں نے زور شور سے پڑھائی شروع کر دی۔ میں ساتھ ساتھ پارٹی لٹریچر اور فیکٹری پراجیکٹوں سے متعلق لٹریچر کا بھی مطالعہ کرتا تھا۔ اسلئے میرے پاس آرام کرنے کے لئے تھوڑا بہت وقت بھی نہیں بچتا تھا۔ وظیفے کے علاوہ اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے میں تیکھنی کُم میں پولیٹیکل اکانومی کلاسوں کو پڑھانے لگا۔ ماما مجھے بار بار کہتی تھیں۔ "ڈنیکا تم اتنا کام کر رہے ہو کہ تمہاری صحت خراب ہو جائیگی۔"

پاپا کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتے ہوئے اور عام فیکٹری مزدوروں سے میل جول رکھتے ہوئے میں اُس المیہ سے بے خبر نہ رہ سکتا تھا۔ جو کہ دیہاتی علاقوں میں ہو رہا تھا۔ لیکن ہم کمیونسٹ اپنی بات چیت میں اس موضوع کا ذکر نہیں آنے دیتے تھے۔ ہم "کسان محاذ" "قلاقی خطو" "دیہاتی سوشلزم" اور "طبقاتی مزاحمت" کی چرچا کرتے تھے۔ اور اپنی چمڑی بچانے کے لئے حقیقت پر چرب زبانی کا پردہ ڈال کر اُسے تسلیم کرنے سے انکار کر رہے تھے۔

لیکن عام مزدوروں کی ایسی کوئی مجبوریاں نہیں تھیں۔ اُن میں سے بہت سے پہلے کسان رہ چکے تھے۔ اور۔۔۔۔ اُن میں سے تقریباً سب کی رشتہ داریاں کسانوں کے ساتھ تھیں۔ وُہ اجتماعی کھیتی باڑی کے متعلق "سائنسی" نظریہ کو نہیں اپنا سکتے تھے۔ وُہ دیہات میں تشدد۔ ظلم۔ بھوک۔ اور موت کی کھلے بندوں چرچا کرتے۔ مظلوموں اور دیہات کا نام لے لیکر ذکر کرتے۔ مَیں اُن سے اپنے صوبہ کے دیہات میں آدم خوری کی داستانیں سُنا کرتا۔ اور یہ کہہ کر اُنہیں ٹال دیتا کہ حالت کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جا رہا ہے۔ لیکن ان سے میرے دل میں ایک خوفناک دہشت پیدا ہو گئی تھی۔ خود انسٹی ٹیوٹ باہر کے اس خوفناک ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ ہمیں وارننگ دیگئی کہ ٹراٹسکی کے پیروکار۔ قلاق ایجنٹ اور دائیں دھڑے کے انتشار پسند اینٹی پارٹی افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ اُن سے باخبر رہو۔ لیکن یہ افواہیں بدستور پھیلتی رہیں۔ ہاں اب اُن کی بدولت فرداً فرداً لوگوں کو دھمکیاں ملنے لگیں۔ اور سخت گیری شروع ہو گئی۔ اس سے ہم دو ہزار طالب علموں کی زندگی خاموش اور غیر متحرک ہو کر رہ گئی۔ پارٹی کے سرگرم ورکروں کو اکثر خاص مشن پر دیہات میں بھیجا جانے لگا۔

ایک ہم جماعت جس سے میں پارٹی میٹنگوں میں متعارف ہوا تھا۔ پولٹاوا کے علاقہ کا دورہ کر کے واپس آیا تھا۔ اُسکا اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر مَیں نے اُس سے کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تمہیں بھوت نظر آئے ہوں۔"

اُس نے آنکھیں زمین پر گاڑے ہوئے جواب دیا۔ "بیشک مجھے بھوت نظر آئے ہیں۔"

مَیں نے اِس معاملہ کو آگے نہ بڑھایا۔ میں نے محسوس کیا کہ وُہ اپنا دل کسی کے آگے کھول کر رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور میں اِس خوف سے کہ نہ جانے اُس کی باتیں سُن کر مجھ پر اُن کا کیا اثر ہو میں وہاں سے بھاگ گیا۔

روس کے ہر سرکاری محکمے اور صنعتی ادارے کی طرح ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں بھی ایک خاص ڈیپارٹمنٹ تھا جس کا براہ راست تعلق جی۔ پی۔ یو (سیاسی پولیس) سے تھا۔ کامریڈ لیبڈ اِس

محکمہ کے انچارج تھے۔ کوئی آدمی اُن کے دفتر میں نہ جا سکتا تھا جب تک کہ اُسے پوچھ تاچھ کے لئے نہ بُلایا جائے۔ ایسی حالت میں وہاں جانیوالا آدمی بھی خوف سے تھر تھر کانپا کرتا تھا۔ ہم میں سے بہت کم لوگ یہ جانتے تھے کہ اس دفتر کے فولادی دروازے کے پیچھے کیا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم میں سے بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ سپیشل ڈیپارٹمنٹ میں ہر طالبعلم کا علیحدہ علیحدہ بستہ کھلا ہوا ہے۔ جس میں اُس کا ہر عمل اُسکے مُنہ سے نکلنے والا ہر لفظ۔ حتےٰ کہ یہ بھی کہ اُس کا عام سلوک کیا ہے۔ درج کیا جاتا تھا۔

سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے علاوہ ادارے میں جی۔ پی۔ یو کے اپنے ایجنٹ بھی کام کر رہے تھے۔ جو کہ سیدھے اپنے علاقائی ہیڈکوارٹر کو رپورٹیں بھیجا کرتے تھے۔ یہ ایجنٹ ایک طرح سے لیبڈ اور اُن کے سٹاف کی نگرانی کرتے تھے۔ پارٹی کی سٹی کمیٹی نے یونٹوں میں اپنے ایجنٹ رکھے ہوئے تھے۔ اور اُدھر ریجنل کمیٹی کے ایجنٹ سٹی کمیٹی میں موجود تھے۔ ایک دوسرے کی نگرانی کا یہ سلسلہ اُوپر تک۔ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی تک جاری تھا۔ اور خود سنٹرل کمیٹی میں بھی پولٹ بیورو کے مخبر موجود تھے۔ اس پولٹ بیورو کے ہیڈ سٹالن خود تھے۔ پارٹی کی طرف سے پارٹی پر اور جی۔ پی۔ یو کی طرف سے جی۔ پی۔ یو پر جاسوسی کا یہ جال روسی زندگی کی بُنیادوں سے لیکر اُوپر تک چھایا ہُوا تھا۔ کچھ مقامات ایسے تھے جہاں دونوں طرف سے حاصل ہونے والی اطلاعات کو ایک جگہ جمع کر لیا جاتا تھا۔ اور کچھ مقامات ایسے تھے جہاں یہ اطلاعات ایک دوسرے سے چُھپا کر رکھی جاتی تھیں۔ چاروں طرف سے ایسی آنکھیں اور ایسے کان ہمارے عمل پر نگرانی رکھ رہے تھے جنہیں ہم دیکھ نہ سکتے ہوں۔

چھُپ کر جو بات کی جائے وہ پھیل جاتی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اُس دور میں ہم اپنے جذبات کیا تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا کہ روسی خاص طور پر بہت باتیں کرتے۔ ایک دوسرے سے اظہار ہمدردی کرنے اور اپنے دِل کا بار ہلکا کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہم ایک دوسرے سے آگے بات نہ کرنے کے وعدے لے لے کر پھیلتے ہوئے شکوک کے متعلق آپس میں بات چیت کیا

کرتے رہتے۔ اس خوف سے کہ ہمارا ایک ایک لفظ کبھی نہ کسی طرح ہماری ہسٹری شیٹ تک جا پہنچے گا۔ ہمارے ذہن برابر پریشان رہتے۔ مجھے بار بار خیال آتا تھا کہ مَیں نے معتمد دوستوں کے ساتھ پرائیویٹ بات چیت میں جو الفاظ کہے ہیں چھانٹی کے دنوں میں جو قریب آ رہے تھے، بار بار میرے سامنے دوہرائے جائیں گے۔ مجھ سے اسباب کا بھی جواب طلب کیا جائے گا۔ کہ میری موجودگی میں دُوسروں نے جو ریمارکس دئے ہیں انہیں وہ پارٹی تک کیوں نہیں پہنچایا۔ رُوس میں اینٹی پارٹی یا اینٹی رُوسی جذبات کی مذمت نہ کرنا اُن کے ساتھ اتفاق کرنا اور دُوسرے الفاظ میں اُن جذبات میں شریک ہونا سمجھا جاتا ہے۔

اُس وقت رُوس میں ذاتی بات چیت ریکارڈ کی جاتی تھی۔ ذاتی ناپسندیدگیوں کو دستاویز کیا جاتا تھا۔ کچھ اشخاص نے تو سچ مچ ریکارڈ میں آنے والی باتیں کی ہوتی تھیں۔ کچھ شکوک کی بنا پر ہی دھر لئے جاتے۔ کچھ لوگوں کو محض انتقام لینے کیلئے پھنسایا جاتا تھا۔ لاکھوں جاسوس کام کر رہے تھے۔ اور سینکڑوں ٹن وزنی ہسٹری شیٹس تیار ہوتی تھیں۔ اِن کا باقاعدہ مطالعہ ہوتا تھا۔ اِن میں سے کچھ فائل کر دی جاتی تھیں۔ اور کچھ دوبارہ شروع کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ کچھ ہسٹری شیٹس کی نقول پراسیکیوٹر کو بھیجی جاتی تھیں۔ تو کچھ کی نقول پارٹی کے انضباطی افسروں کے حوالے کر دی جاتی تھیں۔ جن کیسوں میں فوری کارروائی کی ضرورت ہوتی اُن کی نقول جی۔پی۔یو کے خفیہ ٹربیونلوں کو بھیج دی جاتیں۔ یہ نقول مشکوک لوگوں اور "غداروں" کے خلاف مستقبل میں استعمال کیا جانے والا بارود تھیں۔

ہماری حکمران پارٹی کے اندر ہر آدمی پر نگرانی اور ہر آدمی کی خفیہ سے خفیہ باتوں کا پتہ چلانے کا یہ طریقہ جاری تھا۔ اور پرانے زمانے کی رازداری جواب باہر تو بالکل ختم ہو چکی تھی۔ صرف اسی طریقہ میں باقی تھی۔

اِس طریقے کو "پارٹی جمہوریت" کا نام دیا جاتا تھا۔

۲

جُون ۱۹۳۱ء میں پارٹی کے اقتصادی ماہرین کی ایک کانفرنس منعقد ہُوئی جس میں کامریڈ سٹالن نے تقریر کی۔ اس تقریر نے رُوسی صنعت میں اس کی گہرائیوں تک تبدیلی پیدا کردی۔ تمام صنعتی ورکروں و افسروں کی زندگیوں میں بھی ساتھ ہی تبدیلی آگئی۔ اس تقریر میں سٹالن نے اہلیت کو بڑھانے کے لئے اپنے مشہور "چھ نکات" پیش کئے تھے۔ ان میں اخراجات پیداوار کا کڑا حساب رکھنا۔ صنعتوں کے لئے زیادہ مرکزی رہنمائی۔ ناکامی یا مال کے ضائع ہونے کے لئے ذمہ داری اور اُس کی سخت سزا اور تنخواہوں میں فرق رس رڈوبدل کے نکات زیادہ اہم تھے۔

اس سال کے آخر میں مجھے پارٹی کی ریجنل کمیٹی کے دفتر میں طلب کیا گیا۔ ہماری انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر کامریڈ سپلیاکوف اور ایک اور طالب علم برٹنکوئی کو بھی ساتھ ہی بُلایا گیا تھا۔ پارٹی سیکرٹری نے کمرے کے دروازے بند کروالئے۔ اور اُس کے بعد ہمیں کہا کہ ہم کچھ فاصلہ پر واقع شہر نکوپول میں جاکر وہاں کے حالات کی تحقیقات کریں۔ پارٹی سیکرٹری نے کہا "کامریڈ سٹالن کے چھ نکات کے باوجود وہاں کام اچھی طرح سے نہیں چل رہا۔ شور بہت ہوتا ہے۔ میٹنگیں بہت ہوتی ہیں۔ لیکن کام مقررہ شیڈول سے بہت پیچھے ہے۔ وہاں کا ڈسپلن بہت کمزور ہے۔ اور ورکروں میں بے اطمینانی زوروں پر ہے۔ نکوپول کا کیس بڑا مشکل کیس ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم وہاں ایک میٹالرجیکل پلانٹ قائم کررہے ہیں جس میں اس کے سبھی حصّے ہونگے۔ اس پر کروڑوں روبل خرچ اُٹھیگا۔ اس لئے تم تینوں وہاں جاؤ۔ اور ہفتہ دو ہفتے جتنی دیر ضرورت ہو وہاں ٹھہرو۔ اور وہاں جو خرابیاں ہوں اُن کے متعلق پارٹی کو رپورٹ پیش کرو۔ پارٹی رپورٹ پر غور کریگی۔ اور اگر وہ اس قابل ہُوئی تو اُسے کامریڈ آرڈزونی کِڈز کو پیش کیا جائے گا۔

نکو پول پہنچ کر ہمیں علم ہوا ہے کہ پراجیکٹ کی تعمیر کا کام شہر سے چھ میل دُور ایک کھلے میدان میں شروع کیا گیا ہے جو کہ ریلوے اسٹیشن سے کئی میل دُور واقع ہے۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلا کہ کام پچھلے ۳ سال سے شروع ہے۔ پراجیکٹ شہر سے دُور بننے کی وجہ سے مزدوروں کی مشکلات بہت بڑھ گئی ہیں۔ لیکن کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ پراجیکٹ کیلئے جگہ اتنی دُور کیوں منتخب کی گئی۔ اگر اسے شہر کے نزدیک کسی جگہ شروع کیا جاتا تو مزدوروں کی رہائش وغیرہ کا مسئلہ کسی حد تک آسان ہو جاتا۔

پلانٹ کے ڈائرکٹر پیٹر بریشکو نئے نئے اس عہدہ پر آئے تھے۔ اُن پر کام کے متعلق کوئی پابندیاں نہیں تھیں۔ اسلئے وہ غلطیوں پر غلطیاں اور حماقتوں پر حماقتیں کرتے گئے۔ ان کی وجہ سے کام ڈھیلا پڑ رہا تھا۔ بڑے افسوس کے ساتھ اُنہوں نے ہمیں بتایا کہ

"یہ زمین اتنی سخت اور گندگی سے بھری ہوئی ہے کہ اسے کھودنا ہی ایک بہت بڑا کام ہے۔ اس کے علاوہ پراجیکٹ کے مختلف حصوں میں کوئی توازن نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر میٹالرجیکل پلانٹ کا انحصار دوسرے پلانٹوں پر ہوتا ہے۔ ایک سے تعلق قائم کئے بغیر ساتھ والا دوسرا پلانٹ لگا دینا حماقت ہے۔ اعداد وشمار جمع کرنے میں تو شائد اس قسم کا کام اچھی مدد دے۔ لیکن عملی طور پر پیداوار کیلئے یہ مدد نہیں دے سکتا۔"

پراجیکٹ کے ماتحت فیکٹریوں۔ فاؤنڈریوں۔ ایڈمنسٹریشن۔ بلڈنگ اور ورکروں کے مکانات کیلئے جس وسیع خطہ اراضی پر قبضہ کیا گیا تھا اُس میں پڑی ہوئی بہت قیمتی مشینری جس میں سے بیشتر جرمنی سے آئی تھی کو زنگ لگ چکا تھا۔ جگہ جگہ عمارتوں کی تعمیر شروع کر کے بیچ میں ہی ترک کر دی گئی تھی۔ کچھ عمارتیں آدھی بنا کر درمیان میں ہی چھوڑ دی گئی تھیں۔ اور کئی عمارتوں کی ابھی بنیادیں ہی رکھی جا رہی تھیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ہم ششدر رہ گئے۔

بکھری ہوئی اینٹوں اور دھات کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے میں نے ڈائرکٹر

سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کامریڈ بریشکو۔ یہ سارا نقشہ تو بڑا خوفناک ہے"۔
کامریڈ بریشکو نے فوراً ہی میری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔
"میں جانتا ہوں۔ لیکن میں کیا کر سکتا ہوں؟ جونہی کسی ایک بلڈنگ کی تعمیر کا کام آگے بڑھتا ہے۔ مرکز سے نیا حکم آپہنچتا ہے۔ کہ یہاں سارا کام بالکل بند کردو۔ اور کسی دوسری جگہ اپنی پوری کوشش سے کام شروع کردو۔ سکیمیں کئی بار بدل چکی ہیں۔ اور اس عرصہ میں مزدوروں کے لئے کام کا جو کوٹا مقرر تھا وہ اسے پورا نہیں کر سکے۔ غیر حاضر رہنے والوں اور بیماری کی وجہ سے رخصت لینے والوں کی تعداد خوفناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ وہ بھی اس روز روز کی پریشانی سے تنگ آگئے ہیں۔ اُنہیں یہاں نہایت مشکل حالات میں رہنا پڑ رہا ہے۔ اور دیکھیئے یہ بات ہم لوگوں تک ہی رہے۔ حقیقتاً اُنہیں اس قسم کے کام کے مطابق کھانے کو بھی نہیں ملتا۔"
اور پھر کچھ اظہارِ اطمینان کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔
"چلو خیر۔ میں تو یہاں نیا آیا ہوں۔ یہاں جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں یہ تو مجھ سے پہلے کی ایڈمنسٹریشن سے ہی مجھے ملا ہے۔"
بیچارہ بریشکو! اُسے کیا علم تھا کہ آئندہ چند سالوں میں نکوپول کی اس بدانتظامی کی بدولت وہ اپنی آزادی سے محروم ہو جائے گا۔ اور میں بھی اُس دن کیسے یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس میٹالرجیکل "دیو" کی رہنمائی میں اہم پارٹ ادا کرنے کے لئے کسی دن مجھے ہی یہاں فائز کر دیا جائے گا۔
اپنے مستقبل کے متعلق اندھیرے میں رہتے ہوئے ہم اس ناقابلِ بیان پریشان حالی میں بھی تیزی سے اپنا کام کر رہے تھے۔
نکوپول میں اپنے قیام کے دوسرے دن شام کے وقت میں نئے تعمیرات کے انچارج، مقامی پارٹی کے سیکرٹری اور ہاؤسنگ افسر کے ہمراہ بارکوں کا دورہ کیا۔

گھٹنوں تک گہرے کیچڑ میں سے ہوتے ہوئے ہم بارکوں تک پہنچے۔ اگرچہ ایڈمنسٹریشن بلڈنگ میں بجلی جل رہی تھی۔ لیکن اِن بارکوں تک بجلی نہیں پہنچائی گئی تھی۔ مٹی کے تیل کے لیمپ اور کہیں کہیں سرسوں کے تیل کے دیئے بارکوں میں بھری ہوئی گندگی پر ایسی مدھم مدھم روشنی ڈال رہے تھے جیسی کہ جنازے کے وقت کی جاتی ہے۔

ایک بیرک باہر سے بالکل تاریک معلوم پڑتی تھی۔ میں نے اُس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک داڑھی والے بزرگ آدمی نے دروازہ کھولا۔ اُسے دیکھتے ہی میں نے کہا۔

"سلام کامریڈ۔ کیا ہم اندر آسکتے ہیں؟"

"آپ کون ہیں؟" اُس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"میں پارٹی سیکرٹری ہوں۔" مقامی پارٹی کے سیکرٹری نے کہا۔ اور پھر میری طرف اشارہ کر کے بولا۔ "اور یہ مرکز کی طرف سے کمیشن کے طور پر آئے ہیں۔"

"بہت اچھے" مزدور نے بڑے طنز کے ساتھ کہا۔ "ہم اپنے محل میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کچھ چوہے کھائیں گے۔ یا پسّو کھانا پسند کریں گے؟ آپ یہاں کی بدبو کا خیال مت کیجئے گا۔"

ساری بیرک تقریباً تاریک تھی۔ اندر کچھ چارپائیوں پر چند نوجوان حقّے کی چلم میں سے اٹھنے والی آگ کی روشنی میں کچھ پڑھ رہے تھے۔ کچھ نوجوان ایک اور جگہ تاش کھیل رہے تھے۔ ۵۰ اور ۷۰ سال کے درمیان کی عمر کے بیشتر آدمیوں نے ہمیں نظرانداز کئے رکھا۔ باقی ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ شکایتوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ اور ساتھ ہی ساتھ گالیاں برسنے لگیں۔ ایک چوہا ہمارے پاؤں میں سے گزر کر بھاگ گیا۔

"کیا یہ ٹاٹ بستر کہے جاسکتے ہیں؟ ایک مزدور نے استفسار کیا۔ "کیا اِن

پر گدیلے بچھے ہوئے ہیں؟ نہیں نہیں یہ سب چیتھڑے ہیں" اُس نے چڑ کر کہا۔

"چادریں کتنے دنوں بعد تبدیل کی جاتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"اگر کوئی خوش قسمت ہو تو ایک مہینے بعد۔ ورنہ دو مہینے ۳ مہینے ۴ مہینے۔ گذر جائیں چادریں تبدیل ہی نہیں ہوتیں" مزدور نے جواب دیا۔

"یہاں چوہوں اور کیڑوں مکوڑوں سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہیں آیئے میں آپ کو دکھاؤں" ایک اور مزدور چلایا۔

اُس نے ایک لوہے کی چارپائی کا ایک سرا اُٹھا کر دو تین بار اُسے زمین پر مارا۔ اور زمین پسوؤں سے کالی ہو گئی۔ میں گھبرا کر غیر رضاکارانہ طور پر ہی باہر آ گیا۔

"تم خاموش کیوں رہتے ہو؟ شکایت کیوں نہیں کرتے؟" میں نے مزدوروں سے پوچھا۔

"شکایت" ایک مزدور نے جھنجھلا کر کہا۔ "اِس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ آپ کی طرح کمیشن آتے ہیں۔ اور اُس کے بعد ہمیں کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہوا۔ ہم کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس کام کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم میں بھی جان ہے۔ ہمارا جسم کوئی پتھر کا نہیں۔ ساٹھ والی بیرک کے آدمیوں نے اِن حالات کے متعلق کچھ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ جب تک حالات بہتر نہیں ہو جاتے وہ کام پر نہیں جائیں گے۔ یہاں جو کچھ ہوا ہے آپ کو اُس کا علم ہونا چاہئیے۔"

"کیا ہوا ہے؟"

میرے سوال پر سب مزدور خاموش تھے۔ میں نے اُنہیں یقین دلاتے ہوئے کہا "ڈرو نہیں۔ بتاؤ کیا ہوا ہے۔ میں تو نائیبر و بیٹر وفسک کا رہنے والا ہوں اس لئے مجھے یہاں کے حالات کا علم نہیں۔"

14098

ایک مزدور نے آگے آتے ہوئے مجھی پر سوال کیا۔
"کام پر نہ جانے والے مزدوروں کے لیڈروں کو کیوں بلایا گیا تھا؟"
"بلایا گیا تھا۔ کہاں؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔
"چرچ میں یا بیئر شاپ میں نہیں۔ آپ یہ مانئے۔ جی۔ پی۔ یو کے دفتر میں ——— اور ——— اور پھر وہ کبھی واپس نہیں آئے۔"
"انہیں رخصت پر سائیبریا جانے کی ضرورت تھی۔ ہو سکتا ہے" داڑھی والے مزدور نے بات کاٹتے ہوئے ایک تلخ قہقہہ لگایا۔

میں نے اِن سب حالات کی جو دیکھے تھے اور سب باتوں کی جو سُنی تھیں رپورٹ اپنے کمیشن کے ساتھیوں کو پیش کر دی۔ انہوں نے بھی کچھ مکانوں اور فیکٹری کی ایک تکمیل شدہ عمارت کا معائنہ کیا تھا۔ ہم میں سے کسی کو بھی ایسی کوئی چیز نہیں ملی تھی جسے امید افزا کہا جا سکتا ہو۔ اس روز مجھے تمام رات نیند نہ آئی اور میں بستر میں پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ بیرکوں کی گندگی، وہاں رہنے والوں کے مصائب اور ان کے دلوں میں پیدا ہونے والی تلخی میری طبیعت پر ایک بوجھ بنی ہوئی تھی۔ شکایتیں کر کر کے تھک جانے کی وجہ سے جو لوگ اب شکایت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے اُن کے صبر نے مجھ پر اُس طنز اور نفرت سے زیادہ اثر کیا جو کچھ مزدوروں کے لہجے سے جھلکتی تھی۔ اور مزدور لیڈروں کو "بلائے جانے" کی انتہا نے اس داستانِ الم کو اور زیادہ غمناک اور تاریک بنا دیا تھا۔

میں دل پر ایک بوجھ لئے نکوپول سے واپس روانہ ہوا۔ آج اس دورے کا خیال آنے پر یہ ایک معجزہ دکھائی دیتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح۔ نہ جانے کیسے۔ اِس میٹالرجیکل پلانٹ پراجیکٹ کا ایک بڑا حصہ مکمل ہو گیا۔ یہ آہستہ آہستہ بنا۔ اس پر سکیم سے زیادہ خرچ ہوا۔ بلکہ بے پناہ خرچ ہوا۔ اور مزدوروں کو بے پناہ مصیبتوں کا

سامنا کرنا پڑا۔ پھر بھی بالآخر یہ بن ہی گیا۔

اس تجربہ نے میرے اُس پلان کو تقویت دی جو کہ میں پچھلے کئی مہینوں سے اپنے دماغ میں تیار کر رہا تھا۔ پلان یہ تھا۔ کہ میں ماسکو جاکر کامریڈ آرڈزہونی کیڈز سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ اور اپنے اِردگرد جو خامیاں اور جو برائیاں میں دیکھ رہا ہوں۔ اُن کے متعلق اُن سے کھل کر باتیں کروں گا۔ چونکہ میرا یہ پلان پیٹرونسکی لینن فیکٹری کی ضروریات کے بھی مطابق تھا۔ اِسلئے ڈائرکٹر گولوبینکو نے رضامندی ظاہر کر دی اور مجھے ماسکو آنے جانے کا خرچ دینا منظور کر لیا۔

(۳)

ماسکو ریلوے سٹیشن سے میں سیدھا بڑی صنعتوں کو کنٹرول کرنے والے دفتر میں پہنچا۔ میں زندگی میں تیسری مرتبہ ماسکو آیا تھا۔ تاہم ماسکو کے پہلے دو دوروں کے دوران میں مجھے اس بات کا احساس نہیں تھا۔ کہ راجدھانی اور باقی ملک کے حالات میں کتنا فرق ہے۔ اِس فرق کی وجہ صرف یہی نہیں۔ کہ راجدھانی کی حالت روز بروز بہتر ہو رہی تھی۔ بلکہ یہ بھی کہ صوبائی شہروں کی حالت تیزی سے خراب ہو رہی تھی۔

نائیپر و پیٹرو وسک بلکہ خارکوف جیسے شہروں سے جانے والے آدمی کو ماسکو ایک جنّت نظر آتا تھا۔ یہاں کی دوکانوں پر بھیڑ کم تھی اور دوکانوں کے اندر مال دُوسرے شہروں کی نسبت زیادہ تھا۔ شہر کی فضاؤں سے سرگرمی کی گونج اُٹھ رہی تھی۔ اور چاروں طرف اُمید ہی اُمید نظر آ رہی تھی۔ گلیاں دُھلی ہوئی اور صاف ستھری تھیں۔ اور بڑی بڑی عمارتیں نئی سے نظر آتی تھیں۔ جیسے اُن پر ابھی

ابھی سفید ہی ہوئی ہو۔

اپنی شناخت دینے اور کنٹرول دفتر میں جانے کا پاس لینے کے بعد میں کامریڈ آرڈز ہونی کِڈز کے سیکرٹری کامریڈ سیمشکن کے روبرو پیش ہوا۔

ویٹنگ روم میں میرے علاوہ دیگر ۱۶ آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن میں سب صحتمند تھے اور اچھے کپڑوں میں تھے۔ ہاں چند ایسے بھی تھے جنہوں نے غیر ملکی پوشاک پہن رکھی تھی۔ تقریباً سبھی کے پاس چھوٹے چھوٹے بیگ تھے۔ ان سب کی شکل و صورت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اچھے کھاتے پیتے لوگ ہیں اور آرام سے زندگی گذار رہے ہیں۔ غالباً وہ بڑے بڑے ٹرسٹوں اور بڑے بڑے صنعتی اداروں کے اعلےٰ افسر تھے۔ جو رُوس کے اقتصادی لیڈر شپ میں پہلا درجہ رکھتے ہیں۔ کمرے میں موجود تمام لوگوں سے میری عُمر کم تھی۔ اور میرے کپڑے بھی معمولی تھے۔ اسلیئے میں کچھ اجنبی پن سا محسوس کر رہا تھا۔ اور میری حالت اُس غریب آدمی کی سی تھی جو اپنے امیر رشتہ دار کے مکان میں آکر ہر معاملہ میں کچھ جھجک سی محسوس کرتا ہے۔ باقی کے لوگ مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ جیسے کہہ رہے ہوں کہ "ہم بڑے لوگوں کے اجتماع میں یہ حقیر سا آدمی کیوں آ بیٹھا ہے؟"

جب کامریڈ آرڈز ہونی کِڈز دوستانہ ڈھنگ سے مُسکراتے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئے تو وہاں موجود سب لوگ احترام کے طور پر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے ہمراہ اُن کے سیکرٹری سیمشکن بھی تھے۔ وہ دونوں ملنے کے لئے آئے ہوئے سب لوگوں کے پاس ایک ایک کر کے گئے۔ اور ہر آدمی کی بات سُن کر یا تو اُسے اپنے کسی اسسٹنٹ کے پاس بھیج دیا یا اُنہیں ملنے کے لئے وقت دیکر فارغ کر دیا۔ آرڈز ہونی کِڈز کی صحت اب پہلے سے اچھی نظر آتی تھی۔ اُن کے گھنے بالوں اور لمبی لمبی مُونچھوں میں سفیدی اگرچہ پہلے سے زیادہ تھی۔ پھر بھی اُن کے نقش و نگار ویسے کے ویسے ہی تھے۔

اور اب بھی اُن کے چہرے سے اعتماد جھلکتا تھا۔

جب وہ میرے پاس پہنچے تو میں نے اپنی شناختی دستاویز اُن کے حوالے کیں۔ انہیں دیکھتے ہی اُن کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ کہو۔ دوست کیا حال ہے؟ کامریڈ کرافشینکو مجھے تم اچھی طرح یاد ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنی پڑھائی میں کافی آگے بڑھ رہے ہو گے۔ مجھے تم سے بات چیت کر کے بہت خوشی ہوگی۔ تم صبح دس بجے آؤ۔"

اور پھر انہوں نے اپنے سیکرٹری سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سیمشکن۔ دیکھو۔ اس کامریڈ کا خیال رکھنا۔ اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

اُن کے اپنے کمرے میں چلے جانے کے بعد سیمشکن میرے پاس آئے۔ اور انہوں نے مجھے مبارکباد دیتے ہوئے میرا بازو دبایا۔ آرڈزہونی کڈز کا رویہ میرے تئیں بہت دوستانہ تھا۔ اسلئے اُن کے سیکرٹری نے بھی میری خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔ کہ یہ نوجوان کون ہے۔ جس کے ساتھ اتنا بڑا آدمی مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا ہے۔ مجھے ایک بڑی گاڑی میں میٹروپول ہوٹل میں لے جایا گیا۔ صنعتی کنٹرول کمشنری کا ایک خط منیجر کے حوالے کئے جانے پر مجھے دوسری منزل کا ایک بڑا کمرا الاٹ کر دیا گیا۔ اس سے مجھے احساس ہوا کہ طاقت کا قرب حاصل ہونا بھی کتنی بڑی چیز ہے۔

شام کے وقت میں ہوٹل کے ریستوران میں گیا۔ یہ ایک بڑا کمرا تھا۔ اس کی چھت بہت اونچی تھی۔ اور اسے چاروں طرف دیواروں پر طرح طرح کی خوبصورت تصاویر لگا کر سجایا گیا تھا۔ ریستوران میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ اور بینڈ بج رہا تھا۔ کمرے کے درمیان میں جوڑے بینڈ کی دھنوں پر محو رقص تھے۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے صاف

شفاف پانی میں مچھلیاں تیر رہی ہوں۔ اُن کے چاروں طرف تماشائیوں کی بھیڑ جمع تھی۔ اور لوگ ایک دوسرے کے اوپر سے ہو کر رقص سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھے اپنے آپ کو ان حالات کے مطابق ڈھالنے میں کچھ وقت لگا۔ میرے دماغ میں اس قسم کے سوال چکر لگا رہے تھے کہ کیا یہ بھی ہماری سوویت یونین کا ہی ایک حصّہ ہے؟ اور کہ کیا میں غلطی سے کسی سینما ہال میں تو نہیں گھس آیا؟

ایک طرف کھڑے ہو کر میں نے اس محفلِ رقص و سرود کو دیکھا۔ کہیں کہیں رُوسی بلاوز پہنے ہوئے کچھ لوگ نظر آتے تھے۔ لیکن باقی سب نے یورپی پوشاک پہن رکھی تھی اور نکٹائیاں زیبِ گلو کی ہوئی تھیں۔ عورتوں نے اس قسم کے گون پہنے ہوئے تھے جنہیں پہننے کے باوجود اُن کا سینہ نیم عریاں تھا۔ میں نے بعض کتابوں کے ٹائیٹل کے سوا اور کہیں اس قسم کے گون نہیں دیکھے تھے۔ محفل میں متعدد غیر ملکی بھی موجود تھے۔ اور اُن میں سے ایک گروپ ڈائیننگ کوٹوں اور سفید چست قمیضوں میں ملبوس تھا۔

یہاں کی شان و شوکت کو دیکھ کر مجھے اچانک نکوپول کی بارکوں کا خیال آیا اور پھر اُس بوڑھے مزدور کے یہ الفاظ

"کامریڈ۔ ہم آپکو اپنے محل میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کچھ جُھرے کھائینگے یا پینڈوؤں کو ترجیح دیں گے۔"

میری ذہنی پریشانی کا سبب بننے لگے۔ لیکن میں نے جلد نکوپول کی بارکوں کا خیال اپنے دماغ سے نکال دیا۔ کیونکہ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ میں ماسکو میں ہوں اور مجھے کچھ ہی دیر بعد اپنے ملک کے سب سے بڑے نصف درجن لیڈروں میں سے ایک لیڈر کے ساتھ بات چیت کرنی ہے۔

مقرّرہ وقت سے بہت پہلے میں آرڈزہونی کڈز کے مہمان خانہ میں پہنچ گیا۔ ۱۰ بجنے میں کچھ ہی منٹ باقی تھے کہ سیمشکن میرے پاس آئے۔ اور اُنہوں نے کہا۔

"آپکو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ کامریڈ بخارن کمشنر سے بات چیت کر رہے ہیں۔"
کامریڈ بخارن! میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ اُن سے ملنا۔ لینن سے ملاقات کرنے کے مترادف تھا۔ انقلاب کے دنوں میں جن بڑے لوگوں کے نام ہمارے کانوں میں پڑا کرتے تھے۔ اُن میں لینن اور ٹراٹسکی کے بعد بخارن کا نام ہی آتا تھا۔ کوموسومول کا ممبر بننے سے پہلے میں نے اُن کی کتاب —— A.B.C of COMMUNISM پڑھی تھی۔ لیکن اِس بات میں شک نہیں کہ گذشتہ چند سالوں سے نکلائی بخارن کو دائیں "دھڑے کا منحرف" کہا جاتا تھا اور اُنہیں تمام سرکاری عہدوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اُن کی کتابیں ممنوع قرار دے دی گئی تھیں۔ لیکن اُن کا نام اب بھی لوگوں کے لئے کشش رکھتا تھا۔

چند منٹوں بعد سیمشکن نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اور آہستہ سے میرے کان کے پاس مُنہ لیجا کر کہا۔

"بخارن اب بھی اندر ہیں۔ لیکن کمشنر نے تم سے ملنے کیلئے اُنہیں انتظار کرنے کو کہہ دیا ہے۔"

اندر جا کر میں نے آرڈزہونی کڈزہ اور بخارن کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کمشنر آرڈزہونی کڈزہ ایک بڑی میز کے دوسری طرف بیٹھے تھے۔ میز پر کاغذ اور کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ نصف درجن ٹیلیفون لگے ہوئے تھے۔ اور بجلی کی گھنٹیوں کے کئی بٹن میز کے ایک کنارے پر نصب تھے۔ میز کی دوسری طرف میری اور بخارن کی کرسیاں تھیں۔ کمرا بڑا شاندار تھا۔ اور اس کی دیواروں پر مارکس لینن اور سٹالن کی بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ میز پر سٹالن کی ایک اور تصویر پڑی تھی۔ جس کے نیچے لکھا ہوا "To SERGO" (سیرگو علو)

سکوت کو توڑتے ہوئے کمشنر نے کہا

"ہاں۔ کامریڈ کرافشینکو۔ ہمیں مختصر اور واضح طور پر بتاؤ کہ نکوپول پراجیکٹ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

"کامریڈ کمشنر۔ میں پہلے نائپروپیٹروفسک پلانٹ کے متعلق کچھ کہنا چاہونگا۔ وہاں کے کام کے متعلق میرے کچھ اپنے خیالات ہیں۔ جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو کہو" کامریڈ آرڈزہونی کڈز نے مجھے اجازت دے دی۔

اِس معاملہ پر میں پہلے کافی غور کر چکا تھا اِسلئے مجھے واضح طور پر اسے پیش کرنے میں کوئی دِقّت محسوس نہ ہوئی۔ پلانٹ کے کئی حصّوں کو جدید بنانے اور وسعت دینے کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا کہ نئی فیکٹریاں قائم کرنے کے جوش میں پرانی فیکٹریوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ میں نے ٹھوس اعداد و شمار پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ نائپروپیٹروفسک پلانٹ پر ۲۰، ۳۰ لاکھ روبل خرچ کر کے اتنی پیداوار بڑھائی جا سکتی ہے کہ جتنی کہ کسی نئے پلانٹ پر دس گُنا رقم خرچ کر کے بھی نہیں بڑھائی جا سکتی۔

نجارن میری اِس دلیل پر مُسکرائے اور اُنہوں نے اِس انداز سے اپنا سر ہلایا جیسے وُہ میری تائید کر رہے ہوں۔ اُن کے متعلق یہ بات عام تھی کہ وُہ تعمیرِ نو کے کام میں انتہا پسندی کے خلاف ہیں۔ اور زوال کے گڑھے میں دھکیلے جانے سے پیشتر اُنہوں نے پانچسالہ پلان کے کچھ حِصّوں کو "محض خطرہ مول لینا" قرار دیکر اُن پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

"عام طور پر میں تم سے متفق ہوں۔ کامریڈ کرافشینکو"۔ کمشنر آرڈزہونی کڈز نے میری باتیں سُن کر کہا۔ "لیکن ۔۔ پیٹروفسکی لینن پلانٹ کے خاص خاص مسائل پر غور کرنا پڑیگا۔"

یہ کہہ کر اُنہوں نے اپنے سامنے پڑے ہُوئے پیڈ پر کچھ نوٹ لکھے۔

اس کے بعد میں اپنے دورہ نکوپول کے تاثرات بیان کرنے لگا۔ سب سے پہلے میں نے وہ رسمی اور ٹیکنیکل فقرے کہے جو میں سارا دِن اپنے دماغ میں گھڑتا رہا تھا۔ لیکن جب میں بیرکوں

کی حالت - گندگی - اور مزدوروں کی بے چینی کا ذکر کرنے لگا - تو میرا ضبط برقرار نہ رہ سکا جب مَیں نکوپول میں سرمایہ ضائع ہوئے طے شدہ پروگرام کے تہس نہس ہونے اور عام مزدوروں کیلئے ناقابل برداشت حالات زندگی کی تفاصیل میں پہنچا تو میری آواز میں سے حقارت آمیز غصہ جھلکنے لگا - میں نے کہا -

" کامریڈ کمشنر - مَیں سمجھتا ہُوں کہ مزدوروں کو بہتر حالاتِ زندگی مہیا کرنے کیلئے ۱۰، ۲۰ لاکھ روبل خرچ کرکے ہم - پراجیکٹ کی بیشمار رقم بچا سکتے ہیں - پلان کے انسانی پہلو کو نظرانداز کرکے ہم نکوپول جیسے مقام پر اپنے پراجیکٹ کی رقم کو ضائع کر رہے ہیں - یہ ایک المیہ ہے - "

" شاباش ! " بخارن نے درمیان میں ہی چلا کہ کہا - اور آرڈزہونی کِڈز کے چہرے پر مسکراہٹ آتے آتے رہ گئی -

ہماری بات چیت تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہی - اس کے دوران میں ایک مقام پر کمشنر نے مجھ سے استفسار کیا - کہ میں کبھی کسی غیر ملک میں گیا ہُوں یا نہیں -

" نہیں - کبھی نہیں - البتہ میں نے سویڈن - جرمنی اور امریکہ کے ٹیکنیکل اخبارات کا مطالعہ کیا ہے - اُن سے ہم کافی کچھ سیکھ سکتے ہیں " مَیں نے جواب دیا " جب تم انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم ختم کر لو گے تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں ہم جرمنی یا امریکہ میں بھیجدیں - خیر - اب ان باتوں کو یہیں چھوڑ دو - کیا تم نے کبھی ہمارے تھیٹر اور عجائب گھر دیکھے ہیں ؟ "

اُنہوں نے پُوچھا -

" نہیں - ابھی نہیں - لیکن اُمید رکھتا ہُوں کہ جو کچھ بھی دیکھ سکا دیکھوں گا " مَیں نے جواب دیا -

" اچھا - تو مَیں تمہیں ماسکو میں رہنے کے لئے ۵ دن کی رُخصت دیتا ہُوں - مہمان خانے میں جا کر سیمنشکن کا انتظار کرو - اب الوداع - پھر ملیں گے "

اُنہوں نے یہ کہا اور میرے ساتھ ہاتھ ملا کر مجھے رُخصت کر دیا۔

میں کچھ گھبراہٹ میں کمرے سے باہر نکلا۔ میں پہلی بار ہی کسی برسرِ اقتدار آدمی کے اتنا قریب آیا تھا اسلئے مجھے گھبراہٹ تھی۔ مہمان خانے میں بیٹھے ہوئے دُوسرے لوگ مجھے احترام کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُنہیں اس بات کا احساس تھا کہ جس آدمی کو کمشنر نے ایک گھنٹہ دیا ہے۔ وہ لازمی طور پر بہت اہم آدمی ہو گا۔

سیکرٹری سیمشکن بھی میرے پیچھے کمرے سے باہر آئے اور میرے قریب آ کر اُنہوں نے کہا "کامریڈ۔ میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ کمشنر کے دل میں تمہاری عزت یقیناً اور بڑھ گئی ہے۔ لو یہ بولشوئی تھیئیٹر اور ماسکو آرٹ تھیئیٹر کے ٹکٹ ہیں۔ ہوٹل میں تمہارا جو خرچ اُٹھے اُس کی فکر مت کرنا۔ وہ ہم اُٹھائیں گے۔ اور یہ ایک ہزار رُوبل تم جیب خرچ کے لئے اپنے پاس رکھو۔ کامریڈ آرڈزہونی کڈزے نے یہ تحفہ کے طور پر تمہیں دیئے ہیں۔ عیش کرو۔ اور اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے ٹیلیفون کر دینا۔"

یہ کہکر وہ چلے گئے۔ اور مجھے پھر ایک کار میں بٹھا کر ہوٹل پہنچا دیا گیا۔ جب میں صبح کے کھانے کے لئے میٹروپول کے ریستوران میں گیا تو تقریباً ۲۰ اشخاص مل کر ایک لوک گیت گا رہے تھے۔ یہ لوک گیت میں پہلے بھی کئی بار سُن چکا تھا۔ اور پھر اب ریستوران میں رقص و سرود کے تئیں میرا اجنبی پن بھی دُور ہو چکا تھا۔ اس خیال نے کہ میں ابھی آرڈزہونی کڈزے اور نجارِن سے مِل کر آ رہا ہوں۔ میرا احساسِ کمتری دُور کر دیا تھا۔ اور میں یہاں بالکل اس طرح محسوس کرنے لگا تھا۔ جیسے اس قسم کے مناظر میرے لئے ایک معمول سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے ہوں۔

اقتدار اور عیش و عشرت کی طرف راغب ہو جانا بھی کتنا آسان ہے۔ میں سوچنے لگا۔ کہ اگر مجھے بھی عیش و عشرت کے ساتھ ماسکو میں زندگی گذارنی ہے۔ اگر مجھے بھی یہاں کی چوڑی چوڑی سڑکوں پر موٹروں میں گھومنا ہے۔ اور اگر مجھے بھی اس ریستوران کے بینڈ کی دھنوں پر سر ہلا ہلا کر مست ہونا ہے۔ تو پھر نکوپول کے کسی نامعلوم مزدور کے مصائب کب تک میرے

ضمیر پر بوجھ بنے رہیں گے؟ کب تک اُن کا خیال میرے ذہن سے نہیں اُترے گا؟ کب تک اُن کی مشکلات کی وجہ سے میں پریشان رہوں گا؟ کب تک؟ آخر کب تک ؟ ؟ ؟؟؟؟

ماسکو میں پانچ دِنوں کے قیام کے دوران میں مَیں نے متعدد کھیل تماشے دیکھے۔ کئی سینما گھروں میں گیا۔ ایک ماسکو آرٹ شو کو دیکھا۔ اور ایک شام وختانگوف کے تھیئیٹر میں گذاری۔ کئی کئی گھنٹے تک میں ٹریٹیاکوف کی آرٹ گیلری میں رہا۔ اِنقلاب کے عجائب گھر کو دیکھا۔ اور لینن لائبریری اور دوسرے ایسے اداروں میں گیا۔ جن میں ہر کمیونسٹ کو جانا چاہیئے تھا۔ مجھے یہ دیکھ دیکھ کر حیرانی ہو رہی تھی کہ دُنیا میں حُسن اور علم کی کتنی دولت بکھری پڑی ہے۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ وہ لیکچرار کامریڈ لزلیف، جو ڈونیٹز کے کوئلے کے میدان میں مجھے پارٹی اور اس کے آدرشوں کے قریب لائے تھے۔ ماسکو میں ہی ہیں۔ یہ خیال آتے ہی مَیں اُن کا ایڈریس ڈھونڈ کر اُن سے ملنے کے لیے گیا۔ کامریڈ لزلیف ابتک مجھے بھولے نہیں تھے۔ اور میرے ساتھ بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ میرے پاس اُس مسرت کو بیان کرنے کیلئے الفاظ نہیں جو مجھے یہ دیکھ کر ہوئی۔ کہ ٹالسٹائی کی تصویر اب بھی اُن کے کمرے کی ایک دیوار پر لگی ہوئی تھی۔

اُنہوں نے مجھے اپنی پُرکشش اور نوجوان بیوی سے متعارف کرایا۔ جو کہ اُن کی طرح ہی پارٹی کی ایک سرگرم ورکر تھی۔ اُس کے بعد چائے پیتے پیتے میں نے اُنہیں کوئلہ کی کان کے بعد اپنی ابتک کی زندگی کی تمام داستان سُنا ڈالی۔ جس کی اِنتہا آرڈزنہونی کڈزے اور بخارن کے ساتھ میری تفصیلی بات چیت کے ذکر پر آکر ہوئی۔ وہ خاموشی سے سُن رہے تھے۔ اُن کے چہرے سے مَیں نے یُوں محسُوس کیا۔ جیسے میری باتوں سے اُنہیں ذہنی کوفت ہو رہی ہو۔

"ایک ہزار روبل ـــــ تھیئیٹر کے ٹکٹ ـــــ سیر و تفریح۔ میٹروپول۔" وہ اُداس لہجے میں بول رہے تھے ـــــ "زارشاہی کے وقت بھی تو برسرِاقتدار لوگ اپنے اُن ساتھیوں کو

اِسی طرح انعام واکرام کی بارش کیا کرتے تھے جنہیں وہ اپنا سمجھتے ہوں۔ تو پھر انقلاب کیا ہوا ؟ صرف نام تبدیل ہوئے ہیں :" اُنہوں نے کہا۔

مجھے اُن کی اِس بات پر غصہ آرہا تھا۔ مَیں اپنے آپ کو روک نہ سکا۔ اور میں نسبتاً تلخ لہجے میں اُن کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

" آپ ناانصافی کر رہے ہیں۔ کامریڈ لزریف مَیں تو صرف اس بات سے متاثر ہوا ہوں کہ کمشنر آرڈر ہونی کِڈز دوسروں کی بات سننے کے لئے تیار ہیں۔ میرا یقین ہے کہ وہ عام روس کی حالتِ زار کو سمجھتے ہیں۔ اور اُس سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور اگر اُنہیں عام رُوسی باشندے کی مشکلات میں اُس سے ہمدردی ہو تو ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ سٹالن کو بھی اُن سے ہمدردی ہے۔ اِسی خیال سے میری ہمّت بڑھی اور اسی سے حوصلہ پاکر میں یہاں تک آیا ہُوں"

کامریڈ لزریف اس وقت ماسکو یونیورسٹی میں ایک اہم عہدہ پر فائز تھے وہ پارٹی کی بااختیار کمیٹیوں کے بھی ممبر رہے تھے۔ لیکن اُن کے ساتھ اِس بات چیت کے دوران میں ایسا معلوم ہُوا کہ ہم دونوں پہلے سے بہت مختلف راستوں پر جا رہے ہیں۔ ان کی وہ اُبلتی ہُوئی اُمید جو کوئلے کی کان میں کام کرتے ہوئے میں نے دیکھی تھی۔ اب مرجھا چکی تھی۔ اور توقعات ختم ہوگئی تھیں۔ اب پارٹی کی طرف سے صفائی وہ نہیں مَیں پیش کر رہا تھا۔

" تم کبھی دیہات میں گئے ہو ؟" اچانک اُنہوں نے پُوچھا۔

" نہیں۔ لیکن وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اُسکے متعلق مجھے کافی علم ہے :" مَیں نے جواب دیا۔

" علم ہونا ایک بات ہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھنا دُوسری بات۔ میں ابھی ابھی یوکرین میں اوڈیسہ کے قریب ہو کر آیا ہوں۔ مجھے وہاں ایک علاقہ میں اجتماعی کھیتی باڑی شروع کرانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ میرے دوست۔ جس سکون کے ساتھ تم نے کمشنر کی فراخدلی کا ذِکر کیا ہے۔ اُسی سکون کے ساتھ میں وہاں کے حالات کا ذکر نہیں کر سکتا"۔۔۔ پُرجذبات آواز میں لزریف کہہ رہے تھے۔

بعد کی بات چیت میں اُنہوں نے مجھے بتایا کہ مذکورہ خطّے کے مقامی لیڈر وہاں اجتماعی کھیتی باڑی شروع کرانے میں ناکام رہے تھے۔ اسلئے اُنہیں ایک ایک کرکے برطرف کیا جاتا رہا۔ بالآخر ماسکو سے معتمد پارٹی ورکروں کی ایک کمیٹی اس مقصد کے لئے وہاں بھیجی گئی۔ لزرلیف بھی اُس کمیٹی کے ایک ممبر تھے۔ اُس علاقہ میں کسانوں کی مزاحمت بہت زبردست تھی۔ بعض اوقات تو اُسے کچلنے کی کوشش خودکشی کے مترادف ہوتی تھی۔ اور پھر اوڈیسہ کے حکام کے پاس اسے کچلنے کیلئے طاقت نہیں تھی۔ حالت کتنی خطرناک اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت کی سختی کو اور زیادہ تیز کرنے کے لئے پولٹ بیورو کی طرف سے مولوٹوف خود وہاں گئے۔

لزرلیف نے بتایا۔

"کامریڈ مالوٹوف نے وہاں کے سرگرم ورکروں کی ایک میٹنگ بلائی۔ اور اُنہوں نے اُن سے صاف صاف اور سخت الفاظ میں باتیں کیں۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ کام ہونا ہی چاہیئے۔ چاہے اس کے لئے کتنی بھی زندگیاں کیوں نہ قربان کرنی پڑیں۔ جب تک ملک میں چھوٹے چھوٹے مالکانِ اراضی لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ انقلاب خطرے میں رہے گا۔ اس بات کا امکان رہیگا کہ جنگ کے وقت وہ اپنی جائدادوں کی حفاظت کے لئے دشمن کے ساتھ مل جائیں۔ اسلئے اُن کے ساتھ نرمی کے برتاؤ یا اُن پر سختی کرنے میں کسی افسوس کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمیں چھوٹے زمیندار کو غلط نہیں سمجھنا چاہیئے۔"

لزرلیف نے پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کامریڈ ایڈریچ۔ اس قسم کی وارننگ کے بعد مظالم کی کوئی حد قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

لزرلیف دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ جیسے کہ وہ اُس اندوہناک یاد سے بچنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

راجدھانی سے واپس روانہ ہونے سے پہلے میں کئی دیگر واقفکاروں سے بھی ملنے گیا اُن میں سے کئی لوگ بات چیت میں پارٹی کے نعرے اور اخبارات کے آرٹیکلوں کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ وہ مطمئن لوگوں میں سے تھے۔ اور پراپیگنڈا کی بنیادوں پر کھڑی جنت میں دن گذار رہے تھے۔ ماسکو باقی ملک سے اِس حد تک مختلف تھا جیسے ملک کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ میرے واقفکاروں میں کچھ اور لوگ کامریڈ لزریف جیسے بھی تھے۔ جو قاہرا تو راجدھانی کے اُمید افزا رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ لیکن جن کے دل رو رہے تھے۔ اور جو ذہنی طور پر پریشان تھے۔ کمشنر کے ساتھ ملاقات کی وجہ سے مَیں جو فخر محسوس کر رہا تھا اور مجھے جو اُمیدیں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایسے لوگوں نے اُن پر اوس ڈال دی۔ اور میرے خیالات کو کسی اور راہ پر ڈال دیا۔

واپس آ کر اپنے تجربات بیان کرنے میں میں نے کسی ہچکچاہٹ سے کام نہ لیا۔ اور گولوبینکو کو جو رپورٹ پیش کی اُس میں بھی کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی ہاں میں نے اُس ایک ہزار روبل۔ اُن موٹر کاروں۔ اُن تھیئٹر ٹکٹوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جو کامریڈ آرڈزہونی کڈز نے مجھے دیئے تھے۔ اِن کے متعلق کچھ نامعلوم سا احساسِ جرم۔ میرے تحت الشعور میں چھپا ہوا تھا۔

(۴)

ماسکو سے واپسی کے چند مہینے بعد نتھی کاٹیا ہمارے گھر میں آئی۔ ایک دن شام کو کالج سے واپس آنے کے بعد میں نہانے کے لئے غسلخانے کی طرف جانے لگا تو ماما نے مجھے روکتے ہوئے کہا۔

" ٹھہرو۔ وہ لڑکی اندر نہا رہی ہے۔"

"کون لڑکی ؟" میں نے حیرانی کے ساتھ پوچھا۔

"چپ"! ماما نے آہستہ سے کہا "بعد میں بتاؤں گی۔ تمہیں کیا علم ہے کہ آجکل گھروں میں کیا کیا ظلم ہو رہے ہیں"۔

میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ماما میرے پیچھے پیچھے اندر آئیں۔ اور چند لفظوں میں انہوں نے مجھے اس لڑکی کے متعلق ساری کہانی سنا ڈالی۔ میرا چچیرا بھائی نالٹا جو کہ ایک پارٹی ورکر تھا۔ اور ایک فیکٹری کا لج کو چلا رہا تھا۔ کسی کام سے واپسی پر ریلوے گاڑی میں آ رہا تھا۔ ایک میلی کچیلی چیتھڑوں میں ملبوس ۱۰، ۱۱ سال کی لڑکی جو آوارہ بچوں کی نئی پود میں سے تھی گاڑی میں داخل ہوئی۔ اور اس نے مری ہوئی سی آواز میں جو بڑی مشکل سے سنائی دے رہی تھی۔ روٹی مانگی۔ یہ منظر کوئی نیا نہیں تھا۔ جگہ جگہ اس قسم کے بچے بھیک مانگتے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن اس لڑکی کی بجھتی ہوئی آنکھیں اور قابلِ رحم شکل و صورت نے نالٹا پر اتنا اثر کیا کہ وہ خاموشی سے گھر واپس نہ آ سکا۔ لڑکی کو اپنے ساتھ لے آیا۔ ماما نے جب اس کی حالت دیکھی تو ایک دم اسے گھر میں رکھنے کے لئے تیار ہو گئیں۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ایک کھانے والا اور بڑھ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ پہلے بھی تو اتنے آدمیوں کا گذارہ چل ہی رہا ہے۔

ماما کی یہ بات سن کر میں ان سے لپٹ گیا اور انہیں بھینچتے ہوئے میں نے کہا۔

"تم صحیح معنوں میں ماں ہو۔ ماما! تمہارے اس فیصلے سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے"۔

اس کے بعد ہم کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔ ننھی کاٹیا ایک کونے میں فرش پر دبکی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ جیسے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کے چہرے پر زردی اور خوف طاری تھا۔ ماما کے بڑے بڑے کپڑے پہننے کی وجہ سے وہ ان میں بالکل ہی چھپی ہوئی سی لگتی تھی۔ اس کا ننھا سا چہرہ تکالیف کے سبب سفید ہو چکا تھا۔ اس کی مرجھائی ہوئی شکل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ وقت سے پہلے ہی بوڑھی ہو گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے نقش و نگار بہت اچھے بلکہ خوبصورت تھے۔ وہ بے حرکت سی بن کر رہیں

بیٹھی رہی۔ صرف اُس کی نیلی نیلی آنکھیں کمرہ میں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔
میں نے اُسے بُلاتے ہوئے کہا۔

"ہیلو کاٹیا! تُم اِس قدر خاموش کیوں ہو؟
ڈرو نہیں۔ ہم سب تم سے پیار کرتے ہیں۔ کیا کِسی نے تمہیں مارا ہے؟"

"نہیں" کانا پھوسی کے سے انداز میں اُس نے کہا۔

کھانے کے دَوران میں بھی کاٹیا بالکل خاموش رہی۔ وُہ اپنا چمچ تھامے بیٹھی تھی لیکن بالآخر بھوک اُس کی پریشانی پر غالب آئی۔ اور وُہ کھانے پر ٹوٹ پڑی۔ کھانے کے بعد جب ماما پلیٹیں صاف کرنے کے لئے گئیں تو کاٹیا نے اُن سے کہا۔

"لاؤ۔ مامی۔ مَیں پلیٹیں صاف کر دیتی ہُوں" پلیٹیں اُٹھا کر باورچی خانے کی طرف جاتی ہُوئی کاٹیا پہلی مرتبہ ایک عام لڑکی نظر آ رہی ہے۔ اُسکے سینے پر کُچھ ابھار دِکھائی دے رہا تھا۔ اچانک ہم نے باورچی خانے سے اُس کے رونے کی آواز سُنی۔ اور سُنتے ہی ماما نے کہا۔

"اِسے رو کر اپنا اُبال نِکال لینے دو۔"

لڑکی کے رونے کی آواز بلند ہوتی گئی۔ اور آخر میں اس نے سِسک سِسک کر ہچکیاں جیسی شکل اختیار کر لی۔ ایک ننھے بچے کے سے لہجہ میں وُہ یہی کہے جا رہی تھی۔

میری ماما کہاں ہے؟ میرا پاپا کہاں ہے؟ ہائے میرا بھائی والیا کہاں گیا؟

بالآخر ہم اُسے چُپ کرانے کے لئے باورچی خانہ میں گئے۔ لڑکی ایک کُرسی پر گٹھڑی سی بنی بیٹھی تھی۔ اور آنسو اُسکی دُبکی ہُوئی سی گالوں پر سے ہو کر بہہ رہے تھے۔

ماما نے اُسے پُچکارتے ہوئے کہا۔

"کاٹیا۔ چُپ کر جاؤ بیٹی۔ یہاں تمہیں کوئی کُچھ نہیں کہیگا۔ تم ہمارے پاس رہو۔ ہم تمہیں کپڑے اور جوتے لیکر دیں گے۔ تمہیں پڑھنا لکھنا سکھائیں گے۔ میرا کہا مان بیٹی۔ مَیں تمہیں ماں

کی طرح پاؤں گی۔"

لیکن وہ روتی ہی رہی اور روتے روتے اُس نے ہمیں اپنی کہانی سُنانی شروع کر دی۔
ماں نے پھر اُسے روکتے ہوئے کہا۔

"نہیں گُڑیا نہیں۔ اِس وقت نہیں۔ یہ باتیں پھر کسی وقت بتانا۔"

لیکن کاٹیا نے سسکتے ہوئے کہا۔

"میں چُپ نہیں رہ سکتی۔ میں سب کچھ ابھی وقت بتاؤں گی۔ مجھے اپنے گھر والوں سے بچھڑے پُورا ایک سال ہو گیا۔ ہم پولکروفنیا میں رہتے تھے۔ میرے پاپا کو مسولینی میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ سب طرح کے لوگ انہیں اِس کیلئے مجبور کرتے۔ لیکن وہ تیار نہیں ہوتے تھے۔ اُنہیں پیٹا گیا۔ پھر بھی وہ نہیں مانے۔ لوگوں نے اُن پہ الزام لگایا کہ وہ قلاقوں کے ایجنٹ ہیں۔"

"کیا تمہارے پاپا قلاق تھے۔" مَیں نے پوچھا۔ "کیا تم جانتی ہو کہ قلاق ایجنٹ سے کیا مراد ہے"؟

اور اُس نے جواب دیا۔

"نہیں چچا۔ میں نہیں جانتی۔ اِن کا کیا مطلب ہے۔ ہمارے ٹیچر نے ہمیں اس کے معنے نہیں بتائے تھے۔ ہمارے پاس ایک گائے تھی۔ ایک گھوڑا تھا۔ ایک بچھیا تھی۔ ۵ بھیڑیں تھیں۔ اور کچھ سؤر تھے۔ ہر رات کو ایک کانسٹیبل ہمارے گھر آتا کہ پاپا کو گاؤں کی سوویٹ میں لے جاتا تھا۔ وہ اُس سے اناج مانگتے اور جب پاپا یہ کہتے کہ ہمارے پاس اب اور اناج نہیں ہے تو وہ یہ بات ماننے سے انکار کر دیتے۔ لیکن مَیں قسم کھا کر کہتی ہُوں کہ اُس وقت ہمارے پاس سچ مچ اناج نہ ہوتا تھا۔ پُورا ایک ہفتہ اُن لوگوں نے پاپا کو سونے نہ دیا۔ وہ اُسے چھڑیوں سے پیٹتے۔ حتیٰ کہ اُن کا سارا جسم نیلا پڑ جاتا۔ اور اُس پہ سوزش ہو جاتی۔"

کاٹیا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ جب ہمارے پاس اناج کا ایک دانہ بھی

باقی نہ رہا۔ تو پاپا نے پیٹ بھرنے کیلئے ایک سؤر کو ذبح کیا۔ انہوں نے کُنبہ کے لئے کچھ گوشت رکھ کر باقی اناج خریدنے کیلئے بازار میں فروخت کر دیا۔ دوسرے دن انہوں نے بچھڑی کو ذبح کیا۔ سوویٹ کے سپاہیوں نے پھر انہیں رات کے وقت باہر نکالنا شروع کر دیا۔ اس بار وہ لوگ کہتے تھے کہ بغیر اجازت مویشیوں کو ہلاک کرنا جرم ہے۔

"تب ایک سال کی بات ہے" کاٹیا کہتی رہی۔ "ایک دن صبح کچھ اجنبی ہمارے مکان پر آئے۔ اُن میں سے ایک۔ جی پی یو کا آدمی تھا۔ ہماری سوویٹ کا صدر بھی ان اجنبیوں کے ہمراہ تھا۔ ان میں سے ایک آدمی نے ہمارے گھر کی سب چیزوں کو ایک کاپی میں درج کیا۔ ہمارے فرنیچر کپڑوں اور برتنوں تک کا اندراج کیا گیا۔ تب گاڑیاں آئیں۔ وہ لوگ ہماری سب چیزیں اُن میں لاد کر لے گئے۔ اور جو مویشی ہمارے پاس تھے انہیں کولخوز بھیج دیا گیا۔ میری پیاری ماما موچکا چلائی۔ اور اُس نے گھٹنوں کے بل گر کر اُن لوگوں سے درخواست کی کہ وہ سب چیزیں نہ لیجائیں۔ یہاں تک کہ پاپا۔ میرا بھائی وا لیا۔ اور بہن مُورا سب چلّانے لگے۔ لیکن اُن کی اس چیخ و پکار سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہمیں کہا گیا کہ کپڑے۔ پہن لو۔ اور کچھ کھانے کا سامان اپنے ساتھ باندھ لو کیونکہ آپ لوگوں کو بہت لمبے سفر پر جانا ہے۔"

یہ یادداشت کاٹیا کے لئے بہت تلخ تھی۔ اُس نے پھر اونچے اونچے سسکیاں بھرنی شروع کر دیں۔ لیکن اس کے باوجود اُس نے اپنی بات کو جاری رکھا۔ اور کہا۔

"انہوں نے ہم سب کو ایک پرانے چرچ میں بند کر دیا۔ وہاں ہمارے ہی گاؤں کے کچھ لوگ اور اُن کے بچے بھی کچھ کپڑوں کی گٹھڑیاں لئے سسکیاں بھرتے ہوئے اپنے دن کاٹ رہے تھے۔ ساری رات ہم وہاں تاریکی میں پڑے چلّاتے رہے۔ اور اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے دُعا کرتے رہے۔ صبح ہوتے ہی تقریباً ۳۰ خاندانوں کو جنہوں نے اس چرچ میں رات کاٹی تھی۔ ایک سڑک پر قافلہ کی شکل میں روانہ کر دیا گیا۔ ہم سب کو ملیشیا کے سپاہیوں نے گھیر رکھا تھا۔ جب گاؤں کے دوسرے لوگوں نے ہمیں سڑک پر جاتے

ہُوئے دیکھا تو اُنہوں نے بھی ہمیں الوداعی سلامی کہتے ہوئے چلّانا شروع کر دیا۔

"ریلوے اسٹیشن پر ہماری ہی طرح کے اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ انہیں مضافاتی دیہات سے لایا گیا تھا۔ ہم سب مِلا کر ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ ہمیں پتھر کی بنی ہوئی ایک حویلی میں داخل کر دیا گیا۔ لیکن میرا کتّا والشوک جو ہمارے پیچھے پیچھے یہاں تک آیا تھا اندر داخل نہ ہونے دیا گیا۔ وہ باہر کھڑا بھونک رہا تھا۔ اور میں اندر سے اُس کی آواز سُن رہی تھی۔"

کچھ دیر بعد ہمیں وہاں سے نکال کر بیل گاڑیوں اور چھکڑوں وغیرہ میں سوار کرا دیا گیا۔ جن کی ایک لمبی قطار باہر لگی ہوئی تھی۔ والشوک مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ اور جب میں نے ایک سپاہی سے اپنے کتّے کے متعلق دریافت کیا تو اُس نے مجھے ٹھوکریں مارنی شروع کر دیں۔ جونہی ہماری گاڑی پوری طرح سے بھر گئی۔ اور اُس میں پاؤں دھرنے کو بھی کوئی جگہ نہ رہی تو باہر سے اُس کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا گیا۔ ہم اندر چیختے اور چلّاتے رہے۔ لیکن گاڑی اسی طرح چل دی۔ کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ کوئی کہتا سائبیریا اور کوئی دوسرا کہتا۔ نہیں۔ دُور شمال کے گرم ریگستانوں میں۔ لیکن اصلی منزل کا کسی کو بھی علم نہ تھا۔

خارکوف کے نزدیک مجھے اور میری بہن شورا کو پانی لینے کے لئے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی۔ ماما نے ہمیں ایک بوتل اور کچھ پیسے دے کر کہا کہ اپنے شیر خوار بھائی کے لئے کہیں سے دُودھ ڈھونڈ کر لاؤ۔ ہمارا وہ ننھا سخت بیمار تھا۔ ہم نے پہریدار سے درخواست کی۔ اُس نے کہا کہ ہمیں دُودھ لانے کیلئے باہر جانے کی اجازت دینا قواعد کی خلاف ورزی ہے۔ لیکن بالآخر وہ مان گیا۔ کچھ فاصلے پر کسانوں کی کچھ جھونپڑیاں تھیں۔ ہم بھاگتی ہوئی وہاں گئیں۔"

"جب ہم نے اُن لوگوں کو بتایا کہ ہم کون ہیں تو وہ بھی چلّانے لگے۔ اُنہوں نے ہمیں کچھ کھلایا پلایا۔ ہماری بوتل دُودھ سے بھر دی۔ اور پیسے بھی نہ لئے۔ ہم وہاں سے

بھاگتی ہوئی پھر سٹیشن پر پہنچیں۔ لیکن گاڑی ہمیں وہیں چھوڑ کر جا چکی تھی۔"
کاٹیا پھر کچھ دیر کیلئے رُکی۔ اور اپنے پاپا۔ ماما۔ بھائی اور بہن کے نام لے لیکر رونے لگی۔ اب ہم سب لوگوں کی آنکھوں سے بھی اُس کے ساتھ ہی آنسو بہہ رہے تھے۔ ماماجن کا دل کچھ مضبوط تھا۔ پھر کاٹیا کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ خود اُس سے بھی زیادہ رو رہی تھیں۔ پاپا مضطرب سے چُپ چاپ کھڑے تھے۔ لیکن اُن کے چہرے کے رنگ بدل رہے تھے۔

کاٹیا نے ہمیں بتایا کہ وہ اور اُسکی بہن شورا جو بے گھر بچوں کی فوج میں نئی نئی شامل ہوئی تھیں۔ گاؤں گاؤں گھومتی رہیں۔ اُنہوں نے در بدر بھیک مانگنا اور گاڑیوں میں سوار ہوکر خوراک حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پھیلانا سیکھا۔ آہستہ آہستہ وہ اس کام میں ماہر ہوگئیں۔ لیکن مقدر میں ابھی کچھ اور بھی لکھا ہوا تھا۔ ایک شہر کے بڑے بازار میں وہ دونوں بھی ایکدوسرے سے بچھڑ گئیں۔ ملیشیا کا ایک سپاہی اُن کا پیچھا کر رہا تھا۔ اور اُنہیں بھاگتے بھاگتے یہ بھی پتہ نہ رہا تھا۔ کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہیں۔ اُسکے بعد وہ اکیلی رہ گئی۔ اور پھر ناٹشا اُنہیں اپنے ہمراہ لے آیا۔

ہم اب کاٹیا سے محبت کرنے لگے تھے۔ اور وہ بھی اب ہمیں غیر نہیں سمجھتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود رات کے وقت کبھی کبھی ہم اُسے سسکیاں بھرتے ہوئے سُنتے تھے۔ اور کبھی کبھی وہ بڑبڑاتے ہوئے کہا کرتی تھی۔

"ممی تم کہاں ہو۔" "پاپوچکا۔ تم کہاں ہو۔"

باب نمبر ۸

دیہات میں مظالم

ذہنی پریشانی سے بچنے کے لئے انسان تلخ حقائق کی طرف سے آنکھیں موندنے اور توجہ ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن پھر کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے جس سے انسان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور وہ ان تلخ حقائق کی طرف توجہ دینے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ کاٹیا کا ہمارے گھر میں آنا میرے لئے ایک ایسا ہی واقعہ تھا۔ اب تک میں نے اعتقاد شکن حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے اعتقاد کو برقرار رکھا تھا۔ میں اجتماعی کھیتی باڑی کے علاقوں میں جانے سے کتراتا رہا تھا۔ لیکن ایک معصوم بچے کے تلخ تجربہ نے مجھے سارے روس کی حالت پر نگاہ ڈالنے کے لئے مجبور کر دیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب جب مجھے اجتماعی کھیتی باڑی کے کسی علاقہ میں جانے کے جو بھی موقعہ ملے گا میں اُسے قبول کر لوں گا۔

اور موقع میری توقع سے بھی جلد مجھے مل گیا۔ مجھے ریجنل کمیٹی کے دفتر میں بُلایا گیا۔ اور ہدایت کی گئی کہ میں دیہات میں کام کرنے کے لئے پارٹی بریگیڈ تیار کروں۔

ہم ۸۰ آدمیوں کو جن میں سے بیشتر نوجوان تھے فصل کے کٹائی کے کام کو تیز کرانے اور اناج اکٹھا کرنے کیلئے فارموں میں بھیجا جا رہا تھا۔ لیکن ہمیں کچھ ایسا احساس ہو رہا تھا۔ اور ہمارا طرز عمل اس قسم کا تھا۔ جیسے کہ ہم کسی خونی جنگ میں شامل ہونے کیلئے جا رہے ہوں۔

پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے ممبر کامریڈ ہیٹئی وچ نے ہمارے سامنے تقریر کی۔ اس سے ہماری گھبراہٹ میں اور اضافہ ہو گیا۔ ہمیں تو کچھ کچھ ایسی توقع تھی کہ ہمیں زرعی اور دیہاتی اقتصادیات کے متعلق ٹیکنیکل واقفیت بہم پہنچائی جائیگی۔ لیکن اس تقریر میں ہمیں دیہات میں جا کر "کرو یا مرو" کی سپرٹ میں لڑائی کرنے کے لئے جوش دلایا گیا تھا۔ کامریڈ ہیٹئی وچ نے کہا۔

ساتھیو۔ آپ لوگ ایک یا ڈیڑھ ماہ کیلئے دیہات میں جا رہے ہیں اجتماعی کھیتی باڑی کے معاملہ میں نائپروپیٹروفسک کا علاقہ پیچھے رہ گیا ہے۔ کامریڈ سٹالن نے ہمیں موسم بہار تک یہاں یہ کام ختم کرنیکا حکم دیا تھا۔ لیکن اب موسم گرما ختم ہو چلا ہے۔ اور کام ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ دیہات کے مقامی حکام کو بالشویکی فولاد کا ٹیکہ لگانے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے ہم آپ کو وہاں بھیج رہے ہیں"۔

"دیہات میں طبقاتی جدوجہد بہت شدت اختیار کر گئی ہے۔ اسلئے اب جھجک ہچکچاہٹ یا جذبات کی رو میں بہنے کا وقت نہیں۔ آپ سے ہم بالشویکوں کی روایتی ہوشیاری حوصلہ مندی اور جرأت کی توقع رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ پارٹی کی ہدایات اور اپنے محبوب لیڈر کے حکم پر پوری طرح عمل کریں گے"۔

ان آخری الفاظ میں دھمکی چھپی ہوئی تھی۔ لیکن یہ الفاظ تالیوں میں ڈوب کر رہ گئے۔

میں اپنے آپ سے پوچھ رہا تھا کہ کیا یہی وہ ہدایات ہیں جو ہمیں ملنی تھیں۔ کیا یہ

ممکن ہے کہ کچھ طالب علم یا صنعتی افسر محض زیادہ بالشویکی سختی کے ساتھ زرعی دیہاتوں کے پیچیدہ اقتصادی اور سیاسی مسائل کو سلجھا سکیں گے؛ میرے قریب بیٹھے ہوئے ایک اور نوجوان نے جیسے میری ذہنی کشمکش کو بھانپتے ہوئے کہا۔

کامریڈ کرافشینکو۔ میرا خیال ہے۔ کہ ابھی ہمیں کچھ اور ہدایات ملیں گی۔ میرا مطلب عملی ہدایات سے ہے۔"

"مجھے کوئی علم نہیں" میں نے جواب دیا۔ میں اس نوجوان کے متعلق صرف اتنا ہی جانتا تھا۔ کہ یہ انسٹی ٹیوٹ کا ایک طالب علم ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں اسلئے میں اس اجنبی سے اس "منظرناک" موضوع پر بحث شروع کر کے ابھی سے بالشویکی مضبوطی کی مشق شروع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کامریڈ۔ میں اب تک کبھی کسی گاؤں میں نہیں رہا۔ میں نہیں جانتا کہ وہاں کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔ مجھے اس بات کا ذرا بھی علم نہیں کہ سیکرٹری نے جو بڑے کام ہمارے ذمے لگائے ہیں انہیں کیسے پورا کیا جانا ہے۔ لیکن یہ تو واضح ہی ہے کہ اگر ہم ناکام رہے تو ہمیں پارٹی سے خارج کر دیا جائیگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اور اچانک مجھے اپنی غلط فہمیوں پر شرم محسوس ہونے لگی۔ اسکی آنکھوں سے سچ مچ بے چینی جھلک رہی تھی۔ اگرچہ عمر میں وہ مجھ سے چند سال ہی چھوٹا نظر آتا تھا۔ لیکن اس میں ابھی تک بچپن کا احساس تھا۔ مجھ سے اپنا تعارف کراتے ہوئے اس نے کہا۔

"میرا نام سیرگی الیگزنی ورچ شفٹیکوف ہے۔"

ہمیں باتیں کرتے ابھی چند منٹ ہی گذرے تھے کہ مجھے کامریڈ براڈسکی

کے دفتر میں طلب کیا گیا۔ ایک مضبوط جسم کا گھٹنے اور سیاہ بالوں والا آدمی کمرے میں ایک میز پر بیٹھا تھا۔ میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس نے ایکدم پوچھا۔

"کامریڈ کرافشینکو۔ کیا تم گاؤں کے متعلق کچھ جانتے ہو؟"

"جی خانہ جنگی کے دنوں میں کچھ سال تک میں ایک زرعی کمیون میں رہا تھا۔ اسکے علاوہ ۲۱/۱۹۲۰ میں میں نے ایک زراعتی سکول میں کچھ عرصہ تعلیم بھی حاصل کی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"خوب! خوب!" کامریڈ براڈسکی نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"اِس بریگیڈ میں شامل کئے گئے لوگوں میں سے بہت کم یہ جانتے ہیں کہ گندم اور بھوسے میں کیا فرق ہوتا ہے۔"

"یہ کہتے ہوئے اُنہوں نے ایک گھنٹی بجائی۔ اِس پر دو آدمی کمرے کے اندر آئے۔ اِن میں سے ایک طالب علم شفٹیکوف تھا۔ اور دوسرا تقریباً ۴۰ برس کا ایک اور آدمی تھا۔ جسے میں نہیں جانتا تھا۔

"اِن سے ہاتھ ملاؤ۔" کامریڈ براڈسکی نے کہا۔ "تم تینوں ایک ساتھ کام کرو گے۔ تمہیں پوڈگروڈنوئی گاؤں میں جانا ہوگا۔ کامریڈ کرافشینکو اناج کوٹنے کا کام (گہائی) تمہارے ذمہ ہوگا۔ اور کامریڈ شفٹیکوف! تم کامریڈ آرشینوف کے ہمراہ اناج اکٹھا کرنے اور اجتماعی کھیتی باڑی شروع کرانے کے لئے کام کرو گے۔ تم دونو کا لیڈر آرشینوف ہوگا۔ وہ وہاں کے بریگیڈ کا بھی انچارج ہے۔ اور صرف ایک پرانا پارٹی ورکر ہی نہیں۔ پراسیکیوٹر کے دفتر میں کام کا تجربہ بھی رکھتا ہے۔"

آرشینوف چھوٹی سی جسامت کا ایک گٹھا ہوا آدمی تھا۔ چوڑا اور قد سے زیادہ پھیلا ہوا منہ۔ اور اُس پر جڑی ہوئی سی نظر آنیوالی آنکھیں اُسکے چہرے

کو زیادہ بھدا بنا رہی تھیں۔ کمرے سے باہر آ کر آرشینوف نے ہمیں ہدایت کی کہ ہم اپنے گرم کپڑے۔ تھوڑی بہت خوراک اور اگر ہو سکے تو ایک ایک ریوالور لے آئیں۔ ہم نے دُوسرے دِن ریلوے سٹیشن کے ویٹنگ رُوم میں اُنہیں مِلنے کا وعدہ کیا۔ اور پھر تینوں اپنے اپنے راستوں پر چلے گئے۔

پوڈ گورو ڈنوئی کو جاتے ہُوئے ہمارے درمیان جو بات چیت ہُوئی وُہ خوشگوار نہیں تھی۔ آرشینوف نے کندھے پر پستول لٹکا رکھا تھا۔ ہم غروبِ آفتاب کے قریب اپنی منزل پر پہنچے۔ آسمان سے بُوندا باندی ہو رہی تھی۔ اور گاؤں کو جانیوالی سڑک پر کیچڑ ہی کیچڑ تھا۔ راستے میں جو کسان ہمیں مِلے اُنہوں نے ہم سب کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ہاں آرشینوف کا پستول جو اُس کی کمر کے ساتھ رگڑ کھا رہا تھا۔ ضرور اُن لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔ مَیں نے کانا پھُوسی کے سے انداز میں اُنہیں کہا۔

"کامریڈ آرشینوف۔ آپ اپنا پستول ذرا کوٹ کے اندر کر لیں۔ اِسطرح پستول کا مظاہرہ کرنا تو بے معنی ہے۔"

"یہ میرا کام ہے۔ تم چُپ رہو" آرشینوف بولے۔

"نہیں کامریڈ"۔ مَیں نے جواب دیا۔ "یہ صرف آپ کا معاملہ نہیں۔ ہم سب یہاں اکٹھے ہیں۔ اس کا اثر سب پر اور اُس سے زیادہ پارٹی پر پڑتا ہے۔ میں اصرار کرتا ہُوں کہ آپ اسے کوٹ کے اندر کر لیں۔ ورنہ مَیں گاؤں میں نہیں جاؤں گا۔"

آرشینوف نے کُچھ ہچکچاہٹ کے ساتھ پستول کو کوٹ کے اندر کر لیا۔ لیکن پھر وُہ گاؤں کی سوویٹ تک سارے راستہ میں ہمارے ساتھ نہیں بولے۔

سوویت کا دفتر لکڑی کا بنا ہُوا ایک بھدا سا اور ٹوٹا ہُوا سا مکان تھا۔ اندر مٹی کے تیل کا ایک دِیا ٹمٹما رہا تھا۔ جس پر کاغذ کی چمنی چڑھی ہُوئی تھی۔ اور تقریباً ۲۰ کِسان خاموش اور غالباً ناخوش سے فرش پر بیٹھے ہُوئے تھے۔ وہاں جاتے ہی

آرشینوف نے اُونچی آواز میں جیسی وہ اپنی طاقت اور اختیارات کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہو۔ پوچھا۔

"سوویت کا صدر کہاں ہے؟"

"وہاں۔ اپنے کمرے میں" کسانوں نے اشارے سے ہی بتادیا لیکن اُسی لہجے میں آرشینوف نے پھر کہا۔

"تو تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ کیا یہاں آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کی بجائے تمہارے پاس کوئی کام نہیں ہے؟"

"بہت سے کام ہیں" ایک کسان بول اُٹھا۔ "ہمیں یہاں بُلایا گیا ہے۔ یہ لوگ میری روٹی میں سے حصہ مانگ رہے ہیں۔ لیکن میں خود اپنے لئے روٹی مانگ رہا ہوں"۔

اور اُس کو گھورتے ہوئے آرشینوف نے کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے اس گاؤں میں اپنے ہاتھ لگنے ہی پڑینگے"۔ یہ کہہ کر وہ سوویت کے دفتر کی طرف چل پڑا۔ ہم سب بھی اُس کے پیچھے دفتر میں گئے۔ وہاں ایک میز کرسی پر بیٹھا ہوا۔ نحیف اور کمزور سا نوجوان جس کے چہرے سے تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔ ایک بوڑھے کسان سے بات چیت کر رہا تھا۔

"ہم پارٹی بریگیڈ کے طور پر کام سرانجام دینے کیلئے یہاں آئے ہیں"۔ کمرہ میں داخل ہوتے ہی آرشینوف نے اپنا تعارف کرایا۔

"آپ سے ملکر خوشی ہوئی۔ کہیئے کیا حال ہے"۔ مقامی سوویت کے صدر نے کھڑے ہو کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ لیکن اُس کے چہرے سے اُس کے ان رسمی الفاظ کی تائید نہیں ہو رہی تھی۔ ہماری آمد سے اُسے کوئی خوشی ہوئی ہو

ایسا کوئی آثار نظر نہیں آتا تھا۔

"یہ سب لوگ باہر کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟" آرتینینوف نے پوچھا۔

"میں نے انہیں بُلایا ہے۔ اِن کا کہنا ہے کہ اِن کے پاس کوئی اناج نہیں اور دراصل ہے بھی ایسا ہی۔ اس علاقہ میں فصل بہت خراب ہوئی ہے۔ اور ہر آدمی کو آنیوالے موسم سرما کا فکر دامنگیر ہے۔ اِن لوگوں سے اناج حاصل کرنا آسان نہیں۔ اور کامریڈ۔ یہ اجتماعی کھیتی باڑی میں شامل ہونے کو بھی تیار نہیں۔ انہیں چاہے جان سے مار دو لیکن یہ کمبخت اُس کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔" سوویت کے چیئرمین نے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم دیکھ لینگے۔" آرشینوف نے مٹھی بھینچتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد صدر نے اپنے کسی نائب کو بُلایا اور اُس کے کان کے پاس مُنہ لے جا کر اُسے کچھ ہدایت کی۔ یہ آدمی ہم تینوں کو گاؤں کے اندر لے گیا۔ گاؤں کی بڑی گلی میں سنّاٹا طاری تھا۔ اور کبھی کبھی کُتّے کے بھونکنے کی آواز اس سنّاٹے کو توڑتی ہوئی سُنائی دیتی تھی۔ جب چلتے چلتے ہم ایک بڑے مکان کے آگے پہنچے جو اردگرد کے دوسرے مکانوں کی نسبت اچھّا دکھائی دیتا تھا۔ تو ہماری رہنمائی کرنے والا یہ آدمی وہاں ٹھہر گیا۔

"کامریڈ آرشینوف یہ وہ مکان ہے جہاں آپ کا ہیڈکوارٹر ہوگا۔ میرا خیال ہے یہ آپ کو پسند آئیگا۔" اُس آدمی نے رُکتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ ہمیں گلی میں اور آگے ایک اور مکان تک لے گیا۔ جو پختہ اور کافی بڑا نظر آتا تھا۔ اور اس کے باہر ایک چھوٹا سا خوبصورت باغیچہ بھی تھا۔

"آپ اِسے بھی پسند کریں گے۔" ہمارے رہنما نے پھر کہا۔

"اس مکان کے مالک شلوپینکو حال ہی میں اجتماعی فارم میں شامل ہوئے ہیں۔

اِن کا گھر صاف ستھرا ہے۔ اِس میں کوئی چھوٹے چھوٹے بچّے نہیں ہیں۔ سب بڑے آدمی ہیں۔" اور پھر شفٹیکوف کی طرف دیکھتے ہوئے اُس نے کہا۔ "اور ایک خوبصورت لڑکی ہے۔"

اِس مکان کے دروازہ پر ایک لمبے سے آدمی نے جس کی عمر غالباً ساٹھ سال کی ہوگی ہمارا سواگت کیا۔ اُسکی داڑھی صفاچٹ تھی۔ لیکن مونچھیں یوکرین کے پُرانے فیشن کی طرح لمبی لمبی اور لٹکی ہوئی تھیں۔ ہمیں دیکھ کر اُس نے کہا۔

"آپ کب آئے ۔ آئیے ۔ اور ہمارے ساتھ کھانا کھائیے۔ خدا نے جو کچھ ہمیں دیا ہے وہ چاہیے تھوڑا ہی ہے پر ۔۔۔ آپکی خدمت میں حاضر ہے۔"

ہم اُس کے ساتھ اندر چلے گئے۔ سارا کُنبہ کھانے کے میز پر جمع تھا۔ مالک مکان کی لڑکی جس کی عمر ۱۸ برس کے قریب نظر آتی تھی واقعی خوبصورت تھی۔ اور بڑھیا کے سر پر ایک کشیدہ کاری کے کام والا رنگدار کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ میز پر ایک آٹھ سال کا لڑکا بھی موجود تھا۔ ہم نے اُن سے اپنا تعارف کرایا۔ اور اُنکے ساتھ کھانے بیٹھ گئے۔ سب سے پہلے اُبلتا ہوا شوربا جس میں گوشت نہیں تھا ہماری پلیٹوں میں ڈالا گیا۔ دوسرے دور میں پکے ہوئے آلو آئے۔ ڈبل روٹی چھوٹے چھوٹے اور باریک باریک ٹکڑوں میں کاٹی ہوئی تھی۔ اور سب لوگ اسے اتنی احتیاط سے کھا رہے تھے جیسے یہ کوئی پرشاد ہو۔

کسانوں کی زندگی سے باخبر ہونے اور یہ جانتے ہونے کی وجہ سے کہ عام طور پر روٹی اُن کی خوراک کا سب سے بڑا جزو ہوتی ہے۔ میں یہ سمجھ گیا کہ اِس کُنبے کی حالت اچھی نہیں ہے۔ میں اور شفٹیکوف نے اُن لوگوں سے اجازت لی اور واپس اپنے کمرے میں آکر وہ خوراک ساتھ لیکر وہاں چلے گئے جو کہ ہم شہر سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

جب ہم نے اپنے ڈبوں کو کھول کر مختلف قسم کی مچھلی اور گوشت وغیرہ دیگر چیزیں

نکالیں۔ تو گھر والے للچائی ہوئی نظروں سے اُن کو دیکھنے لگے۔ ہم نے اُنہیں اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ اور پہلے کا غمزدہ سا ماحول چند منٹوں میں ختم ہو گیا۔

سٹوپنیکو کنبے کا آٹھ سالہ لڑکا غیر قدرتی طور پر خاموش اور پژمردہ سا تھا۔ میں نے اپنے میزبان سے پوچھا۔ "آپکے لڑکے کا نام کیا ہے ؟"

"یہ ہمارا لڑکا نہیں۔ اجتماعی کھیتی باڑی کے عمل کا ایک یتیم ہے۔" میزبان نے جواب دیا۔

"کیا مطلب ؟" میں نے پھر پوچھا۔

"ہاں، یہ ایک یتیم ہے۔ لیکن آپ اس سے کچھ نہ پوچھئے گا۔ یہ ابھی تک اپنے صدمے کو بھلا نہیں سکا۔" انہوں نے کہا۔

"ہوا کیا تھا۔ آپ تو بتائیے"۔ میں نے پھر سوال کیا۔

"اچھا۔ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ تم دونوں اچھے آدمی نظر آتے ہو۔ اس کے علاوہ میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں۔ مجھے بھی اپنی زندگی سے کوئی پیار نہیں ہے۔ ہاں مجھے ڈر ہے۔ تو اتنا کہ کہیں میری لڑکی پر کوئی آفت نہ آجائے۔ خیر۔"

اور اُس نے ہمیں اس لڑکے کی کہانی سنانی شروع کر دی۔ اُس نے کہا۔

"یہاں سے تقریباً دس مکان چھوڑ کر ایک آدمی فورفنز رہتا تھا اُس کی ایک بیوی تھی۔ اور ایک یہی بچہ واسیا۔ اچھا خوشحال کنبہ تھا۔ یہ لوگ کافی محنت سے اپنی روزی پیدا کرتے تھے۔ نیک تھے۔ قلاق نہیں تھے۔ دوسرے لوگوں کی طرح ان کے پاس بھی صرف دو گھوڑے۔ ایک گائے۔ ایک سؤر اور چند چوزے تھے۔ لیکن سوویت والوں کے اصرار کے باوجود وہ اجتماعی کھیتی باڑی میں شامل ہونے کو تیار نہ ہوئے۔ اس پر فورفنز کو قلاق قرار دیا گیا۔ اور ایک دن شام کو وہ لوگ اُسے گرفتار کرنے کیلئے آگئے۔ اُس کی بیوی اور بچہ رونے چلانے لگے۔ اور فورفنز نے سپاہیوں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر سپاہی اُسے پیٹنے لگے۔ اور اتنا پیٹا کہ اُس کے سارے

جسم سے خون بہنے لگا۔ پھر وہ اُسے گھسیٹتے ہوئے مکان سے باہر لے آئے اور اسی طرح گھسیٹتے گھسیٹتے سوویت کے دفتر میں لے گئے۔ اُس کی بیوی روتی چیختی چلاتی لوگوں سے اور خدا سے فریاد کرتی ہوئی اُس کے پیچھے بھاگی۔ وہ چلاتی رہی "ہماری طرف کون دیکھے گا۔ پیارے۔ یہ۔ وحشی۔ یہ ظالم تمہیں کہاں لئے جا رہے ہیں یا تنے میں جی۔ پی۔ یو کے ایک آدمی نے اُسے اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ کیچڑ میں جا گری۔ اور اتنی دیر میں وہ فورفنز کو بیل گاڑیوں کے پاس لے گئے۔ اور خدا جانے اب وہ کہاں ہے۔"

بوڑھا میزبان یہ کہانی سنا رہا تھا کہ میز پر بیٹھی ہوئی اُس کی بیوی اور بیٹی دونوں نے رونا شروع کر دیا۔ لیکن اُس نے اپنا سلسلۂ بیان جاری رکھا۔

"دوسرے دن صبح ایک ہمسایہ عورت فورفنز کی مظلوم بیوی کو دیکھنے کے لئے اُن کے گھر گئی۔ تو وہ وہاں نہیں تھی۔ اُس نے فورفنز کی بیوی کا نام لے لیکر آوازیں دیں۔ لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ ملا۔ پھر وہ خالی کمرے کے اندر گھس گئی۔ اور وہاں اُس نے وہ منظر دیکھا کہ۔۔ پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی باہر کو بھاگی۔ اُس کی آواز سن کر میں اور کئی دیگر کسان مکان کے اندر پہنچے۔ فورفنز کی بیوی چھت سے ایک رسّا باندھ کر اور اُس کا پھندا اپنے گلے میں ڈال کر لٹکی ہوئی تھی۔ وہ بالکل مر چکی تھی۔ اس سارے واقع کو ایک ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔"

بوڑھے نے داستان جاری رکھی اور کہا۔

"ہمارے گھر میں چونکہ کوئی چھوٹا بچہ نہیں تھا۔ اس لئے میں اور میری بیوی نے اس بچے واسیا کو اپنے گھر لے آنے کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک مہینہ سے اسی طرح یا تو خاموش رہتا ہے یا پھر چیختا ہے۔ ہر شام کو وہ اپنے ویران گھر پر نگاہ ڈالتا ہے۔ اور پھر یہاں آکر کچھ کہے بغیر سو جاتا ہے۔

اُس کے بعد میں اور میری بیوی نے فورفنز کے انجام پر غور کیا۔ اور رضامندانہ

طور پر "کولکھوز" میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔"

دوسرے دن صبح جب ہم سوویت دفتر میں پہنچے تو آرشینوف پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اور اُس کا مزاج بگڑا ہوا نظر آتا تھا۔ اُسے اِس بات پر غصّہ تھا کہ اُسے ایک ایسے گھر میں ٹھہرایا گیا ہے جہاں کو مالکے کے لئے کافی خوراک نہیں ہے۔ اور جہاں اُس کے میزبان دوستانہ رویّہ نہیں رکھتے۔

سوویت کا چیئرمین آرشینوف اور تسفٹیکوف، مقامی حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے گاؤں میں چلے گئے۔ اور میں اجتماعی فارم کے چیئرمین کے ہمراہ فارم دیکھنے کے لئے چل پڑا۔

ایک سابق جاگیردار کی بڑی حویلی میں جو اب ایک کھنڈر نظر آتی تھی۔ نئی فصل کے اناج کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ مجھے اِس بات پر خوشی ہوئی کہ آخر اناج کھیتوں سے گاڑیوں میں لاد کر یہاں تک پہنچا ہی دیا گیا ہے۔ اب اگر ہر آدمی دل سے کام کرے تو ۱۰، ۱۲ دنوں میں گہائی مکمل ہو کر گندم نکالی جا سکتی ہے۔ لیکن صرف اناج کے بستوں کا یہاں تک پہنچ جانا ہی ایک اطمینان بخش بات تھی۔ باقی سب کام ادھورے پڑے تھے جیسے اُنہیں بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہو۔

آدھ گھنٹہ بعد وکا عورتیں اور مرد جو رسمی طور پر اس اجتماعی فارم کے انچارج تھے۔ حویلی کے میدان میں جمع ہو گئے۔ اُن کے چہروں کو دیکھ کر کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی تھی اُن کی نگاہیں کہہ رہی تھیں۔ "لو ایک اور آ پہنچا۔ ہم اِن کی باتیں سننے کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

لیکن میں نے اُن کے ساتھ دوستانہ بات چیت شروع کرنے کی غرض سے اِس ماحول کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"کہو۔ کسان ساتھیو۔ آپ کے کام کاج کا کیا حال ہے؟"

"بس یہی کہ ابتک زندہ ہیں۔" ایک کسان نے اعتماد بھری آواز میں کہا۔
" نہ امیر ہیں۔ نہ غریب۔ روٹی مل جاتی ہے اور پیٹ بھر لیتے ہیں۔" ایک اور کسان بولا۔
مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ کہ میرے ذہن پر کوئی آدمی ہتھوڑے، مار رہا ہے۔ لیکن میں نے پھر اپنی ہمت باندھتے ہوئے کہا۔
" میں سِٹوں میں سے اناج نکالنے کے لئے آپ کی مدد کرنے۔ مشینری کی مرمت اور دوسرے تمام حالات کو ٹھیک کرنے کے لئے ریجنل کمیٹی کی طرف سے یہاں آیا ہوں۔ آپ مجھے بتایئں کہ اس کولکھوز کے پردھان کو کس نے منتخب کیا تھا۔"
"ہم سب نے۔" سوویت بورڈ کے سبھی ممبروں نے جو وہاں موجود تھے کہا۔
"ٹھیک ہے تب آپ اس کی راہ میں مشکلات کیوں پیدا کرتے ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ اگر یہاں کام درست ڈھنگ سے نہیں ہوا۔ تو آپکی تمام ذمہ داری اس پر آئیگی؟ ذرا اپنے گردونواح کے حالات کو دیکھو۔ حکومت کے لئے آپ کے صدر اور بورڈ کے ممبروں کو جیل میں ڈال دینا کوئی مشکل نہیں۔"
" لیکن میں انہیں جیل میں ڈالنے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ کسی کو جیل میں ڈال دینے سے روٹی اور اناج پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس تغافل سے آپ کسے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ مجھے یا اپنے آپکو؟ میں دیہات میں رہا ہوں۔ میرے کئی رشتہ دار بھی کھیتی کرتے ہیں۔ لیکن میں نے کہیں بھی اس قسم کے اصطبل۔ اس قسم کے گودام اور اس قسم کے گندے صحن نہیں۔ یہ سب کچھ بڑا شرمناک ہے۔ مجھے آپ کے احساسات کا علم ہے۔ لیکن کسی خرابی کی سزا گئوؤں اور گھوڑوں کو تو نہیں ملنی چاہیئے۔ مجھے آپ کے طرزِ عمل پر ندامت محسوس ہو رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ اب بھی اچھے کسان ہیں۔ اور میں آپ کے کسان ہونے کی وجہ سے آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ یہ سب کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔"

"درست۔ درست! یہ کامریڈ کچھ ہوشمند ہے۔" ایک آواز آئی۔
"تب ہمیں کام پر ڈٹ جانا چاہیئے۔ کامریڈ چیئرمین میٹنگ شروع کر کے ڈیوٹیاں بتائندہ۔ تاکہ ہر آدمی کو پتہ چل جائے کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ ہم سب لوگوں کے نام اور تاریخ وار کام کی تفصیل لکھ لیں گے۔ تاکہ ہر آدمی پروگرام کے مطابق کام کرے۔" مَیں نے صدر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

دوپہر کے کھانے کے وقت میرے میزبان نے مجھے بتایا کہ اُس نے میٹنگ کے بعد بورڈ کے کچھ ممبروں کو آپس میں بات چیت کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وُہ کہہ رہے تھے کہ اِس کامریڈ نے درست طریقے سے کام شروع کیا ہے۔ وُہ خوش تھے۔ خاص طور پر اِسلیئے کہ میں نے کسانوں کو کوئی دھمکی نہیں دی اور اُن پر کوئی رعب نہیں جمایا۔

دُوسرے دِن صبح مَیں اپنے میزبان کے ہمراہ فارم میں گیا۔ اور یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہُوئی کہ کام پوری تیزی سے چل رہا ہے۔ آلات کو صاف کر کے اُن میں تیل دِیا جا رہا تھا۔ کھاد اور گوبر وغیرہ گاڑیوں میں ڈال کر اصطبل سے باہر لیجایا جا رہا تھا۔ اور سِٹوں میں سے اناج نکالنے کے لئے تمام تیاریاں زوروں پر تھیں۔

ایک ہفتہ گذر گیا کیلوں، تاروں اور لوہے کے ٹکڑوں وغیرہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے آلات کی مرمّت کا کام قدرے دِھیما تھا۔ لیکن کسانوں کی امداد نے اِس کمی کو پُورا کر دیا۔ ہمارے پاس کاغذ نہیں تھے۔ اِسلئے ہمارا حساب کتاب مکمّل نہ رہ سکا۔ اِسلئے شفٹیکوف کو ضروری اشیا خریدنے کے لئے نائیپر و پیٹروفسک بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اُس رات کو جب مَیں گھر واپس آیا تو دیکھا کہ شفٹیکوف ایک رسّی ہاتھ میں لئے اُس ننھے واسیا کو ناپ رہا ہے۔ اور رسّی پر کچھ گانٹھیں دے رہا ہے۔ اُس نے اُسے دیکھا اَن دیکھا کر دیا۔

دُوسرے دن جبکہ شفطیکوف گاؤں سے باہر گیا ہُوا تھا۔ میں آرشینوف سے ملنے گیا۔ اُسے عِلم تھا کہ میرا کام تیزی سے چل رہا ہے۔ وُہ میری کامیابی سے حسد کرتا تھا۔ میرے ساتھ بات چیت کے دَوران میں اُس نے اپنی ذہنی پریشانی کو دُور کرنے کے لیئے شفطیکوف کو گالیاں دیں۔ اُسے نرم دِل۔ حلیم اور بدترین قسم کا لبرل انسانیت پرست قرار دیا۔

انازیا کی ”گہائی“ اتوار کو بھی سارا دِن جاری رہی۔ کِسانوں نے میرے کہے کے بغیر ہی کام کیا۔ بہت زیادہ مذہبی خیالات کے آدمی بھی جنہیں گرجے میں جانے کا خیال رہتا ہے۔ سمجھتے تھے کہ یہ کام ضروری ہے۔ اور اِسے ختم کرنے کے لیئے مقررہ وقت کی میعاد بہت نزدیک آ رہی ہے۔ شام کے وقت شفطیکوف ایک بڑا سوٹ کیس اور کُچھ تھیلے لیئے واپس آیا۔ وُہ آتا ہُوا سارے میزبان کُنبے کیلیئے تحفے لایا تھا۔ اڑکی کیلیئے کتابیں تھیں۔ اُس کی ماں کیلیئے کپڑے سینے کا دھاگا اور بوڑھے سٹوپینکو کیلیئے تمباکو تھا۔ جب اُس نے اپنا سُوٹ کیس کھولا تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُس میں واسیا کے لیئے دو پتلونیں۔ ایک کوٹ۔ بُوٹ۔ اور بنیانیں بھری ہُوئی تھیں۔

واسیا کو فوراً یہ تمام نیئے کپڑے پہنا دیئے گئے۔ جن میں وُہ بہت خوبصورت لگتا تھا۔ سب نے اُس کی تعریف کی۔ کُچھ ہمسائے بھی اس یتیم واسیا کے نیئے کپڑوں میں ملبوس ہو جانے کا معجزہ دیکھنے کے لیئے وہاں آ گئے۔ اور خود واسیا کو بھی ہم نے پہلی بار اپنے سامنے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

آدھی رات کے بعد سب لوگ سونے کے لیئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ جس وقت اپنے کمرے میں مَیں اور شفطیکوف اکیلے رہ گئے تو مَیں نے اُس سے پُوچھا کہ آرشینوف کے ساتھ اُس کی گذر کیسے ہو رہی ہے۔؟“

”وُہ پُورا کُتیا کا بچہ ہے۔ کامریڈ اینڈرے وِچ۔ اب تک مَیں، تمہیں اُس کے

متعلق کچھ بتانے سے گریز کرتا رہا ہوں۔ لیکن اب میں زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکتا۔ یہ وحشی آدھی رات کے وقت کسانوں کو اُن کے گھروں سے گھسیٹ لاتا ہے۔ اُن پر رعب جماتا ہے، اُنہیں دھمکیاں دیتا ہے۔ پستول دکھاتا ہے۔ اور مجھے جو کچھ کسانوں نے بتایا ہے۔ بعض اوقات نہائت بے رحمی سے اُنہیں مار پیٹ بھی کرتا ہے۔" شفتیکوف نے جواب دیا۔

"احمق کہیں کے۔ تم نے پہلے مجھے یہ سب کچھ کیوں نہیں بتایا۔ اُٹھو کپڑے پہنو۔ ہم ابھی چلیں گے۔" میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

لکڑی کے دروازوں کی چوڑی چوڑی درازوں میں سے سوویت بلڈنگ کے اندر کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو کچھ کسان زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دروازے پر ایک مسلح سنتری کھڑا تھا۔ اور گاؤں کی سوویت کا ایک سپاہی ریوالور ہاتھ میں لئے پاس بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ دفتر کا دروازہ بند تھا۔ اندر سے ایک کسان کے چلّانے اور آرشینوف کے کڑکنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے غصّے سے بھری ہوئی آواز کے ساتھ سپاہی سے پوچھا۔

"یہ سب لوگ اس وقت یہاں کیوں ہیں؟"

سپاہی اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اور اُس نے کہا۔

"روز کی طرح آج بھی کامریڈ آرشینوف اِن سے اناج حاصل کر رہے ہیں۔ اور اُن لوگوں سے ذرا بات چیت کر رہے ہیں۔ جو کہ اجتماعی فارم میں شامل ہونے کو تیار نہیں۔"

اچانک آرشینوف کی آواز بہت اونچی ہوگئی۔ ایک بھاری چیز زمین پر گری۔ اور کسان چلّانے لگا۔

"تم مجھے مار کیوں رہے ہو۔ تمہیں مجھے مار پیٹ کرنے کا کوئی حق نہیں۔..."

میں نے اُچھل کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اور آرشینوف مجھے دیکھ کر بھونچکا سا رہ گیا۔ ہونٹ کاٹتے ہوئے اُس نے اپنی کرسی کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔ اور میز پر سے اپنا پستول اُٹھانے کے لئے مڑا۔ زمین پر پڑا ہوا کسان چیتھڑوں میں ملبوس ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اور اُس کا چہرہ خون سے لت پت تھا۔ میں نے اُسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ اور خود آرشینوف کے پاس پہنچا۔ جی چاہتا تھا کہ اُس کے مُنہ پر دو چار گھونسے جڑ دوں۔ لیکن میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو قابو میں کیا۔ اور چلا کر کہا۔

"کسانوں کو جانے دو۔ فوراً جانے دو۔ سُنتے ہو۔ میں کہتا ہوں کسانوں کو جانے دو۔"

"کامریڈ کرافشینکو! میں یہاں کا انچارج ہوں۔ تم مہربانی کر کے میرے کام میں ٹانگ نہ اڑاؤ۔" آرشینوف نے جواب دیا۔

"نہیں۔ یہ پارٹی کا کام ہے۔ بطور ایک کمیونسٹ میں تمہیں ایک وحشی اور ظالم کی طرح کام کرنے کی اجازت دیکر رُوسی حکومت کو بدنام نہیں ہونے دُوں گا۔

"کامریڈ شفٹیکوف!" میں نے آواز دیتے ہوئے کہا۔

"اِس بوڑھے کا جیسے حال ہی میں پیٹا گیا ہے نام لکھ لو۔ اور کانسٹیبل کا بھی۔" آرشینوف نے مجھے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن میرے غصّے کو دیکھ کر اُسے چُپ ہو جانا پڑا۔

شفٹیکوف کمرے کے اندر داخل ہوا۔ خوف سے اُس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ میں نے اُسے گھر واپس جانے اور وہاں میرا انتظار کرنے کی ہدایت کی۔ اور اُس کے بعد آرشینوف سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میری بات سنو آرسینوف ! کیا تمہیں اس بات کا احساس ہے کہ تم کیا کر رہے ہو ؟ کیا یہ اجتماعیت ہے یا پستول کی مدد سے ڈاکہ زنی ؟ تمہیں کسانوں سے اناج مانگنے اور اگر ضرورت ہو تو اُن کے گھروں کی تلاشیاں لینے کا حق حاصل ہے۔ لیکن "تشدد" کرنے اس قسم کے مظالم ڈھانے کا کوئی حق نہیں۔ اگر تم ریجنل کمیٹی تک اپنی شکایت نہیں پہنچنے دینا چاہتے تو تمہیں یہ سب حرکات بند کرنی پڑیں گی۔ ورنہ میں تمہاری ان سب سرگرمیوں کی رپورٹ کمیٹی کو بھیج دوں گا۔ چاہے مجھے اس کی کتنی بھی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔"

(۳)

اُدھر اجتماعی فارم میں کام اچھی طرح سے چل رہا تھا۔ بلکہ میری توقعات سے بہتر کام ہو رہا تھا۔ اناج کی "گہائی" تیزی سے جاری تھی۔ اور گھوڑوں اور مویشیوں کی پہلے سے زیادہ اچھی طرح دیکھ بھال ہوتی تھی۔

منگلوار کو میں اُن کھیتوں میں چلا گیا۔ جہاں عورتیں مکئی کے بھٹے کوٹ رہی تھیں۔ اور دانے دیگچوں میں ڈال رہی تھیں۔ کچھ گھنٹوں تک میں اُن کے ساتھ کام کرتا رہا۔ اور اُن کے ساتھ گیت گاتا رہا۔ جب میں شام کو کئی ساتھیوں کے ہمراہ گاؤں کو لوٹا تو شام ہو رہی تھی۔ ہمیں گاؤں پہنچتے ہی معلوم ہو گیا کہ یہاں کوئی نیا گل کھل رہا ہے۔ راستے میں دونوں طرف گھبرائے ہوئے لوگ کھڑے تھے۔ عورتیں رو رہی تھیں۔ میں تیزی سے سوویت بلڈنگ کی طرف گیا۔ اور باہر کھڑے ہوئے کانسٹیبل سے پوچھا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"پھر قلاقوں کی پکڑ دھکڑ۔" اُس نے جواب دیا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا عمل کبھی بند نہیں ہوگا۔ آج صبح جی۔پی۔یو اور ڈسٹرکٹ کمیٹی کے کچھ لوگ یہاں آئے تھے۔"

بلڈنگ کے باہر لوگوں کا ایک بھاری ہجوم جمع تھا۔ پولیس والے انہیں منتشر کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن لوگ پھر جمع ہو جاتے تھے۔ کچھ لوگ کھڑے جی۔پی۔یو کو گالیاں دے رہے تھے۔ عورتیں اور بچّے اپنے خاوندوں اور والدوں کے نام لے لیکر چیخیں مار رہے تھے۔ اور یہ سارا منظر ایک بھیانک خواب نظر آ رہا تھا۔

بلڈنگ کے اندر آرشینوف جی۔پی۔یو کے ایک افسر کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھا۔ دونوں مسکرا رہے تھے۔ جیسے ایک دوسرے کو کوئی خوشخبری اُسے سُنا رہے ہوں۔ پچھلے صحن میں تقریباً ۲۰ کسان کھڑے تھے۔ اور جی۔پی۔یو کے مسلّح سپاہی اُن پر پہرہ دے رہے تھے۔ اِن کسانوں میں بوڑھے بھی تھے۔ اور نوجوان بھی۔ اور اُن کی پُشت پر کوئی بوجھ لدا ہوا تھا کچھ کسان رو رہے تھے۔ اور کچھ مایوسی بے بسی اور پژمردگی کے عالم میں کھڑے تھے۔

یہ تھا قلاقوں کو بطور جماعت ختم کرنے کا عمل۔ نہ جانے کتنے سیدھے سادے کسانوں کو اسی طرح اُن کے آبائی گھروں سے جدا کر کے۔ اُن کی ہر چیز چھین کر اور جہازوں میں سوار کرا کے دُور دراز مقامات کے جبری محنت کے کیمپوں میں یا آبپاشی کی سکیموں پر کام کرنے کے لئے بھیجدیا جاتا تھا۔ اور کبھی وجہ سے اُن کے کُنبوں کو پیچھے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور وہ روتے بلکتے رہ جاتے۔

میں بے چین، بے بس اور شرمندہ سا وہاں کھڑا ہوا تھا۔ کہ اچانک ایک

عورت کے نہائت ہی خوفناک ڈھنگ سے چلانے کی آواز سنائی دی - ہر آدمی اُس طرف دیکھنے لگا - اور جی - پی - یو کے دو سپاہی اُس عورت کی طرف بھاگے - عورت کے بال بکھرے ہوئے تھے - اُس کے ہاتھ میں گندم کے سِٹّوں کا ایک جلتا ہُوا مُٹھا تھا - پیشتر اس کے کہ سپاہی اُس تک پہنچتے عورت نے ہاتھ اُٹھا کر اُس جلتے ہُوئے مُٹھے کو چھت کے ساتھ لگا دیا - جو کہ گھاس پھوس کی بنی ہونے کی وجہ سے ایکدم جل اُٹھی -

" کافر - ظالم - قاتل - " عورت چلّا رہی تھی - " ہم نے زندگی بھر اپنا گھر بنانے کے لئے کام کیا ہے - تم اُسے چھین نہیں سکو گے - میں اسے آگ کی نذر کر دُوں گی " چلّاتے چلّاتے اچانک وہ قہقہے لگانے لگی -

کِسان بھاگ بھاگ کر جلتے ہوئے مکان میں سے فرنیچر نکلنے لگے - یہ سارا منظر ---- آگ - چیخیں - یہ دیوانی عورت - کِسانوں کا کیچڑ میں سے گھسیٹا جانا - اور ایکدوسرے کے ساتھ باندھا جانا ---- یہ سارا منظر غیر حقیقی سا نظر آتا تھا - دماغ اِسے ایک حقیقت تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا - اور میرے لئے سب سے زیادہ غیر قدرتی بات یہ تھی کہ آرشینوف اور جی - پی - یو کا افسر خاموشی سے کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے - جیسے یہ اُن کے لئے معمول سے زیادہ اہمیّت نہ رکھتا ہو -

میں پریشانی کے عالم میں کھڑا کانپ رہا تھا - اور نیم بیہوشی کی حالت میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا - میرے بدن بات بھڑک رہے تھے - ناقابل برداشت حد تک خون اُبل رہا تھا - اور ذہن میں یہ تحریک اُبھر رہی تھی کہ میں کبھی کو ---- کبھی کو بھی - گولی مار دُوں - اُبتک کبھی میرا دماغی توازن اِسقدر درہم برہم نہیں ہُوا تھا - میرا ہاتھ ریوالور نکالنے کے لئے کوٹ کے نیچے پہنچ گیا - اور تبھی ایکدم کسی نے

میرا ہاتھ زور سے پکڑ لیا۔ یہ میرا میزبان ستو پینکو تھا۔ شاید اُس نے میری ذہنی حالت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

"وکٹر اینڈری وِچ ! تمہیں اپنے آپ کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہیئے۔ اگر تم نے کوئی حماقت کی تو تم ہماری تو مدد نہیں کر سکو گے ۔ ۔ ۔ اپنے آپکو نقصان پہنچا بیٹھو گے۔ مجھ پر یقین کرو۔ مَیں نے عمر کاٹی ہے اور مَیں سب کچھ سمجھتا ہوں۔ اپنے آپ پر قابو رکھو۔ تم اس ظلم کو روک نہیں سکتے۔ اِسلئے بہتر یہی ہو گا کہ تم اس موقعہ پر کوئی جھگڑا پیدا نہ کرو ۔ اور خاموش رہو۔ آؤ گھر چلیں۔ تم نے ابتک دیکھا ہی کچھ نہیں۔ میں تو اِس قسم کی باتوں کا عادی ہو چکا ہوں۔ یہ کیا ہے۔ پچھلے برس کے بڑے چھاپے اس سے بھی بدتر تھے۔"

گھر واپس آکر اپنے کمرے میں لیٹے لیٹے مَیں مایوسی کے بوجھ سے دبنے لگا۔ مَیں نے سوچا تھا کہ میں آرشینوف کی سرگرمیوں کے خلاف ڈسٹرکٹ کمیٹی سے پروٹسٹ کروں گا۔ لیکن یہاں تو اُسی کمیٹی کے نمائندے اور جی۔ پی۔ یُو۔ کے آدمی اُسی قسم کے مظالم ڈھانے میں مصروف ہیں۔

میرے دماغ میں یہ شکوک اُٹھتے رہے تھے کہ دیہات میں جبر و تشدّد اتفاقیہ نہیں بلکہ منظم ڈھنگ سے ۔ اور اعلیٰ ترین حکّام کی منظوری سے ہوتا ہے۔ اِس رات کو یہ شکوک یقین کی شکل اختیار کر گئے اور ساتھ ہی میری تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔

اِس کے بعد میرے اور آرشینوف کے درمیان صرف اِتنا ہی تعلق رہا کہ ہم دونوں پارٹی کا کام کر رہے ہیں۔ اور کہ وہ ہمارا اِنچارج ہے۔ مَیں نے اُس کے کام اور طرزِ عمل کے متعلق ایک لمبی اور تفصیلی رپورٹ تیار کر کے اپنی ریجنل کمیٹی کو بھیج دی۔ گاؤں میں اُس دِن کی اجتماعی گرفتاریوں کے بعد اجتماعی کھیتی، پارٹی

کے لئے رضامند نہ ہونے والے جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ "رضاکارانہ" طور پر اس میں شامل ہو گئے۔ اور گاؤں میں اناج کا ہر دانہ "رضاکارانہ" طور پر ہمارے حوالے کر دیا گیا۔ ایسا نظر آتا تھا۔ کہ ان لوگوں نے اپنے گھر بار چھوڑنے کی بجائے وہیں بھوکوں مر جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

اب ہماری وہاں سے روانگی کا دن بھی قریب آ گیا تھا۔ آرشینوف نے ہمیں بتایا کہ وہ آخری دیکھ بھال کیلئے ہمارے بعد پانچ دن تک وہاں رہے گا۔ اور مجھے یہ یقین تھا۔ کہ وہ یہ پانچ دن میرے اور شفٹیکوف کے خلاف "شہادتیں" اکٹھی کرنے کے لئے یہاں ٹھہر رہا ہے۔

ہم نے دوستوں کی طرح گاؤں والوں کو الوداع کہی۔ اُنہوں نے بھی میرے اور شفٹیکوف کے تئیں حقیقی محبت کا اظہار کیا۔ ہمارے میزبانوں کو بھی ہماری روانگی کا سچ مچ بہت افسوس تھا۔ الوداعی کھانے کے وقت سٹوپینکو چیری برانڈی کی ایک بوتل کھانے کے کمرے میں لے آیا۔ جو کہ اُس نے پچھلے صحن میں زمین کے نیچے دبا رکھی تھی۔ بوتل پر ابتک مٹی لگی ہوئی تھی۔

"خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ میں نے یہ بوتل کبھی اہم موقعہ کیلئے بچا کر رکھی ہوئی تھی۔" بوڑھے کسان نے کہا۔ "میں سوچتا تھا کہ جب میں اپنی بیٹی کی شادی کروں گا۔ یا جب میں مر جاؤں گا تو لوگ اسے نکال کر برانڈی کا ایک ایک گلاس پئیں گے۔ اور مجھے دعائیں دیں گے۔ لیکن اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری یہاں سے روانگی کے وقت میرے پاس جو بہترین چیز ہے وہ میں تمہیں پیش کر دوں۔ اس لئے آؤ۔ آج ہم تمہاری صحت کا جام لیں۔ اور اپنے غریب مظلوم ملک کی نجات کے لئے دعا کریں۔" کھانا کھا کر ہم گاؤں سے چل پڑے۔

ٹائپر دیپیٹرڈ فسک واپس آ کر میں نے دیکھا کہ ریجنل کمیٹی میرے کام سے

مطمئن ہے۔ لیکن مجھے محسوس ہوا کہ میں نے آرشینوف کے خلاف جو رپورٹ کی تھی۔ اس کی طرف کسی نے کوئی زیادہ توجہ نہیں دی۔ ہاں مجھے اتنا کہا گیا کہ آرشینوف میں خرابیاں ہونگی لیکن یہ سب میں ہوتی ہیں۔ اور کہ مجھے یہ ماننا ہی چاہیئے کہ ان تمام خرابیوں کے باوجود وہ اپنا کام مکمل کر لیتا ہے۔ اور مطلوبہ نتائج حاصل ہو جاتے ہیں۔

گاؤں میں جو وقت مجھے گذارنا پڑا اُس کی وجہ سے میں اپنی پڑھائی میں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ یہ کمی پوری کرنے کے لئے میں اتنی زیادہ محنت کرنے لگا۔ جتنی کہ پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ جتنا زیادہ وقت میں ٹیکنیکل کتابیں پڑھنے میں صرف کرتا اُتنی ہی کم ذہنی اُلجھنیں اور شکوک میرے دماغ میں پیدا ہوتے۔ زیادہ کام ان شکوک کو منہدم کر رہا تھا۔

جنگ کے دنوں میں محاذ پر لڑنے والوں اور گھر پر بیٹھنے والوں کی حالت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اور یہ فرق ذہن میں نہیں بلکہ احساسات میں رہتا ہے۔ جو کمیونسٹ دیہات میں اجتماعی کھیتی باڑی شروع کرانے کے دور کے ان مظالم میں شامل رہے۔ وہ بعد میں بڑے آدمی بنے۔ لیکن ہم انہیں دیکھ کر گھبرا گئے تھے۔ اور ہماری گھبراہٹ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہم "کسان محاذ" کے متعلق کسی قسم کی بات چیت سے بچنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ میں اور شفلیکوف تو اس معاملہ پر آپس میں بات چیت کر لیتے لیکن کسی اور کے ساتھ اس قسم کی بات چیت کرنے کا ہمیں حوصلہ نہ ہوتا تھا۔

باب نمبر ۹

موت۔ موت۔ موت

اجتماعی کھیتی باڑی کا اوّلین نتیجہ موت کی شکل میں ہمارے سامنے آیا۔ اگرچہ اخبارات میں اس کا ذکر نہیں چلا۔ لیکن اُس وقت جنوبی رُوس اور وسطی ایشیا میں جو قحط پڑا تھا۔ ہمیں تو اُس کا علم ہے۔ اُس وقت بھی ہم جانتے تھے کہ حالات کیا ہیں۔ لیکن قحط کے متعلق تمام خبروں کو "اینٹی رُوسی افواہیں" کہکر ٹال دیا کرتے تھے۔

اُن دنوں میں پولیس کی یہ زبردست کوشش تھی کہ فاقہ کش لوگ اپنے اپنے گھروں میں رہیں۔ لیکن پولیس کی تمام سخت تدابیر کے باوجود نائپروپیٹروفسک بھُوکے کسانوں سے بھر گیا۔ اُن میں سے بہت سے لوگ جو اتنے زیادہ کمزور ہو چکے تھے کہ چل پھر بھی نہ سکتے تھے۔ ریلوے اسٹیشنوں کے ارد گرد پڑے تھے۔ اُن کے بچے بھُوک سے سُوکھ سُوکھ کر کانٹا ہو چکے تھے۔

اِنہی دنوں میں ہمارے پانچسالہ پلان کے نشانے پہلے ۴ سالوں کے اندر پورے ہونے کا اعلان ہوا۔ اور اخبارات "ہماری کامیابیاں" کے دعویٰ سے بھر گئے۔ اِس

کامیابی کا پراپیگنڈا انتہائی شدومد کے ساتھ جاری تھا۔ لیکن اس پراپیگنڈا سے بھی بھوکوں مرنے والے لوگوں کی کراہٹ دب نہ سکی۔ ہم میں سے کئی لوگ بھی اب سمجھنے لگے تھے کہ خوشحال زندگی کے نعرے بے معنی اور قحط سے بھی زیادہ افسوسناک اور رنجیدہ ہیں۔

اُسوقت ہر بات کا انحصار نئی فصل پر تھا۔ ہم سوچتے تھے کہ کیا کسانوں میں اتنی طاقت اور قوت ارادہ ہے کہ وہ اپنے چاروں طرف پھیلتی ہوئی موت کے درمیان میں فصل کو کاٹ سکیں۔ اور اناج نکال سکیں؟ کچی فصلوں کا بطور خوراک استعمال روکنے کیلئے دیہات میں نئے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ قائم کئے گئے تھے۔ جو معتمد کمیونسٹوں کی زیر ہدایت کام کرتے تھے۔ ان محکموں میں فوجی دستے بھی تھے۔ افسر بھی۔ خفیہ پولیس کے آدمی بھی اور طلبا بھی۔

شہر کی مختلف انجمنوں میں سے ہم ۳ سو آدمیوں کو ایک دن ریجنل کمیٹی کے دفتر میں جمع کیا گیا۔ ہمارے اجتماع میں پارٹی کے سیکرٹری ہیٹیج وتچ نے تقریر کی جو یوکرین کے سب سے بڑے کمیونسٹ سمجھے جاتے تھے۔ اُنہوں نے کہا۔

"پارٹی اور کامریڈ سٹالن کے تئیں تمہاری وفاداری کا امتحان دیہات میں تمہارے کام سے ہوگا۔ اس کام میں کمزوری کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نرم دلی سے بھی یہ کام نہیں ہوگا۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے مضبوط دل گردے کی ضرورت ہوگی۔ اور ہم اس کام میں ناکامی کے لئے کوئی بہانہ سننے کو تیار نہیں ہوں گے۔"

ریجنل کمیٹی کی ہدایات پر میں وہاں سے ضلع پیاٹی کھاٹسکی کیلئے روانہ ہو گیا۔ میرے ساتھ میرا ایک دوست اور میرے سکول کا طالبعلم ٹیڈری بھی تھا۔

ہم شام کے وقت اس ضلع کے ایک گاؤں ہیڈ کوارٹر میں پہنچے۔ گاؤں میں شمشان کی سی خاموشی طاری تھی۔ ہم نے ایک کسان سے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کا راستہ

پُوچھا۔ وُہ ہمیں اِس دفتر کی طرف لے چلا اور راستے میں چلتے چلتے اُس نے بتایا۔

"لوگ گاؤں کے سب کُتے بھی کھا گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کُتّے کے بھونکنے کی آواز بھی سُنائی نہیں دیتی۔ لوگ زیادہ چلتے پھرتے بھی نہیں کیونکہ اب اُن میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رہی۔"

پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں ہم چیف آفیسر کے پاس پہنچے جس نے ہمیں رات گذارنے کے لئے ایک کِسان کے جھونپڑے میں بھیج دیا۔

کِسان کے اِس جھونپڑے میں تاریکی تھی۔ ہاں ایک طرف ایک مدھم سا دیا ٹمٹما رہا تھا۔ ہماری میزبان ایک نوجوان کِسان عورت تھی۔ اُس کے فاقہ زدہ چہرے سے تمام احساسات یہاں تک کہ خوف اور اُداسی کے احساسات بھی مِٹ چکے تھے۔ اور وہاں موت ـــ صرف موت ـــ نظر آ رہی تھی۔ ایک کونے میں چھوٹی سی چارپائی پر دو بچے اِتنی خاموشی کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔ جیسے وُہ بیجان ہوں۔ لیکن اُن کا آنکھ جھپکنا یہ ظاہر کرتا تھا۔ کہ وُہ ابتک زندہ ہیں۔

"ہمیں یہاں آکر خلل انداز ہونے پر افسوس ہے"۔ یُوری نے عورت سے مُخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "لیکن یقین رکھیئے۔ ہم آپکو کوئی تکلیف نہیں دیں گے۔ اور صبح چلے جائیں گے۔" یوری اِتنی مدھم آواز میں بول رہا تھا جیسے وُہ ہسپتال کے کِسی کمرے میں کھڑا ہو۔

"میں آپ کا سواگت کرتی ہُوں" نوجوان عورت نے کہا۔ "اور مجھے اِس بات کا دُکھ ہے کہ میں آپ کو کچھ پیش نہیں کر سکتی۔ کئی ہفتوں سے ہم نے اِس گھر میں روٹی کا ایک ٹکڑا تک نہیں دیکھا۔ میرے پاس ابھی کچھ آلو ہیں لیکن میں اُنہیں اِتنی جلدی ختم نہیں کر سکتی۔" یہ کہتے کہتے اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ "کیا یہ حالت کبھی ختم ہو گی یا مجھے اور میرے بچوں کو بھی دوسرے

لوگوں کی طرح مر جانا پڑے گا۔"

ہم اپنے ساتھ کھانے پینے کا جو سامان لائے تھے اُسے نکال کر ہم نے میز پر رکھ دیا۔ میں اور پوری تھوڑا تھوڑا کھانا کھا رہے تھے۔ تاکہ گھر والوں کے لئے زیادہ بچ سکے۔ اُس عورت کے دونوں بچوں نے۔ روٹی خشک مچھلی چائے اور چینی کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ اور تیزی سے اُس پر جھپٹ پڑے۔ جیسے اُنہیں خطرہ ہو کہ جس طرح اچانک یہ سب چیزیں اُن کے گھر میں آموجود ہوئی ہیں۔ اُسی طرح کہیں غائب نہ ہو جائیں۔ کھانا کھانے کے بعد ہماری میزبان نے اپنے بچوں کو سُلا دیا۔ اور وہ ہمارے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ اُس نے کہا۔

"جو لوگ مر چکے ہیں اُن کی بات میں نہیں کروں گی میرا یقین ہے کہ آپ لوگ اُس بارے میں سب کچھ جانتے ہوں گے۔ لیکن نیم مُردہ اور قریب المرگ لوگوں کی حالت اُن سے بھی بدتر ہے۔ پیٹروفو میں ہزاروں لوگ بھوک کی وجہ سے نیم جان پڑے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ اُن میں سے کتنے ہر روز مر جاتے ہیں۔ بہت سے اتنے کمزور ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکل سکتے۔ کبھی کبھی ایک گاڑی سارے گاؤں کا چکّر لگاتی ہے اور گھر گھر سے مرنے والوں کی لاشیں لاد کر لے آتی ہے۔ ہمیں جو کچھ بھی ملا ہے ہم کھا چکے ہیں۔ بلیاں۔ کُتے۔ کھیتوں کے چوہے۔ پرندے۔ ہم نے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ صبح سورج نکلنے پر آپ دیکھیں گے کہ یہاں کے سب درخت رُنڈ منڈ ہیں۔ کیونکہ اُن کے پتّے اور اُن کا چھلکا تک کھا لیا گیا ہے۔ گھوڑوں کی لید تک سے بھی ہم نے اپنی بھوک مٹائی ہے۔"

مجھے اُس کی اِس بات سے حیرانی ہوئی اور میرے چہرے کے آثار بتا رہے تھے کہ میرا دماغ اِس بات کو درست تسلیم کرنے سے انکار کر رہا ہے۔ اُس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ہم گھوڑوں کا گوبر تک کھا چکے ہیں۔ ہم اِسے حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑا کرتے ہیں۔ کیونکہ کبھی کبھی اُس میں اناج کے دانے شامل ہوتے ہیں۔" عورت کہتی گئی۔

دُوسرے دِن صبح جب طلوعِ آفتاب کے کچھ دیر بعد ہم پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں پہنچے تو وہاں صرف سٹیٹ فارم کا زراعت افسر موجود تھا۔ وہ اِرا سٹوف کا ایگریکلچرل سکول میں پڑھتا رہا تھا۔ اس لئے اُس کے ساتھ ہماری پُرانی واقفیت نکل آئی۔ ہم وہاں سے اُس کے ساتھ اُس کے گھر کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں جاتے جاتے اُس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"کامریڈ کرافشینکو۔ اگر تم نے رحم کو اپنے دِل میں جگہ دی۔ تب تو کام ہو چکا۔ تمہارے گِرد چاہے لوگ بھوک سے مر رہے ہوں تمہیں اپنا پیٹ بھرنا چاہیئے۔ ورنہ فصل کی کٹائی نہیں ہو سکے گی۔ جب بھی جذبات تم پر غالب آنے لگیں۔ تو تم اِس بات کا خیال رکھا کرو کہ قحط کو روکنے کا بہترین طریقہ ہے کہ آیندہ فصل کو یقینی بنایا جائے۔ یہ مت سمجھو کہ مَیں نے اپنے آپ کو آسانی سے اِن حالات میں ڈھال لیا ہے۔ میں اِنسان ہوں کوئی حیوان نہیں۔"

اسکے بعد مَیں اور یُوری گاؤں میں سے ہوتے ہوئے گزرے۔ وہاں کی غیر قدرتی خاموشی سے ہمارے ذہن پر پھر بوجھ پڑا۔ گلیوں میں سے ہوتے ہوئے ہم ایک کھلی جگہ میں پہنچے۔ جو کسی وقت گاؤں کی مارکیٹ تھی۔ اچانک یُوری نے زور کے ساتھ میرا بازو دبایا۔ ہم نے دیکھا سامنے زمین پر گھاس پھوس سے ڈھکی ہُوئی مردوں عورتوں اور بچّوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ مَیں نے اُنہیں گِنا۔ کُل ۷ لاشیں تھیں۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے ایک ویگن وہاں آ گئی۔ اور اُس میں سے نکلنے والے دو آدمیوں نے سُوکھی لکڑیوں کی طرح ان لاشوں کو اُٹھا کر گاڑی میں پھینک دیا۔

ACC. NO. 14098 LIBRARY

رات ہو چلی تھی۔ وہاں سے ہم واپس پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں پہنچے۔ کئی افسر ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ وہ دوستانہ ڈھنگ سے ہمیں ملے۔ باہمی تعارف کے بعد اُن کے ہمراہ ہم اسسٹنٹ چیف افسر کے جھونپڑے میں چلے گئے۔ جگہ صاف ستھری تھی۔ اور وہاں جو کھانا ہم نے کھایا وہ اگرچہ سادہ تھا لیکن تھا اچھا اور کافی۔ مٹی کے تیل کے دیئے کی روشنی میں کھانے سے بھری ہوئی میز پر بیٹھے یہ تصور کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ کہ گرد و نواح کے مکانات میں بھوک اور موت بھیانک کھیل کھیل رہی ہے۔

کچھ ہی عرصہ بعد میں اور یوری وہاں سے اُٹھ کر پھر سڑک پر آ گئے۔ مجھے اور اُسے کام کے لئے جو گاؤں دیئے گئے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے ۸ میل کے فاصلہ پر تھے اپنے گاؤں لوگینا پہنچ کر میں تو اُتر گیا۔ اور یوری جیپ میں اپنے گاؤں کو چلا گیا۔

یہاں کی سوویٹ کا ہیڈ کوارٹر چھوٹا سا مگر صاف ستھرا تھا۔ اندر ایک کانفرنس ہو رہی تھی۔ میں نے اپنا تعارف دیا۔ اور پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کا وہ حکمنامہ دکھایا جس میں مجھے اس گاؤں میں "با اختیار نمائندہ" مقرر کیا گیا تھا۔ میں نے عہدیداروں پر زور دیا کہ وہ اپنی میٹنگ جاری رکھیں۔ سوویٹ کے چیئرمین کا نام بیلو زوف تھا۔ اور ایسا دکھائی دیتا تھا۔ کہ وہ مقامی پارٹی کے سیکرٹری کامریڈ کوبزار سے ڈرتا ہے۔ میٹنگ میں مشین ٹریکٹر سٹیشن کا منیجر کاراس بھی موجود تھا۔ کوبزار نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"کامریڈ کرافشینکو۔ اب آپ یہاں کے انچارج ہیں۔ اس میٹنگ کی صدارت سنبھالئے"

"نہیں نہیں۔ تم اپنا کام جاری رکھو اور اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں صرف یہاں بیٹھ کر کارروائی کو سنوں گا۔ ساتھیو۔ آئندہ ہمارے درمیان کبھی "میں" اور "تم" کا سوال نہیں اُٹھنا چاہیئے۔ ہمیں مل کر کام کرنا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

میٹنگ پھر شروع ہو گئی۔ اجتماعی کھیتی باڑی کے ہر فارم کے صدر نے ایک ایک کر کے تقریریں کیں۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔

"میرے لوگ بھوکوں مر رہے ہیں۔ نیم جان لوگ اپنے گھروں کے اردگرد گرے پڑے ہیں۔ انہیں ہمیں کام کرنے والوں میں شمار نہ کرنا چاہیئے۔ فصل پکنے تک اور بہت سے لوگ مر جائیں گے۔ یا کام کرنے کے ناقابل ہو جائیں گے۔ اِن حالات میں ہم کیا کریں؟"

بیلوزوف اور کوبنار نے گول مول جواب دیئے۔ اُنہوں نے پارٹی سرکلروں کے حوالے دیئے۔ جس سے میرے دِل میں یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ اِن لوگوں کو کچھ سوجھ نہیں رہا۔ یہ غلطی کر رہے ہیں۔ اور دِل سے اس کام میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ مَیں نے اپنے آپ میں سوچا کہ مجھے اِن افسروں کی نسبت خود یہاں کے کسانوں پر زیادہ انحصار رکھنا پڑیگا۔ یہ واضح تھا کہ سوویت اور پارٹی کے عہدیدار قحط کے عادی ہو چکے ہیں۔ اور مجھے نئی فصل اکٹھی کرنے کے لئے اُن کی بے حسی کو دُور کرنا پڑیگا۔

میٹنگ ختم ہونے کے بعد بیلوزوف نے مجھے اپنے گھر پر چل کر رات گذارنے کی دعوت دی۔

"اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو مجھے بہت خوشی ہو گی"۔ ایک اجتماعی فارم کے صدر نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ "میرا نام چھاڈائی ہے۔ ہمارا کنبہ مختصر سا ہے۔ اور ہم آپ کو ایک علیحدہ کمرہ دے سکتے ہیں"۔

مَیں نے ایکدم چھاڈائی کی دعوت منظور کر لی۔ میں سمجھتا تھا۔ کہ اجتماعی فارموں کے کاشتکاروں کے قریب جانے سے ہی مَیں کامیاب ہو سکوں گا۔ سب کے ساتھ ہاتھ مِلا کر مَیں چھاڈائی کے ساتھ چل پڑا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کا سادہ۔ سمجھدار اور خوش مزاج آدمی تھا۔ اور اُسکی داڑھی مونچھ بالکل صاف تھی۔ ایک اور کولکھوز

کا صدر ڈیمچینکو بھی ہمارے ساتھ چل پڑا۔

چھاڈائی کے گھر پہنچ کر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دوستو۔ ہمیں پہلے اصطبلوں میں چلنا چاہیئے۔ میں نے بچپن سے یہی سیکھا ہے الیگزینڈر روفسک میں میرے دادا کہا کرتے تھے۔ کہ سونے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ گھوڑے اور مویشی کا پیٹ بھر چکے ہیں یا نہیں۔"

تب چھاڈائی سے مخاطب ہوتے ہوئے میں نے کہا۔

"سرکاری طور پر نہیں بلکہ پرائیویٹ طور پر یہ بتاؤ کہ یہاں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ فصل کاٹنے کے لئے تم نے کیا سکیم بنائی ہے؟ مشینری کی کیا حالت ہے؟ مجھ سے کوئی چیز مت چھپانا۔ بلکہ ایمانداری سے سچ کہو۔ کیونکہ آخر ہم دونوں کا مفاد ایک ہی ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔ کامریڈ کرافشینکو کہ میں آپ کے سوال کا جواب کہاں سے شروع کروں۔" چھاڈائی نے جواب دیا۔

"سچ مانیئے۔ فصل بری نہیں ہے۔ مشینری بھی ٹھیک ہے۔ لیکن کچھ پرزے کم ہیں جن کے بنا کام نہیں چل سکتا۔"

"آپ مجھے ان پرزوں کی فہرست بنا دیں اور میں اسے پیٹروفو میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے پاس بھیج کر پرزے منگوا لوں گا۔" چھاڈائی کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"شکریہ۔ اس سے ہمیں بڑی مدد ملے گی۔ ایک اور خرابی گھوڑوں کے متعلق ہے۔ ہمارے پاس چارہ نہیں۔ اگر ہمیں کچھ جئی مل سکے ۔ ۔ ۔ ۔ نئی فصل میں سے ہم اسے حاصل تو کر سکتے ہیں۔ لیکن مرکزی احکام کی خلاف ورزی ہوگی۔" چھاڈائی بولا۔

"حکم ہو یا نہ ہو۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ اور کوئی چارہ نہیں تو ہم نئی فصل میں سے ہی اسے کاٹیں گے۔ میں اس خلاف ورزی کی تمام ذمہ داری اپنے اوپر لے لونگا۔" میں نے بڑے حوصلے کیساتھ جواب دیا۔

"مجھے ڈر ہے کہ بیلوزوف اور کوبنار اس کے لئے تیار نہیں ہونگے" اُس نے مجھے متنبہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں اُن سے سمجھ لوں گا" میں نے جواب دیا۔

"آخری اور سب سے اہم بات لوگوں کی حالت زار ہے۔ کامریڈ کرافشینکو لوگ مکھیوں کی طرح مر رہے ہیں۔ یا اتنے کمزور ہو چکے ہیں کہ چل پھر نہیں سکتے۔ ایسی حالت میں فصل کاٹے گا کون؟ کامریڈ سچ کہتا ہوں۔ جب میں فوج میں تھا تو وہاں بھی میں نے خون اور موت کا کھیل دیکھا تھا۔ لیکن یہاں میرے گاؤں میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اُس سے زیادہ خوفناک چیز اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وُہ کہہ رہا تھا۔ اور مجھے اُس کی اُداس آنکھوں میں اُمید کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔

"کامریڈ" اُس نے پھر کہا۔ "اگر آپ فصل کٹوانا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو پہلے اِن لوگوں کو موت کے مُنہ سے بچانا ہو گا۔ میں تو اب اور زیادہ دیر اِس حالت کو دیکھ بھی نہیں سکتا۔"

"میں تمہارے ساتھ کوئی وعدہ تو نہیں کر سکتا۔ کامریڈ چھاڈائی"۔ میں نے جواب دیا۔ "ہاں کوشش کروں گا۔ کل صبح ہم جلد اُٹھ کر ہر گھر میں جائیں گے۔ میں حالات کو خود دیکھنا چاہتا ہوں۔

(۲)

دوسرے دِن صبح چھاڈائی کے ساتھ گاؤں کا چکر لگاتے ہُوئے جو کچھ میں نے دیکھا وُہ بے حد ہولناک تھا۔ میدانِ جنگ میں لوگ لڑتے ہیں۔ اُن میں فرض

کا احساس ہوتا ہے۔ اور اگر انہیں مرنا بھی پڑے تو تیزی سے مر جاتے ہیں لیکن یہاں لوگ تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے۔ اور ان کی یہ موت کسی کاز کیلئے قربانی میں شمار نہیں۔۔ دور راجدھانی میں عیش کرنے والوں کی کانفرنس کے کسی سیاسی فیصلہ نے انہیں ان کے گھروں میں بند کر کے بھوکوں مرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ہم نے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ دوسری بار دروازہ کھٹکھٹانے پر بھی جب جواب نہ ملا تو میں نے ڈرتے ڈرتے دروازے کو پیچھے کی طرف دھکیلا۔ تنگ راستے سے ہم اس ایک ہی کمرے کے جھونپڑے میں داخل ہوئے۔ ایک چارپائی کے سرہانے دیا جل رہا تھا۔ چارپائی پر ایک ادھیڑ عمر عورت کی لاش تھی، جس نے اپنے دونوں ہاتھ چھاتی پر رکھے ہوئے تھے عورت نے یوکرین کی کشیدہ کاری والا ایک بلاؤز پہن رکھا تھا۔ اسکے پاؤں کی طرف ایک بوڑھی عورت اور قریب ہی دو بچے۔ ایک ۱۱سال کا لڑکا اور دوسری ۱۰ سال کی لڑکی۔ کھڑے رو رہے تھے۔ ان کے زبان پر "ماما۔ ماما" کے الفاظ تھے۔ میں نے کمرہ میں چاروں طرف دیکھا۔ رسوئی کے قریب ایک آدمی کی پھولی ہوئی لاش پڑی تھی۔

اس کے ساتھ والے مکان میں ہم نے تقریباً ۸۰ برس کے ایک آدمی کو بنچ پر بیٹھے اپنے بوٹ کی مرمت کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی سوزش تھی۔ اور ایک دبلا پتلا سا ننھا لڑکا جو ہڈیوں کا پنجر نظر آتا تھا۔ ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ اور ایک عورت چولھے پر کچھ پکا رہی تھی۔

"کیا پکا رہی ہو ننا لکا؟" چھاڈائی نے اس سے پوچھا۔

"تم جانتے ہی ہو کہ میں کیا پکا رہی ہوں" عورت نے جواب دیا۔ اس کی

آواز میں قاتلانہ تلخی تھی۔
چھاڈائی نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ اور ہم دونوں مکان سے باہر چلے گئے۔

"یہ عورت اتنی ناراض کیوں ہو گئی۔" میں نے پوچھا۔
"کیونکہ ---- کامریڈ مجھے بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ وہ عورت گھوڑے کی لید پکا رہی تھی۔"

میرا دماغ پریشان ہو اٹھا۔ ایک درجن مکانات میں جانے کے بعد میں چھاڈائی کی یہ بات ماننے پر تیار ہو گیا کہ ہمیں مزید گھروں کا معائنہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ سب جگہ یہی حال ہے۔

مجھے اپنا راستہ صاف نظر آتا تھا۔ حالات اتنے بگڑے ہوئے تھے کہ چھوٹی موٹی تدبیر سے نہیں سدھر سکتے تھے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے چاہے کچھ ہو میں تمام قوانین اور احکام کو نظر انداز کر دوں گا۔ میں سمجھتا تھا کہ اگر ان کسانوں کی طاقت بحال نہیں ہوگی۔ تو تمام فصلیں ضائع ہو جائیں گی۔ چھاڈائی کے گھر واپس جا کر میں نے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے چیف افسر کامریڈ سومانوف کے نام ایک خط لکھا اور خاص آدمی کے ذریعے انہیں بھیجدیا۔ شام تک یہ پیغامبر خط کا جواب لے آیا۔ لکھا تھا۔

"مجھے حالات کا پوری طرح علم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر حالات پر پھر سے غور کرو۔ جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو۔ وہ ہماری ہدایات کی سخت خلاف ورزی ہے۔ لیکن اگر تمہیں اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آئے تو جو تم مناسب سمجھو کر سکتے ہو۔ میں کچھ اناج حاصل کر کے تمہیں بھیجنے کی کوشش کرونگا لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے کامیابی کی بہت کم امید ہے۔"

اس جواب سے مجھے اطمینان ہو گیا۔ آخر اُنہوں نے میری تجویز بالکل رد تو نہیں کی تھی۔ میں نے اُنہیں لکھا تھا کہ میں گھوڑوں کے لئے کچھ جئی اور گاوں کی آبادی کے لئے کھیتوں کے کناروں سے کچھ جو کاٹنا چاہتا ہوں۔ میرے سامنے "انڈونیشیا" کا تازہ پرچہ تھا۔ اور اُس میں وقت سے پہلے فصل کاٹنے کی مذمت کرتے ہُوئے اسے "قومی جائیداد کی چوری" اور قلاقوں کی تخریبی سرگرمیاں" قرار دیا گیا تھا۔ اس الزام میں کسانوں کو گرفتار کر کے جلاوطن کیا جا رہا تھا۔

میں نے جھاڈائی اور ڈیچینکو سے کہا کہ وہ گاؤں کے دونوں سکول ٹیچروں لیڈی ڈاکٹر۔ اور کولکھوز کی کچھ دیگر سمجھدار عورتوں کو بُلا لائیں۔ ان کے آنے پر اُن سے مخاطب ہوتے ہُوئے میں نے کہا۔

" ساتھیو۔ خاص طور پر عورت ساتھیو۔ میں نے آپکو اس لئے یہاں بُلایا ہے کہ مجھے آپ کے مشورہ کی ضرورت ہے۔ مجھے خوشی ہے۔ کہ سوویت کے چیئرمین پارٹی سیکرٹری اور مشین ٹریکٹر اسٹیشن کے منیجر بھی یہاں ہیں۔ میں نے گھر گھر جا کر یہاں کی اصلی حالت کو دیکھا ہے۔ خاص طور پر بچّوں کی حالت کے متعلق مجھے تکلیف ہے۔ جب گھر میں بچّے بھوکوں مر رہے ہوں تو یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ کہ لوگ کھیتوں میں جا کر کام کرینگے۔ اب میں اپنی سکیم آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ جھاڈائی نے مجھے بتایا ہے۔ کہ گاؤں میں کچھ مکان خالی پڑے ہیں۔ میں عورت ساتھیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اُنہیں صاف کر دیں۔ دہاں سفیدی کر دیں اور اُنہیں انسان کے رہنے کے قابل بنا دیں۔ ہم اپنا کام بچوں سے شروع کریں گے فصل کٹنے تک یتیم بچّے ان مکانات میں رہیں گے۔ آپ لوگ اُنہیں وہاں لے جائیں۔ اُن کے بال کٹوائیں۔ اُنہیں نہلائیں دُھلائیں۔ اور اُن کو ٹائیفائیڈ کے ٹیکے لگوائیں۔ اسکے علاوہ آپ لوگ ان مکانوں کے صحن میں کچھ میزیں لگوا دیں اور ساتھ ہی

خوراک پکانے کے لئے بڑی دیگچیوں کا انتظام کریں۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟"

"یقیناً ہم تیار ہیں"۔ ایک عورت بولی۔ "لیکن آپ خوراک کے طور پر کیا استعمال کریں گے؟"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ بچوں کا چارج سنبھالنے کے لئے کس آدمی پر زیادہ سے زیادہ بھروسہ کر سکتے ہیں؟"

"کونو سینکو" کئی آوازیں ایک ساتھ اٹھیں۔ "ایلن بھیرد دیہی ٹیچر"۔

اس کے بعد کمیونسٹ افسروں کے سوا میں نے سب لوگوں کو واپس بھیج دیا۔ اور افسروں کے ساتھ ایک کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اور کہا "ساتھیو۔ اب ہمیں کام شروع کر دینا چاہیئے۔ جو کچھ میں آپ کو بتانے لگا ہوں۔ آپ اس سے گھبرا نہ جائیں میں سرکاری احکام کو آپکی طرح ہی بلکہ آپ سے بہتر جانتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی میں اجتماعی کھیتی کرنے والے کسانوں کو یہ اجازت دے رہا ہوں کہ وہ جئی کاٹ کر گھوڑوں کو ڈالیں۔ دوسری طرف فوراً ہی میں کسانوں کو یہ اجازت بھی دے رہا ہوں کہ کھیتوں میں جہاں کہیں جو پک چکے ہیں۔ وہ انہیں وہاں سے کاٹ لیں"۔

جوں جوں میں بول رہا تھا۔ افسروں کے چہروں پر شکوک کا احساس پیدا ہو رہا تھا۔ اور آخر میں اُن کے چہروں پر دہشت طاری ہو گئی۔

اور جب ہم باہر نکلے تو کسی نے اظہارِ تشکر کے طور پر میرا ہاتھ دبایا۔ یہ جھاڈائی تھا۔ اسکے پیچھے ڈیمچینکو آئے۔ اور اس نے میرے کان کے پاس منہ لے جاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری پوری طرح مدد کروں گا۔ چاہے اسکے لئے مجھے اپنی جان دینی پڑے"

جب ہم شام کو کھانا کھانے بیٹھے تو اصطبل کے ایک آدمی نے آکر جھاڈائی

کو بتایا کہ ایک گھوڑا مر گیا ہے۔ چچا ڈاوئی نے اُسے ہدائت کی کہ گھوڑے کی کھال اُتار کر وُہ لاش کو گاؤں سے باہر کہیں دُور لے جائے۔ اور اُس پر مٹی کا تیل وچُونا ڈال دے۔ ورنہ بھُوکے دیہاتی اِس کا گوشت کھا جائیں گے۔ اور اس طرح بیماریاں پھیلنے کا خطرہ پیدا ہوگا۔

دوسرے دِن صبح میں فصل کاٹنے اور سِٹّوں میں سے اناج نکالنے والے لوگوں کا کام دیکھ رہا تھا۔ مَیں نے مشینوں کے جو پُرزے منگوائے تھے۔ وُہ آ گئے اور کاریگر مشینوں کی مرمّت کر رہے تھے۔ کولکھوز بورڈ کا ایک ممبر مجھے اپنی مشکلات بتا رہا تھا۔ کہ ایک کِسان نے آ کر اُس کے کان میں کچھ کہا۔

"ذرا اُونچے کہدو تاکہ "با اختیار نمائیدہ" بھی تمہاری بات سُن لے۔" بورڈ کے ممبر نے کِسان سے مخاطب ہوتے ہُوئے کہا۔

"اچھا۔ تو کامریڈ بات یہ ہے کہ کل رات ایک گھوڑا مر گیا تھا۔ اُس کی کھال اُتار لی گئی۔ اور اُس کے گوشت پر مٹی کا تیل وچونا ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن آج صبح جب کِسان گھوڑے کی لاش کو دبانے کے لئے گئے تو اُنہیں لاش کا نشان تک نہ مِلا۔ راتوں رات لوگ یہ سارا ناقص اور بیماریاں پیدا کرنیوالا گوشت اُٹھا لے گئے تھے۔ خدا بچائے۔ ہم کہاں تک گر گئے ہیں!"

فصل کاٹنے کا موسم قریب ..... آ رہا تھا۔ گاؤں میں ایک نیا ماحول پیدا ہو رہا تھا۔ ایوان پیٹرووچ کے آشرم میں ہر کُنبے کے بچے رہ رہے تھے۔ اور اجتماعی فارم میں کام کرنے والے تمام کسانوں کو تھوڑے بہت جَو کھانے کیلئے دِئے جاتے تھے۔ ایک دِن صبح میں نے کولکھوز کے کِسانوں کے سامنے تقریر کی۔ اور اُس کے بعد... کسانوں میں سے ہوتا ہُوا ایک نوجوان میرے پاس آیا۔ وُہ اِتنا گھبرایا ہُوا تھا کہ اُس کے مُنہ سے بات نہیں نکلتی تھی آخر کچھ لمحہ کی گھبراہٹ

کے بعد وُہ بولا۔
"کامریڈ - آپ کو سوویت میں بُلایا گیا ہے کچھ آدمی آپ سے مِلنا چاہتے ہیں . . . وُہ . . . . وُہ جی-پی-یو کے آدمی ہیں۔"
"جی-پی-یو" یہ تینوں خوفناک الفاظ ہتھوڑوں کی طرح ذہن پر پڑے سب لوگوں میں ایک دم یہ خبر پھیل گئی کہ مجھے خفیہ پولیس نے بُلایا ہے. کولکھوز کے صدر نے مجھے بتایا کہ گاؤں کے تقریباً سبھی لوگوں کو پہلے سے ہی یہ خدشہ تھا کہ ہیں نے گاؤں والوں کو خوراک مہیا کر کے جو جُرم کیا ہے اُس کی سزا مجھے ضرور ملیگی۔
سوویت میں جی-پی-یو کا وہی نوجوان خوبصورت افسر مجھے مِلا، جس سے میری پہلی ملاقات پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں ہوئی تھی۔ کوبزار اور بیلوزوف بھی میرے ہمراہ تھے۔
"میں آپ سے خلوت میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ کامریڈ کراشینکو"۔۔۔ جی-پی-یو افسر نے کہا۔
"بہت اچھا" میں نے جواب دیا۔ "آپ میرے ساتھ کولکھوز کے دفتر میں آیئے۔"
اور وُہ جی-پی-یو افسر میرے ساتھ چل پڑا۔ چلتے چلتے میں نے اُس سے پُوچھا۔
"کامریڈ سکوبن۔ کہیئے۔ کیسے آنا ہوا"
"دیکھئے۔ بات یہ ہے کہ ہمیں آپ کے متعلق بہت سی شکایات اور سرکاری رپورٹیں ملی ہیں۔ جن کا لُبِ لباب یہ ہے کہ آپ قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ پارٹی کے ہدایت ناموں کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ اور مقامی حکام کے ساتھ دھکے شاہی کر رہے ہیں" جی-پی-یو افسر نے جواب دیا۔
"ہمیں شکایتیں ملی ہیں۔ اِس سے آپ کی کیا مراد ہے - آپ کا مطلب

پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے چیف افسر سے تو نہیں ؟ کیا آپ اُن کی درخواست پر یہاں آئے ہیں؟" میں نے پھر پوچھا۔

"میں ... یہاں صرف آپ سے پرائیویٹ طور پر دوستانہ بات چیت کرنے آیا ہوں۔" جی-پی-یو افسر بولا۔

"آپ اپنی رپورٹ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کو بھیجدیں۔ جو کچھ میں نے کیا ہے۔ میں اُس کی پوری ذمہ داری قبول کروں گا۔ میں ذاتی طور پر اپنی رپورٹ پیش کرنے کے لیے کل خود وہاں آؤں گا۔" میں نے بڑے تحمّل کے ساتھ جی-پی-یو افسر سے کہا۔

اور دوسرے دن خود میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے چیف کامریڈ سومانوف کے سامنے پیش ہو گیا۔ میری بات سُننے کے بعد اُنہوں نے کہا۔

"تم نے اچھا کیا۔ جو میری منظوری کے بغیر سکوپن کے ساتھ بات چیت نہیں کی۔ تمہارے گاؤں کے وہ لوفر تمہاری شکائتیں بھیج رہے ہیں۔ وہ تمہیں مُشکل میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم کافی محنت سے کام کرتے رہے ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے کتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر بھی آتی ہے۔ اگر ہم مقررہ پروگرام کے مطابق فصل کٹوا کر حکومت کو اناج بھیجدیں۔ تب تو سب ٹھیک ہے۔ ورنہ ہم دونوں کی خیر نہیں۔"

"میں آپ سے بالکل کھُل کر بات کرتا رہا ہوں۔ کامریڈ سومانوف"

اُن کی بات کا جواب دیتے ہوئے میں نے کہا۔ "میں نے آپکو اپنی کارروائی سے باخبر رکھا ہے۔ لیکن میں اِسکی تمام ذمہ داری اپنے کندھوں پر لوں گا۔ یہ لیجئے وہ خط جس میں آپنے مجھے اپنی خواہش کے مطابق کام کرنے کی اجازت دی تھی۔ آپ اِسے اپنے پاس رکھیئے۔"

کامریڈ سومانوف نے وہ خط لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اور زور سے آواز دی۔ "کامریڈ سکوپن۔"

جی۔پی۔یو افسر کمرے میں آ گیا۔ سومانوف نے اُس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "مہربانی کر کے آپ کامریڈ کرافشینکو کے خلاف شکایات اور دیگر متعلقہ کاغذات کی فائیل مجھے لا دیں۔"

سکوپن کاغذوں کا ایک موٹا سا بنڈل لے آیا۔ سومانوف نے وہ میرے حوالے کر دی۔ اور سکوپن باہر چلا گیا۔ میں نے فائیل میں دیکھا کہ کون کون سے افسر میرے خلاف شکائتیں کرتے رہے ہیں۔ اور جی۔پی۔یو کے کون کون سے مخبر میری نگرانی کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد سومانوف نے یہ فائیل مجھ سے لے لی۔ اور اسے ضائع کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے اپنے سیف میں رکھ لی۔

گاؤں واپس آ کر میں نے گاؤں کے باشندوں کی فہرست میں مخبروں کے نام ڈھونڈے۔ اور مجھے پتہ چلا کہ یہ لوگ ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ اسکے بعد میں ایوان پیٹروویچ کے "بچہ آشرم" میں گیا۔ وہ اپنے کام کی وجہ سے کافی خوش تھا۔ "بچوں کی صحت کو بحال ہوتا ہوا دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے"۔ میرے ساتھ چلتے چلتے اُس نے کہا۔ "ان کا بچپن لوٹ رہا ہے۔ اس سارے کام کے لئے آپ جو خطرات مول لے رہے ہیں۔ اُن کا ہمیں علم ہے۔ صاف بات تو یہ ہے کہ جب سے جی۔پی۔یو والوں نے آپکو بلایا ہے۔ سارے گاؤں میں تشویش پھیل گئی ہے۔"

"گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں"۔ مسکراتے ہوئے میں نے جواب دیا۔ "بھگوان میری طرف ہے۔ لیکن مجھے خوشی اس بات پر ہے کہ کسان صورت حالات سے باخبر ہیں۔ اب یہ اُن کا کام ہے کہ وہ بھی میرے لئے کچھ کریں۔ اور اتفاقاً وہ خود یہ کام کر سکتے ہیں۔ فصل کی کٹائی شروع ہونے والی ہے میں

اَب کِسانوں میں یہ بات پھیلا دینا چاہتا ہُوں کہ مجھے کِسی قِسم کے شُکریہ کی ضرورت نہیں۔ مَیں کام اور سخت محنت۔ دِن رات مشقّت چاہتا ہُوں تاکہ اگر کہیں کچھ لوفر ہوں تو اُنہیں بھی پتہ چل جائے۔ تُم کِسانوں سے کہدو۔ کہ اگر وُہ کرافشینکو کی جان بچانا چاہتے ہیں تو فصل کاٹیں۔ اناج نکالیں اور سرکاری سکیم کے مطابق اناج سرکار کے حوالے کر دیں۔ مَیں اپنی خاطر اچھی طرح کِسانوں کو اپیل نہیں کر سکتا۔ یہ کام تُم کر سکتے ہو۔"

یہ کہکر میں چلا آیا۔ کچھ دِن بعد جبکہ فصل کی کٹائی زوروں پر تھی۔ مَیں ڈمیچینکو کے کھیتوں میں گیا۔ وہاں فصل کاٹنے والی ایک مشین خالی کھڑی تھی۔ یہ جاننے کے لئے مشین کیوں کھڑی ہے۔ مَیں اُس کے قریب پہنچا تو مجھے معلوم ہُوا کہ اِسکو چلانے والا کِسان تھکاوٹ کی وجہ سے بیہوش ہو گیا ہے۔ اُس کے گرد جمع کئی عورتیں اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مَیں نے اُنہیں کہا کہ وُہ اِس کسان کو گاؤں میں لے جائیں۔ اور خود مشین پر بیٹھ کر فصل کاٹنے لگ گیا۔ ٹاکسن کمیُون کے بعد مَیں نے کبھی اِس مشین کو نہیں چلایا تھا۔ اسلئے کئی گھنٹے کام کرنے کی وجہ سے مجھے بھی تھکاوٹ ہونے لگی۔

شام کو ستارے نکل آنے کے بعد جب میری جگہ لینے کیلئے ایک اور کِسان آیا۔ اور میں مشین سے نیچے اُترا۔ تو مجھے پتہ چلا کہ میرا بہت بھاری نقصان ہو گیا ہے۔ مجھے شائد اپنی ساری دولت گُم ہو جانے کا اِتنا غم نہ ہوتا جتنا اِس نقصان کا ہُوا ہے۔ میرا پارٹی کارڈ اور وُہ ہدائت نامہ گُم ہو گیا تھا۔ جس کے مطابق مجھے یہاں کام کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔

اِس غم میں اور اضافہ ہو گیا جبکہ مجھے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ایک حکمنامہ مِلا۔ جس میں لکھا تھا۔

+ ریجنل ایگزیکیٹو کمیٹی کی ہدایات کے مطابق - آپکے گاؤں کے جرچ کو اناج کیلئے سرکاری مال گودام بنایا جائے گا۔ اس کا انتظام ۴۸ گھنٹے کے اندر ہونا چاہیئے - اور انتظام مکمّل ہونے پر آپ اسکی رپورٹ کریں"۔

اِس حکم سے مجھے بہت پریشانی ہوئی - کیونکہ مجھے اس حکم پر عملدرآمد کے وقت کسانوں میں پیدا ہونیوالے جذبات کا علم تھا - یہ ایک احمقانہ اقدام تھا۔ اس سے فصل کی کٹائی رُک جانے کا اندیشہ تھا - لیکن کوبزار اور بیلونوف نے بخوشی یہ کام شروع کر دیا - آہستہ آہستہ وُہ مقامی آبادی کے جذبات سے بے بہرہ ہو چلے تھے - اُنہیں ہر اُس کام میں لُطف آنے لگا تھا - جسے گاؤں والے پسند نہ کرتے ہوں - یہی وجہ تھی کہ اب گاؤں والے اِن آدمیوں کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

جرچ کو مال گودام بنانے کی خبر کھیتوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ درجنوں کسان اپنا کام چھوڑ کر گاؤں کی طرف بھاگنے لگے - وُہ جرچ میں سے متبرک اشیاء کو اُٹھایا جاتا دیکھ کر رو رہے تھے - گالیاں دے رہے تھے - اور اس پر اعتراض کر رہے تھے - وُہ اِس سارے معاملہ کو بطور اِنسان اپنے وقار پر ایک ٹھیس سمجھتے تھے۔

میں بے بس تھا - مَیں نے اور الیون پیٹرو وِچ نے بہت صبر و تحمّل اور انتہائی کوشش سے کسانوں کو قابو میں رکھا۔

چند دِن بعد کولکھوز کے کسانوں نے ایک بَیل کو ذبح کیا - اُس کے گوشت کو نمک لگا کر برف کی مشین میں رکھ دیا گیا - تاکہ پھر کبھی اسے اِستعمال کیا جا سکے۔ شام کے وقت چوکیدار نے مجھے اطلاع دی کہ اِس گوشت کا کچھ حصّہ چُرا لیا گیا ہے - مَیں نے اُسی وقت مشین ٹریکٹر سٹیشن سے کامریڈ کاراس کو طلب کیا۔ اور اس چوری کی تحقیقات کے سلسلہ میں اُس سے مدد مانگی - جو اُس نے دینی منظور کر لی - آدھی رات تک ہم انتظار کرتے رہے - اُس کے بعد اُنہوں نے اپنی

شکار کی بندوقیں اور میں نے اپنا بھرا ہوا پستول اٹھایا۔ ہمیں کچھ لوگوں پر اس چوری کے سلسلہ میں کچھ کچھ شک تھا۔ اور ہم نے چوروں کو پکڑنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ چلتے چلتے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"ہمیں ذرا دیر ٹھہر کر سیکرٹری کوبزار کو ساتھ لے لینا چاہیئے اُسے بھی معلوم تو ہو جائے۔ کہ یہاں ہو کیا رہا ہے"۔

سب مان گئے۔ کوبزار کے مکان پر پہنچ کر ہم نے دیکھا۔ اندر روشنی نہیں تھی۔ چھاڈائی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو اُس نے دھکیل کر دروازہ کھول دیا۔ اچانک ہمیں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ اندر داخل ہو کر مَیں نے بَتّی جلائی۔ ایک عورت نے زور سے چیخ ماری۔ جس طرف سے یہ آواز آئی تھی۔ مَیں نے رُخ اُدھر کیا۔ سامنے ایک بالکل برہنہ لڑکی اپنے اُوپر ایک کپڑا ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے میز پر پڑا ہوا دِیا جلا دیا۔ میز پر شراب کی ایک بوتل دو گلاس۔ اور بھُنے ہوئے گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا پڑا تھا۔ کوبزار نیم برہنہ حالت میں بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ حیران اور ششدر رہ گیا۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہماری طرف دیکھنے لگا۔ ایک کرسی پر لکڑی کے ایک برتن میں بیل کا بڑا سا دِل پڑا تھا۔

"تم نے یہ گوشت کہاں سے حاصل کیا ہے"؟ مَیں نے کڑکتے ہوئے پوچھا۔

"مَیں نے یہ خریدا ہے۔ کوآپریٹو شاپ سے ۔۔۔ تم وہاں سے پوچھ سکتے ہو"۔ گھبراہٹ میں کوبزار نے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں۔ مَیں پوچھوں گا۔ لیکن تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔" اتنا کہکر میں اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہوا۔

"ساتھیو۔ آؤ چلیں اسے اپنا کھانا اور یہ بیل کا دِل ختم کر لینے دیں"۔

وہاں سے چلکر جہاڈائی کی رہنمائی میں - ہم پہاڑی کے اوپر گاؤں کے بیرونی علاقہ میں واقعہ ایک مکان کی طرف گئے - جو بدمعاشوں کے اڈہ کے طور پر مشہور تھا۔ اور کسان اس کے متعلق بہت سخت سُست کہا کرتے تھے۔

ہم نے کار اس کو سامنے والے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ جہاڈائی پچھلے دروازے پر چلا گیا - اور میں ایک کھڑکی پر چڑھ گیا۔

"کون ہے ؟" اندر سے کوئی خوفزدہ آواز میں چلایا۔

"میں ہوں با اختیار نمائندہ - فوراً دروازہ کھولو ورنہ گولی ماردوں گا۔"

دروازہ کھول دیا گیا - تفریح اور عیش کا ماحول ایک دم خوف و ہراس میں تبدیل ہو گیا۔ وہاں موجود عورتیں رونے لگیں۔

"میں بھوکی تھی - اسلئے یہاں آئی ہوں" ان میں سے ایک عورت نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ مجھے زبردستی یہاں لائے ہیں" دوسری عورت چلائی۔

"جب تمہارے ہمسائے بھوکوں مر رہے ہیں - تو تم ان کے منہ سے روٹی چوری کر کے لاتے ہو - اور پھر اپنے آپکو کمیونسٹ کہتے ہو۔"

میں غصہ میں کڑک کر کہنے لگا - "یہ سب چیزیں اٹھاؤ - اور سوویت دفتر کی طرف چلو۔"

ان تینوں کو آگے لگا کر میں سوویٹ آفس میں پہنچ گیا - صبح ملیشیا کے سپاہی آئے اور ان تینوں چوروں کو مقدمہ کی سماعت کیلئے ضلع ہیڈکوارٹر بیانی کھاشکی بھیج دیا گیا - جب لوگوں کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے اس پر برا منایا - کئی کسانوں نے مجھے یہاں تک کہدیا کہ میں نے انہیں مقدمہ کی سماعت کیلئے بھیج کر اچھا نہیں کیا - اور کہ وہ انہیں عدالت سے زیادہ سزا خود یہاں دے سکتے تھے۔

(۱۴)

فصل کی کٹائی عملی طور پر مکمل ہو چکی تھی۔ ایک دن میں دو پہیوں والی گاڑی پر کھیتوں میں جا رہے تھے کہ دور سے مجھے عورتوں اور مردوں کے گانے کی آواز سنائی دی جو کہ کسان فصل کی کٹائی کے وقت گایا کرتے ہیں۔ تمام مصائب اور چاروں طرف پھیلی ہوئی موت کے باوجود وہ ایک بار پھر گا رہے تھے۔ اِن لوگوں کی سادگی اور انتہائی نیکدلی پر کیا کہا جائے۔

چند دن بعد جب میں ایک کھیت کا معائنہ کر رہا تھا مجھے موٹر کے بھونپو کی آواز سنائی دی اور میں سڑک سے اپنی طرف آتی ہوئی کئی بڑی بڑی بھی خوبصورت کاروں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یقیناً یہ کوئی اہم وزٹر ہو سکتے تھے۔ میں بھاگ کر ان کاروں کے نزدیک پہنچا۔ کاریں رک گئیں۔ اور ان میں سے تقریباً نصف درجن آدمی باہر نکلے۔ ان میں سے ایک میری طرف بڑھا۔ میں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ کامریڈ ہیلتیئی ورچ تھے۔ اپنے گھوڑے سے اُتر کر میں اُن کی طرف بڑھا۔ ہم نے ہاتھ ملائے اور تب ایک مضبوط آواز میں اُنہوں نے پوچھا:

"کامریڈ کراؤشینکو۔ آپ نے فصل کی کٹائی کب ختم کی تھی؟"

"جی۔ تین دن ہو گئے۔ یعنی اس ضلع کے لئے مقررہ تاریخ سے دس دن پہلے" میں نے جواب دیا۔

"ایسا ہی سنا ہے لیکن مجھے کچھ اور باتوں کا بھی پتہ چلا ہے۔ مثال کے طور پر تمہیں جیئی اور جَو کاٹنے اور حکومت کو دودھ کی سپلائی نہ کرنے کی

اجازت کس نے دی تھی ؟ تم نے مذہب کے خلاف کام کی مخالفت کیوں کی؟ تم ایک باضبط پارٹی ممبر ہو۔ یا افراتفری چاہنے والے ؟"

اسی طرح مضبوط آواز اور نہایت تحکمانہ لہجہ میں انہوں نے پوچھا لیکن میں نے نہایت سکون کے ساتھ جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کامریڈ ہیٹی ویرچ۔ میرے پاس اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ بچے مر رہے تھے۔ گھوڑے جان توڑ رہے تھے۔ کسانوں میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی۔ کہ وہ کچھ کر سکیں۔ اب سرکار کو کافی اناج مل گیا ہے۔ اور وہ بھی مقررہ پروگرام سے پہلے۔ اس میں شک نہیں کہ وقت سے پہلے کچھ جو اور جئی کاٹنے سے فصل پیداوار پڑا ہے۔ لیکن اس چند سو من اناج نے آج ہزاروں من اناج بچا لیا ہے"

ہیٹی ویرچ نے میرا بازو تھام لیا۔ اور دوستانہ ڈھنگ سے اسے دبایا جو ان کے سخت الفاظ کے بالکل برعکس تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ظاہرا طور پر وہ محض ریکارڈ پورا کرنے کیلئے سختی سے بول رہے ہیں۔ وہ یہ الفاظ اپنے ساتھیوں اور باڈی گارڈوں کے کانوں تک پہنچانا چاہتے تھے تاکہ وہ سمجھ جائیں کہ مجھ سے پوچھ تاچھ کی گئی ہے۔

ان کے چلے جانے کے کئی دن بعد میں بھی واپسی کی تیاری کرنے لگا۔ فصل کی کٹائی کا جوش و خروش ختم ہو چکا تھا۔ اور کسانوں کو فصل کا کم حصہ ملنے کی وجہ سے وہ جل بھن رہے تھے۔ سرکاری مشینوں کے استعمال کا معاوضہ۔ بیج فنڈ۔ اور مقررہ شرح کے مطابق سرکار کا حصہ نکال دینے کے بعد بہت تھوڑا اناج بچا تھا۔ اوسطاً ہر آدمی کے لئے ۱/۲ ۴ پونڈ فی ہفتہ اناج باقی تھا۔ یہ مقدار انتہائی طور پر کم تھی۔ اس سے کپڑے اور دیگر ضروری سامان

خریدنا تو دُور سال بھر پیٹ بھی نہ بھر سکتا تھا۔

مجھے الوداع کہنے کیلئے تقریباً تمام گاؤں اکٹھا ہُوا۔ میرے مشفق و مہربان بزرگ ایوان پیٹرو وچ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ چھاڈائی اور اُس کے گھر والوں نے مجھ سے وعدے لئے کہ میں انہیں خط لکھتا رہُونگا۔ کوچوان نے گھوڑے ہانکے اور میں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے اُداس گاؤں والوں کو الوداع کہی۔

باب نمبر ۱۰

پہلی چھانٹی

قحط زدہ علاقوں سے واپسی کے بعد میرے لئے اپنے آپ کو نارمل زندگی میں ڈھالنا آسان نہیں تھا۔ اِن علاقوں کے حالات ابتک ذہن میں تھے۔ اسلئے انسٹی ٹیوٹ میں پڑھائی۔ فیکٹری کانفرنسیں۔ پارٹی یونٹ کی میٹنگیں۔ اور گھر کی عام زندگی سب ایک بے معنی سی چیز معلوم ہوتی تھیں۔

اپنی زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے۔ اور اپنے اندر جھانکتے ہوئے مجھے آج یہ یقین ہے کہ پارٹی کے ساتھ میرے تعلقات ختم ہونے کا آغاز اِنہی دِنوں سے شروع ہُوا تھا۔ دیہات کے دہشت ناک حالات نے ذہن پر وہ چوٹ لگائی

تھی۔ جو بھر نہیں سکی۔ یہی وجہ تھی کہ میں اپنا دھیان کسی اور طرف لگائے رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

کسی آدمی کے لئے پارٹی کو چھوڑ دینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہاں تو یہ حالت تھی کہ کوئی آدمی اپنی سرگرمیوں کو سست کرنے یا ختم ہوتے ہوئے اعتماد کو کسی شکل میں ظاہر کرنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہونے کے بعد آدمی ہمیشہ کیلئے اُس میں جکڑ جاتا تھا۔ اُسے پارٹی سے خارج کیا جا سکتا تھا۔ جو کہ اُس کے لئے نہائت خطرناک ہوتا۔ لیکن اُسے یہ حق نہیں تھا کہ وہ خود پارٹی سے قطع تعلق کرے۔ اگر اُس وقت میں اپنے صحیح جذبات کا اظہار کرتا۔ تو مجھے سکول سے نکال دیا جاتا۔ بے عزت کیا جاتا۔ یا موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا۔ اُس وقت تقریباً سارے ماحول میں کشیدگی سی پھیلی ہوئی تھی۔ اور پارٹی میں چھانٹی جاری تھی۔

کیا میں اِس طوفان سے بچ سکوں گا؟ تمام کمیونسٹوں کی طرح مجھے بھی ہر وقت یہ سوال پریشان کئے رہتا۔ ہماری تمام سرگرمیوں پر اُن دنوں یہ سوال چھایا ہوا تھا۔ ہماری بات چیت میں بھی یہی سوال نمایاں تھا۔ ہم نے مستقبل کیلئے سوچنا یا سکیمیں بنانا ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ جب تک یہ طوفان گزر نہ جائے ہمارے مستقبل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

میٹالرجیکل انسٹی ٹیوٹ کی کئی منزلیں تھیں۔ اور ہر منزل پر ایک خاص صندوقچی رکھ دی گئی۔ جس میں ہر آدمی گمنام طور پر کمیونسٹوں کے خلاف شکائتیں ڈال سکتا تھا۔ فولادی دروازوں کے پیچھے سپیشل ڈیپارٹمنٹ دن رات اِس کام میں مصروف تھا۔ وہاں ان شکائتوں کو چھانٹا جاتا۔ ہر کمیونسٹ کی فائیل بنائی جاتی اور پھر ہر کمیونسٹ کے خلاف آنے والی شکایات کا موازنہ کیا جاتا۔ جن لوگوں کے

خلاف کسی کو کوئی شکائت یا ناراضگی ہو۔ اُن سے بدلہ لینے کے لیے چھانٹی کے یہ دن بہترین موقعہ تھے۔

چھانٹی کمیشن میں عام طور پر دو یا تین ممبر اور ایک چیئرمین ہوتا تھا اور اس میں وہ لوگ شامل کیئے جاتے تھے۔ جن کی پارٹی کے تئیں وفاداری غیر مشکوک ہو۔ کمیشن کو ایک ایسی عدالت کی حیثیت حاصل ہوتی تھی جو بیک وقت وکیل استغاثہ اور جج دونوں کا پارٹ ادا کرے۔ اس دفعہ ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں کامریڈ گیلیمبو کو کمیشن کا چیئرمین بنایا گیا جو بعد میں آئرن میٹالرجی کے محکمہ میں ایک اعلے عہدہ پر لگائے گئے۔

اس کمیشن کے تقرر کے بعد سب جانتے تھے کہ ڈھلمل یقین والے لوگوں کو پارٹی کارڈوں سے محروم کر دیا جائیگا۔ وہ سابق کمیونسٹ قرار دیئے جائیں گے۔ روس کے اندر ایک سابق کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ میں بڑا فرق ہے۔ سابق کمیونسٹ اُسے سمجھا جاتا ہے۔ جو کہ رد کیا جا چکا ہو۔ اُسکے بعد اُس پر کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اُسے کبھی پارٹی میں کسی اعلیٰ عہدہ پر نہیں لگایا جا سکتا۔ اور کسی کرائسس کے وقت اُسے "عوام کا دشمن" سمجھا جاتا ہے۔

اسلئے ۱۹۳۳ کے آخر میں جب چھانٹی کے دن قریب آ گیئے تو انسٹی ٹیوٹ میں خوف و ہراس کا ماحول پیدا ہو جانا قدرتی تھا۔ اور یہ خوف ہسٹیریا کی حد تک جا پہنچا۔ چھانٹی کے وقت کسی کمیونسٹ کو پہلے سے یہ نہیں بتایا جاتا تھا کہ اُس کے خلاف کیا الزامات عائد کیئے جائیں گے۔ اور سب سے زیادہ پریشان کن یہی بات تھی کہ کوئی بھی آدمی اپنے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں جانتا تھا۔ اندھیرے میں بھٹکتے ہوئے آدمی کو کچھ حیران کن حالات کیلئے تیار رہنا پڑتا تھا اور ہر آدمی بار بار اپنے ماضی پر نگاہ دوڑاتے ہوئے سوچتا تھا کہ کیا اُسے کبھی خطرے

کا سامنا کرنا پڑے گا - یا نہیں - چھانٹی میں عام طور پر اس قسم کے الزام لگتے کہ "کیا تم نے ۳ سال پہلے اپنے کسی گہرے دوست کے ساتھ فلاں فلاں بات نہیں کی تھی؟" ہو سکتا ہے - کہ اُس گہرے دوست نے یہ باتیں پارٹی تک پہنچا دی ہوں - یا پھر یہ کہ تمہارا ایک چچا زار کے عہد میں سرکاری افسر تھا - ٹھیک ہے کہ تم اُس سے کبھی نہیں ملے - لیکن اگر کسی نے اسبارے میں رپورٹ کر دی ہو تو یہ الزام لگنا ہی چاہیئے - کہ تم نے اُس کے متعلق پارٹی کو اندھیرے میں رکھا - ایسے ہی یہ الزام بھی کہ تمہاری فلاں عورت سے محبت تھی - جسے کہ بعد میں "دائیں دھڑے کی منحرف" ہونے کے الزام میں گرفتار کیا گیا - ایک دشمن طبقے کی عورت کے ساتھ تعلقات کا قائم رہنا بھی اذیت ہو سکتا ہے۔"

اِس قسم کے الزامات کے بعد ملزم کو پارٹی سے خارج کر دیا جاتا - چھانٹی کیلئے یہی طریق کار تھا - کمیشن کے ممبر ایک پلیٹ فارم پر میز لگا کر بیٹھتے - چاروں طرف پولٹ بیورو کے ممبروں کی تصاویر اور سُرخ کپڑوں پر لکھے ہوئے مختلف نعرے لگے ہوتے - سٹالن کا ایک نصف قدبت سب سے اہم جگہ پر پھولوں سے لدا ہوا پڑا ہوتا - ملزم کو پوچھ تاچھ کیلئے پلیٹ فارم پر بلایا جاتا - وہ اپنا پارٹی کارڈ چیئرمین کے حوالے کر کے اپنی زندگی کی داستان انہیں سنانے لگتا - وہ کہاں پیدا ہوا - اُسکی زندگی کیا رہی - اُس کے مفاد کیا رہے - کس کس بات سے دلچسپی رہی - اُس نے کیا برائیاں کیں - کیا برائی یا غلطیاں کیں - یہ سب کچھ اُسے بتانا پڑتا - اگر کسی آدمی کو یہ شبہ ہو کہ اُسکی غلطیوں کا کمیشن کو پتہ چل چکا ہے تو بہتر یہی ہوتا کہ وہ خود اُن کا ذکر کر دے - کیونکہ پارٹی سے کوئی بات چھپانا جرم کی نوعیت کو زیادہ سنگین بنا دیتا تھا -

اس اقبالی بیان کے بعد کمیشن کے ممبر اور وہاں موجود دیگر لوگ ملزم پر

سوالات کرتے۔ اُسے اُسکی غلطیاں یا خامیاں یاد کرائی جاتیں اور بتایا جاتا کہ اُس نے اپنے بیان میں فلاں بات غلط کہی ہے۔ بعض ساتھی ملزم کی حمایت بھی کرتے۔ اگر تو کمیشن کا رویہ ملزم کے تئیں ہمدردانہ ہو۔ تب تو یہ سماعت مختصر ہوتی۔ لیکن اگر حاضرین یہ دیکھ لیں کہ کمیشن کا رویہ غیر ہمدردانہ ہے۔ تو وہ اُس پر جھپٹ پڑتے اور انتہائی بیرحمی سے اُس پر سوال کرتے اور طرح طرح کے الزام لگاتے۔ اِس حالت میں وہاں موجود ملزم کے دوست اور ہمدرد بھی خاموش ہو رہتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ اُس کی حمایت پر آتے تو اُن کا مستقبل بھی مخدوش ہو جانے کا خطرہ ہوتا۔

چھانٹی میں جو لوگ بچ جاتے انہیں پارٹی کارڈ واپس دیدئے جاتے تھے۔ اور اُن کے دوست اُسے جان خلاصی ہونے پر مبارکباد پیش کرتے۔ بعض کیسوں میں کمیشن مزید تحقیقات کیلئے فیصلہ ملتوی کر دیتا۔ جن لوگوں کو پارٹی سے خارج کرنے کا فیصلہ دیا جاتا۔ اُن کے ساتھ کوئی بات تک نہ کرتا۔ وہ اکیلے کھڑے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتے۔ اُن کے لئے دُنیا بہت تنگ اور تاریک ہو جاتی۔ اُن میں مجرم اور ہیچ ہونے کا احساس پیدا ہو جاتا۔ اور وہ چپکے سے اکیلے ہی ہال سے نکل جاتے۔ اُن میں سے بعض آدمیوں کی مایوسی تو اسقدر بڑھ جاتی کہ خودکشی جیسے اقدام سے بھی گریز نہ کرتے۔

میری باری بھی آنے والی تھی۔ اور میں پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں کمیشن کے چیئرمین کی آواز کا انتظار کر رہا تھا۔

(۲)

"کامریڈ سینن حاضر ہوں"۔ کمیشن چیئرمین گیلیمبو نے اعلان کیا۔

۳۰، ۳۵ سال کا ایک صحتمند آدمی تیزی سے سٹیج پر چڑھا۔ اور اس نے اپنا کارڈ چیئرمین کے حوالے کر دیا۔ سینن کا جسم اگرچہ پتلا تھا۔ لیکن اُس کے نقش و نگار خوشگوار تھے۔ اور اُس نے عینک چڑھا رکھی تھی۔ ہم سب اُسے جانتے تھے بلکہ اُسے چاہتے تھے۔ ہمارا ریاضی کا یہ لیکچرار طلبا میں کافی مقبول تھا۔ کیونکہ ہمارے ساتھ اُس کا سلوک بڑا اچھا تھا۔ اور وہ سختی نہیں کیا کرتا تھا۔

اُس نے اپنی داستان زندگی بیان کرنی شروع کی۔ اس کے مطابق وہ ایک کسان کے گھر پیدا ہوا۔ اور سیاسی زندگی کے آغاز میں اُس نے کومسومول میں شرکت کی۔ شروع میں اُس نے کارخانہ میں ملازمت اختیار کی۔ پھر انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم پائی۔ ریسرچ کا کام کیا۔ اور آخر میں ٹیچر کا پیشہ اختیار کر لیا۔

وہ کہتا گیا۔ ایک عام آدمی کی زندگی۔ اور سینن کی زندگی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اسلئے لوگ اُکتا گئے۔ اپنی داستان میں سینن نے اپنی کبھی غلطی۔ کبھی بُرائی کا ذکر نہ کیا۔ اچانک کمیشن کے ایک ممبر نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"کامریڈ سینن۔ کیا آپ نے اپنی تعلیم کے دوران میں دیگر طلبا کے ساتھ ٹراٹسکی پروگرام کی دستاویز پر دستخط نہیں کئے تھے؟"

اس سوال پر حاضرین میں سنسنی سی پیدا ہو گئی۔ لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ کانا پھوسیاں ہونے لگیں۔

"ہاں۔ میں نے کئے تھے۔ لیکن مدت ہوئی میں اُس پروگرام سے اختلاف رائے

کا اظہار کر چکا ہوں ۔ میں نے اس کی مذمت کی ہے ۔ ہر آدمی اس بات کو جانتا ہے"۔ سینن نے جواب دیا۔

"تو آپ نے دستخط کئے تھے ۔ آپکو اس سے انکار تو نہیں ہے" کمیشن کے ممبر نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا ۔

" یقیناً نہیں ۔ میں نے اس بات کو کبھی خفیہ نہیں رکھا ۔ میرے سب ساتھی اور میری پارٹی کو یہ علم ہے کہ میں نے غلطی کی تھی اور بعد میں اس کا اعتراف کر لیا تھا" سینن بولا ۔

" ایسا ہو سکتا ہے ۔ کامریڈ سینن ۔ پھر بھی مجھے شک ہے کہ اس سلسلہ میں تمام باتیں تمہارے ساتھیوں اور پارٹی کو معلوم نہیں ۔ میرے خیال میں اس بات کا لوگوں کو علم نہیں کہ تم اب بھی بعض ایسے خیالات اور نظریات کے قائل ہو جن کی پارٹی مذمت کرتی ہے"۔

کمیشن کے ایک ممبر کے ان الفاظ سے ہال میں سنسنی اور زیادہ گہری ہو گئی ۔ لوگوں کو سینن کی موت سامنے نظر آنے لگی ۔ چند منٹ پہلے تک جو لوگ سینن کے ساتھی تھے ۔ ان میں تشویش پھیل گئی ۔ وہ اپنی چمڑی بچانے کیلئے سینن پر سوالات کی بوچھاڑ کرنے لگے ۔ جتنا کسی کا اُسکے ساتھ زیادہ تعلق تھا اتنی ہی زیادہ شدت سے وہ اُسے پھنسانے کی کوشش کرنے لگا ۔ اور اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے اُس کے "جرائم" کو چھپانے لگا ۔ وہ اُس کی کمزوریوں اور اُس کی خامیوں کو جانتے تھے ۔ اسلئے اُن سے فائدہ اُٹھانے لگے ۔ سوالات کی بوچھاڑ کی وجہ سے سینن گھبرا گیا ۔ اور جو کچھ وہ کہنا چاہتا وہ نہ کہہ سکا ۔

اس بات میں اب کچھ شک نہیں تھا کہ سینن کا مستقبل کیا ہو گا ۔ اب جبکہ اُس کا زوال شروع ہو گیا تھا ۔ اُس کے دوست اُسے ٹھوکریں مار رہے تھے ۔ اور

دھکیل کر کھائیوں میں پھینک دینا چاہتے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ سینن دھوکے باز ہے۔ اُوپر سے تو پارٹی کا وفادار ہے لیکن اندر سے پارٹی کے مقاصد اور عقائد پر اعتماد نہیں رکھتا۔ کسی آدمی کی بات میں کوئی دلیل نہیں تھی۔ اور سب کے سب رسمی الفاظ میں اُس کی مذمت کر رہے تھے۔ لیکن اچانک ایک غیر متوقع بات ہوئی ایک انجنیئر نے جس کی انسٹی ٹیوٹ میں سب عزت کرتے تھے۔ بولنے کے لئے وقت مانگا اور اجازت ملنے پر بولنا شروع کیا۔

"میں دھیان سے یہاں کی تمام کارروائی کو سنتا رہا ہوں۔ لیکن اس میں ایسی کوئی بات نہیں جسے موضوع کی بات کہا جا سکے۔ ساتھیو۔ ہم لوگ اپنی پارٹی کے ایک ممبر کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ ہمارے فیصلہ پر ہی اُس کی زندگی یا موت کا انحصار ہے۔ اُس کے خلاف ٹھوس الزامات کیا ہیں؟ میں نے تو کوئی نہیں سنا۔"

انجنیئر کی طرف سے سینن کی صفائی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ جذبات بھڑک اُٹھے کمیشن پہلے ہی اپنا فیصلہ طے کر چکا تھا۔ اور اُس کی شہ پا کر سینن کے ساتھیوں نے اُس کی مذمت، اور اُس پر گالیوں کی بوچھاڑ جاری رکھی۔ اور بالآخر سینن کو پارٹی سے خارج کر دیا گیا۔

اس کے بعد کالے رنگ اور لمبے لمبے بالوں والے ایک طالب علم نے اپنی کہانی سنانی شروع کی۔ وہ نوجوان تھا۔ اس لئے اُس کی سیاسی زندگی بھی مختصر تھی۔ لیکن اپنی عمر کے لحاظ سے وہ بہت تھوڑے عرصہ میں پختگی کے مرحلہ پر آ پہنچا تھا۔

"کامریڈ شلمان۔ انقلاب سے پہلے تمہارے والدین کی سماجی حیثیت کیا تھی؟" کمیشن کے ایک ممبر نے اُس پر سوال کیا۔

"میرا باپ درزی کا کام کرتا تھا۔ اور میری ماں ایک عام خانہ دار عورت

تھی" شلمان نے جواب میں کہا۔

"شلمان جھوٹ بول رہا ہے" حاضرین میں سے کسی آدمی نے آواز دی۔
ماحول میں پھر سنسنی پیدا ہو گئی۔ اِس کیس کی سماعت بھی دِلچسپ ہونے کی توقع تھی۔ جہاں تک ہم شلمان کو جانتے تھے۔ وہ ایک کتابی کیڑا تھا۔ اور اُس کے دوستوں کا دائرہ بھی محدود تھا۔

"تم یہ کیسے ثابت کر سکتے ہو کہ یہ پارٹی ممبر کمیشن اور پارٹی کو دھوکا دے رہا ہے؟" چیئرمین کامریڈ گیلیمبو نے آواز دینے والے آدمی سے پوچھا۔

"میں ثابت کر سکتا ہوں۔ میں اور شلمان دونوں شہر چیرکاسی کے رہنے والے ہیں۔ میں نیا نیا انسٹی ٹیوٹ میں آیا ہوں۔ اور آج پہلی بار میں نے شلمان کو یہاں دیکھا ہے۔ لیکن میں اِس کے گھر والوں کو جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اِس کا باپ درزی کی دوکان کرتا تھا۔ اور اُس نے کئی کاریگر ملازم رکھے ہوئے تھے۔۔ وہ مزدوروں کا خون چوستا تھا۔ اس کی دوکان الیگزینڈر ونسکی سٹریٹ میں تھی۔ چونکہ شلمان مزدوروں کا خون چوسنے والے آدمی کا بیٹا ہے۔ اِسلئے اِسے پارٹی سے خارج کیا جانا چاہیئے" اُس آدمی نے اُونچی آواز میں چیئرمین کے سوال کا جواب دیا۔

شلمان ان باتوں سے تڑپ اُٹھا اور پریشانی کے عالم میں ہاتھ ملنے لگا۔
حالات کا رُخ ایک دم بدل گیا تھا۔ اور شلمان کے مُنہ سے سیدھی بات نہیں نکلتی تھی

"کیا تم چیرکاسی کے رہنے والے ہو" چیئرمین نے تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں یقیناً۔ میں پہلے ہی یہ بتا چکا ہوں" شلمان بولا۔

"کیا تمہارے باپ کی دوکان وہیں تھی۔ جہاں اِس آدمی نے بتائی ہے" چیئرمین نے پھر سوال کیا۔

"ہاں بیشک وہیں تھی۔ لیکن وہ مزدوروں کا خون نہیں چوستا تھا۔ دوکان

میں کام کرنے والے باقی آدمی اُس کے حصّہ دار تھے۔ میرا باپ صرف اُن کا چودھری تھا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ یقین مانیئے۔ کہ یہ دکان ایک کوآپریٹو کے ڈھنگ پر کام کرتی تھی۔ علاوہ ازیں میرا اُس کے ساتھ کوئی تعلق بھی نہیں تھا میں خود ایک اور شہر میں کارخانے میں کام کرتا تھا۔"

شلمان نے جواب دیا۔

"کیا وہ تمہارا باپ نہیں تھا؟" چیئرمین کا یہ سوال بے حد عجیب تھا۔

"یقیناً۔ یقیناً۔ وہ میرا باپ تھا۔" شلمان تیزی کے ساتھ بولا۔

"تو پھر تم نے پارٹی سے یہ بات چھپا کر رکھی کہ تمہارا تعلق مزدوروں کی لوٹ کھسوٹ کرنیوالے خاندان سے ہے؟" تلخ لہجے میں چیئرمین مسٹر گیلیمبو بولے۔

"میں نے کوئی چیز نہیں چھپائی۔ یہ دکان ایک کوآپریٹو تھی۔ میں ایک کارخانے میں کام کرتا رہا ہوں اور بطور ایک مزدور و ایک پارٹی ممبر میرا ریکارڈ اچھا رہا ہے۔"

جس ڈھنگ سے شلمان بول رہا تھا۔ وہ اُسکے لئے نقصان دہ تھا جتنے زیادہ جوش سے وہ بولتا اُتنا ہی زیادہ اُسکے خلاف جذبہ بڑھتا۔ اُس کے چہرے کی بناوٹ پر ہال میں ایک قہقہہ پڑا۔

"اِسے باہر نکال دو" ایک آدمی چلایا۔

"اِس نے پارٹی کو دھوکا دیا ہے۔ اِسے پارٹی سے خارج کر دو۔" ایک اور آواز آئی۔

شلمان کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ وہ کانپتا ہوا پلیٹ فارم سے اُتر آیا۔ ہر آدمی کو اِس بات کا احساس ہو گیا تھا۔ کہ اُسے اِنسٹی ٹیوٹ سے نکال دیا جائیگا۔ اُسکی زندگی میں ترقی کے امکانات ختم ہو جائیں گے۔

لیکن کمیشن کے ممبروں نے اُسکی طرف نہیں دیکھا۔ وہ نئے آدمی

دخوفٹسیف کی فائل چھانٹ رہے تھے۔

دخوفٹسیف آٹھ سال کی عمر سے مزدوری کر رہا تھا۔ سخت محنت کے بعد وہ فورمین بنا اور پھر اُسے پارٹی کی انجنیئرنگ گِلڈ کیلئے منتخب کر لیا گیا۔ اُس نے سیاسی اور دوسری قسم کے تمام سوالوں کے جامع جواب دئے۔ اور کسی کو اُسے دوسری مرتبہ کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

"کامریڈ دخوفٹسیف۔ کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟"

"تمہاری شادی کب ہوئی تھی اور کس سے؟"

چیئرمین گیلیمبو نے یکے بعد دیگرے دو سوال کئے۔

"میری شادی کو دو سال ہوئے ہیں۔ میری بیوی ایک بُک کیپر کی بیٹی ہے اور اب ایک ہسپتال میں کام کرتی ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"کیا تم نے اپنی شادی رجسٹر کروائی تھی؟ تمہاری شادی کی رسم کیسے ادا کی گئی تھی؟" چیئرمین نے پھر سوال کیا۔

دخوفٹسیف کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ پریشانی کے عالم میں مٹھیاں بھینچنے لگا۔ اچانک اُسے تحقیقات کی اس طرح کی اہمیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ حاضرین میں اشتیاق بڑھ رہا تھا۔ اور وہ بیتابی سے اُس کے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔

"میری شادی چرچ میں ہوئی تھی۔" اُسنے رکتے ہوئے جواب دیا۔

اس جواب پر لوگ قہقہہ زن ہو اٹھے۔ سکون اب ٹوٹ چکا تھا۔

"ساتھیو۔ میں جانتا ہوں کہ میرا جواب عجیب وغریب نظر آتا ہے۔" آواز بلند کرتے ہوئے دخوفٹسیف نے کہا۔ "یقین کیجئے۔ آپ کی طرح میرے لئے بھی چرچ کے اندر ادا کی جانے والی رسم کوئی اہمیت نہیں رکھتی لیکن مجھے جس لڑکی سے محبت تھی اُسکے والدین تب تک میرے ساتھ اُسکی شادی کرنے کو تیار نہ تھے۔

جب تک کہ میں چرچ میں جاکر یہ ڈرامہ کھیلنے کو تیار نہ ہو جاؤں۔ وہ دقیانوسی قسم کے لوگ تھے۔ میری بیوی بھی میری مانند توہمات پر یقین نہیں کرتی تھی۔ لیکن چونکہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اسلئے وہ بوڑھے ماں باپ کے دل کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتی تھی۔"

"میں نے اس معاملہ پر اس سے بحث کی۔ درخواست کی۔ اور اسے متنبہ بھی کیا۔ کہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اور دوسری طرف میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ اسلئے بالآخر ہم نے مخفیہ طور پر ایک گاؤں کے چرچ میں جاکر شادی کرلی۔ واپسی پر میں نے شادی کے کپڑے اور پھول اپنے سوٹ کیس میں چھپا لئے۔"

یہ بیان کافی دلچسپ تھا۔ لوگ اپنے آپ کو کنٹرول نہ کرسکے۔ اور چیئرمین کو بار بار میز پر ہاتھ مار کر انہیں خاموش کرانا پڑا۔ اسی طرح کئی دنوں تک چھانٹی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکچروں کے بعد ہر روز کمیشن کا اجلاس شروع ہوتا یعنی تقریباً شام کے پانچ بجے اور رات کو بہت دیر تک جاری رہتا۔ چھانٹی کا پہلا ہفتہ ختم ہونے کو تھا۔ آنسوؤں اور قہقہوں کے ملے جلے ماحول میں یہ اجلاس ایک معمول بنتے جارہے تھے۔ کہ ایک دن اچانک اجلاس میں ہماری دلچسپی پھر بڑھ گئی۔

ایک نوجوان طالبہ کو جسے ہم سب جانتے تھے۔ اور جس کی قابلیت اور احساس فرض کے سب مداح تھے۔ پلیٹ فارم پر بلایا گیا۔ وہ اُن عورتوں میں سے ایک تھی جو معمولی طور پر خوبصورت نہ ہونے کے باوجود پُرکشش ہوتی ہیں۔ اس کی نیلی چمکدار آنکھیں اور گونجدار آواز ہی اس کا سب کچھ تھیں ——

"کامریڈ گرینک۔ کیا تم شادی شدہ ہو؟" چیئرمین نے پوچھا۔

"ہاں"۔

"تمہاری شادی کب ہوئی تھی؟"

"پانچ سال پہلے"۔

"تمہارا خاوند کون ہے؟"

"وہ ایک سابق ورکر ہے۔ میں کام کے دوران میں اُس سے ملی تھی۔ بعد میں وہ ایک آئرن پلانٹ میں فورمین کے طور پر بھی کام کرتا رہا"۔

"کیا وہ پارٹی کا ممبر ہے؟"

"اب نہیں...... پہلے تھا"۔

حاضرین میں ایکدم پھر سنسنی پھیل گئی۔ گرینک کی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ سگریٹ پینے کیلئے ہال سے اُٹھکر گیلریوں میں جانے والے لوگ واپس آکر اپنی سیٹوں پر جم گئے۔ اور سب کی نگاہیں گرینک پر لگ گئیں۔

"اُس نے پارٹی کو کیوں چھوڑا؟ کیا اُسے پارٹی سے خارج کر دیا گیا تھا؟" چیرمین نے پھر سوال کیا۔

"میرے خاوند کو پارٹی سے خارج کیا گیا تھا۔" گرینک نے بالکل سادہ لہجے میں جواب دیا۔ "اُسے مزدوروں کی اپوزیشن تحریک میں حصّہ لینے کے الزام میں پارٹی سے خارج کیا گیا تھا"۔

"تو کیا پھر تم نے اُسے طلاق دیدیا؟"

"نہیں"

"تمہارا خاوند اب کہاں ہے؟"

"اُسے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ وہ اب جی۔ پی۔ یو کے ایک جیلخانے میں ہے"۔

لوگ ہمہ تن گوش تھے۔ یہ بات چیت سچ مچ ایک ڈرامہ معلوم دیتی تھی۔

رُوسی ڈراموں میں ایک منحرف خاوند کی پارٹی کے تئیں وفادار بیوی ایک عام کردار بن چکی ہے۔ مصنّف عام طور پر یہ دکھاتے تھے کہ ایسی بیوی، پارٹی کو اپنی محبت پر ترجیح دیتی ہے۔ لیکن۔۔۔۔۔

"کیا تمہارے خاوند کو پہلی مرتبہ گرفتار کیا گیا ہے؟" گیلیمبو نے اُسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔ یہ اُس کی دُوسری گرفتاری ہے۔"

"اور اس پر بھی تم نے اُسے طلاق نہیں دیا۔"

"نہیں۔"

"کیا تم جیل میں اُس سے ملنے گئی تھیں؟"

"ہاں۔ میں ہر ہفتے اُس سے ملنے جاتی ہُوں۔"

"کیوں"؟

"کیوں؟ میں اُس کیلئے خوراک کے ڈبّے۔ دُھلے ہوئے کپڑے۔ سگریٹ اور دوسری چیزیں لیکر جاتی ہُوں۔"

"کیا کوئی دُوسرا یہ کام نہیں کر سکتا۔"

"میرا خیال ہے نہیں۔ اُسکی ماں ہے۔ اور بس ایک بہن۔"

"اچھا۔ یہ تو بتاؤ کہ تم اُسے جیل میں ملنے کیوں جاتی ہو؟ تم ایک پارٹی ممبر ہو۔ اس پر بھی تمہیں تمہارا ضمیر ایک پارٹی دُشمن کی مدد کرنے سے نہیں روکتا؟"

"وُہ میرا خاوند ہے۔"

"او ہو —— وہ تمہارا خاوند ہے! کیا پارٹی کا تحفّظ۔ تنگ نظری پر مبنی ذاتی مصلحتوں سے زیادہ اہم نہیں؟"

"میں سیاسی طور پر اُس سے اتفاق نہیں رکھتی۔ پَر اُس سے بحث

کر کے اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں کہ وہ غلطی پر ہے۔ جب کبھی ہم ملتے ہیں ہمارے درمیان اتنی بحث ہوتی ہے کہ جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔"

"اچھا۔ تو تم صرف اُسے سدھارنے کے لئے جیل جاتی ہو۔"

گیلیمبو کا یہ طنز ماحول پر اپنا اثر کئے بنا نہ رہا۔ کئی لوگ ہنسنے لگے کئی طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

"کافی ہو چکا" ——— اِسے خارج کر دو۔"

"چیئرمین۔ معاف کیجئے گا" لڑکی نے گیلیمبو سے مخاطب ہو کر اپنی آواز بلند کرتے ہوئے کہا۔

"یہ پارٹی کا چھانٹی سیشن ہے یا سرکس؟ آپ میرے خلاف سیاسی الزامات لگائیں۔ میری ذاتی زندگی کو اِن لوگوں کے مذاق کا موضوع مت بنائیے۔"

"اچھا۔ تو تم سوال کا صحیح جواب کیوں نہیں دیتیں اور یہ کیوں نہیں بتاتیں کہ تم ایک مزدور دشمن اور پارٹی کے منحرف کے پاس ہر ہفتے کیا کرنے جاتی ہو؟" گیلیمبو نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"میں بتا چکی ہوں۔ وہ میرا خاوند ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایک انسان ہے۔ اب کہ وہ مشکل میں ہے۔ میں اُسے طلاق دیکر اپنی بے وفائی اور بزدلی کا مظاہرہ کرنا نہیں چاہتی۔ میں اُس کے نظریہ کی مذمت کرتی ہوں۔ لیکن ہم نے ایک ساتھ کام کیا ہے۔ ایک ساتھ پڑھے ہیں۔ ایکساتھ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے تئیں ہمارے کچھ جذبات ہیں اور حقیقتاً ——— ہم ایک دوسرے سے محبّت کرتے ہیں۔"

اُسکے اِس "اقبال جرم" پر زبردست قہقہہ پڑا۔

ایک مبیّنہ کمیونسٹ اور جی۔ پی۔ یو۔ کے ایک قیدی کی محبت، واقعی ایک دلچسپ بات تھی۔

(۳)

جب سیریئوزا شفٹیکوف کو پلیٹ فارم پر طلب کیا گیا۔ تو ایکدم میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ اُس سے دیہات میں اُس کے تجربے کے متعلق پُوچھ تاچھ کی جائیگی۔ اور اس میں مَیں بھی لپیٹ میں آجاؤں گا۔ مجھے علم تھا کہ شفٹیکوف بہت جذباتی ہے۔ اِسلئے مجھے خطرہ تھا کہ وُہ خود بھی پھنس جائے گا۔ اور مجھے بھی پھنسا دے گا۔ جب وُہ سٹیج پہ پہنچا تو تمام نگاہیں اُسی پر جمی تھیں۔ وُہ اس قسم کی جواب طلبی کیلئے بہت زیادہ کم سِن اور بے بس نظر آتا تھا۔ اُسکے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔

شفٹیکوف نے اپنی کہانی شروع کی۔ وُہ سلسلہ وار اپنی زندگی کے واقعات سُناتا گیا۔ اُس کی نگاہیں دُور ایک کونے میں لگی ہوئی تھیں۔ جہاں اُس کا باپ لبوں پر مُسکراہٹ پھیلائے اُس کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔

" کامریڈ شفٹیکوف۔ کیا تمہارا باپ پارٹی کا ممبر ہے۔" چیئرمین نے پُوچھا۔

" ہاں۔ اور وُہ چھانٹی میں کامیاب رہا ہے۔" شفٹیکوف نے جواب دیا۔

" اچھا تو یہ بتاؤ کہ اجتماعی کھیتی باڑی شروع کرانے کیلئے جب تم دیہات میں گئے تو تمہارے احساسات کیا تھے ؟"

مَیں دُور سے دیکھ رہا تھا کہ اس سوال پر شفٹیکوف کا چہرہ ایکدم زرد پڑ گیا۔

" ریجنل کمیٹی نے میرے ذمّے جو کام لگایا تھا وُہ مَیں نے پُورا کیا۔ لیکن مجھے اعتراف ہے کہ دیہات میں ہونیوالے بعض واقعات پر میرا ردِّعمل متعفیانہ تھا۔" شفٹیکوف نے جواب دیا۔

"ہمارے پاس اِس بات کا ثبوت ہے۔ کہ تم نے مضبوطی کے ساتھ اپنا کام نہیں کیا۔ اور بعض مواقع پر متزلزل اور غیر یقینی رویّہ اختیار کیا۔ تمہارا جواب کیا ہے؟ گیلیمبو نے سوالات کی بوچھاڑ جاری رکھی۔

مَیں نے محسوس کیا کہ اگر شفٹیکوف کو کوئی سہارا نہ مِلا تو اُس کا ہارٹ فیل ہو جائیگا۔ اِسلئے مَیں نے کھڑا ہو کر کچھ بولنے کی اجازت مانگی۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" چیئرمین نے مجھ پر سوال کیا۔

"مَیں یہ چاہتا ہُوں کہ آپ اُس آدمی کا نام بتائیں جس نے اِس کامریڈ کے خلاف رپورٹ کی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ پراسیکیوٹر کے دفتر کا ایک آدمی ہے۔"

لیکن مَیں اُس کا نام جاننا چاہتا ہُوں۔ اُس آدمی کا نام زیادہ اہم ہے۔ مَیں شفٹیکوف کے ساتھ ایک ہی گاؤں میں تھا۔ اِسلئے مجھے حقائق کا عِلم ہے۔"

"اچھا۔ تو اُس کا نام کامریڈ آر شینوف ہے۔" چیئرمین نے شکائت کنندہ کا نام افشا کر ہی دیا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا۔" مَیں نے یہ الفاظ کچھ اِس انداز سے کہے تھے کہ اِن سے شفٹیکوف کا حوصلہ بندھ گیا۔ علاوہ ازیں اُسے سوچنے کیلئے جو وقت مِل گیا تھا۔ اُس نے بھی اُسے گھبراہٹ پر قابو پانے میں کافی مدد دی۔ آر شینوف کا نام سُنتے ہی اُس کی خود اعتمادی اور اُس کا غصّہ پھر سے عود کر آئے۔

"آر شینوف!" غصّے سے بھری ہُوئی آواز میں وہ بولا۔

"میں یقینی طور پر کہہ سکتا ہُوں۔ اِس آدمی کی شکائت غلط اور بے معنی ہے۔ اُس نے ذاتی مصلحتوں کی بنا پر یہ شکائت کی ہے۔ اُسے یہ خطرہ ہے کہ مَیں جو کچھ اُس کے متعلق جانتا ہُوں وہ سب پارٹی کو بتا دوں گا۔ اِس لئے وہ مجھ پر الزام لگا کر خود

بچنا چاہتا ہے۔"

"لیکن کیا یہ درست نہیں کہ بعض اشخاص جب سرکار کو اناج مہیا کرنے میں ناکام رہتے تھے تو وہ اسی کام میں بھاری کامیابی حاصل کرتا تھا؟" چیئرمین نے سوال کیا۔

"ہاں کئی بار ایسا ہوتا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں بھی پارٹی کی ہدایات کی خلاف ورزی کرتا ہوا اسکی طرح ہی عمل کرتا۔" شفطیکوف نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا۔ کیا اب کوئی اور اس معاملہ میں کچھ کہنا چاہتا ہے۔" حاضرین سے مخاطب ہو کر چیئرمین مسٹر گیلیمبو نے پوچھا۔ میں بولنے کے لئے کھڑا ہوا۔ اور چیئرمین نے اشارہ سے مجھے بولنے کی اجازت دیدی۔

"میں کامریڈ شفطیکوف اور کامریڈ آرشینوف کے ساتھ پوڈگورودنوئی میں کام کرتا رہا ہوں۔" ممبرانِ کمیشن اور حاضرین سب کی نگاہیں میری طرف تھیں۔ میں نے اپنا بیان جاری رکھا۔

"میں اسکی تفاصیل کے متعلق تو اس وقت کچھ بتاؤں گا جب میری باری آئے گی۔ لیکن یہاں اس وقت میں صرف یہی کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے کامریڈ شفطیکوف کو ایماندار۔ بلکہ کام کرنے والا۔ اور ہوشمند کمیونسٹ پایا۔ ہمیں اسے آرشینوف کی ان چالوں کا شکار نہیں بنانا چاہیئے۔ آرشینوف اگر یہاں ہوتا تو میں اسکی خبر لیتا۔ تاہم اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کو اسکی "کامیابیوں" کے متعلق کچھ بتاؤں۔"

"ضرور۔ ضرور۔ ہم سنیں گے۔ بیان جاری رکھو۔" چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ لیکن چیئرمین کے چہرے پر تشویش اور پریشانی کے آثار نظر آنے لگے۔ شاید وہ دیہات میں ہونیوالے ظلم وستم کا ذکر یہاں نہیں آنے دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"ٹھہرو۔ ہم شفطیکوف کے ریکارڈ کی پڑتال کر رہے ہیں۔ آرشینوف کے ریکارڈ

کی نہیں۔ بولنے والے کامریڈ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ وہ پرائیویٹ طور پر کمیشن کو بتا سکتے ہیں۔"

اِس پر میں پلیٹ فارم پر گیا۔ اور مَیں نے آہستہ آہستہ آرشینوف کے مظالم کے متعلق کچھ باتیں کمیشن کے ممبروں کو سُنا ہیں۔ وہ اپنی ڈائریوں پر کچھ نوٹ لیتے گئے۔ وہ سچ مچ حقائق سے بے خبر تھے۔ یا یہ نوٹ صرف حاضرین کو دکھانے کیلئے لے رہے تھے۔ اس کا مجھے کبھی علم نہیں ہو سکا۔

میری طرف سے شفتیکوف کی حمائت نے کئی دُوسرے لوگوں کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ ۳ مردوں اور ۲ عورتوں نے اُسکی حمائت میں تقریریں کیں۔ چنانچہ اُسکا کارڈ اُسے واپس دیدیا گیا۔ وہ بری کر دیا گیا تھا۔ سٹیج سے اُتر کر وہ سیدھا میرے پاس آکر بیٹھ گیا اور اُس نے اظہارِ تشکر کے طور پر میرا ہاتھ دبایا۔ اُس کی آنکھوں میں شکریہ کے آنسو تھے۔ وہاں سے وہ اپنے باپ کے پاس گیا جس نے اُسے چھاتی سے لگالیا۔

اب میری باری آئی۔ اپنا نام سُنتے ہی۔ میں تیزی سے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ مَیں نے اپنی داستانِ زندگی شروع کی۔ فارم کمیون ڈونٹیز کی کالونی۔ فیکٹری۔ ایرانی سرحد۔ فیکٹری میں واپسی اور آخر اللہ ٹی ٹیوٹ میں داخل۔ ان سبھی کا مَیں نے ذکر کیا۔ بولتے بولتے مَیں یہ محسوس کر رہا تھا۔ کہ میری داستان حاضرین پر کچھ اثر ڈال رہی ہے۔ خاندانی لحاظ سے مَیں ایک عمدہ پرولتاری تھا۔ اور شروع سے میری سرگرمیاں ایک کمیونسٹ کی سی رہیں۔ مَیں نے نکوپول پراجیکٹ کے معائنہ اور کامریڈ آرڈزہونی کِڈز کے ساتھ اپنی طویل مُلاقات کا بھی ذکر کیا۔ اور آخر میں زرعی علاقوں میں دو مرتبہ کام پر جانے کا ذکر آیا۔ میں جانتا تھا کہ میرے خلاف کبھی کچھ لوگوں نے ضرور شکایات کی ہونگی۔ اِسلئے مَیں نے کوئی چیز چھپانے کی کوشش نہ کی۔ میں نے بتایا کہ بعض اوقات میں نے کچھ دلیرانہ فیصلے کئے کیونکہ ہنگامی اور موقعہ کے حالات میں اُن کی ضرورت تھی۔

"تمہارا پارٹی کارڈ کن حالات میں گم ہوا؟ کیا تم جانتے ہو کہ یہ پارٹی کے ضوابط کی سنگین خلاف ورزی ہے؟ چیئرمین نے مجھ پر پہلا سوال کیا۔

"میں جانتا ہوں اور ساتھیو۔ مجھے اس کیلئے افسوس ہے۔ اُن دِنوں میں فصل کی کٹائی اپنے جوبن پر تھی۔ ایک کسان فصل کاٹتا کاٹتا اچانک بیہوش ہو گیا۔ مجھے اُس کی جگہ لینی پڑی۔ اور اِس جلدی میں کارڈ کھو گیا۔ لیکن میں نے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ سے اس کا سرٹیفکیٹ لے لیا تھا۔ یہ رہا سرٹیفکیٹ۔"

دستاویز چیئرمین کی طرف بڑھاتے ہوئے میں نے کہا۔ کمیشن کے ممبروں نے سرٹیفکیٹ پڑھا اور اُسے میری فائیل میں لگا دیا۔

"ہمارے پاس اِس بات کا ثبوت ہے کہ تم اناج اکٹھا کرنے کے معاملہ میں زوردار اقدامات کے خلاف تھے اور کہ تم نے پارٹی کے "با اختیار نمائندہ" کی حیثیت کو دھبہ لگایا۔" چیئرمین نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"اِسکے برعکس میں یہ کہونگا کہ شکائت کنندہ نے پارٹی کو بدنام کیا۔ میرا قیاس ہے کہ وُہ آرشینوف ہو گا۔ میں اُس کے طریقِ کار کے متعلق پہلے ہی آپکو بتا چکا ہوں۔" کمیشن سے مخاطب ہو کر میں نے جواب دیا۔

"ایسا ہی صحیح۔ مان لیتے ہیں کہ وُہ آرشینوف ہے۔" ایک ممبر بولا۔

"اگر ایسا ہے۔ تو کامریڈ چیئرمین۔ یہ ہے اُس رپورٹ کی نقل جو میں نے اُس کے متعلق ریجنل کمیٹی اور "پروداً" کو بھیجی تھی۔ میں نے اُس کی کارروائیوں کے مقابلہ میں پارٹی کی نیک نامی کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ وُہ مجھے بدنام کرنا چاہتا ہے۔ وُہ گاؤں میں طاقت استعمال کرتا تھا۔ "جسمانی طریقے" استعمال کرتا تھا۔"

آرشینوف کے خلاف میرا غصّہ پھوٹ پڑا۔

"کیسے جسمانی طریقے؟" حاضرین میں سے ایک آدمی نے پوچھا۔ لیکن چونکہ چیئرمین

SRINAGAR
ACC. No. 14098

مسٹر گیلیمبو اس موضوع پر بات آگے نہیں بڑھنے دینا چاہتے تھے اسلئے بیچ میں سے ہی ٹوکتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔

"کمیشن کو اب حقائق کا پوری طرح علم ہو چکا ہے۔ بہتر ہوگا اگر تم لوگینا میں فصل کی کٹائی کے وقت اپنے طریقِ کار کے متعلق کچھ بتاؤ۔"

"اس کے متعلق میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ کام مقررہ پروگرام سے دس دن پہلے ختم ہو گیا تھا۔ اور کامریڈ ہیٹی وِیچ نے اس کے لئے ذاتی طور پر میرا شکریہ ادا کیا تھا۔ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے مجھے وہاں اچھے کام کا ایک سرٹیفکیٹ دیا تھا۔ یہ ہے وہ سرٹیفکیٹ۔" کاغذ چیئرمین کے حوالے کرتے ہوئے میں نے کہا۔

مسٹر گیلیمبو اب کچھ پریشان ہو گئے تھے۔ میں اپنی تمام دستاویزات ساتھ لیکر آیا تھا۔ اگر اُنہوں نے پہلے میرے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ بھی کر رکھا ہو تو اب اُن کیلئے فیصلہ دینے سے پہلے اُس پر پھر سے غور کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے نیا رُخ بدلا۔ اور نہایت نرم لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟"

"وہ پیٹروفسکی لینن پلانٹ میں کام کرتے ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی بھی وہیں ملازم ہے۔ اور بڑا بھائی ایک کیمیکل فیکٹری میں اکاؤنٹنٹ ہے۔"

"کیا تمہارے والد پارٹی کے ممبر ہیں؟"

"نہیں۔"

"اور تمہارے بھائی؟"

"کوئی بھی نہیں۔"

"انقلاب سے پہلے تمہارے والد جیل کیوں گئے تھے؟"

"انقلابی سرگرمیوں کی وجہ سے ـــــ ۱۹۰۵ کی بغاوت کے وقت اور اُس کے

بعد وہ انقلابی سرگرمیوں میں معروف رہے۔"

"اُن کا تعلق کس پارٹی سے ہے؟"

"وہ کبھی کسی پارٹی میں شامل نہیں ہوئے۔"

"کیا تم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہو؟"

"بالکل یقین کے ساتھ کامریڈ گیلیمبو۔"

"اچھا - تو کیا کوئی آدمی اس بارہ میں کچھ کہنا چاہتا ہے؟"

اس سوال پر تین آدمی میرے خلاف بولنے کیلئے آئے اور کئی دوسروں نے جن میں شفتیکوف بھی تھا میرے حق میں بیان دیئے۔ لیکن اس ساری کارروائی میں کوئی کڑا کے دار بات نہیں تھی۔ لوگ اُٹھ اُٹھ کر سگریٹ پینے کیلئے جانے لگے۔ کھسر پھسر ہونے لگی۔ اور اسی دوران میں میرا کارڈ مجھے واپس کر دیا گیا۔

جب میں پلیٹ فارم سے اُتر کر نیچے آیا تو دوستوں نے مجھے گھیر لیا۔ وہ مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔ اب ہمارے لئے راستہ کھلا تھا۔ ہم اب بھی پارٹی کے ممبر تھے۔

۱۹۳۴ء کے آغاز میں ماسکو میں کامریڈ لزار کاگنووچ نے اعلان کیا کہ ایک لاکھ ۸۲ ہزار ممبروں کو پارٹی سے خارج کر دیا گیا ہے۔ قطعی تعداد اس سے بھی زیادہ ہوگی کیونکہ اُس وقت بعض اضلاع میں چھانٹی ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح اندازہً دو لاکھ ممبروں کو پارٹی سے نکال دیا گیا۔ کاگنووچ کے الفاظ میں اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ پارٹی مکمل طور پر "صاف" ہو گئی ہے۔ یا کہ اس میں صحیح معنوں میں یکسانیت پیدا ہو گئی ہے۔

لیکن اصل میں ایسا نہیں تھا۔ اس کا بڑا ثبوت میری ذات ہے۔ اگرچہ میں ٹیسٹ میں پاس ہو گیا تھا پھر بھی میں خارج کئے جانے والے لاکھوں ممبروں سے زیادہ ذہنی اُلجھن میں مبتلا تھا۔ اور بعض معاملات پر مجھے پارٹی کے ساتھ

اُن سے زیادہ اختلاف تھا۔ میرے جیسے ہزاروں اور لوگ بھی ابھی پارٹی میں تھے۔ لیڈر چاہے کہتے رہیں کہ اُن سے اختلاف رکھنے والے اور اُن کے خیالات سے منحرف عناصر کا صفایا کر دیا گیا ہے لیکن اس کے متعلق اُن کی نسبت زیادہ واقفیت عام ممبروں کو ہو سکتی ہے۔

باب نمبر ۱۱

ایلئینا کا راز

چھانٹی ختم ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد میری ملاقات ایلئینا سے ہوئی۔ جو آہستہ آہستہ محبت میں تبدیل ہو گئی۔ ایلئینا کو اپنی زندگی میں جن مصائب سے دوچار ہونا پڑا اِسی محبت کی وجہ سے وہ میری زندگی میں ڈھل گئے۔ میرے اپنے تلخ تجربات کا ایک حصہ بن گئے۔ اِن تجربات نے روسی طاقت کے تئیں میرے رویہ پر جتنا گہرا اثر کیا۔ میری اپنی زندگی کے بہت کم واقعات نے کیا ہوگا۔

ایک دن برف کے طوفان کے سبب میں ایک چھجے کے نیچے کھڑا طوفان رُکنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک درجن کے قریب اور لوگ بھی وہاں رُکے کھڑے

تھے۔ ایلینا کو میں نے پہلی بار وہیں دیکھا۔ یہ ملاقات محض ایک اتفاق تھی۔ ابھی چند ہفتے بھی نہ گذرے تھے کہ یکے بعد دیگرے اُس کے ساتھ میری دو اور ملاقاتیں ہوئیں ۔ وہ بھی اتفاقیہ ہی تھیں ۔ اُس کے بعد میں نے اُس سرو قد نازنین کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ اور بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ مجھے اُس کا انتظار رہنے لگا۔

اور پھر جب میرا اُس کے ساتھ تعارف ہوا ــــ وہ بھی ایک اتفاق ہی تھا ــــ تو ہم دونوں نے ایسا محسوس کیا۔ جیسے ہم بہت دیر سے ایکدوسرے کو جانتے ہوں۔ کافی شام ہو چکی تھی۔ میں ریجنل کمیٹی کی ایک لمبی میٹنگ کے بعد واپس آرہا تھا۔ اُسوقت ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے کھانا اور دھند میں کھوئے کھوئے سے پھرنا خاص لطف دے رہا تھا۔ اچانک کسی نے مجھے آواز دی۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک لیڈی ڈاکٹر کھڑی تھیں۔ جنہوں نے اُس وقت میرا علاج کیا تھا۔ جب کہ میں ایرانی سرحد سے زخمی ہو کر ہسپتال میں آیا تھا۔ اور اُس کے ساتھ یہ حسین اجنبی لڑکی تھی۔

"ڈکٹر اینڈری وچ!" مسرت بھری آواز میں لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "کہو۔ کیسے رہے؟ تمہیں دیکھ کر بہت ۔ بہت خوشی ہوئی ہے۔ میں اخبارات میں تمہارے مضامین پڑھتی رہی ہوں اور میں نے کئی دوستوں سے تمہاری ترقی کے متعلق بھی بہت کچھ سُنا ہے۔ لیکن معاف کرنا۔ میں تمہارا تعارف اپنی نوجوان دوست ایلینا پیٹروفنا سے کرانا چاہتی ہوں۔"

وہ یہ سب کچھ ایک ہی سانس میں کہہ گئی اور اُس نے ایلینا سے میرا تعارف کرایا۔ لیکن جس بیتابی سے ہم دونوں نے ہاتھ ملائے اور ہمارے

انداز میں جو گھبراہٹ سی تھی۔ اُسے دیکھ کر وُہ ششدر رہ گئی۔ اُس کی حیرانی میں اور بھی اضافہ ہو گیا جبکہ ہم نے اُسے تو کسی بہانہ سے ایک گاڑی میں بٹھا دیا۔ اور خود دونوں ایک طرف کو چل دیئے۔ چونکہ ہم دونوں ایک ہی ضلع میں رہتے تھے۔ اِسلئے ہمارا یہ بہانہ کام کر گیا۔

ایلینا کے لاثانی حُسن کی بڑی بڑی خاصیتیں اُسکے متناسب نقش و نگار اور اُنکی جاذبیّت تھیں۔ اُس کا چہرہ خوبصورت تھا لیکن اگر کوئی مصوّر اُسے دیکھے تو صِرف اُسکے چہرے کی ہی نہیں۔ بلکہ اُس کے سارے جسم کی تصویر اُتارنا چاہے گا۔ اِس رات کو جبکہ ہماری پہلی رسمی ملاقات ہوئی۔ وُہ ایک کالا فر کورٹ اور کاکیشیا کے فیشن کی ایک کھلی سکرٹ پہنے ہوئے تھی۔ گھنے سیاہ بالوں پر اُس نے سفید پروں کی ایک ٹوپی نہایت اشتعال انگیز ڈھنگ سے پہن رکھی تھی۔ اور برف کے کچھ نرم نرم ٹکڑے اُس کے ابروؤں پر جواہرات کی طرح چمک رہے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹہ تک، ہم بازو میں بازو ڈالے۔ اپنے متعلق دُنیا کے متعلق اور پھر اپنے متعلق باتیں کرتے ٹہلتے رہے۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وُہ پہلی مرتبہ نائیپرو پیٹرووسک آئی ہے۔ لیکن چونکہ وُہ یہاں ایک گورنمنٹ پلاننگ بیورو میں، بطور معمار تعیّنات ہوئی ہے اسلئے شائد اُسے کافی دیر تک یہاں رہنا پڑے۔

"تم سے ملکر آج میں کتنا خوش ہوں"۔ بات چیت کے دوران میں ایک مرحلہ پر میں نے کہا۔ "میرا دِل کہہ رہا ہے کہ ہماری یہ ملاقات حقیقی دوستی کی بُنیاد ہو گی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔ اُس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن۔

سچ پوچھو تو آپ کی خاطر میں چاہتی ہوں کہ ایسا نہ ہو۔ وِکٹر اینڈریو بہتر یہی ہے کہ آپ اِس پہلی ملاقات کو آخری سمجھیں"

"میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر چکا ہوں"

"لیکن یاد رکھیں۔ میں نے آپکو پہلے متنبہ کر دیا ہے"

"بہت بہتر۔ میں اِسے یاد رکھوں گا ـــــ لیکن تم مجھے اپنے متعلق کچھ بتاؤ تو سہی۔ مثال کے طور پر ۔۔۔۔۔۔"

"کچھ مت پوچھئے" درمیان میں ہی ٹوکتے ہوئے وہ بولی۔ "آپکو شائد حیرانی ہو۔ لیکن میں، سچ کہہ رہی ہوں کہ میری شادی ہو چکی ہے۔ میرا خاوند ایک اچھا آدمی ہے۔ لیکن بہت بد قسمت ہے۔ ہم ایک ہی مکان میں رہتے ہیں اور میں ۔۔۔ میں ایک بہن کی طرح اس کی دیکھ بھال کرتی ہوں ـــ کہنے کو ہم خاوند بیوی ہیں لیکن میں اس سے محبت نہیں کرتی ۔۔۔ ہمارا کوئی تعلق نہیں ۔۔۔۔ ۔۔بس ۔۔۔۔ ہاں۔ اب آپ سے مِلکر مجھے خوشی ہوئی ہے۔ میں اکیلی تھی۔" ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایلیئنا نہیں اُس کے جوان جذبات بول رہے ہیں۔

"اکیلی؟ تم؟ تمہارا گھر ہے۔ نوکری کرتی ہو۔ حسین ہو ۔۔۔۔۔۔"

"اوہ۔ ایسی بات نہیں۔ میں بہت سے لوگوں کو جانتی ہوں ـــ شائد بہت زیادہ لوگوں کو۔ لیکن اُن سب میں سے میں نے تمہیں پسند کیا ہے۔ کیونکہ تمہارا ایک حقیقی گھر ہے۔ تمہارے گھر میں ماں ہے۔ میرا باپ تو مر چکا ہے۔ ماں زندہ ہے لیکن وہ کئیف میں رہتی ہے۔ ایک طرح سے تو میں خوش ہوں کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ کیونکہ آجکل کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو کوئی اپنی ماں سے بھی نہیں کہہ سکتا۔ تم چونکہ ایک پکے کمیونسٹ بھی ہو۔ اِسلئے میں نے تمہیں پسند کیا ہے"

باتیں کرتے کرتے اُس کا گھر آگیا اور میں نے اُس سے اگلے سنیچر وار کی شام کو

پارک میں ملنے کا وعدہ کر کے رخصت لی۔

کئی مہینے بیت گئے۔ ایلیئنا اکثر ہمارے گھر آتی۔ وہ اب ہر کام اور ہر مقصد کیلئے ہمارے کُنبہ کی ممبر بن چکی تھی۔ میرے والدین۔ میرے بھائی سب اُسے چاہتے اُسکی شخصیت میں کچھ ایسی کشش تھی جس نے سارے گھر کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ لیکن اب بھی مجھے اس خیال سے چبھن سی محسوس ہوتی تھی کہ اُسکی زندگی کا ایک اہم حصّہ میری آنکھوں سے اوجھل ہے۔

اور پھر ایک دن میرے اس احساس نے شبہات کی شکل اختیار کر لی۔ اگرچہ اُس کے سامنے تو میں نے اپنے ان شکوک کو اُس کی بہتری کے خیال کا نام دیکر ظاہر کیا۔ لیکن درحقیقت یہ آدمی کے فطری حسد کی پیداوار تھے۔

ایک دن لیکچروں کے بعد میں چند دیگر طلباء کے ہمراہ شہر کے سٹیڈیم میں فٹ بال میچ دیکھنے کیلئے چلا گیا۔ انٹرول کے دوران میں ہم سب بیئر پینے کے لئے ریفریشمنٹ رُوم میں جا پہنچے۔ معمول کی طرح اُسدن بھی کاؤنٹر پر گاہکوں کی ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ ہم بھی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ ساتھ والے ریسٹورنٹ کا دروازہ کھُلا تھا۔ بغیر کسی مقصد کے ہی میری نگاہ اُدھر پڑ گئی۔ اور میں نے دیکھا کہ سامنے ایلیئنا بھڑکیلا لباس پہنے دو غیر ملکی مردوں کے ساتھ بیٹھی ہے۔ تینوں شراب پی رہے تھے۔ اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ دونوں مردوں کی بھُوکی نگاہیں ایلیئنا کے جسم کو اسطرح ٹٹول رہی تھیں۔ جیسے اُس کا گوشت نوچ لینا چاہتی ہوں۔

اگرچہ اُسکے بعد کھیل ختم ہونے تک میں وہاں بیٹھا رہا۔ لیکن صحیح معنوں میں کھیل کو دیکھ نہ سکا۔ یہی سوال میرے دماغ میں چکّر لگا رہا تھا۔ کہ ایلیئنا ان غیر ملکیوں کے ساتھ بیٹھی کیا کر رہی ہے؟ کھیل ختم ہونے پر میں نے ایلیئنا کو ایک

غیر ملکی کار میں اُنہی لوگوں کے ساتھ جاتے دیکھا۔

دوسرے دِن پہلے سے طے شُدہ پروگرام کے مطابق ایلینا میرے گھر کھانے پر آئی۔ کھانے کے دَوران میں مَیں اُسکی حرکتوں کو خاص غور سے دیکھتا رہا۔ لیکن اُس میں تبدیلی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ جب تمام لوگ چلے گئے اور ہم دونوں اپنے کمرے میں جا پہنچے۔ تو وُہ بات چیت کے دوران میں بار بار اِس بات کا ذکر کرتی رہی کہ کل وُہ ایک فٹ بال میچ دیکھنے گئی ہوئی تھی۔

"میرے بیورو کے چیف نے مجھے دو وزیٹروں کے ہمراہ میچ پر جانے کے لئے کہا تھا۔ یہ لوگ سچ مچ اُکتا دینے والے تھے۔" اُس نے کہا۔

مَیں نے اُس سے اِس بات کا کوئی ذِکر نہ کیا کہ مَیں نے اُسے وہاں دیکھا تھا یا کہ مَیں بھی وہاں گیا ہوُا تھا۔ رات کو جب ہم جُدا ہوئے تو مَیں نے اُس سے پُوچھا کہ پھر کب ملاقات ہو گی۔

"شکروار شام کو"۔ وُہ بولی۔

"بدقسمتی سے اِس بار بھی مجھے شکروار کو ایک لیکچر دینا ہے۔ وِیروار کو کیوں نہ ملیں"؟ مَیں نے جواب دیا۔

"مجھے افسوس ہے۔ ڈارلنگ وِیروار کو مجھے ایک نہائت ضروری کام ہے"۔ اُس نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا۔

میرے شبہات نے مجھے کچھ زیادہ حسّاس بنا دیا تھا۔ ایکدم مجھے خیال آیا کہ جب سے ایلینا مجھ سے مِلی ہے وُہ ویروار کو اِتنی مصروف ہوتی ہے کہ میرے پاس بھی نہیں آسکتی۔ آجتک میرا خیال اِدھر نہ گیا تھا۔ لیکن آج نہ جانے کیوں یہ بات بھی مجھے کھٹکنے لگی۔ مَیں نے اپنے دِل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ مَیں اِس ویروار کو ضرور اِس کا تعاقب کروں گا۔ اور دیکھوں گا کہ وُہ کیا کرتی ہے۔

دیر وار آیا۔ شام ہوئی۔ اور میں اُسکے تعاقب کیلئے نکل پڑا۔ رات تاریک تھی۔ اور ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی جاری تھی۔ اِسلئے میرا کام کچھ آسان ہوگیا۔ اُسے ایک سٹریٹ کار پر چڑھتے ہوئے دیکھ کر مَیں بھی کار کے پچھلے حصّے میں سوار ہوگیا۔ شہر کے مرکز میں آکر جب وُہ ایک مقام پر اُتری تو مَیں بھی اُتر کر اُس سے کچھ فاصلہ پر رہتے ہوئے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وُہ ایک بڑے مکان کے قریب پہنچکر رُک گئی۔ اور اُس نے دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی بجائی۔ وردی میں ملبوس ایک آدمی نے دروازہ کھولا۔ وُہ اندر چلی گئی۔ اُس آدمی نے نہایت احتیاط کے ساتھ گلی میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ اور پھر دروازہ بند کر دیا۔

میں دروازے سے ایک طرف ایک کھڑکی سے چمٹ کر اندر جھانکنے لگا۔ وہاں سے مجھے اندر کا سب کچھ نظر آرہا تھا۔ کھڑکی میں سے میں نے کئی لوگوں کو مکان کے اندر آتے اور وہاں سے باہر جاتے دیکھا۔ نواحی مکانوں کی کھڑکیوں سے اس مکان کے اندر کافی روشنی پڑ رہی تھی۔ اور پھر جب دروازہ کھلتا تب تو اتنی روشنی ہوتی کہ مَیں آنے جانے والوں کے چہرے بھی دیکھ سکتا تھا۔ اُسی باوردی آدمی نے جتنی بار بھی مکان کا دروازہ کھولا۔ اُتنی ہی بار گلی میں اِدھر اُدھر جھانک کر دیکھا۔ جیسے وُہ اس بات کو جاننا چاہتا ہو کہ کیا کوئی اُنہیں دیکھ تو نہیں رہا۔ مکان پر آنیوالوں میں بیشتر عورتیں تھیں۔ اُن میں سے کچھ ایک کو میں نے پہچان بھی لیا۔

۲ گھنٹے کے انتظار کے بعد ایلینا دو مردوں کے ہمراہ باہر آئی۔ جنہوں نے کہ عام سویلین برساتیاں پہن رکھی تھیں۔ اُن میں سے ایک آدمی نے جب اندر کی جیب سے سگریٹ نکالنے کے لئے برساتی کے بٹن کھولے تو میں نے دیکھا کہ نیچے اُس نے بھی وردی پہن رکھی ہے۔ اور یہ وردی یقینی طور پر جی۔پی۔یُو کی تھی۔ مَیں جو کچھ جاننا چاہتا تھا جان گیا۔ اَب مجھ پر واضح ہو گیا تھا

کہ ایلینا جاسوسوں کے اُس جال سے تعلق رکھتی ہے جو روسی سماج کے ہر انگ کو جکڑے ہوئے ہے۔

اگرچہ ہم جاسوسوں کے متعلق زیادہ محتاط نہیں رہتے تھے۔ لیکن ہمیں اِس بات کا علم تھا کہ ان کی بدولت ہزاروں بیگناہ مردوں اور عورتوں کو جیلوں اور جبری بیگار کے کیمپوں میں ٹھونسا جا رہا ہے۔ ہم اسے احتیاطی کارروائی قرار دیتے تھے۔ اِس کی وجہ شائد یہ ہو کہ ہم ایک حقیقت کو نظر انداز کر کے اپنی اخلاقی ذمہ داریوں سے بچنا چاہتے تھے۔ میں سوچنے لگا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایلینا جو مجھے اتنی عزیز ہے بے گناہوں کو مصیبت میں ڈالنے کی موجب بنتی ہو؟ جو واقفیت آج مجھے حاصل ہوئی تھی۔ اُس کے متعلق جتنا زیادہ میں سوچتا اُتنی ہی میری پریشانی بڑھتی جاتی۔ مَیں جاسوسوں کی دہشت اور اپنی محبت کے دوراہے پر کھڑا تھا۔

دوسرے دِن صبح میں نے ایلینا کو ایک رقعہ لکھ بھیجا جس میں اُسے اطلاع دی کہ مَیں ایک ہفتہ کیلئے شہر سے باہر جا رہا ہوں۔ اِس خطرے کے پیشِ نظر کہ وہ مجھے مِلنے کے لئے گھر پر آجائیگی۔ یا مَیں کہیں سڑک پر چلتا پھرتا اُس سے مِل جاؤنگا۔ مَیں وہاں سے اپنے ایک دوست کے گھر چلا گیا۔ اگلے ویروار کی رات کو میں پھر اُس پُر اسرار مکان کی کھڑکی سے جھپٹا ہؤا ایلینا اور کچھ دیگر لوگوں کو جن میں بیشتر عورتیں تھیں۔ مکان کے اندر جاتا دیکھ رہا تھا۔ اب صورتِ حالات واضح ہو گئی تھی۔ مَیں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ سب عورتیں جن میں سے کئی اعلیٰ افسروں کی بیویاں ہیں۔ اپنے ہفتہ بھر کے کام کی رپورٹ دینے اور شائد آیندہ کے لئے ہدایات لینے ویہوار کے دیروار اس مکان پر آتی ہیں۔ جی۔ پی۔ یُو ہیڈ کوارٹر پر جانے کی نسبت اِس پرائیویٹ مکان پر آنا آسان تھا۔ اور اِس طرح کسی کو شک پیدا

ہونے کا خطرہ بھی نہیں تھا۔
اُس رات کو میں گھر واپس آ گیا۔ میں نے ایلینا کو لکھ دیا کہ بعض ایسی وجوہات کی بنا پر جن کا میں انکشاف نہیں کر سکتا۔ آئندہ میں اُسے نہیں ملوں گا۔ لیکن چند ہی ہفتے بعد میری اُس سے ملاقات ہو گئی۔ اور اُس نے مجھے اپنی جو داستان سُنائی وہ اپنی یادداشت کے مطابق اُسی کے الفاظ میں نیچے درج کرتا ہوں۔

(۲)

ہم کیئیف میں رہتے تھے۔ میری ماں سابق سکول ٹیچر تھی۔ اور میرا باپ انجینئرنگ کا ایک مشہور پروفیسر تھا۔ وہ مقامی ٹرسٹ میں کام کرتا تھا۔ اور اُسے کافی آمدنی ہو جاتی تھی۔ میں چونکہ اُن کی اکلوتی بیٹی تھی اسلئے میرا بچپن بہت اچھی طرح سے گذرا۔ مجھے کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ مجھے مختلف زبانوں کی تعلیم دی گئی۔ گانا سکھایا گیا۔ اور میں نے نہائت آرام طلبی میں پرورش پائی۔
ہمارے ہمسائے میں سیرگی نام کا ایک لڑکا رہتا تھا۔ جو کہ خارکوف کی ٹیکنالوجیکل انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ اپنے گھر آتا۔ ہم دونوں دوست تھے۔ اور تب جوں جوں ہم بڑے ہوتے گئے ہماری اس دوستی نے باقاعدہ محبت کی شکل اختیار کر لی۔ میری عمر ابھی ۱۷ سال سے کچھ ہی اُوپر تھی۔ جبکہ اُس نے مجھے شادی کی پیشکش کی۔ میں نے اسے منظور کر لیا۔ اور ہم خارکوف چلے گئے۔ وہاں میری ایک دیرینہ خواہش پُوری ہوئی اور میں ایک آرٹ انسٹی ٹیوٹ میں داخل ہو گئی۔ ۱۹۳۰ء میں اسی انسٹی ٹیوٹ سے میں گریجوایٹ ہوئی۔

اور تمہیں یاد ہوگا یہ وہی سال تھا جبکہ کچھ انجنیئر اور دیگر ماہرین پر تخریبی کارروائیوں کے سلسلہ میں مقدمہ چلا تھا۔ میں اپنے والدین کے پاس کیئیف گئی ہوئی تھی۔ جبکہ ایکدن جی۔پی۔یو افسر میرے پاپا کو گرفتار کرنے کے لئے آئے۔ انہوں نے ہمارے گھر کی تلاشی لی۔ رضائیاں۔ گدے اور صوفے تک پھاڑ پھاڑ کر دیکھے۔ لیکن کوئی چیز اُن کے ہاتھ نہیں لگی۔

قدرتی طور پر اُس کے بعد مجھے کیئیف میں رہنا پڑا۔ ہمارے خوشی کے دن اب بیت چکے تھے۔ ہمیں پاپا کی گرفتاری کے بعد بھی اسباب کا کوئی علم نہیں تھا۔ کہ جی۔پی۔یو کو پاپا کے خلاف کیا شکائت ہے۔ ہمیں اُن سے ملنے تک کی اجازت نہیں تھی۔ ہفتوں پر ہفتے اور مہینوں پر مہینے بیت گئے۔ میں ہر شام کو پاپا کے لئے روٹی لیکر جیل جاتی۔ آندھی ہو یا طوفان میں سینکڑوں دُوسری عورتوں کے ساتھ گھنٹوں تک جیل کے دروازے پر لائین میں کھڑی رہتی۔ اِس اُمید کے ساتھ کہ شائد اپنے پاپا کی کچھ مدد کر سکوں۔ میں جی۔پی۔یو کے بیرونی دفتروں میں بھی دھکے کھاتی۔

ایکبار جب میں جی۔پی۔یو کے دفتر میں گئی۔ تو مجھے اندر بڑے صاحب کے پاس جانے کیلئے کہا گیا۔ میں حیران تھی کہ اُس نے مجھے کیوں بُلایا ہے۔ اندر جاکر میں نے دیکھا کہ ایک بااخلاق اور متاثر کرنے والی شخصیت والا اُدھیڑ عمر آدمی کُرسی پر بیٹھا ہے۔ میں نے اُس کے پاس اپنے پاپا کی رہائی کے لئے فریاد کی اُسے سُن کر وہ بولا۔

"اب میری بات سُنو ایلینا پیٹروفنا۔ تم ایک اچھی خوشگوار عورت ہو۔ درحقیقت تم حسین ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر تم مہذّب ہو۔ اور بات کرنا جانتی ہو۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں جو صرف تمہارے یا پاپا کے ہی نہیں بلکہ ملک کیلئے بھی بہت مفید ہو سکتی ہیں۔ ہم تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تم ہماری مدد کرو۔ میں تم سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ تم کافی سمجھدار اور

ہوشیار نظر آتی ہو۔ اب مُنہ نہ بناؤ۔ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ جو کچھ کرنے کے لئے تمہیں مَیں کہہ رہا ہُوں وُہ زندگی سے زیادہ بھدّا نہیں ہے۔ مَیں تمہیں کسی غیر مرد سے ہمبستری کرنے کو نہیں کہہ رہا۔ اس کام کے لئے بھی ہمارے پاس عورتیں ہیں۔ اور اُن میں سے کئی ہمارے شہر کی بہت معزز عورتیں ہیں"۔

"تم ایک پاکباز عورت رہتے ہوئے بھی ہماری مدد کر سکتی ہو۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم ایسے آدمیوں سے مِلو جہاں تم حکومت کے خلاف ہونے والی باتیں سُن سکو۔ ہم تمہیں اس کے لئے کافی معاوضہ دیں گے۔ اور نہ صرف تمہاری بلکہ تمہارے عزیز رشتہ داروں اور دوستوں کی بھی حفاظت کریں گے"۔

اُس نے مجھے سگریٹ پیش کیا لیکن مَیں نے سگریٹ لینے سے انکار کر دیا۔ پھر پھلوں کا ایک ڈبّہ نکال کر میری طرف کر دیا۔ اور مجھے پھل کھانے کے لئے کہا۔ مَیں اب قہر آلود نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"دُوسرے لفظوں میں آپ یہی چاہتے ہیں نا کہ مَیں چند انسانی زندگیاں آپکے حوالے کر دُوں۔ اپنے واقفکاروں کو اور اپنے پاپا کے دوستوں کو موت کے مُنہ میں دھکیل دُوں تاکہ آپ کچھ اور سنسنی خیز کیس تیار کر سکیں؟ اگر مَیں ایسا کر دُوں تو آپ پاپا کو رہا کر دیں گے۔ آپ کا یہی مطلب ہے نا؟ آپ دانہ پھینک رہے ہیں"۔ آخر مَیں نے زبان کھولی۔

جی۔پی۔یُو افسر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"آپ بات کو پہچان گئیں"۔

"جی۔ مَیں یہ کام نہیں کر سکتی"۔

"دیکھو۔ جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کرو۔ ایلینا۔ ابھی بڑا وقت ہے۔

اس بات پر تھوڑا غور کرو - اور جب تم قطعی فیصلہ پر پہنچ جاؤ - تو یہاں آکر اطلاع دے جانا - بدیں اثنار اگر تم نے اس ملاقات کا کسی سے ذکر کیا تو یاد رکھو یہ پنچھی بھی ہمیشہ کیلئے پنجرے میں ڈال دیا جائیگا"

میری طرف اشارہ کرتے ہوئے دھمکی آمیز لہجہ میں اس افسر نے کہا۔

میں بہت زیادہ پریشان تھی - مجھے جی-پی-یو ایجنٹ بن کر اپنے پاپا کو آزاد کرا لینے کا موقعہ ملا تھا۔ جسے ٹھکرا دینے کی وجہ سے اب میں اپنے آپ کو پاپا کی مسلسل نظر بندی کیلئے مجرم سمجھ رہی تھی۔ اسی طرح دن بیتتے گئے - اور ایک دن پھر مجھے جی-پی-یو۔ کے بڑے صاحب کے دفتر میں بلایا گیا - اس بار صاحب کی خوش اخلاقی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے مجھے سگریٹ یا پھل پیش نہ کئے۔ میں گھبرائی ہوئی سی وہاں کھڑی تھی۔ کہ میں نے گیلری کے نیچے سے کسی کے چیخنے کی خوفناک آوازیں سنیں۔ اور ان سے خوفزدہ ہو کر میری بھی چیخ نکل گئی۔ بڑے صاحب نے اوپر دیکھا۔

" اوہ - تم پھر آئی ہو - کیا اس ناخوشگوار شور سے تمہیں پریشانی ہو رہی ہے؟ ٹھیک ہی ہے۔ باہر شائد کسی کا مورد بنایا جا رہا ہے" دراصل ہمارا کام ہی بڑا مشکل ہے۔ یہاں تو فولاد کا دل چاہیئے۔ اچھا تو کیا تمہیں میری بات منظور ہے؟" چیخوں کا ذکر کرنے کے بعد بڑے صاحب نے پوچھا۔

" نہیں مجھے منظور نہیں میں اسے منظور کر ہی نہیں سکتی"۔

" تمہارا یہ جواب آخری ہے؟"

" ہاں - یہ آخری جواب ہے"۔

" تب مجھے تمہاری اور تمہارے باپ کی حالت پر انتہائی افسوس ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ اب بھی تم اپنا فیصلہ بدل لو گی - اب تم جا سکتی ہو"۔

یہ کہہ کر صاحب اپنے کام میں مصروف ہو گئے اور میں چلی آئی - اس رات کو جیل

کے دروازے پر لائن میں کھڑے کھڑے جب میری باری آئی تو دروازے پہ کھڑے پہریدار نے میرا نام اور اُس کے بعد پاپا کا نام دہرایا اور پھر کہا۔

"نہیں۔ میں یہ روٹی نہیں لے سکتا۔"

اس جواب پر خوف کی وجہ سے میرا خون منجمد ہونے لگا۔

"آج کیا ہُوا ہے"۔ چیختے ہوئے میں نے پوچھا۔ کیا پاپا کو مار دیا گیا؟ کیا انہیں کہیں بھیجدیا گیا ہے؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ چلو یہاں سے۔ آگے کون ہے؟" پہریدار نے آواز دی

"لیکن میرے پاپا بوڑھے ہیں۔ وہ بے گناہ ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ انہیں کیا ہُوا ہے۔" میں چیختی رہی۔

"ایک طرف ہٹ جاؤ۔ ورنہ مجھے طاقت استعمال کرنی پڑے گی۔ تم نے ساری لائن روک رکھی ہے۔" مجھے دھکا دیتے ہوئے پہریدار نے کہا۔

وہاں سے میں ایک اور کھڑکی پر گئی جہاں کہ قیدیوں کے متعلق اطلاعات بہم پہنچائی جاتی تھیں۔ ڈیوٹی پر بیٹھے سنتری سے میں نے کہا کہ میں اپنے پاپا کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ کہ انہیں کیا ہُوا ہے۔ پاپا کا نام پُوچھ کر اُس نے کھڑکی بند کرلی۔ اور ٹیلیفون کا چونگا اُٹھا کر کہیں بات چیت کرنے لگا۔ میں نے کھڑکی سے کان لگا کر یہ بات چیت سُننے کی کوشش کی۔ لیکن مجھے صرف ایک لفظ سُنائی دے سکا ——— ہسپتال۔ اسکے بعد سنتری نے کھڑکی کھولی اور بولا۔

"افسوس ہے۔ میں آپ کو کوئی اطلاع بہم نہیں پہنچا سکتا۔"

وہاں سے واپس گھر آتے ہوئے میرے پاؤں نہیں اُٹھتے تھے۔ اِس خیال سے کہ کہیں ماں کیلئے بھی تشویش پیدا نہ ہو جائے میں نے روٹی ایک بھکاری کو دے دی۔ دُوسرے دن میں نے کسی ایسے ڈاکٹر کی تلاش شروع کی جو جیل کے ہسپتال میں کام کرتا

ہو۔ اور میرے پاپا کے متعلق مجھے کوئی اطلاع بہم پہنچا سکے۔ سب سے پہلے مَیں کچھ اُن ڈاکٹروں سے ملی جن کے ساتھ ہماری جان پہچان تھی۔ کئی گھنٹے تک اسی طرح گھومنے کے بعد ایک واقفکار ڈاکٹر نے مجھے ایک اور ڈاکٹر کا پتہ دیا جو اُس کے خیال کے مطابق کیٹیف کے ہسپتال میں کام کرتا تھا۔

مَیں اُس ڈاکٹر کے پاس پہنچی۔ اور ڈاکٹر نے مجھے کوئی مریضہ سمجھکر اپنے کمرے میں آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن جونہی اُس کے دفتر کا دروازہ بند ہوا مَیں گھٹنوں کے بل اُسکے سامنے گر پڑی۔ اور آنکھوں میں آنسو لئے۔ مَیں نے اُسے بتایا کہ مَیں اُس کے پاس کیوں آئی تھی۔ وُہ ایک نیک طبع آدمی تھا۔ لیکن جو کچھ مَیں نے اُسے بتایا اُسے سُن کر وُہ گھبرا گیا۔ اُس نے مجھے وہاں سے چلے جانے کیلئے کہا۔ اور بتایا کہ ہسپتال میں وُہ خُفیہ طور پر کام کرتا ہے۔ اور مُجھے کوئی اطلاع بہم نہیں سکتا۔

لیکن مَیں نے وہاں سے ہلنے سے انکار کر دیا۔ مَیں چیختی رہی۔ حتے اکہ اُس کا دِل پسیج گیا۔ اور اُس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ اگر میرے پاپا ہسپتال میں ہوئے تو وُہ اُن کا پتہ چلائیگا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میں ۲ دِن بعد اُسے کسی پبلک کال آفس سے ٹیلیفون کروں۔

میری ماں حسب سابق مجھے روٹی دیکر پاپا کو پہنچانے کیلئے بھیجتی رہی۔ مَیں وُہ روٹی ہرروز بھکاریوں میں بانٹ دیتی تھی۔ آخر تیسرا دِن آیا اور مَیں نے ڈاکٹر کے مکان پر ٹیلیفون کیا۔ اُدھر سے آواز آئی۔

"ذرا اپنے آپ کو سنبھالنا۔ مَیں تمہیں ایک بُری خبر دینے والا ہُوں۔ تمہارے پاپا ہسپتال میں ہی ہیں لیکن میرے خیال میں اُن کی حالت اب سُدھرے گی نہیں۔ اُن کے پھیپھڑوں پر سوزش ہے۔" اور پھر کچھ ہچکچاتے ہُوئے اُس نے بات جاری رکھی۔ "اُنہیں بہت بُری طرح پیٹا گیا ہے۔ اچھا۔ اب الوداع۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر نے ٹیلیفون بند کر دیا۔

یہ سُنتے ہی مَیں جی۔ پی۔ یو کے دفتر میں پہنچی۔ میں نے ایک چیٹ لکھ کر بڑے صاحب کو بھیجدی۔ مجھے فوراً اندر بُلا لیا گیا۔ صاحب مُسکراتے ہوئے دروازے میں کھڑے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اُنہوں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے۔ کیا تم نے میری پیشکش منظور کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"نہیں" مَیں نے جواب دیا۔ "فیصلہ کرنے سے پہلے مَیں بابا سے ملنا چاہتی ہُوں۔"

"یہ ذرا مشکل ہے۔ مَیں تمہاری ذہنی کوفت میں اضافہ کرنا نہیں چاہتا۔ تمہارے بابا ہسپتال میں ہیں۔ اور اس حالت میں نہیں کہ انہیں تم سے ملایا جا سکے۔"

"مہربانی کر کے مجھے ملنے دیجئے۔ ملنے دیجئے۔ ملنے دیجئے۔ آخر آپ بھی انسان ہیں۔"

"یہاں کوئی انسان نہیں ہے۔ ایلینا پیٹروفنا۔ ہم تو صرف انقلاب کے ناچیز محافظ ہیں۔ یہاں جذبات کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ ہم تو صرف وطن دشمنوں کو اذیت پہنچانا اور جان سے مار دینا جانتے ہیں۔ جتنا جلدی تم اس بات کو محسوس کر لو اُتنا ہی بہتر ہے۔ مَیں تمہیں تمہارے بابا سے ملا دُوں گا۔ لیکن صرف اسلئے کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تم جیل جاؤ۔ تب تک مَیں وہاں پیغام پہنچا دیتا ہُوں کہ تمہیں تمہارے بابا سے ملا دیا جائے۔"

جیل پہنچنے پر مجھے اندر ہسپتال کے ایک وارڈ میں لیجایا گیا۔ بابا کو مجھ سے ملانے کیلئے پہلے ہی ایک علیحدہ کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ وُہ ایک لاش کی مانند لوہے کی ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اُنکی داڑھی بڑھی ہُوئی تھی اور محض ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ نظر آتے تھے۔ اُنکی اندر کو دھنسی ہُوئی گالوں اور اُن کے ماتھے پر چوٹوں کے نیلے نیلے نشان پڑے ہوئے تھے۔ ہاتھوں اور تقریباً تمام اُنگلیوں پر پٹی بندھی ہُوئی تھی۔ وُہ اسقدر کمزور ہو چکے تھے کہ مجھے دیکھ کر مسکرا بھی نہ سکے۔ اور جب اُنہوں نے بات چیت شروع کی تو یہ دیکھ کر مجھ پر دہشت سی طاری ہو گئی کہ اُنکے تمام اگلے دانت نکال دئے گئے ہیں۔

"ممت روؤ - یو لو شکا"۔ خفیف سے آواز میں اُنہوں نے کہا۔ مجھے بچپن سے ہی وُہ اِسی نام سے پُکارا کرتے تھے۔

ملاقات سے پہلے ہی مجھے مطلع کر دیا گیا تھا۔ کہ مَیں پاپا سے صرف گھریلو معاملات پر ہی بات چیت کر سکتی ہوں۔ سیاسیات کے متعلق نہیں۔ لیکن باپ بیٹی کی اِس مُلاقات سے پہریدار کا دِل بھی پگھل گیا۔ اور اُس نے مُنہ دوسری طرف کو کر لیا۔ یہ اِس بات کا اِشارہ تھا۔ کہ وُہ ہماری بات چیت نہیں سُن رہا۔ پاپا نے مجھے اپنا کان اُن کے مُنہ کے پاس لانے کا اِشارہ کیا اور پھر میرے کان میں کہا۔

"تم دیکھ رہی ہو۔ یو لو شکا۔ میری حالت کیا ہو گئی ہے۔ اِن لوگوں نے مجھے دن رات پیٹا ہے۔ مار پیٹ ہی بس اِن کا کام ہے۔ جیل کی اِن کوٹھڑیوں میں رہنے والے سینکڑوں قیدیوں کو گیلے رسّوں سے پیٹا جاتا ہے۔ ہفتوں تک سونے نہیں دیا جاتا۔ اور برف کی طرح ٹھنڈے کمروں میں رکھا جاتا ہے۔ اُنہوں نے.....

"اپنے ساتھی سازشیوں" کے نام نہ بتانے کیلئے مجھے انتہائی بے رحمی سے پیٹا ہے۔ لیکن جب کوئی سازش ہی نہ ہوئی ہو تو مَیں کِس کا نام لے دُوں۔ یُونہی اُن کے دِماغ پر سازش سوار ہو گئی ہے۔ کئی بار سوچتا ہُوں کہ یُونہی کِسی کا نام لے دُوں اور خود اقبالِ جُرم کر لُوں۔ اوہ۔ یو لو شکا ــــ میری بچّی ــــ نہ جانے یہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

"پاپا آپ اچھے ہو جائیں گے۔ میں آپ کو اِس جہنم سے نکالوں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ پاپا....."

"نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میری بچّی۔ ڈاکٹر میرے ساتھ کھُل کر باتیں کرتے رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ مار پیٹ سے ہونے والے زخم بھر سکتے تھے۔ لیکن مجھے سرد کمرے میں رکھے جانے کی وجہ سے... نمونیہ ہو گیا ہے۔ اِس حالت میں اور اِس عمر میں مَیں نمونیہ کے حملہ سے نہیں بچ سکتا۔ چند دِنوں میں مَیں مر جاؤں گا۔ تم اِن سب

باتوں کو بھول جانا - اور اپنا کام جاری رکھنا۔ دیکھو - اپنی ماں اور سیرگی کا خیال رکھنا؟
"آپ کا وقت ہو گیا ہے - اب آپ کو یہاں سے جانا چاہیئے"۔ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پہریدار نے کہا - اور فوراً بعد مجھے پاپا سے الگ ہونا پڑا۔

چند دنوں بعد پاپا کی موت ہو گئی - اور اس کے بعد میں اپنے خاوند کے پاس واپس خارکوف آگئی -

(۳۱)

میں نے ایلینا کو بیچ میں ہی ٹوکتے ہوئے کہا -

"کوئی بات نہیں - ڈارلنگ - میں اس سے زیادہ کچھ جاننا نہیں چاہتا۔ مجھے تمہاری حالت پر بہت افسوس ہے اور میں اپنے آپ سے بھی شرمندہ ہوں - میں نے تمہارے ساتھ جو احمقانہ سلوک کیا ہے۔ اسکے لئے معافی چاہتا ہوں"۔

"نہیں نہیں - اب کہ میں داستان شروع کر چکی ہوں - تمہیں اسے آخر تک سننا ہی پڑیگا" اس نے جواب دیا - اور بات جاری رکھی - "میں چاہتی ہوں کہ تمہیں میرے متعلق پورا پورا علم ہو جائے - اور تم مجھے سمجھ سکو - ابھی تو یہ دہشتناک داستان کا آغاز ہے - آگے سنو -

۱۹۳۱ء کے بعد ۱۹۳۲ء کا کافی حصہ بھی گذر چکا تھا - اس وقت میرا خاوند گریجوایٹ ہونے کے بعد ایک بڑے پلانٹ میں کام کرنے لگ گیا تھا - اس وقت دوسرے ٹیکنیکل آدمیوں کی طرح اُسے بھی ہر وقت گرفتاری کا خطرہ لاحق رہتا تھا - اس نے کوئی برائی نہیں کی تھی - پھر بھی یہ بے معنی لیکن مسلسل خوف اسکے دماغ پر سوار تھا - کیونکہ وہ یکے بعد دیگرے اپنے ایسے ہی بے گناہ ساتھیوں کو گرفتار ہوتے دیکھ رہا تھا -

لیکن جب سچ مچ ایکدن مجھے اُسکی گرفتاری کی خبر ملی تو میں نے اُسے درست نہ مانا۔ میں اُس کے تمام دوستوں کو جانتی تھی۔ اُس کے خیالات اور اُس کی تمام حرکات سے واقف تھی۔ وہ بالکل بے گُناہ تھا۔ اپنے خاوند کی گرفتاری کے بعد ایکبار پھر مجھے جیلخانہ کے باہر۔ اپنے والدوں۔ بیٹوں۔ بھائیوں یا خاوندوں کیلئے روٹی لیکر آنیوالی ہزاروں عورتوں کے ساتھ لائین میں کھڑا ہونا پڑا۔ برف کے طوفان چلیں یا بارش ہو۔ میں ہر شام کو وہیں ایک قطار میں کھڑی ہوتی تھی۔

سیرگی کی گرفتاری کے چند مہینے بعد ایکدن جیل کے پہریدار نے اُسکی روٹی لینے سے بھی انکار کر دیا۔ حالات اس طرح اپنے آپ کو دوہرا رہے تھے۔ جیسے پہلے دیکھی ہوئی ایک خوفناک فلم پھر آنکھوں کے سامنے چل رہی ہو۔ جیل کے دروازہ سے میں ساتھ والی کھڑکی پر گئی۔ اور میں نے جی۔ پی۔ یو کے بڑے صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ تقریباً دو گھنٹے کے انتظار کے بعد مجھے خارکوف جی۔ پی۔ یو چیف کے ایک اسسٹنٹ کامریڈ ٹی کے کمرے میں لیجایا گیا۔ وُہ ایک لمبا تگڑا۔ اور خوبصورت آدمی تھا۔ اور اُس کے چہرے پر نُور تھا۔

"اوہ! تو آپ ہیں مجھے توقع تھی کہ آپ آئیں گی۔" میرے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔ اور ساتھ ہی پکڑ کر مجھے کُرسی پر بٹھا دیا۔۔۔ "مجھے خوبصورت عورتوں سے ملکر خوشی ہوتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ مجھے اِس۔۔۔ دفتری۔۔۔ ماحول میں مل رہی ہیں۔ پھر بھی میں اِس ملاقات کیلئے شکر گذار ہوں"۔

"اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جان بُوجھ کر جیل میں میرے خاوند کی روٹی نہ لینے کا حکم دِیا تھا۔ اور اِس طرح مجھ سے ملاقات کا موقعہ حاصل کرنے کی کوشش کی"۔ میں نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔

"آپ کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مجھے اُن کے لئے سچ مچ افسوس ہے۔

لیکن یہ تو آپ کی اپنی پسند کا معاملہ ہے۔ دو سال پہلے کیف میں آپکو جو پیشکش کی گئی تھی۔ وہ ابتک قائم ہے۔ ہم سپاہی لوگ اپنی زبان پر قائم رہتے ہیں۔" کامریڈ نے پھر مجھے لالچ دیا۔ اس سے میرا غصّہ بھڑک اُٹھا۔

"آپ نے میرے خاوند کو کیوں گرفتار کیا ہے؟ میری ہی طرح آپ بھی یہ جانتے ہیں۔ کہ وہ بیگناہ ہے۔ اگر آپکی کوئی ماں یا بہن ہے تو آپ کو میرے حال پر رحم کرنا چاہیئے۔ میں آپکی جاسوسہ نہیں بن سکتی۔ میرا ضمیر مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ پیشہ اختیار کرنے کی بجائے میں مرجانا بہتر سمجھوں گی۔"

میں اپنی باتوں کو دہراتی ہوئی اپنے خاوند کیلئے رحم کی بھیک مانگتی ہوئی۔ اور جی۔پی۔یو کو گالیاں دیتی ہوئی بولے جا رہی تھی۔ کامریڈ میری باتیں سنتے رہے۔ جب میں تھک گئی تو وہ قریب آئے۔ انہوں نے پیار سے میرے کندھوں پر تھپکی دی۔ اور بولے۔

"زندگی بہت ظالم ہے۔ ایلینا پیٹروفنا۔ اسلئے آدمی کو حقیقت پسند ہونا چاہیئے۔ تمہیں پہلے اپنا خیال کرنا چاہیئے۔ تم اپنی ضد پر کیوں اڑی ہوئی ہو۔ کیوں نہیں ہمارے ساتھ آجاتیں؟"

"اس کی وجہ میں بتاتی ہوں۔ ایک وجہ میرے بیگناہ باپ کا قتل ہے۔ اور باقی وجوہات دیگر ہزاروں بے گناہ لوگوں کے قتل ہیں۔ میں اپنے خاوند کو بچانے کے لئے بھی دوسری بیویوں کا سہاگ چھیننے یا دوسری ماؤں کی گود خالی کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں جاسوسی کا پیشہ اختیار کرنیکو تیار نہیں ہوتی۔"

مجھے کامریڈ کے کمرے سے ناکام واپس آنا پڑا۔ چند ہفتہ بعد مجھے مطلع کیا گیا۔ کہ میرے خاوند کو دس سال کیلئے جبری محنت کے ایک کیمپ میں یورال بھیجدیا گیا ہے۔

کافی دیر تک میں اس کشمکش میں مبتلا رہی۔ کہ میں جی۔پی۔یو کی ایجنٹ بنوں یا نہ بنوں۔ میں سیرگی کو رہا کروانا چاہتی تھی۔ اسکے لئے جدوجہد کرتی کرتی میں اکتا چکی تھی۔ میرے

دِل میں بار بار یہ خیال اُٹھتا تھا کہ جب چاروں طرف باطل ہی باطل ہو۔ جب اِنصاف کا دَم گھُٹ رہا ہو تو حق کی خاطر صداقت کی خاطر مُصیبتیں کیوں جھیلُوں۔ کئی بار میں نے فیصلہ کیا کہ اپنی ضد کو چھوڑ کر جی۔پی۔یُو میں شامل ہو جاؤں۔ لیکن ہر بار آخری لمحہ پر دل کی گہرائیوں سے کوئی غیبی آواز پکار پکار کر کہتی تھی۔ کہ "نہیں۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئیے۔"

مسلسل ایک سال تک مَیں اپنے خاوند کے کیس پر نظرِ ثانی کروانے کیلئے سرکار کے مختلف محکموں کو درخواستیں بھیجتی رہی۔ لیکن ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اور پھر ایک اہم واقعہ ہُوا۔ ایک عورت کے ذریعے سے جس کا کامریڈ ٹی پر کافی اثر و رسوخ تھا۔ مجھے جبری محنت کے کیمپ میں جا کر اپنے خاوند سے ملاقات کرنے کی اجازت مِل گئی۔

اور پھر چند ہفتوں بعد مَیں بذریعہ ریل گاڑی یُورال کیلئے روانہ ہو گئی۔ مَیں اپنے ساتھ بہت سا سامان لے چلی تھی۔ جو کچھ میرے پاس تھا وہ مَیں نے اپنے خاوند کیلئے گرم کپڑے، سگریٹ، تمباکو وغیرہ خریدنے پر صرف کر دیا۔ اتنی مدّت کے بعد خاوند کے ساتھ اپنی ملاقات کی وجہ سے مَیں سیرگی کی مسرت، اس کے بشاش چہرے اور خوشی کے چند لمحات کے تصوّر میں کھوئی ہُوئی تھی۔ شفیرڈلافسک کے بعد مَیں ایک چھوٹے سے سٹیشن پر اُتر گئی۔ موسمی بُوندا باندی ہو رہی تھی اور جہاں میں اُتری وہاں چاروں طرف سُنسان بیابان اور کیچڑ ہی کیچڑ تھا۔ جبری محنت کا کیمپ جہاں میں جا رہی تھی۔ یہاں سے کئی مِیل دُور تھا۔ بڑی مُشکل سے مَیں نے ایک کِسان کو اِس بات پر راضی کیا کہ وہ مجھے وہاں تک لے چلے۔ کِسان نے مجھے گاڑی میں بٹھالیا اور ہم گھنے جنگلات و خاردار جھاڑیوں کے بیچوں بیچ کافی دیر تک چلتے رہے۔ اور آخر ایک قسم کے ایک احاطے کے قریب پہنچے جہاں کہ بہت سی خالی زمین کے اِرد گِرد اُونچی اُونچی خاردار تاریں لگی ہُوئی تھیں۔

اِن تاروں کے پیچھے چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں والی بارکوں کی قطاریں تھیں۔ کُچھ پہریدار اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ ان میں سے کئی پہریداروں کے ساتھ شکاری کُتے تھے۔ مَیں

دروازے پر کھڑی کیمپ میں داخلہ کی اجازت کا انتظار کر رہی تھی کہ چار چار کی لائینوں میں تقریباً ۲سو قیدی مارچ کرتے ہوئے جنگلوں سے واپس کیمپ میں آئے۔ ان قیدیوں کی جو حالت تھی۔ اس حالت میں پہلے کبھی میں نے کسی انسان کو نہیں دیکھا تھا۔ یہ آدمی نہیں بلکہ چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے بھوت نظر آتے تھے۔

کیمپ میں داخل ہونے کی اجازت ملنے پر میں کیمپ آفس میں گئی۔ اور اپنے کاغذات پیش کئے۔ ایک جی۔ پی۔ یو۔ افسر نے مجھ سے میرا حسب نسب پوچھا اور پھر ایک عورت ایجنٹ نے میری تلاشی لی صرف کپڑوں کو ہی نہیں۔ میرے جسم کو بھی ٹٹولا گیا۔ میرے پاس جو پنسل اور کاغذ تھے۔ وہ چھین لئے۔ یہاں تک کہ میرے ہینڈ بیگ میں جو ایک چھوٹی قینچی تھی۔ وہ بھی نکال لی گئی۔ اس کے بعد کیمپ افسر نے مجھے بتایا کہ میں تمباکو سگریٹوں اور صابن کے سوا۔ کوئی چیز اندر نہیں لیجا سکتی۔

اندر لیجا کر مجھے ایک تنگ و تاریک کمرے میں بٹھا دیا۔ وہاں میں سیر گی کا انتظار کرنے لگی۔ دیواروں پر سٹالن ژدانوف سینکی اور یاگوڈہ کی تصاویر آویزاں تھیں۔ جن پر مکھیوں نے کالے کالے نشان ڈال دئے تھے۔ کمرے میں ایک موٹو بھی لٹک رہا تھا۔ جس پر "محنت کے ذریعے پنر جیون" کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ میں کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سیر گی کا انتظار کر رہی تھی۔ کہ میں نے ایک بوڑھے کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ جی۔ پی۔ یو کا ایک آدمی ریوالور تانے اس کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ بوڑھے کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ داڑھی کے بال نہ سیاہ تھے نہ سفید لیکن سر کے بال سفید ہو چکے تھے۔ اس کا چہرہ اسقدر مرجھایا ہوا تھا۔ کہ اسے دیکھ کر خوف آتا تھا۔ اسکی ایک آنکھ پر میلی سی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کی ساری شکل و صورت اس قسم کی تھی۔ جیسے وہ جہنم سے نکل کر آیا ہو۔ مجھے اس کی حالت دیکھ کر رحم آگیا۔ اور کیمپ افسر سے مخاطب ہو کر میں نے کہا۔

"دیکھئے کامریڈ۔ وہ جو بوڑھا آدمی ہے نہ۔ اسے یہ سگریٹ پہنچا دیجئے"

کیمپ افسر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اور زور سے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "کیا میں بیوقوف ہوں! تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو یا سچ مچ اپنے خاوند کو پہچان نہیں سکیں۔"

یہ الفاظ مجھ پر دہشت بن کر طاری ہو گئے۔ دروازہ کھلا اور وہی بوڑھا کمرے میں داخل ہوا۔ اور جب وہ قریب پہنچا تو میں یہ دیکھ کر سکتے میں آگئی۔ کہ وہ سچ مچ سیرگی تھا۔ ـــ لیکن خستہ تن۔ ضعیف اور محض نام کا انسان۔ یہ منظر ناقابلِ برداشت تھا لیکن ۔۔۔۔ میں نے آگے بڑھ کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اور دھیمی سی آواز میں کہا۔

"سیرلوزا۔ ڈارلنگ۔ سیرلوزا۔ تمہیں کیا ہوا؟"

وہ گھبرائی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسکے زخم خوردہ چہرے سے جذبات اُمڈ رہے تھے۔ اچانک گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ سسکیاں بھرنے لگا۔ میرے کپڑوں میرے گھٹنوں میرے ہاتھوں کو چومنے لگا۔ بڑی مشکل سے میں نے اُسے چپ کرایا۔ اور اپنے ساتھ بنچ پر بٹھا لیا۔ نصف رُوس کا سفر طے کر کے آنے کے بعد مجھے یہاں اپنے خاوند سے صرف ۱۰ منٹ تک ملنے کی اجازت ملی تھی۔ اور یہ کڑی پابندی تھی کہ ہم محض ذاتی معاملات کے علاوہ اور کسی موضوع پر بات چیت نہیں کر سکتے۔ اور ابھی ہم نے بیٹھ کر بات چیت شروع ہی کی تھی کہ پہریدار نے پکار کر کہا۔

"آپکا وقت پورا ہو گیا۔ اب ایک منٹ میں ایک دوسرے سے الوداع کہہ لو۔"

یہ سُن کر میرے کان کے پاس مُنہ لے جاتے ہوئے مظلوم سیرگی نے کہا۔

"پیاری ایلینا! اگر تم بچا سکتی ہو تو مجھے بچاؤ۔ یہاں زندگی اتنی زیادہ خوفناک ہے کہ باہر کی دُنیا میں کوئی اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے کبھی خواب میں بھی یہ نہ سوچا تھا۔ کہ انسان کو ایسی زندگی بھی گذارنی پڑ سکتی ہے۔ ہمارے ساتھ انسانوں جیسا نہیں حیوانوں جیسا سلوک ہوتا ہے۔ ہر روز قیدی مکھیوں کی طرح مر رہے ہے

ہیں۔ ہمیں پیٹا جاتا ہے اور بھوکوں رکھا جاتا ہے۔ ایلینا! ایلینا۔ مجھے بچاؤ۔ ایلینا"
سیرگی سے میں نے وعدہ کیا کہ میں جو کچھ بھی کر سکوں گی۔ کروں گی۔ اس انسانی کھنڈر کو دیکھ کر جو کبھی وقت میرا خاوند تھا۔ میں واپس خارکوف آگئی۔ اب جی۔پی۔یو۔ کا ایجنٹ بننے کے لئے میری تمام ہچکچاہٹ جاتی رہی تھی۔ میں اپنے وقار اور اپنی اخلاقی پاکبازی کو بچائے رکھنے کیلئے سیرگی کو اس انسانیت سوز کیمپ میں قید رکھنا برداشت نہ کر سکتی تھی۔ میں کامریڈ ٹی کے پاس پہنچی۔ اور سودا ہو گیا۔۔۔ میں نے جی۔پی۔یو کا ایجنٹ بننا منظور کر لیا۔ اور اس کے عوض وہ سیرگی کو رہا کرنے کیلئے تیار ہو گیا۔
ابھی دو ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ سیرگی گھر واپس آگیا۔ وہ ایک باہوش اور مہربان آدمی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اب اسکے لئے میرے دل میں صرف رحم ہے۔ اور وہ پرانی دلی محبت اب خارج از بحث ہے۔ ہمارے اس تعلق کا روسی حکومت نے خون کر دیا ہے۔ سیرگی نے کبھی مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے اسے جبری محنت کے کیمپ سے کیسے نکلوایا۔۔۔ شاید اس کے شکوک حقائق سے بھی زیادہ خوفناک ہوں۔
میں نے جو فیصلہ کیا وہ بہت بھیانک تھا۔ لیکن ڈارلنگ اگر تم نے جبری محنت کا کیمپ اور سیرگی کی حالت میں دہشتناک تبدیلی دیکھی ہوتی تو تم سمجھ سکتے کہ کئی سالوں کی مزاحمت کے بعد آخر مجھے کیوں جھکنا پڑا۔ میں تو ان ہزاروں لوگوں میں سے ایک ہوں۔ جنہیں مجبوراً جی۔پی۔یو۔ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ جس مکان میں جاتے ہوئے تم مجھے دیکھتے رہے ہو۔ وہاں جانے والوں میں سے کوئی بھی کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتا۔"
"تو تم اسی لئے ٹائپ رائیٹر ڈیسک آئی تھیں؟"
"ہاں۔ اور یہاں آنے کے ایک ماہ بعد اسی لئے تم سے ملی تھی۔ میں نے تمہارے ساتھ واقفیت پیدا ہونے کی رپورٹ کر دی تھی۔ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

لیکن اس کے سوا میں نے اب تک کچھ نہیں بتایا۔ ڈارلنگ۔"

"تمہارے افسروں نے بھی تمہیں میرے متعلق کچھ بتایا ہے؟"

"ہاں۔ لیکن اس میں کوئی ایسی بات نہیں۔ جہاں تک جی۔پی۔یو کا تعلق ہے تمہارا ریکارڈ بالکل صاف نظر آتا ہے۔ کیا تمہیں اب بھی اس بات سے حیرانی اور خوف آتا ہے۔ کہ میں ایک ایجنٹ ہوں؟"

"ہاں۔ میں اب بھی حیران اور خوفزدہ ہوں۔ اس صدمہ کو بھلانے میں کچھ وقت لگے گا۔"

باب نمبر ۱۲

انجینئر کے عہدے پر

گریجوایٹ ہونے کے امیدوار انسٹی ٹیوٹ کے آخری امتحان کیلئے زور شور سے تیاریاں کر رہے تھے۔ طلباء کے پڑھائی میں مصروف ہونے کے سبب انسٹی ٹیوٹ میں قدرے سکون تھا۔ شہر سے باہر ڈیوٹیوں اور چھانٹی کی وجہ سے ہماری پڑھائی پر کافی اثر پڑا تھا۔ اسلئے اب ہمیں پڑھائی کی طرف بہت زیادہ توجہ دینی پڑ رہی تھی۔

لیکن ایک دن یہ عارضی سکون ایکدم پھر درہم برہم ہو گیا۔ یکم دسمبر ۱۹۳۴ء کو

بہت دُور واقع شہر لینن گراڈ میں چلنے والی پستول کی ایک گولی نے ایک زلزلے کی طرح نائیپرو پیٹروفسک میں ہماری زندگیوں کو ہلا دیا تھا۔ یہ گولی سمالنی انسٹی ٹیوٹ میں بجاب لینن گراڈ میں پارٹی کا ہیڈ کوارٹر ہے ایک نوجوان کمیونسٹ نکولیئیف نے چلائی تھی۔ اور اِس سے پولٹ بیورو کا ممبر اور شمالی رُوس کا حقیقی ڈکٹیٹر سیرگی کیروف ہلاک ہو کر نکولیئیف کے قدموں پر آ گرا تھا۔ اُس ایک گولی کی گونج کئی سالوں تک پیدا ہوتی رہی۔ ہزاروں لاکھوں زندگیاں اُسکی وجہ سے تباہ ہو گئیں۔ کسی نامعلوم نوجوان کی اِس دہشت پسندانہ کارروائی کی وجہ سے خود مجھے کئی سالوں تک مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

پراپیگنڈا مشینری اپنی پوری شدت سے حرکت میں آ گئی۔ پارٹی کے لیڈر اور اُن کے اخبارات یہ بھول گئے کہ کل تک وہ اپنی پارٹی کے اندر خیالات کی ایکتا اور لاثانی اتحاد کا ڈھنڈورہ پیٹ رہے تھے۔ لیکن اب اُنھوں نے مجنونانہ انداز میں یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ پارٹی میں غدّار۔ باغی۔ دوگلے۔ دھوکے باز اور تخریب پسند گھسے ہوئے ہیں۔ یہ کہا جانے لگا کہ اُس سرمایہ دار دُنیا کی مدد سے رُوس کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں جو کہ روس پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ ہم میں سے سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ جانتے تھے کہ چنگیز خاں کے پیمانے سے بھی زیادہ خون خرابہ شروع ہونے والا ہے۔ ہمارا یہ خیال درست نکلا۔ اِس کے بعد کے چند سالوں میں سرکار کی طرف سے وہ وہ مظالم ہوئے جن کی مثال رُوس کی ساری تاریخ میں نہیں ملتی۔

اُوپر سے سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ دائیں اور بائیں دھڑے کی طرف سے پیدا کئے گئے کرائسس کو کچل کر رکھ دیا گیا تھا۔ اور سٹالن اب "متحد" پارٹی کے صاف و شفاف آسمان پر سورج کی طرح چمک رہا تھا۔ قحط کے جبڑوں اور

پولیس کے جبر و تشدد نے کسانوں کی قوتِ مزاحمت کو ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ صنعتی فروغ کی تباہ کن شدت۔ خوراک کی نایابی۔ اندھا دھند گرفتاریوں اور دیگر مصائب کے خلاف بغاوت کے چھپے پوسٹر بھی اب کہیں سننے میں نہیں آتا تھا۔ لیکن پارٹی اور ملک میں اندر ہی اندر ناراضگی کا جذبہ پھیل رہا تھا۔ ظاہراً بے نیازی اور خاموش مایوسی کی تہ کے نیچے بے چینی اور غصے کا لاوا اُبل رہا تھا۔

روسی عوام کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے دُنیا کے سامنے اُس وقت کے حالات کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ لوگ بے حس سے ہو کر یہ تمام مصائب برداشت کر رہے تھے۔ انقلاب کیلئے ۲۰ سال کی جنگ نے اُنہیں کمزور کر دیا تھا۔ کم خوراک ملنے کے سبب اُن میں وُہ طاقت نہ رہی تھی۔ اور منظم جبر و تشدد نے اُن کے حوصلے پست کر دئے تھے۔ اُن کی اس حالت پر زار پر جھوٹے سے بھرے ہوئے نعروں کا پردہ ڈال دیا گیا تھا۔ اور روسی عوام تمام دُنیا سے عملی طور پر کٹے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وُہ اس جبر و تشدد کے سامنے سر خم کرنے کو تیار نہ تھے۔ اور یہ کوئی اتفاق نہیں کہ اس جرم کا مرتکب نکولئیف اور اُس کے تمام ساتھی نوجوان تھے۔ اور اُن میں سے بیشتر طلبا تھے۔ روایتی طور پر روس کے اعلےٰ سکول انقلابی آدرش واد کی پرورش کرتے رہے ہیں۔ اُس وقت اس آدرش واد کو خلافِ انقلاب کہا جاتا تھا۔ لیکن اسکے باوجود یہ روایت برقرار تھی۔

لینن گراڈ میں ہونے والے اس قتل نے طلبا کے اندر اُمید کی کرن پھینک دی تھی۔ کیا یہ دہشت پسندانہ کارروائی سچ مُچ کسی عوامی تحریک کا پیش خیمہ ہے؟ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ جی۔پی۔یو اپنے تمام تالے بالنے کے باوجود خفیہ آرگنائزیشن کو جڑ سے اکھاڑنے میں ناکام رہی ہو؟ آخر ہم ایک ایسی قوم سے

تعلق رکھتے تھے۔جس کا ماضی خفیہ انقلابی مراکز۔سیاسی سازشوں اور آزادی کیلئے بم پھینکنے کی داستانوں سے بھرپور تھا۔

میرا ایک ہم جماعتی " ایم" اُن چند کمیونسٹوں میں سے ایک تھا جن کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے میں کئی بار سیاسی معاملات کے متعلق کھلے دل سے اپنی رائے ظاہر کر دیا کرتا تھا۔ ہمارے خیالات کافی مِلتے جُلتے تھے اسلئے جب۔کبھی ہم اکٹھے ہوتے تو ہم میں کھُل کر بات کرنے کی ہمت پیدا ہو جاتی تھی۔کیردف کے موت کے کچھ ہی دن بعد " ایم" نے مجھے ایک طالب علم اینڈری الیس کے مکان پر چند دوستوں سے ملنے کیلئے چائے پر بلایا۔میں اینڈری الیس کو بہت قریب سے نہیں جانتا تھا۔

اس ملاقات میں بات چیت سیاسی نوعیت کی اور میرے لئے بالکل نئی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ان لوگوں کا تو معمول ہی ہے۔ کچھ لمحہ بعد میری جھجھک بھی جاتی رہی۔کیردف کے قتل پر گرماگرم بحث ہو رہی تھی ہماری آوازوں میں زیادہ زور اور آنکھوں میں زیادہ چمک پیدا ہو رہی تھی۔کچھ دیر بعد کریملن کی زور زبردستیوں اور دبے ہوئے روسی عوام کی حالت زار کا قصہ شروع ہو گیا۔اس بات چیت کے دوران میں مَیں یوں محسوس کر رہا تھا۔ جیسے کہیں سے سُنے ہوئے الفاظ تحت الشعور سے نکل کر زبان کے راستہ باہر آ رہے ہیں۔یہ الفاظ غالباً اُس گرماگرم بحث کی بھولی بسری یاد تھے۔جو کسی وقت زارشاہی کے جبر و تشدد کے متعلق بابا اور اُنکے انقلابی دوستوں کے درمیان ہوئی تھی۔

ہماری بحث ابھی جاری تھی۔ اینڈری نے بھی اپنے خیالات ظاہر کرنے شروع کئے۔اُس نے کہا۔

"نکولیئیف کی گولی ——— ہمارے خیال میں تو یہ اشتعال انگیز اقدام ہے"

لفظ "ہمارے" مبہم سا تھا۔ مجھے اس بات کا کوئی بھی علم نہیں تھا کہ وہ یہ لفظ کن کیلئے استعمال کر رہا ہے۔ ذرا رُک کر اُس نے پھر کہا۔

"ہاں یہ ایک اشتعال انگیز اقدام ہے۔ سٹالن کو کسی ایسے بہانے کی ضرورت تھی جس کی بنا پر وہ پارٹی کے اختلاف رکھنے والے طبقہ کو کچل سکے۔ اب اُسے یہ بہانہ مل گیا۔ اب سوال نکولئیف کا نہیں۔ وہ اور اُس کے دوست تو ختم ہی سمجھے جانے چاہئیں۔ سوال یہ ہے کہ اب کریملن کے گروہ کو یہ موقع مل گیا ہے۔ کہ وہ اپنے ایک ایک نکتہ چین اور مخالف کو چُن چُن کر ختم کر دے۔

"میرے الفاظ کو یاد رکھنا ساتھیو! نکولئیف کی اس ایک گولی کی بدولت ہزاروں نہیں لاکھوں زندگیاں تلف ہونگی۔ اگر اب تک ہم کبھی پارٹی میں آزادی اور جمہوریت کا خواب دیکھا کرتے تھے۔ تو وہ خواب بھی اب ختم ہوا۔ آخری اُمید بھی ٹوٹ گئی۔ روس کی دھرتی عنقریب روسیوں کے خون سے سُرخ ہو جائے گی۔ اور موت یہاں راج کریگی۔"

جب میٹنگ ختم ہوئی تو پو پھٹنے کا وقت ہو چکا تھا۔ صبح کی دُھندلی روشنی میں برف کے تودوں میں سے ہوتا ہوا جب میں واپس جا رہا تھا۔ اُس وقت مجھے اپنے اس فعل کی نزاکت کا احساس ہوا۔ میں اُس قسم کی ایک سازشی میٹنگ میں شرکت کے جُرم کا ارتکاب کر چکا تھا جس قسم کی میٹنگوں کی بدولت ہزاروں روسی طلبا موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے تھے یا جیلوں میں بند تھے اگر حکّام کو اِس میٹنگ کا علم ہو گیا تو میرا بھی صفایا ہو جائیگا۔ اِس خیال سے میں کانپ اُٹھا۔

اُسی دِن ایک بجے کے قریب مجھے پارٹی آفس میں طلب کیا گیا۔ وہاں دیگر طلبا اور میرا دوست "ایم" بھی موجود تھا۔ آنیوالی مصیبت کے خیال سے

ہی میرا دل دھڑک رہا تھا۔ پارٹی کے سیکرٹری نے بڑی سنجیدگی کیساتھ دروازہ بند کیا۔ اور پھر ہماری طرف گویا ہوئے۔

"ساتھیو۔ میں آپکو ایک افسوسناک خبر سُنانے لگا ہوں۔ میں نے بہتر سمجھا ہے۔ کہ آپکو براہ راست اِس کی اطلاع دے دی جائے۔ آج صبح ہمارے ایک بہترین ساتھی نے اپنے کمرے میں خودکشی کر لی ہے۔ شائد اِس کی وجہ عشق و محبت یا کوئی اور ذاتی المیہ ہے۔"

"وہ ساتھی کون تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اینڈری ایس۔ وہ ایک اچھا طالب علم اور ایک اچھا ساتھی تھا۔ افسوس ہے۔۔۔۔" یہ کہکر سیکرٹری خاموش ہو گئے۔

کمرے سے باہر آکر "ایم" نے میرا ہاتھ زور سے تھام لیا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ غریب اینڈری نے رات جس زور کے ساتھ یہ الفاظ کہے تھے کہ "آخری اُمید بھی ٹوٹ گئی۔ رُوس کی دھرتی عنقریب رُوسیوں کے خُون سے سُرخ ہو جائیگی۔ اور موت یہاں راج کریگی" اُسے بھلایا نہیں جا سکتا۔ اُس کے یہ الفاظ مہینوں تک میرے ذہن میں گونجتے رہے۔

(۲)

ہمارا امتحان آیا اور ایک نئی پائپ رولنگ مشین جو میری اپنی ایجاد تھی۔۔۔ کا ڈیزائن اور اُسکی تشریح نہ صرف اعلےٰ قرار دیگئی بلکہ اُس قسم کی مشینیں تیار کرنے کے لئے حکومت نے میرے ڈیزائن کو اپنا لیا۔ اِس طرح سے

آخر کار میں انجنیئرنگ کا گریجوایٹ بن گیا۔ چند سال پہلے میں انجنیئرنگ گریجوایٹ کا ڈپلومہ حاصل کرنے کو ایک بڑی شان اور عظمت کی بات سمجھتا تھا۔ لیکن یہ احساس اب جاتا رہا تھا۔ دیہات میں ہونے والے مظالم، مختار کی تباہ کاریوں، پارٹی میں چھائی ہوئی اور ہر طرف پھیلی ہوئی برائیوں نے عظمت کے اس احساس کو ختم کر کے رکھ دیا تھا۔

میں ملازمت حاصل کرنے کے لئے روسی صنعت کے اعلےٰ ترین افسر کامریڈ آرڈزہونی کیڈزے سے براہِ راست درخواست کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے اُن کی دوستی سے فائدہ نہ اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے برعکس میں نے ملک بھر کیلئے سٹیل پائپ اور فولاد کا دیگر سامان بنانے والے میٹالرجیکل ٹرسٹ ٹروبوسٹل کی طرف رجوع کیا۔ اس کے افسر اعلےٰ جیکب آئیفانشینکو تھے جو کچھ عرصہ تک پیٹرونسکی لینن فیکٹری کے ڈائرکٹر رہنے کی وجہ سے مجھے اچھی طرح سے جانتے تھے۔ اُنہوں نے مجھے نکوپول کے نئے ملے جُلے میٹالرجیکل پلانٹ میں لگانے کا فیصلہ کیا۔

میں نکوپول جانے والی کشتی میں سوار ہو گیا۔ اور جب تک یہ کشتی نیپیر کے پانیوں میں دُور تک نہ چلی گئی ماما اور ایلینا کنارے پر کھڑی رومال ہلا ہلا کر مجھے الوداع کہتی رہیں۔ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ میری عمر اب ۴۲ برس کی ہو چلی تھی۔ جو بطور انجنیئر زندگی شروع کرنے کے لئے کافی زیادہ ہے۔ لیکن اس کے آغاز میں ہی میں اس کی انتہائی بلندی پر پہنچ رہا تھا۔ کیونکہ مجھے ایک بہت بڑے صنعتی پلانٹ کا چیف بنایا گیا تھا۔

نکوپول نیپیر کے کنارے آباد — گھنے جنگلات اور زیر کاشت کھیتوں سے گھرا ہوا ایک قدیم شہر ہے۔ یہ ایک ایسے علاقہ میں واقع ہے جو کہ فولاد بنانے کے سلسلہ میں کام آنے والی ایک ضروری دھات مینگنیز کی کانوں کے لئے عالمگیر شہرت رکھتا ہے۔ اس کے گرد و نواح میں لوہے کے کئی بڑے بڑے ذخیرے ہیں۔ جن کی بدولت یہ

میٹالرجی کا ایک قدرتی مرکز بن گیا ہے۔

لیکن بدقسمتی سے میٹالرجی پلانٹ شہر سے باہر کافی فاصلے پر لگایا گیا تھا۔ جہاں چاروں طرف خالی زمین کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہاں کے ۵ ہزار ورکر ابھی تک کچی بارکوں میں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ اگرچہ ان بارکوں کی حالت اب اُس وقت سے بہت بہتر تھی۔ جبکہ کچھ دیر پہلے میں ان کی حالت کو دیکھ کر دُکھی ہو اٹھا تھا۔ لیکن پھر بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بارکیں انسانوں کی نسبت مویشیوں کیلئے زیادہ موزوں تھیں۔

میرے لئے فیکٹری سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع ۵ کمروں والا ایک شاندار مکان الاٹ کیا گیا تھا۔ اعلیٰ ترین افسروں کیلئے اس قسم کے کل ۸ مکانات فیکٹری ایریا میں بنائے گئے تھے۔ مکان کے اندر نہانے کیلئے حوض بنا ہوا تھا۔ ایک ریڈیو تھا۔ اور ایک آئیس باکس ــــ ایک کار اور دو عمدہ گھوڑے میری سواری کیلئے موجود تھے۔ اگرچہ یہ سب چیزیں فیکٹری کی ملکیت تھیں۔ لیکن جب تک میں اس عہدہ پر رہا انہیں اپنی خواہش کے مطابق استعمال کرنے کا مجھے پورا پورا حق حاصل تھا۔ ایک شوفر۔ ایک سائیس اور گھر کے کام کاج کے لئے ایک کسان عورت مجھے نوکر کے طور پر ملی۔ اس عورت کی تنخواہ مجھے اپنی جیب سے ادا کرنی تھی۔ اور باقی دونوں نوکروں کو فیکٹری سے تنخواہ ملتی تھی۔

میں سنجیدگی سے یہ چاہتا تھا کہ فیکٹری ورکروں کے ساتھ کھلے اور دوستانہ تعلقات سے کام کروں۔ میں نے انہیں سمجھنے کی کوشش کی۔ ہر وقت ان کی مشکلات اور ان کی امیدوں کا خیال رکھا۔ لیکن میری پوزیشن کا ایک انجنیئر اگر ان میں گھل مل جاتا تو اُن کا دماغ بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس سے اُن کی سرپرستی کی بُو آنی لازمی تھی۔ اس کے علاوہ اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ دیگر افسر اس قسم کے میل جول کو ڈسپلن کیلئے نقصان دہ سمجھیں گے۔ تھیوری میں تو ہم مزدوروں کی طاقت کی

نمائندگی کرتے تھے لیکن عملی طور پر ہم افسر لوگ ایک علیحدہ طبقہ بن چکے تھے۔
وہی کامریڈ برلیشکو جو کسی وقت اس فیکٹری کی تعمیر کے انچارج تھے۔ اب یہاں ڈائرکٹر کے عہدے پر تعینات تھے۔ وقت کے دھاروں نے اُن کی طبیعت کے اکھڑپن کو کسی حد تک ختم کر دیا تھا۔ اور اب اُن کی طبیعت کچھ کچھ خوشگوار ہو گئی تھی۔ ٹیکنیکل افسروں میں صرف برلیشکو اور چیف انجینئر ہی میرے اُوپر تھے۔ سیاسی میدان کے بڑے لیڈروں میں فیکٹری پارٹی کمیٹی کے صدر الیگزنڈر کوزلوف اور ٹریڈ یونین کے چیئرمین کامریڈ سٹاروستن شامل تھے۔

ہم افسر اور لیڈر لوگ قدرتی طور پر زیادہ وقت اکٹھے رہتے۔ ہم ایک دوسرے کی خاصیتوں اور خامیوں کے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے۔ نکوپول سٹی کمیٹی کا سیکرٹری براڈسکی جسے میں نائیپروپیٹروفسک سے ہی جانتا تھا۔ بھی ہماری فیکٹری پر کڑی نگاہ رکھتا تھا۔ اور جہاں تک نکوپول کی خفیہ پولیس کے انچارج ڈوروگن کا تعلق ہے۔ اُسکی تو بے شمار آنکھیں ہماری نگرانی کر رہی تھیں۔ فیکٹری میں اُس کا سپیشل ڈیپارٹمنٹ خفیہ ڈیپارٹمنٹ۔ اور فیکٹری کے ہر حصّہ میں اُس کے پیشہ ور رضا کار اور کسی دباؤ کے زیرِ اثر مخبری کرنے والے ایجنٹ ہر وقت سرگرمِ کار تھے۔

حال ہی میں جی پی یو کا نام بدل دیا گیا تھا۔ اب اسے سٹیٹ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ (جی۔پی۔یو۔ یا او۔جی۔پی۔یو۔) نہیں بلکہ کمشنری برائے امور داخلہ اور چھوٹے لفظوں میں این۔کے۔وی۔ڈی کا نام دیدیا گیا تھا۔ پہلے اس کا نام چیکا تھا۔ پھر جی۔پی۔یو ہُوا۔ اور اب این۔کے۔وی۔ڈی۔ لیکن نام کی تبدیلی سے انقلاب کی اس ننگی تلوار کا عمل تبدیل ہُوا نہ اس کی شہرت میں کوئی فرق آیا۔

مقامی این۔کے۔وی۔ڈی یعنی خفیہ پولیس میں ہمارا تعلق اس کے چیف ڈوروگن کی نسبت اُنکے محنتی اسسٹنٹ گیرشگورن کیساتھ زیادہ تھا۔ کامریڈ

گیر شگونن بکوپول شہر اور نواحی علاقوں میں خفیہ پولیس کے اقتصادی ڈویژن کے انچارج تھے۔ صفاچٹ چہرے پر پہاڑ کی چوٹی کی طرح کھڑی ناک۔ اُبھرے ہوئے گوشت میں چھپی ہوئی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور بھدے نقش نگار والا یہ آدمی ہر لمحہ رُخ بدلتا رہتا۔ کبھی کسی کی توہین کر دیتا اور دوسرے ہی لمحہ اُسی کی تعریف کے پُل باندھنے لگتا۔ لیکن مجموعی طور پر اُس میں شرافت کا فقدان تھا۔ اگر نام کو بھی اُس میں انسانی شرافت تھی تو میں نے کم از کم اُن چند سالوں میں کبھی نہیں دیکھی جو کہ مجھے وہاں گذارنے پڑے۔

کوئی صنعتی عمل کبھی قطعی طور پر مکمل نہیں ہوتا۔ مشینیں ٹوٹتی ہی رہتی ہیں۔ مزدور غلطیاں کرتے ہی رہتے ہیں۔ تھکاوٹ کی وجہ سے وہ لاپروا بھی ہو جاتے ہیں۔ اور پیداوار گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ خاص طور پر جب کوئی فیکٹری ابھی بالکل نئی ہو تو اُس میں یہ سب باتیں ناگزیر ہوتی ہیں۔ اور اگر اُسکی ساری مشینری غیر ملکی ہو۔ اور دیہات سے نئے نئے آنے والے ناتجربہ کار مزدوروں کی اُس میں اکثریت ہو تب تو حالت اور بھی بگڑتی ہے۔ لیکن ہماری فیکٹری میں جب بھی کوئی ایسی بات ہوتی تو خفیہ پولیس کے آدمی بھاگتے ہوئے وہاں پہنچتے اور نہایت شد و مد سے اس تحقیقات میں مصروف ہو جاتے کہ اِسکی وجہ کہیں کوئی تخریبی کارروائی تو نہیں۔ خفیہ ڈیپارٹمنٹ میں کھلے بندوں پوچھ تاچھ ہوتی۔ خفیہ طور پر بھی لوگوں سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی اور ڈرا دھمکا کر بھی۔

شہر میں چکر لگاتے لگاتے ایکدن میں نے اپنی بوڑھی سیکرٹری تفینا کو بکوپول کی خفیہ پولیس کے دفتر سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ میرے کبھی وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ مجھ پر جاسوسی کر رہی ہے۔ (روس میں سیکرٹریوں کا بڑا کام اپنے افسروں پر جاسوسی کرنا بن چکا ہے) دوسرے ہی دن میں نے فیکٹری کے اسٹیبلشمنٹ

ڈیپارٹمنٹ کو لکھ بھیجا کہ اِس عورت کو میرے دفتر سے ہٹا دیا جائے اور کسی اور کو اِس کی جگہ بھیجا جائے۔ اگر وُہ آدمی ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

چند دِن بعد ۲۰، ۲۲ سال کا ایک آدمی اسٹیبلشمنٹ افسر کی طرف سے چِٹ لیکر میرے پاس آیا۔ اُسکی شکل و صُورت اور وضع قطع ایک خاص نوعیّت کی تھی۔ وُہ ایک بھُوت نظر آرہا تھا۔ چیتھڑوں میں لپٹا ہُوا ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ۔ پھٹے ہُوئے جُوتے۔ جگہ جگہ سے پھٹ پھٹ کر سِلی ہُوئی پتلون موٹے کپڑے کی بھدّی سی جیکٹ پہنے رُوس کے موجُودہ حالات میں وُہ ایک گداگر نظر آتا تھا۔ لیکن اُسکے بھُوک زدہ نقش ونگار اب بھی تیکھے اور کسی حد تک پُر کشش تھے۔ نیم سُرخ اور نیم سفید بال اِس کشش کو اور بھی زیادہ بڑھا رہے تھے۔

"مجھے معلوم ہے کامریڈ کرافشینا کو کہ مَیں کیا نظر آتا ہُوں" وُہ آدمی بولا۔ "لیکن مَیں درخواست کرتا ہُوں کہ آپ میری شکل و صُورت پر نہ جائیں۔ مَیں ابھی ۴ سال کی قید کاٹ کر جیل سے آیا ہُوں۔ اسٹیبلشمنٹ ڈیپارٹمنٹ کو اِس بات کا علم ہے آپ مجھے موقعہ دیں تو مجھے یقین ہے کہ میرا کام دیکھ کر آپکو اطمینان ہو جائیگا۔"

وُہ ایک تعلیم یافتہ آدمی کی طرح باتیں کر رہا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی میرے دِل میں اُس کے تئیں جو نفرت سی پیدا ہو گئی وُہ اب رحم کی شکل اختیار کرنے لگی شاید اِس بیچارے کو کسی خوفناک تجربے میں سے گذرنا پڑا تھا۔ مَیں نے گھنٹی دی اور چائے و سینڈوِچ منگوائے۔ اِنہیں کھاتے وقت اُس نے اپنے آپ کو قابو میں رکھنے اور آہستہ آہستہ کھانے کی بہت کوشش کی لیکن اُس کے انداز ظاہر کر رہے تھے کہ وُہ بہت زیادہ بھُوکا ہے۔ ہم باتیں ہی کر رہے تھے۔ کہ میرے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی ایک اور محکمے کا۔ ایک سرکردہ اور نیک خو افسر روڈانوف بول رہا تھا۔ اگرچہ روڈانوف پارٹی کا ممبر نہیں تھا پھر بھی کوزلوف سے لیکر نیچے تک فیکٹری کے سارے نظم و نسق کا

اعتماد اُسے حاصل تھا۔ ٹیلیفون پر اُس نے مجھ سے کہا۔

" وکٹر اینڈریو وِزح۔ اگر تم گروین کو جو اِس وقت تمہارے دفتر میں پہنچ چکا ہے۔ ملازم رکھ لو تو مَیں اِسے ایک ذاتی احسان مانوں گا۔ اپنی بدقسمتی کے باوجود یہ آدمی قابلِ اعتماد ہے۔

گروین کو باہر ویٹنگ رُوم میں بٹھا کر مَیں نے خفیہ پولیس کے دفتر میں ٹیلیفون کیا۔ دُوسری طرف سے گیرشگورن بول رہا تھا۔ چونکہ کئی اہم سرکاری فائلیں میرے سیکرٹری کے کمرہ میں رہتی تھیں۔ اِسلیئے میرا یہ فرض تھا کہ میں اِس آدمی کو رکھنے سے پہلے خفیہ پولیس کو اِس کی اطلاع دیتا۔ جب میں گیرشگورن کو ساری بات بتائی تو اُس نے مجھے ایک منٹ انتظار کرنے کیلیئے کہا چند لمحوں کے بعد پھر سے ٹیلیفون اُٹھاتے ہوئے اُس نے مجھے بتایا کہ اگر یہ آدمی دیگر پہلوؤں سے مجھے قابلِ قبول ہو تو اُسے میرے اِسے ملازم رکھ لینے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

میرے پاس ملازم ہونے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں گروین نے یہ ثابت کردیا کہ وُہ سمجھدار بھی ہے اور قابل بھی۔ اُس نے میرے کئی چھوٹے چھوٹے کام خود سنبھال لیئے اب جبکہ اُسکی ہڈیوں پر گوشت پھر سے آنے لگا تھا۔ اور اُسکی آنکھوں میں زندگی کی چمک پھر سے پیدا ہونے لگی تھی۔ اچھی پوشاک پہن لینے سے وُہ ایسے نظر آتا تھا جیسے اُس کا پنر جیون ہوا ہو۔ وُہ کام کیلیئے اکثر میرے گھر آتا۔ اور کئی بار کام ختم ہونے کے بعد مَیں خود اُسے موٹر پہ بٹھا کر اُسکے گھر چھوڑنے جاتا تھا۔

اِسی طرح کئی ہفتے گزر گئے ایکدن گروین صبح کام پر نہ آیا۔ میں نے سمجھا کہ شائد وُہ بیمار ہوگیا ہو۔ لیکن جب وُہ دُوسرے دِن بھی غیر حاضر رہا تو مجھے تشویش ہوگئی۔ اُسکے گھر پہ ٹیلیفون نہیں تھا۔ میں اپنی دراز میں پڑے ہوئے چند کاغذات نکال کر اُنہیں دیکھنے میں مصروف تھا۔ کہ مجھے اُن میں، ہاتھ سے لکھے ہوئے کُچھ کاغذ

ملے جو پن سے نتھی کئے ہوئے تھے۔ میں نے فوراً گرد مین کا دستخط پہچان لیا۔ ان کاغذات کے اوپر لکھے ہوئے چند الفاظ پڑھ کر ہی میں نے ان خطوط کو باہر نکالنے سے گریز کیا۔ لکھا تھا۔

ڈیئر کامریڈ اینڈری وچ۔

" جب آپ یہ الفاظ پڑھیں گے اُس وقت میں نکو پول سے جا چکا ہوں گا۔ میں جبر و تشدد کی اس دھرتی سے فرار ہو جانا چاہتا ہوں۔ غلامی کی زندگی سے تو موت ہی..... اچھی ہو گی . . . "

اِن الفاظ سے میری دلچسپی بڑھ گئی۔ میں نے اُٹھکر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اور پھر عینک چڑھا کر اس خط کو پڑھنے لگا۔ یقیناً یہ ایک غیر معمولی دستاویز تھی۔ اگرچہ اس کے تمام الفاظ تو مجھے یاد نہیں لیکن اِن کا لُب لباب ابتک میرے ذہن پر منقش ہے۔ جو کچھ اسطرح ہے۔

" آپ نے جو کچھ میرے لئے کیا اُسکے لئے ایک صحیح معنوں میں روسی دل اپنی گہرائیوں سے آپ کا مشکور رہے۔ میں سمجھتا تھا کہ انسانیت مر چکی ہے اور اب کبھی زندہ نہیں ہو سکتی۔ لیکن آپ نے مجھ پر جو مہربانیاں کیں اُنہوں نے مجھ میں انسانیت کا احساس پھر سے پیدا کر دیا ہے۔ اور میں نے فرار ہونے کا جو فیصلہ کیا ہے درحقیقت اُس کی ایک بڑی وجہ آپکی یہ مہربانیاں ہیں۔ اگر خدا نے ساتھ دیا تو میں سرحد پار کر جاؤں گا۔ اور اگر پکڑا گیا۔ تو میرا گولی سے اُڑا دیا جانا یقینی ہے "

مجھے روسی نظام سے نفرت ہے۔ اور اسکی پولیس سے انتہائی نفرت۔ اگرچہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔۔۔ بشرطیکہ آزادی سے محبت کرنا جرم نہ ہو۔ پھر بھی میں اُسکے ٹارچر اور جیل کی کال کوٹھڑیوں کا شکار رہا ہوں۔ جب مجھے رہا کیا گیا۔ تب میں نے محسوس کیا۔ کہ میری آزادی دیرپا نہیں ہو گی۔ اور جب تک

میں اپنے آپ کو مار پیٹ کرنے والوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ مجھے کوئی کام بھی نہیں ملیگا۔

جس دن میں آپ کو ملا اُس سے پہلی شام کو ہی میں سرکاری حکم کے مطابق جبری محنت کے ایک کیمپ سے رہائی کے بعد نکوپول پہنچا تھا۔ سیدھا میں خفیہ پولیس کے دفتر میں گیا جہاں مجھے گیر شنگورن کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ وہاں سے میں آپ کے پاس آیا۔ روما نوف کی سفارش اور باقی تمام باتیں اُس نفرت انگیز ڈرامے کا حصہ تھیں۔ جو کہ آپکو شکار بنانے کیلئے کھیلا گیا۔

میں نے بطور جاسوس کام کرنے میں کوئی ہرج نہ سمجھا مجھے تمام کمیونسٹوں سے نفرت تھی۔ اور میں نے کچھ کمیونسٹوں کو مشکل میں ڈال کر اپنا بدلا چکانے کے لئے اس موقع کو غنیمت جانا۔ آپکو میں نے اپنا پہلا شکار بنانا چاہا۔ لیکن جلد آپکے تئیں میرے دل میں جذبۂ انتقام کی جگہ احترام پیدا ہوگیا۔ میں نے جو کچھ کرنے کی ٹھانی اُس پر میرے دل نے مجھے لعن طعن کی۔

میں آپکو مطلع کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ آپکے پاس ملازمت حاصل کرنے کے بعد آپکے متعلق میں خفیہ پولیس کا سب سے بڑا مخبر بن گیا تھا۔ جب کوئی آدمی ایک بار این۔ کے۔ وی۔ ڈی کے ذبح خانہ سے ہو آئے۔ تو خفیہ پولیس کے لوگ اُسے معتبر سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ شیطان سمجھتے ہیں کہ ان ذبح خانوں کا خوف اُن انسانی آلات کو اُن کے وفادار رکھے گا۔ ہر روز خفیہ پولیس کے تمام ایجنٹ جو آپ کے پلانٹ اور دفاتر میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اپنی رپورٹیں مجھے پہنچاتے تھے۔ اور میں ہفتہ میں تقریباً ایک بار آپ کی باتوں۔ آپکے دوستوں۔ آپکے چہرے کے تاثرات اور آپکے پلانٹ کے کام میں خامیوں کے متعلق ایک جامع رپورٹ تیار کر کے اُوپر بھیجا کرتا تھا۔

اگرچہ تمام جاسوس ایکدوسرے کو نہیں جانتے تھے لیکن میں اُن سب کو جانتا تھا۔

آپکی ہمدردی کے احسان چکانے کیلئے میں یہی کر سکتا ہوں۔ کہ ان سب کے نام آپکو بتا دوں"

اس کے بعد جاسوسوں کے ناموں کی ایک فہرست تھی۔ اس میں رودمانوف کا نام بھی شامل تھا ۔۔۔ وہی خوش مزاج رودمانوف جسے ہم سب اسکی نرم دلی اور شفیق طرز عمل کیلئے پسند کرتے تھے۔ اور اس پر اعتماد کرتے تھے۔ اس فہرستا میں پلانٹ میں کام کرنے والے میرے کئی ساتھی۔ فورمین۔ عام کاریگر اور کلرک بھی شامل تھے۔ اس فہرستا کے بعد گردین نے لکھا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اس خط پر بھی کسی چال کا شبہ کریں گے۔ اس کیلئے میں کچھ الزام نہیں دیتا۔ میں صرف خدا اور اپنی خدا پرستانہ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ درست ہے۔ میں نے اپنے اس گناہ کا پشچاتاپ کرنے کی کوشش کی۔ جبکہ میں ایک ایسے آدمی پر ہفتوں جاسوسی کر کے گناہگار ہوا ہوں جو کہ مجھ پر مہربان تھا اور جس نے مجھے انسانیت کی مثال دکھائی ہے۔ اب آپ مجھ پر یقین کریں یا نہ کریں۔ یہ آپکا کام ہے۔

اگر آپ نے یہ خط گیر شگورن کے حوالے کر دیا۔ تو وہ مجھے جھوٹا قرار دے گا۔ اور ساتھ ہی اپنے تمام مخبروں کو بدل دے گا۔ لیکن اگر آپ مجھ پر یقین کر سکتے ہیں تو اس خط کو ضائع کر دیں۔ اور میرے اس پراسرار فرار پر افسوس اور ناراضگی ظاہر کریں۔ تب انہیں کبھی یہ شبہ نہیں ہوگا کہ میں نے انہیں دھوکہ دیا ہے۔

آپ چاہے کچھ فیصلہ کریں۔ لیکن میں آپکو آپکی عزیز ترین شئے کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ آپ میری غیر حاضری کی رپورٹ کرنے سے پہلے کم از کم ایک دن کے لئے میری چھٹی لگا دیں۔ اسی ایک بات پر میری زندگی اور موت کا انحصار ہوگا۔ میں آپ کو جھک کر پرنام کرتا ہوں ڈیئر وکٹر اینڈریوچ"

کسی اندرونی احساس نے مجھے اس مفرور کی باتوں پر یقین کر لینے کی ترغیب دی۔ گذشتہ ہفتوں میں اپنی کھلی بات چیت میں اُس نے جس قسم کے ذہنی رجحان کا مظاہرہ کیا تھا۔ اُسکی وجہ سے مجھے اُس کی باتوں پر اعتبار آ گیا۔ لیکن اس احساس کے ساتھ ساتھ جب میں گروبین کے خط سے مخبروں کے نام نقل کر رہا تھا۔ تو مجھے یہ بھی خیال آیا کہ ایسا کر کے میں اپنی زندگی تک کی بازی لگا رہا ہوں۔ اس کشمکش میں میں نے خط کو جلا دیا اور اُسکی راکھ کا ذرّہ ذرّہ اپنے کمرے سے ہٹا دیا۔

شام کے وقت میں نے ایک چپڑاسی کو گروبین کے مکان پر بھیجا۔ دوسرے دن صبح آ کر اُس نے مجھے بتایا کہ جس کنبے کے ساتھ گروبین رہتا تھا اُس کا کہنا ہے کہ وہ گذشتہ دو دن سے گھر نہیں آیا۔

اس بات کو ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گذرا تھا کہ ایک باوردی سپاہی کے ساتھ گیرنگورن خود غصّہ میں بھرا ہوا میرے کمرے میں آ پہنچا۔ اُنہوں نے مجھ پر کئی قسم کے سوالات کیئے۔ گروبین کے میز کے درازوں کی تلاشی لی۔ اور چلے گئے گروبین فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا یا نہیں۔ اس بات کا مجھے کبھی پتہ نہیں چل سکا۔

مجھے اپنے اردگرد جمع جاسوسوں کا پتہ چل جانے سے کافی مدد ملی۔ اس سے میں اپنے آپ کو اور کئی بار کئی دوسرے لوگوں کو بچانے میں بھی کامیاب ہو گیا۔

باب نمبر ۱۳

تیز — اور تیز

۱۵ ستمبر ۱۹۳۵ میں ڈونٹیز کے کوئلے کے میدانوں میں ایک معجزہ ہوا۔ سٹاکھنیف نام کے ایک مزدور نے ایک شفٹ میں ۱۰۲ ٹن کوئلہ کھودا۔ جو کہ کسی عام کان کن کے کام سے ۱۴ گنا تھا۔ اس معجزہ کا جس شدت اور گرمجوشی کے ساتھ سواگت کیا گیا۔ شاید بہت کم واقعات کا ہوا ہوگا۔ اس کے بعد یہ نعرہ لگنے لگا۔ کہ سٹاکھنیف نے جو کچھ کیا ہے۔ دوسرے کان کن بھی کر سکتے ہیں۔ اور جو کان کن کر سکتے ہیں وہ صنعتیں کیوں نہیں کر سکتیں۔

ان دنوں ہمارے کارخانے سال میں چھ مہینے سے کم کام کیا کرتے تھے۔ کام کی تین شفٹیں ہوتی تھیں۔ ان میں کام کرنے والے مزدوروں اور مشینوں پر اور زیادہ بوجھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔ ہم ریکارڈ توڑنے کی سپرٹ میں نہیں، بالکل ٹیم سپرٹ میں کام کیا کرتے تھے۔ کیونکہ پیداوار کی رفتار کو برقرار رکھنے کے لئے ٹیم سپرٹ ضروری تھی۔ لیکن اوپر سے حکم آنے لگے اور حکم آخر حکم ہیں۔ پارٹی لیڈر کوزلوف اور ڈائرکٹر برٹ نے انجنیئروں اور محکمانہ افسروں کی میٹنگ بلائی۔ سٹی کمیٹی کی طرف سے کامریڈ

براڈسکی میٹنگ میں موجود تھے۔ براڈسکی اور کوزلوف چونکہ حکومت کے جی حضوریئے تھے۔ اِسلیئے وُہ چاہتے تھے کہ ہمارے پلانٹ میں بھی سٹاکھنوف کی طرح کام ہو۔ بریغیکو ایک حقیقت پسند صنعت کار ہونے کے ناطے میری طرح ہی اس خیال کو غلط سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ ہم سٹاکھنوف کی طرح کسی بھی حالت میں کام کی رفتار کو بڑھانے کیلئے قدم اُٹھائیں۔ چاہے مال کی کوالٹی پر اِس کا کچھ اثر پڑے۔

اس میٹنگ کے بعد مجھے مجبور ہو کر اپنے پلانٹ میں بھی کام کی رفتار کو مصنوعی طور پر تیز کرنا پڑا۔ اگرچہ ذاتی طور پر میں اسے مزدوروں اور مشینوں کے ساتھ ایک ظلم سمجھتا تھا۔ پارٹی کمیٹی کے حکم پر میں نے اپنے پلانٹ میں کام کرنیوالے مزدوروں کو از سرِ نو منظم کیا۔ اور بہترین مزدوروں۔ فورمینوں اور انجنیئروں کو چُن کر ایک شفٹ میں لگا دیا۔ اس کے بعد ہم نے بہترین خام مال اور مشینیں و آلات منتخب کیے اور اُنہیں سپیشل شفٹ کیلئے ریزرو کر لیا۔ اور اسطرح تیاریاں مکمل کرکے ہم نے کام کی رفتار بڑھانے کا کھیل شروع کر دیا۔

ایک رات کو ۱۱ بجے اِس سپیشل شفٹ نے کام شروع کر دیا۔ اِس موقع پر اخباری نامہ نگار اور فوٹو گرافر بھی موجود تھے۔ اور توقع کے مطابق اِس نے ۸۰ فیصدی زیادہ مال تیار کیا۔ دُوسرے روز اخبارات میں بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ ہمارے پلانٹ کی خبریں شائع ہوئیں۔ اور راجدھانی سے بڑے صاحبوں کے مبارکبادی . . . پیغامات آنے شروع ہو گئے۔

لیکن صنعتی محاذ پر فتح حاصل کرنے کے باوجود اِس سے میرا دِل ٹوٹ گیا۔ کیونکہ درحقیقت یہ سب کچھ ایک فراڈ تھا۔ اِس فتح کی بُنیادیں کھوکھلی تھیں۔ درکروں کو اِس معاملہ میں جو شبہات تھے۔ اُن کے صحیح ثابت ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔

اچانک ایک دن حکم آگیا کہ ورکر جو تنخواہیں لے رہے ہیں۔ یہ انہیں اسی صورت میں مل سکتی ہیں۔ اگر وہ اپنے موجودہ کام سے ۱/۲ ۲۴ فیصدی زیادہ کام کریں اور اتنی پیداوار بڑھائیں۔

اس حکم پر غور کرنے کے لئے میرے سب پلانٹ کے ورکروں کی ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں ورکر خاموش اور افسوس زدہ سے بیٹھے ہوئے تھے انہیں میٹنگ کی کارروائی میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہاں کارروائی میں جس وقت سٹالن کا نام آتا وہ تالیاں بجا دیتے۔ میٹنگ میں سپیشل شفٹ کے کارناموں کی ایک رپورٹ پڑھ کر سنائی گئی اور کام کے نئے کوٹے کا اعلان کیا گیا۔ ووٹنگ شروع ہوئی۔ اور اس کوٹے کے حق میں بیشمار ہاتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن مخالفت کے لئے کوئی ہاتھ نہ اٹھا۔ میٹنگ میں خاموشی طاری تھی۔ کہ اچانک ایک عورت نے صدر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "کامریڈ چیرمین۔ دیکھئے ادھر کریوشکن نے ووٹ نہیں دیا۔"

ان الفاظ نے پہلی مرتبہ میٹنگ میں زندگی پیدا کر دی۔ ہمارے درمیان ایک "باغی" موجود ہے! بھیڑ کے لباس میں بھیڑیا چھپا ہوا ہے! کریوشکن۔ باغی ــــــ وہ کوئی بھی ہو اس نے اپنا ہاتھ کھڑا نہیں کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی سوشلزم کے خلاف اسکے جرم کا ثبوت مل گیا تھا۔

وفاداروں کی ہوشیاری اور باخبری نے "بغاوت" کا بروقت پتہ چلا کر ملک کو بچا لیا تھا۔۔۔۔۔۔

"کامریڈ کریوشکن۔ کیا آپ ووٹ نہیں دے رہے ہیں" چیرمین نے کانپتی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

"میں ووٹ کیوں دوں؟" کندھوں کو جھٹکا دیتے ہوئے یہ دبلا پتلا اور

مرجھایا ہوا سا آدمی بولا۔ اُس کے چہرے پر تیل کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ سکون تھا۔ اور آواز پر وقار تھی۔ اُس نے کہا۔

"کسی طرح بھی ہو کام کا یہ کوٹا پاس ہو جائیگا۔ مجھے فقط کام کرنا ہے اور میں کام کرتا ہوں۔ اور آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیا یہ کہ میں اپنا ہاتھ کھڑا کروں؟ اچھا۔ لیجئے میں ہاتھ کھڑا کر دیتا ہوں۔" اور یہ کہتے ہوئے اُس نے ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔

کچھ لوگ ہنسنے لگے۔ لیکن عام طور پر حاضرین خاموش تھے۔ اور جس انداز میں بولنے والے نے مندرجہ بالا الفاظ کہے تھے۔ اُس نے اُن پر سکتہ سا طاری کر دیا تھا۔۔۔ "کامریڈ کرپوتشکن دلیل بازی سے ستاخنوف کی طرح کام کی رفتار بڑھانے کی تحریک پر کیچڑ اچھال رہے ہیں"، کسی نے غراتے ہوئے کہا۔ "ان میں طبقاتی بیداری نہیں ہے۔"

"طبقاتی بیداری؟" کندھوں کو جھٹکا دیتے ہوئے کرپوشکن پھر بولا ابھی تک وہ اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ اس سے آپ کی مراد کیا ہے۔ ہاں میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ مجھے ہر مہینے صرف ۱۴۰ روبل ملتے ہیں۔ اور مجھے ۴ بچوں اور ایک بیوی کا پیٹ بھرنا ہوتا ہے۔"

چیئرمین بات بڑھنے دینا نہیں چاہتے تھے۔ کرپوشکن کو ٹوکتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔

"کافی تماشہ ہو چکا۔ آئیے اب اس ریزولیوشن کو پاس کر دیں۔"

لیکن جسارت اور دلیری اس نحیف اور کمزور مزدور کرپوشکن کے قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ اُس کے جذبات بھڑک اٹھے تھے۔ غیر متوقع طور پر اپنی آواز بلند کرتے ہوئے اُس نے کہا۔ "تماشے سے مطلب؟ اِدھر دیکھئے

میرے پاس کام پر آنے کیلئے یہی ایک سوٹ ہے - جو میں پہنے ہوئے ہوں - عنقریب یہ بھی پھٹ جائے گا - ۲۴۰ روبل سے میرے کنبے کا پیٹ نہیں بھرتا - وہ بھوکا رہتا ہے - اگر یہ تماشہ ہے تو پھر المیہ کیا ہے ؟

یہ کہتے ہوئے وہ بیٹھ گیا - لوگ یہ باتیں سن کر ہنسنے لگے - اور میٹنگ قہقہہ زار بن گئی -

میرے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ میں انجینیئرنگ کے نقطۂ نگاہ سے حاضرین پر یہ واضح کروں کہ کام کا نیا کوٹہ نہ صرف پورا ہو نا ممکن ہے بلکہ مناسب بھی ہے - میرے پاس یہ ڈیوٹی سر انجام دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا -

بولتے بولتے جب الفاظ کی روانی تیز ہوئی تو میرے تحت الشعور میں بار بار یہ خیال ابھر رہا تھا کہ مجھے کرپوشکن کی مدد کرنی چاہیئے - - - -

(۲)

یہ وہ دن تھے جبکہ کام کی رفتار کو تیز ہونے سے روکنے اور پیداوار کو جوں کی توں رکھنے کی کوششوں کے مفروضہ الزامات میں ہر روز انجینیئروں اور منتظمین کو سزائیں دی جا رہی تھیں - بطور ایک طبقہ انہیں دھتکارا جا رہا تھا - پارٹی کے عہدیدار اپنی چمڑی بچانے کیلئے اس کھیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے - اور ہمارے اختیارات دن بدن کم ہوتے جا رہے -

اہلیت کے نام پر سیاست ہمارے کام میں گھس آئی تھی - انجینیئروں اور منیجروں کے خلاف خالص ٹیکنیکل معاملات میں بھی کمیونسٹ ایجنٹوں اور پولیس افسروں

کی بات کو ہی درست مانا جاتا تھا۔

میرے سب پلانٹ کی ایک جرمن مشین ٹوٹ گئی تھی۔ اور اسی مشین کے کیس نے میرے کئی ہفتے ضائع کر دیئے۔ مشین کا بڑا بیرنگ ٹوٹ گیا تھا۔ اور اس کی گم نا بیرنگ فٹ کرنے کی تمام کوششیں ناکام رہی تھیں۔ اس وجہ سے میرے سب پلانٹ کی ایک ورکشاپ تین چار دن تک بند رہی۔ اس عرصہ میں مشین ٹوٹنے کے سلسلہ میں تحقیقات کیلئے آنے والی پولیس اور شکی مزاج افسروں نے ہمارے کان کاٹ کھائے۔ مشین ٹوٹنے کی وجہ کے سلسلہ میں تحقیقات کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ رات کو روشنی کم ہونے کی وجہ سے کسی کاریگر نے غلطی سے دوسرے قسم کے فولاد کا ٹکڑا مشین میں لگا دیا ہے۔ جس سے کہ اس کا بیرنگ ٹوٹ گیا ہے۔

لیکن اقتصادی ڈویژن میرے اس جواب سے مطمئن نہیں تھا اسے تخریبی کارروائی کا شبہ تھا۔ اس نے خود فولاد کا معائنہ کرایا۔ درجنوں ورکروں سے پوچھ تاچھ کی۔ باہر سے ماہرین بلوائے۔ اور نامور وپیٹروفسک انسٹی ٹیوٹ کے ایک میٹالرجی پروفیسر سے رپورٹ مانگی۔ چونکہ میری اور ان سب لوگوں کی رپورٹیں کم و بیش ملتی جلتی تھیں۔ اس لئے اس سے پولیس کو بہت حیرانی ہوئی۔ وہ اسے ایک نہائت عجیب بات سمجھتی تھی۔

ایک دن کامریڈ آرڈزہونی کڈز کی طرف سے مجھے ایک ہنگامی آرڈر موصول ہوا۔ کہ حکومت کو جستی پائپ کی ضرورت ہے۔ اس قسم کا پائپ تیار کرنے کے لئے ہماری فیکٹری میں پوری مشینری نہیں تھی۔ اس کے علاوہ ہمیں اس کام کا تجربہ بھی نہ تھا۔ اسلئے ہم نے کام تو شروع کر دیا لیکن ساتھ ہی حکام کو متنبہ بھی کر دیا کہ وہ زیادہ توقع نہ رکھیں۔ ہماری مدد کیلئے ماسکو سے ایک خاص بریگیڈ آیا جس میں اس پائپ کی صنعت اور کیمیکل انڈسٹری کے ماہرین شامل تھے جہاں کہ

یہ پائپ استعمال کیا جاتا تھا۔ اس بریگیڈ میں متوشینکو نام کا ایک دبلا پتلا
نوجوان میٹالرجیکل سپیشلسٹ بھی شامل تھا۔ جس نے آنکھوں پر چشمے چڑھائے
ہوئے تھے جس کے بال اسی عمر میں سفید ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اور جو مستقل طور پر
غمزدہ سا نظر آتا تھا۔ کہ وہ ایک مشہور پروفیسر متوشینکو کا بیٹا تھا جو کہ ان
دنوں امریکہ میں رہتے اور وہیں اپنا کام کرتے تھے۔

بالآخر ہم نے ٹیکنیکل مسائل کو سلجھا لیا، جستی پائپ تیار ہوا۔ اور کیمیرو فو
کیمیکل پلانٹ نے اسے بالکل ضرورت کے مطابق قرار دیکر قبول کر لیا۔ ہم سب کو اچھے
بونس دیئے گئے۔

لیکن گیر شگوران اور اس کے ساتھیوں نے ہر جگہ کی طرح یہاں بھی آ ٹانگ اڑائی۔
ان کا نشانہ متوشینکو اور فار کونسٹرسٹ کی طرف سے بھیجے گئے کچھ انجینئر تھے۔ ایک
روز آدھی رات کے وقت ہنگامی میٹنگ بلائی گئی اور گیر شگوران نے مجھ پر اپنا قہر
نازل کرتے ہوئے استفسار کیا کہ میں ایک مفرور کے بیٹے کو پناہ کیوں دے رہا ہوں
اس نے کہا: "کیا تم نہیں جانتے کہ متوشینکو کا اپنے باپ کے ساتھ تعلق ہے جو کہ
سرمایہ داروں کے ہاتھ فروخت ہو چکا ہے"

جب گیر شگوران کو سمجھانے بجھانے کی تمام کوششیں بیکار ہو گئیں تو تنگ
آ کر میں نے دھمکی دی کہ میں ابھی آرڈژونی کڈزے کو ٹیلیفون کر کے اپنے کام میں پولیس
کی بے جا مداخلت کی شکایت کر دوں گا۔ اس دھمکی کو سن کر گیر شگوران ٹھنڈا پڑ گیا۔ ان
حالات میں جہاں کہ اعلیٰ حلقوں میں اثر و رسوخ نہ رکھنے والا کوئی بھی انجینئر اب تک
کب کا جیل یا جبری محنت کے کیمپ میں بھیج دیا گیا ہوتا۔ مجھے سب سے بڑا
فائدہ یہ تھا کہ ایک بہت طاقتور آدمی میرا سرپرست تھا۔

۱۹۳۶ء کے آغاز میں کامریڈ آرڈژونی کڈزے نے مجھے ماسکو طلب کیا۔ میں

نے اسے اپنی خوش قسمتی سمجھا کیونکہ ان دنوں خفیہ پولیس کے ساتھ میرے تعلقات بے حد نازک ہو چکے تھے۔ میں بے گناہ لوگوں کو یوں ہی پھنسانے یا پولیس کی سختیوں میں اُس کا ساتھ دینے سے انکار کرتا تھا۔ اور اس وجہ سے نکوپول میں میری زندگی ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی۔ ماضی میں میں نہایت دلیری اور جرائت کے ساتھ تمام حقائق صنعتی کمشنر کے سامنے رکھتا رہا تھا اور اب مجھے پھر اپنی جرأت کو آزمانے کا موقع ملا تھا۔

ماسکو پہنچ کر آرڈزہونی کڈز سے ملاقات ہوئی اور کچھ رسمی الفاظ کے تبادلہ کے بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے وہاں کیوں بلایا گیا تھا۔ باکو آئل انڈسٹری کیلئے سپیشل قسم کے پائپ کی بہت سخت اور فوری ضرورت تھی۔ آئل پلانٹ کا سارا دارو مدار یہ پائپ تیار ہونے کی رفتار پر تھا۔

"میں نے اس کام کے لئے تمہیں منتخب کیا ہے دوست"۔ آرڈزہونی کڈز نے کہا۔ "کیونکہ میں تم پر انحصار رکھ سکتا ہوں۔ تمہیں ضرورت کے مطابق تمام آلات کاریگر اور دیگر سامان مل جائے گا۔ اگر تم اس کام میں کامیاب ہو جاؤ تو ایک موٹر کار اور سرٹیفکیٹ دونوں تمہیں انعام میں ملیں گے۔ اور تمہارے تمام ساتھیوں کو بونس ملے گا۔"

کامریڈ آرڈزہونی کڈز اپنی بات ختم کر چکے تو میں نے جواب دیا۔

"یقیناً" میں جو کچھ کر سکتا ہوں کروں گا۔ مجھے اس بات پر خوشی ہے کہ آپ کو ہمارے پاس کچھ آلات موجود نہ ہونے کا احساس ہے۔ لیکن کامریڈ۔ میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے خفیہ پولیس کی مداخلت کے ماتحت کام کرنا پڑ رہا ہے جو کہ زندگی کو ناممکن بنا دیتی ہے۔ مجھے اس مداخلت سے بہت زیادہ مایوسی ہوتی ہے اور دل ٹوٹ جاتا ہے۔

"کیا مطلب؟" آرڈزہونی کڈز نے پوچھا۔ میں نے خفیہ پولیس کی سختگیری اور ورکہ وال وا انجنیئروں کو تنگ کرنے اور اُنکے ہر کام میں مداخلت کرنے کے فوبیا کی تفاصیل بیان کرنی شروع کر دیں جنہوں نے کہ میری فیکٹری اور نکوپول کی دوسری تمام فیکٹریوں کو جہنم بنا کر رکھ دیا تھا۔

میری باتیں سُن کر آرڈزہونی کڈز کسی زبردست پیچ و تاب میں مُبتلا ہو گئے۔ اپنے ہونٹ کاٹنے لگے۔ گذشتہ ایک دو سال میں ہی وہ کافی بُوڑھے ہو گئے تھے۔ وہ پہلے کی طرح بہت جلد مُسکرا نہیں سکتے تھے۔ نہ اُن کے چہرے پر اعتماد تھا۔ اور نہ قوت کے آثار۔

"خاموش ـــــ میرے دوست۔" اُنہوں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "تمہارے قول و فعل میں فرق نہیں۔ اسلئے میں تمہیں بُرا نہیں سمجھتا۔ لیکن دُنیا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنہیں آدمی وہاں سے نہیں دیکھ سکتا جہاں کہ وہ بیٹھا ہو۔ میں تم سے یہ بات نہیں چھپاؤں گا۔ کہ تمہاری ہی طرح سینکڑوں دیگر سرکردہ انجنیئروں اور پارٹی ممبروں نے اسی دفتر میں یہی شکایت کی ہے۔ ہاں۔ جہاں تک تمہارے ذاتی کیس کا تعلق ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک تم ایمانداری سے کام کرتے ہو۔ کوئی تمہیں تنگ نہیں کریگا۔ یہ میرا تمہارا وعدہ رہا۔"

میں ابھی وہاں بیٹھا ہی تھا کہ اُنہوں نے نائیپر وپیٹر وفسک ریجنل کمیٹی کے سیکرٹری کامریڈ ہیشیٹی رنیج کو جن کی "سلطنت" میں کہ نکوپول واقع تھا ٹیلیفون کیا۔ اور میری موجودگی میں نہائت سختی سے اُنہیں سرزنش کرتے ہوئے حکم دیا کہ نکوپول کی خفیہ پولیس کا مریڈ کرافیشنکو کو تنگ کرنا بند کر دے ورنہ جواب اُن سے طلب کیا جائے گا۔

اُس دن سے لے کر آرڈزہونی کاٹزنہ کی اچانک موت تک مجھے خفیہ پولیس، نے کبھی طلب کیا۔ نہ مجھ سے کوئی پُوچھ تاچھ کی۔ میرے خلاف مخبری کرنے والے لوگ —— ماکاروف۔ بوماتوف۔ پوڈاوِن اور سینکڑوں دوسرے۔ پہلے کی طرح احتیاط سے کام کر رہے تھے۔ لیکن مجھ سے کبھی نے بھی کوئی پُوچھ تاچھ نہیں کی۔ ہو سکتا تھا کہ کسی دِن اچانک اُن پر سے پابندیاں اُٹھ جائیں۔ اور وہ ایک خوفناک سیلاب کی طرح میری زندگی کو گھیر لیں۔

(۳)

جب سے میں پارٹی میں شامل ہوا تھا میرے اور پاپا کے درمیان کسی حد تک ایک پردہ سا حائل ہو گیا تھا۔ اُن کی موجودگی میں ظاہراً طور پر میں اپنی پارٹی کی پالیسیوں کو درست ثابت کرنے کیلئے دلیلیں پیش کرتا۔ اُن کی خامیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا۔ اگرچہ دِل سے میں بھی اُن کے خلاف تھا۔ میں یوں ظاہر کرتا جیسے کہ مجھے پاپا کی اپنی بات پر اڑے رہنے کی عادت۔ اُن کے بلند آدرشوں اور پریشان کُن انسانیت پرستی پر غصہ آ رہا ہو۔ میں جب ماضی کی طرف دیکھتا تو مجھے اپنا یہ شک یقین کی صُورت اختیار کرتا ہوا نظر آتا۔ کہ پاپا کا اب عملی طور پر مجھ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ وُہ میری طرف سے مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ اِس میں قصور اتنا اُن کا نہیں جتنا کہ میرا تھا۔ مجھے غلط فہمی تھی۔ اب مجھے محسوس ہوتا تھا کہ جب میں اپنے ضمیر کے مطابق عمل کروں گا تو میرے اور پاپا کے درمیان پڑا ہوا پردہ بھی اُٹھ جائیگا۔

گزشتہ سالوں میں جب جب بھی میں گھر آتا پاپا مجھے ٹائپ رائیٹر و فسک فیکٹری

کے واقف کار مزدوروں اور ورکروں کی گرفتاریوں اور پھر اُن کے لاپتہ ہو جانے کی خبریں سُناتے سے مجھے ایسے لگتا کہ وہ پارٹی کا ممبر ہونے کے ناطے مجھے ہی اِس ساری ناانصافی کیلئے ذمّہ دار سمجھتے ہیں۔ لیکن مَیں نے اُنہیں نکولول میں اِسی قسم کی گرفتاریوں لوگوں کو جبری محنت کے کیمپوں میں بھیجنے کے واقعات اور اپنے اُوپر خفیہ پولیس کی نگرانی کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا۔

مَیں اُن پر یہ زور دیتا رہا کہ وہ میرے پاس آئیں۔ اور چند دِن وہاں رہیں۔ بالآخر وہ اِس کے لئے تیار ہو گئے۔ میرے پاس پہنچنے کے بعد جب وہ گھوم پھر کر میرے بڑے اور کھلے مکان وسیع باغیچے اور لمبے چوڑے موٹر گیرج کو دیکھ رہے تھے۔ تو نہ جانے کیوں میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اندر باہر سے مکان دیکھنے کے بعد اُنہوں نے فقط اِتنا کہا۔

”تمہارا ٹھاٹھ تو راجاؤں اور نوابوں جیسا ہے“

اور خاموش ہو کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

دُوسرے دِن اُنہوں نے مجھ سے فیکٹری میں جانے کے لئے پاس مانگے۔ تو پھر وہی بے معنی سی پریشانی میرے ذہن پر سوار ہو گئی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ پاپا کی انتہائی صداقت پسند فیکٹری کے اندرونی حالات کی جانکاری حاصل کرے۔ لیکن اِس کے باوجود اُن کے احترام کی وجہ سے انکار نہ کر سکا اور کئی پاسوں پر دستخط کر کے اُنہیں دے دیئے۔ اِس کے بعد کئی دِن تک مَیں نے اُنہیں بہت کم بار دیکھا۔ اُنہوں نے پلانٹ میں، جگہ جگہ اپنے دوست بنا لئے تھے۔ پاپا بزرگی کے مرحلہ تک پہنچ رہے تھے۔ لیکن آنکھوں میں اب بھی جوانی اور مضبوطی کی جھلک تھی۔ پُروقار چہرہ۔ خوبصورت اور تیکھے نقش و نگار یہ سب اُن کی عظمت اور بلندی کو ظاہر کرتے تھے۔ پلانٹ میں کام کرنے والے بہت سے لوگوں کے ساتھ اُن کے تعلقات

کچھ ہی دنوں میں اتنے گہرے ہو گئے کہ وہ انہیں اپنا سمجھنے لگے۔

ایک دن جب میں گھر آیا تو پاپا وہاں موجود تھے۔ دوپہر کے کھانے کے وقت وہ کسی کام میں معروف تھے۔ اسلئے میرے ساتھ نہ بیٹھ سکے۔ کھانے کے بعد ہم کافی دیر تک بیٹھے۔ نکوپول کی سیرگاہوں کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ لیکن میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ پاپا مجھ سے کوئی بہت اہم بات کرنے والے ہیں۔ اور اس سے پہلے یوں ہی اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت کاٹ کر رہے ہیں۔ اُن کی زبان پر وہ کچھ نہیں جو اُن کے دل میں ہے۔

"پاپا۔ آپکے دل میں کیا ہے۔ آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔" میں نے پوچھ ہی لیا۔

"بہت دیر سے میری یہ خواہش ہے بیٹا۔ کہ میں تم سے کھل کر باتیں کروں۔" پاپا بولے۔ "مجھے تم سے پیار ہے۔ صرف اسلئے نہیں کہ تم میرے بیٹے ہو۔ بلکہ اسلئے بھی کہ پچھلے بتیس سالوں سے جبکہ تم محض ایک بچہ تھے تمہاری زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح میرے سامنے رہی ہے۔ میں نے تمہیں مختلف مراحل طے کرتے دیکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جُوں جُوں وقت گزرتا جا رہا ہے ہمارے لئے ایک دوسرے سے کھل کر بات کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ یہ علامت ہے خوف کی اُس ماحول کی جس میں کہ ہم آج رہ رہے ہیں۔"

"مجھے اس کے لئے افسوس ہے پاپا" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میں سوچتا ہوں کہ کیا آپ زمانے کے ساتھ ساتھ بھی چل رہے ہیں یا نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کہیں ابھی تک ماضی میں تو نہیں بھٹک رہے ہے؟"

"میں مانتا ہوں بیٹا۔ کہ آج کی سیاست کے متعلق تم مجھ سے بہت زیادہ جانتے ہو۔ تم پارٹی کے ایک سرگرم ورکر اور حکومت کے ایک افسر ہو۔ تمہارے ماتحت ۱۵ سو آدمی کام کرتے ہیں اور تم کروڑوں روبل کی مالیت کا مال تیار کرتے

ہو۔ لیکن ساتھ ہی میرا خیال ہے کہ میں عام لوگوں مزدوروں اور کسانوں کی بابت تمہاری نسبت زیادہ واقفیت رکھتا ہوں۔ آدمی کسی عہدہ پر پہنچکر بھٹک جایا کرتا ہے۔ عوام کے تئیں اُس کا نکتہ نگاہ بدل جاتا ہے۔ تمہارے پاس بیشمار دَولت ہے۔ کار ہے۔ نوکر ہیں۔ ہر طرح کا آرام ہے۔۔۔۔"

"پاپا میرا خیال ہے کہ آپکو مجھے یہ سب یاد کرانے کی ضرورت نہیں میں نے کوئی چیز چرائی نہیں۔ حکومت نے مجھے یہ سب کچھ دیا ہے۔ اور اس کے عوض میں کسی بھی کسان سے زیادہ کام کرتا ہوں۔"

"میرا مطلب تمہیں کوئی خاص بات یاد دلانا نہیں۔ تمہیں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن مجھے سچ مچ اس بات کا افسوس ہے کہ عام لوگوں کے لئے تمہارے دل میں ہمدردی نہیں رہی۔ زیادہ سخت لفظوں میں۔ بدحال اور دُکھی رُوسی عوام پر حکومت کرتے ہوئے تم بھی نوکر شاہی کے دوسرے پُرزوں کی طرح مطمئن ہو۔"

"پاپا یہ مت سمجھئے کہ مجھے مُلک کے حالات کا علم نہیں یا کہ میں۔ موجودہ نظام میں جذب ہو کر رہ گیا ہوں۔ آخر آپ یہ تو نہیں جانتے کہ میرے اور دوسرے لاکھوں کمیونسٹوں کے ذہن میں کیا کشمکش ہو رہی ہے۔ لیکن میں کر بھی کیا سکتا ہوں؟ کیا میں بازاروں میں چلاتا پھروں۔ "خون۔ خون۔ بچاؤ۔ بچاؤ"۔ یہ تو ہؤا۔ لیکن اس نظام کی جو خوبیاں ہیں۔ ہمیں اُنہیں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ نئی کانیں کارخانے سڑکیں ریلیں۔۔۔۔"

"بیشک۔ بیشک۔" بیچ میں ہی ٹوکتے ہوئے پاپا بولے۔ "لیکن انقلاب نئے کارخانے لگانے یا نئی سڑکیں بنانے کا نام نہیں ہے۔ انقلاب عوام کے لئے لائے جاتے ہیں۔ اُس کا نچوڑ یہ ہے کہ لوگوں کو اُن کے ذاتی حقوق اور اُن کی آزادی ملے۔

اِن کے بغیر۔ انسانی وقار کے بغیر لوگ غلام ہیں۔ چاہے اُن کے جیل خانے میں صنعت کتنی ترقی کر جائے۔ جب تم کمیونسٹ نئے کارخانے لگانے کی شیخی بگھارتے ہو تو سوال اُٹھتا ہے کہ کیا اِن سے لوگوں کو اپنی زندگیاں بہتر ڈھنگ سے گذارنے میں مدد ملی ہے؟ کیا ہمارے ملک میں لوگوں کی حالت بہتر ہوئی ہے؟"

"زار کے عہد میں اُن کی بدحالی کے ساتھ آج کی حالت کا موازنہ کیا جائے تو میرا خیال ہے کہ بہتری آئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔"

"اپنے آپ کو بیوقوف کیوں بناتے ہو بیٹا۔ کیا تمہیں بچپن میں اپنے گھر اور اپنے دادا کے گھر کی زندگی یاد نہیں۔ ہم امیر نہیں تھے۔ لیکن ہمیں کبھی روٹی۔ دودھ کپڑوں اور عام اشیا کے متعلق .... کوئی مشکل پیش نہ آئی تھی۔" پاپا نے میرے خیال کو کاٹتے ہوئے کہا۔ "یقیناً۔ میں اِس بات کے حق میں ہوں کہ سرکار کارخانوں کے منافع میں سے لوگوں کو سماجی انشورنس۔ طبی نگرانی اور اِس قسم کی دوسری سہولیات بہم پہنچائے۔ یہ منافع پہلے سرمایہ داروں کے پیٹے میں جاتا تھا۔ اب سرکار کے پاس جاتا ہے۔ لوگوں کو یہ سہولیات اُن کی آمدنی میں کٹوتی کر کے بہم نہیں پہنچائی جانی چاہئیں۔ میں تو انقلاب کا یہی مطلب لیتا ہوں۔"

"لیکن تمہارا منافع کہاں ہے؟ تمہاری صنعت اور تمہاری تمام اقتصادیات خسارے پر چل رہی ہیں۔ اور ہم لوگوں کو عام شہریوں کو خسارہ پورا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ زیادہ تکلیف دہ بات تو یہ ہے کہ تم کمیونسٹ لوگوں کو ایک ذرّہ نہیں ہو اور پہاڑ ظاہر کرتے ہو۔ آج جو اقتصادی ترقی ہوئی ہے اُسے اگر صنعت و حرفت پر لگنے والے سرمایہ اور انقلاب کیلئے دی گئیں قربانیوں کے مقابلہ پر رکھ کر دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ بہت کم ہے۔

صرف باہر سے آنیوالے معصوم لوگ اور نوجوان طبقہ جس نے ماضی نہیں

دیکھا۔ اقتصادی ترقی کے متعلق اِن "پریوں کی کہانیوں" پر یقین کر سکتا ہے۔ میں سیاسی اور رُوحانی حقائق کو مادی حقائق سے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ لیکن چونکہ تمہارے پراپیگنڈا میں زیادہ زور مادی ترقی پر دیا جاتا ہے اسلئے میں اِس ترقی کو تمہارے ہی پیمانے سے ناپ رہا ہوں۔"

بات چیت آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ میں زیادہ پریشان ہوتا گیا۔ غالباً اسلئے کہ میں دل سے بہت سی باتوں کے متعلق بابا سے متفق تھا۔

"لوگوں کو بدھو مت بناؤ دریٹا۔ میں کا مزدور جو خود اور گھر کے تمام لوگوں کے برسرِ روزگار ہونے کے باوجود اپنا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ اِس بات کی پروا نہیں کرتا کہ اُسے ایک فردِ واحد لُوٹ رہا ہے یا سرکار لُوٹ رہی ہے۔ جب اُسے گھسیٹ کر جیل لیجایا جاتا ہے۔ یا جلاوطن کیا جاتا ہے۔ تو اِس خیال سے اُسے کوئی راحت نہیں ملتی کہ یہ سب کچھ اُسکے نام پر ہو رہا ہے۔ آخر جب سرمایہ دار مجھے مناسب تنخواہ نہیں دیتا تھا یا کام کے لئے اچھے حالات مہیا نہیں کرتا تھا۔ تو میں اُس کی نوکری چھوڑ سکتا تھا۔ اپنے ساتھیوں میں اُس کے خلاف پراپیگنڈا کر سکتا تھا۔ پروٹسٹ میٹنگ بُلا سکتا تھا۔ ہڑتال کرا سکتا تھا۔ سیاسی پارٹیوں میں شامل ہو سکتا تھا۔ مخالفانہ اشتہار اور پمفلٹ وغیرہ چھاپ سکتا تھا۔ آج کوئی ایسا کرے تو جیل بھیج دیا جائیگا۔ یا شاید اِس سے بھی بدتر سلوک کا مستحق سمجھا جائے گا۔"

بابا کی اِن باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اسلئے میں چپ رہا۔ لیکن وہ بولتے گئے۔

"آخر اُس وقت ہم جو چاہتے تھے کر تو سکتے تھے۔ اُس وقت کئی سیاسی پارٹیاں تھیں۔ دھڑے تھے۔ لوگوں کے سیاسی خیالات مختلف تھے۔ اگرچہ اقتدار مکمل طور پر کچھ لوگوں کے ہاتھ میں تھا پھر بھی اگر آج کے حالات سے مقابلہ کیا جائے

تو پتہ چلے گا۔ کہ تب حالت کہیں بہتر تھی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ زار کی پولیس ہڑتالیوں کو مار پیٹ کرتی تھی اور انقلابیوں کو اکثر گولی مار دی جاتی تھی۔ یا جلاوطن کر دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ سب آج کی نسبت بہت چھوٹے پیمانے پر ہوتا تھا۔ اس وقت ہمارے سیاسی قیدیوں کی تعداد آج کی طرح ۱۰، ۱۲ لاکھ نہیں۔ صرف ہزار دو ہزار تک ہوا کرتی تھی۔ ہر ناانصافی کے خلاف پروٹسٹ کرنے کے لئے مظاہرے اور جلسے ہوا کرتے تھے۔ لیکن آج۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آج تو ملک پر شمشان گھاٹ کی سی خاموشی طاری ہے۔"

"ایک بات اور بیٹا تم جانتے ہو کہ میں کبھی خدا پرست نہیں رہا۔ لیکن میں لوگوں کے اس حق کو بہت اہم سمجھتا رہا ہوں کہ وہ اگر چاہیں تو خدا کی عبادت کر سکیں۔ آج یہ حق لوگوں کو کس حد تک حاصل ہے؟ اگر تم عبادت کرنے کیلئے چرچ جانے میں یقین رکھتے تو بتاؤ کہ تمہارے موجودہ عہدہ پر قائم رہنے کے کتنے امکانات تھے۔ میرا یقین ہے کہ بالکل کوئی نہیں۔"

پاپا براہ راست میری ذات پر سوال کر رہے تھے۔ میں نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا۔

"پاپا آپ تو ہر بات میں میری طرف یوں اشارہ کر رہے ہیں۔ جیسے یہ سب کچھ میں نے ہی کیا ہو۔"

"مجھے معاف کرنا بیٹا" پاپا بولے۔ "بطور کمیونسٹ تم ان سب حالات کی ذمہ داری سے نہیں بچ سکتے۔"

باب نمبر ۱۴

بڑی چھانٹی

ایک دن پارٹی کی سٹی کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کرنے کے بعد میں سیکرٹری میں ساتھ کام کرنے والے ایک گہرے دوست کے ہمراہ موٹر میں واپس گھر آرہا تھا۔ یہ دوست اسی دن صبح ماسکو سے آیا تھا۔ جہاں کہ اُس کے اچھے تعلقات تھے۔ اسلئے توقع تھی کہ وہ ضرور کوئی خبر لایا ہوگا۔ زائنوولینف کامینیف اور دُوسرے پرانے بالشویکوں کی گرفتاری اور اُن کے خلاف مقدمات چلنے کی وجہ سے دوسرے تمام لوگوں کی طرح میں بھی ہر وقت کسی نئی خبر کی تلاش میں رہتا تھا۔ لینن کے انقلاب پسند ساتھی جیلوں میں تھے اور خطرہ تھا۔ کہ انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔۔۔ کتنا لغو اور ناقابلِ یقین خیال تھا !

" کیا ہونے والا ہے۔ صاف صاف بتاؤ"۔ اپنے دوست سے اصرار کرتے ہوئے میں نے پوچھا۔

" ماسکو میں زبردست ہل چل مچی ہوئی ہے۔ اور میرے واقفکاروں نے تو بتایا ہے۔ کہ لینن گراڈ کی حالت بھی بہتر نہیں ہزاروں گرفتاریاں ہو چکی ہیں۔ اب اس

میں کوئی چوری نہیں رہی۔ کمیونسٹوں اور غیر کمیونسٹوں سب کو سب کے سامنے اُن کے دفتروں سے نکال نکال کر لیجایا جاتا ہے۔ لطف درجن کے قریب پارٹی کے اعلےٰ عہدیدار جنہیں مَیں پہلے ماسکو میں دیکھا کرتا تھا۔ اب پُر اسرار طور پر غائب ہو گئے ہیں۔ خفیہ پولیس اب اعلےٰ عہدیداروں تک پر ہاتھ ڈال رہی ہے۔ اور بڑے بڑے لوگوں کمشنروں۔ ٹرسٹوں کے اعلےٰ افسروں حتےٰ کہ کریملن کے اندر رہنے والے لوگوں کو بھی کھینچ کھینچ کر نیچے لا رہی ہے۔ دیکھتے رہو۔ اب حالات تیزی سے بدلیں گے۔"

اور واقعی حالات تیزی سے بدلے۔ دوسرے دن صبح مَیں ابھی فیکٹری میں پہنچا ہی تھا کہ ایک اسسٹنٹ نے آکر مجھے دو انجنیئروں کی گرفتاری کی خبر دی روس سرکار کے کئی دیگر رازوں کی طرح اِن گرفتاریوں کا راز بھی فیکٹری میں کام کرنے والے تمام لوگوں تک پہنچ چکا تھا۔ ابھی کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ فیکٹری پارٹی کمیٹی کے سیکنڈ سیکرٹری لینسکی نے مجھے فون کیا اور کہا۔

"کامریڈ کرافیشنکو! میں ایک نہایت نازک معاملہ پر آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ اِس کا تعلق ارکاڈی لائینسکی سے ہے۔ آپ نے اُس کا کام دیکھا ہے۔ وُہ آپ کے گھر بھی جاتا رہا ہے۔ اور آپ بھی اُس کے گھر آتے جاتے رہے ہیں۔ کیا اُس نے آپ کے ساتھ کبھی سیاسیات کے متعلق کوئی بات چیت کی ہے یا مثال کے طور پر لینن گراڈ میں اپنے سیاسی ماضی کا کوئی تذکرہ کیا ہے؟"

"نہیں"، مَیں نے جواب دیا۔ "ہم نے ورکشاپ کے کام کے علاوہ شاید ہی کبھی کوئی اور بات کی ہو۔ اُس کے اور میرے پلانٹ کے کام میں کافی تال میل قائم رہنے کی ضرورت ہے۔ جس کی وجہ سے آپس میں ہمارا تعلق قائم ہوا ہے۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ اُس کے ساتھ کبھی میری کوئی سیاسی بات چیت ہوئی ہو۔"

اُسی دن شام کو پارٹی کے خفیہ بیورو کی میٹنگ تھی۔ لائینسکی خوش خوش

میٹنگ میں آیا۔ اُسے علم نہیں تھا کہ کیا ہونیوالا ہے۔ جس کمرے میں میٹنگ ہُوئی وُہ دھوئیں سے بھرا ہُوا تھا۔ میٹنگ کی صدارت لینسکی نے کی۔ اُس کے پہلو میں ایک موٹا سا۔ لمبے سر اور خوفناک نظروں والا اجنبی بیٹھا ہُوا تھا۔ جو اگرچہ تھا تو عام سویلین لباس میں ہی لیکن اُس کے طور و اطوار کچھ اِتنے چُست تھے جیسے وُہ خفیہ پولیس کا کوئی تجربہ کار افسر ہو۔

"ساتھیو۔ پارٹی بیورو کی میٹنگ شروع ہوتی ہے۔" لینسکی نے کہا۔

"آج ایجنڈا پر صرف ایک ہی معاملہ ہے۔ اور وُہ ہے۔ سب پلانٹ کے انچارج اور کمیونسٹ ممبر ارکاڈی وینی لی ڈیچ لائمینسکی کا۔"

"میرا"! حیرانی کے ساتھ اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے لائمینسکی نے کہا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی آمیز مسکراہٹ تھی لینسکی کے اِن الفاظ سے اُس پر اچانک ایک ایسی چوٹ پڑی تھی جسے کہ وُہ سنبھال نہ سکا تھا۔ اُس کے چہرے پر اس کے آثار نمایاں تھے۔

"ہاں آپ کا! بیٹھ جائیے۔ جب تک کہ آپ کو بُلایا نہیں جاتا۔"

لینسکی کے ان الفاظ کے ساتھ ہی لائمینسکی آہستہ سے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اُس کا چہرہ ایسے سفید ہو گیا تھا جیسے کہ خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہو۔ اُس نے رومال سے اپنے ماتھے کا پسینہ پُونچھا۔

"ساتھیو! کیا آپ میں سے کوئی تحقیقات کے معاملہ میں کچھ کہنا چاہتا ہے؟"

لینسکی نے آواز دی۔ لیکن کسی آدمی نے جواب نہیں دیا۔ اس پر وُہ پھر بولا۔

"اچھا تو اِس حالت میں مسٹر لائمینسکی اب آپ اپنی سرگرمیوں خاص طور پر لینن گراڈ میں اپنی سرگرمیوں کے متعلق کچھ بتائیں۔"

غریب لائمینسکی اب اتنا زیادہ کانپ رہا تھا جیسے کہ اُسے زور کا بخار چڑھ آیا ہو۔

COLLEGE
SRINAGAR
ACC. NO. 14098
LIBRARY

کانپتے ہوئے الفاظ میں اُس نے اپنی زندگی کی داستان سنانی شروع کی۔ آغاز سے لیکر اَبتک کی داستان ۔ لیکن گھبراہٹ میں وہ کچھ غیر متعلقہ معاملات کو بھی درمیان میں گھسیٹ لایا۔ اُس نے اپنی شادی کا ذکر بھی کیا۔ جس پر لینسکی کے پہلو میں بیٹھا ہوا اجنبی پریشان ہو اُٹھا۔ اُس نے جھلاّ کر کہا۔ "ہمیں تمہاری پرائیویٹ زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم تمہارے سیاسی ماضی کے متعلق کچھ جاننا چاہتے ہیں"۔ "بہت اچھا۔ ساتھیو۔ میرا سیاسی ماضی اب کوئی راز نہیں ہے۔ مَیں نے سینکڑوں مرتبہ اس کی وضاحت کی ہے۔ میرا مطلب ہے اپنی لینن گراڈ کی سیاسی زندگی کی وضاحت ۔ اُس وقت میں نظریاتی طور پر متزلزل تھا۔ اور اسی وجہ سے میں ٹراٹسکی کے کچھ پیروکاروں کے ساتھ گھُل مِل گیا تھا۔ یہ راز نہیں۔ پارٹی کا اس کا علم ہے۔ اور پارٹی نے کمال فراخدلی سے میری اس غلطی کو معاف کر دیا تھا۔ پارٹی نے مجھ پر اعتبار کیا تھا۔ اور اُس کے بعد میرا ریکارڈ اچھا رہا ہے اس کے علاوہ ساتھیو۔ میری یہ غلطی اب بہت پُرانی بات ہو چکی ہے"۔

"پرانی بات ہو چکی ہے"۔ غصّہ سے دانت پیستے ہوئے لینسکی نے کہا۔ "زینوویف ٹراٹسکی اور دیگر "وحشی کتوّں" کی کالی کرتوتوں کو بھی تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ یہ عذر ایسے عوام کے دشمنوں کو نہیں بچا سکتا۔ لائینسکی! صاف صاف لفظوں میں بتاؤ کہ کیا تم نے کبھی سنٹرل کمیٹی اور ہمارے محبوب لیڈر کامریڈ سٹالن کے خلاف کچھ کہا تھا؟"

"نہیں۔ یقیناً نہیں"۔

لینسکی نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے اجنبی کو جو کہ دراصل خفیہ پولیس کا افسر تھا اشارہ کیا۔

اور گرجتے ہوئے بولا۔

"لائینسکی۔ تم پارٹی کو دھوکہ دے رہے ہو۔ اُسکی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہو۔ کیا تم نے اپنی ---- ڈسٹرکٹ میں اگست ---- میں منعقدہ ایک میٹنگ میں تقریر نہیں کی تھی؟"

یہ جرح تقریباً نصف گھنٹہ تک جاری رہی۔ جرح کا کوئی بھی ایک نکتہ زیادہ اہم نہیں تھا۔ لیکن چونکہ سب نکات ایک ساتھ اُٹھائے گئے تھے۔ اور کبھی خفیہ پولیس افسر اور کبھی لیپنسکی نے جان بوجھ کر بار بار ان پر زور دیا۔ اسلئے جرح لمبی ہو گئی۔

میٹنگ کے بعد واپس گھر آتے ہوئے راستہ میں مَیں نے لائینسکی کے دفتر کی کھڑکی سے اندر روشنی دیکھی۔ اور کسی انجانی ترغیب کے ماتحت بغیر دروازہ کھٹکھٹائے اندر جا گھسا۔ لائینسکی اپنی میز پر ہاتھوں میں سر دبائے بیٹھا تھا۔ اور اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے وہ ایک مضبوط افسر تھا اور اُسے اپنے آپ پر اعتماد تھا۔ اُس میں نوکر شاہی کی کوئی بو نہیں تھی لیکن اب اچانک اُس کا تمام اعتماد ختم ہو گیا تھا۔ اور اُس کی حالت انتہائی طور پر قابلِ رحم ہو گئی تھی۔

ہفتہ دو ہفتے بعد مجھے ایک دن ہریشکو کے اسسٹنٹ ایگزیکی سُخنین کے ساتھ کچھ کام پڑا۔ میں اُن کے ویٹنگ رُوم میں پہنچا۔ اور اُن کے کمرے میں داخل ہونے ہی والا تھا۔ کہ ایگزیکی کے سیکرٹری نے مجھے روک لیا۔

"کامریڈ کرافچنکو۔ آپ کچھ دیر انتظار کریں۔ کامریڈ سُخنین بہت مصروف ہیں"

"میں بھی بہت مصروف ہوں" یہ کہتا ہوا میں کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی ایکدم پریشانی کے عالم میں مجھے رُک جانا پڑا۔ اسلئے سُخنین کے ساتھ ایک ہی میز پر موٹا اور پھولی ہوئی توند والا گیر تسگورون بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس کے بھدّے ہونٹ کھل گئے اور وہ دانت نکال کر ایک دیو کی مانند مسکرانے

لگا۔ اُن کے دائیں اور بائیں دیواروں کے ساتھ ساتھ ۱۰، ۱۲ انجنیئر بیٹھے تھے۔ جن میں سے صرف کچھ ایک کا ہی پارٹی کے ساتھ تعلق تھا۔ عالم پریشانی میں، بلند آواز کے ساتھ میں نے اُن سب کو سلام کیا۔ لیکن ان میں سے صرف سخین نے میرے سوال کا جواب دیا۔ پھر اچانک میں نے خفیہ پولیس کے چار آدمی کمرے میں موجود دیکھے جو کہ ان انجنیئروں پر پہرہ دے رہے تھے۔

یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے حیرانی ہو رہی تھی۔ اور اسی حیرانی کے عالم میں میں کمرے سے باہر آگیا اور وہاں سے بریشکو کے دفتر کی طرف چل دیا۔

"یہ سب کیا گڑبڑ ہے۔ ہائیڈرو پیٹروویچ؟" بریشکو سے مخاطب ہوتے ہوئے میں نے پوچھا۔

"اب میں کوئی بات نہیں سمجھتا۔ ایک دن میں بارہ آدمی! آٹھ کل! میں حیران ہوں کہ اگر یہی رفتار رہی تو ------ میرا تو سر چکرا رہا ہے۔ وکٹر اینڈریوچ"۔ ایسا دکھائی دیتا تھا۔ کہ بریشکو ایک ہی دن میں بوڑھا ہو گیا ہے۔ اُس کی آنکھیں غیر قدرتی طور پر بڑی بڑی نظر آتی تھیں۔ اور اُن سے نیند کا خمار جھلک رہا تھا۔

جوں جوں دن گذرتے گئے۔ نکوپول کی فیکٹری میں سختگیری بڑھتی گئی۔ دباؤ زیادہ سے زیادہ بڑھتا گیا۔ ایک دن ہم نے سنا کہ پارٹی سیکرٹری کو زلوف کو کرلیفائے راگ نامی شہر میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اور دوسرے ہی دن اس کی گرفتاری کی خبر آگئی۔

ایک کے بعد دوسرا انتظامیہ افسر کام سے غیر حاضر رہنے لگا۔ اور اُن کی مبینہ "بیماری" بعد میں مستقل ثابت ہوئی۔

شروع شروع میں عام مزدور یہ سمجھتے تھے کہ ان گرفتاریوں اور گمشدگی کی واردتوں

سے اُن کا کوئی تعلق نہیں لیکن اب اُن کے قریبی رشتہ دار اور دوست اور اُن کے ساتھ کام کرنے والے مزدور بھی غائب ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اور حالات نے مختلف شکل اختیار کر لی تھی۔ اس سے ورکروں میں اسقدر بے چینی پھیلی کہ پیداوار پر اس کا اثر نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگا۔

ایک دن نکولپول کے سرگرم ورکروں کا ایک خاص اجلاس بلایا گیا۔ ہم اس میں شرکت کیلئے گئے تو ہمارے دل ڈوب رہے تھے۔ اگرچہ ہم ایک دوسرے کو بہت قریب سے جانتے تھے۔ لیکن میٹنگ روم کے دروازے پر پارٹی کے عہدیداروں نے ہمارے کارڈوں کو گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ اس میٹنگ میں پچھلی میٹنگوں کے سے بھائی چارے کی سپرٹ موجود نہیں تھی۔

میٹنگ میں کامریڈ براڈسکی نے اعلان کیا کہ ہم سب کو سنٹرل کمیٹی کی طرف سے آمدہ ایک خفیہ خط پڑھ کر سنانے کیلئے اکٹھا کیا گیا ہے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ اور بڑے تحمل کے ساتھ یہ خط پڑھا۔ اور وہ کچھ اس انداز سے پڑھ رہے تھے۔ جیسے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے ساتھ انہیں اتفاق ظاہر کرنا مقصود ہو۔ یہ واقعہ زائنو ویف کامینیف اور اُن کے ساتھیوں کو سزا ملنے اور اُن کے پھانسی پر چڑھائے جانے سے چند دن پہلے کا ہے۔ ماسکو سے آنے والا یہ خط پارٹی کو اس صدمہ کیلئے تیار کرنے اور ممبروں کو خوفزدہ کرنے کی ایک کوشش تھا۔

براڈسکی نے اس خط میں درج خفیہ ہدایات کی اہمیت کے متعلق ایک طویل تقریر کی۔ اور اس میں سٹالن کو اپنے سوشلسٹ وطن کا آفتاب۔ اعلیٰ ترین مدبر۔ ناقابلِ تسخیر اور نہ جانے کیا کیا قرار دیا۔ جیسے کہ اُن کی زندگی کا انحصار اسی بات پر ہو کہ وہ سٹالن کی تعریف میں کتنے محاورے کتنے تعریفی الفاظ استعمال کر سکتے ہیں اور کتنی مبالغہ آمیزی سے کام لے سکتے ہیں۔

کچھ دوسرے لوگ بھی تقریریں کرنے اُٹھے لیکن اُنہوں نے اپنے آپ اور پارٹی کی نکوپول برانچ پر نکتہ چینی کی۔ اور خطرات کی موجودگی میں غفلت اور سست روی اختیار کرنے کے الزام لگائے۔ ہر آدمی اس کوشش میں تھا۔ کہ وہ کسی طرح پارٹی کا زیادہ سے زیادہ وفادار ہونے کا اعلان کر کے اپنے آپ کو بچائے۔ ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالا جا رہا تھا۔ الزام لگائے جا رہے تھے۔ اور تقریروں کا یہ سلسلہ جاری ہی تھا۔ کہ اچانک دروازے پر کچھ ہلچل دکھائی دی۔ ہم سب کی نگاہیں اُدھر لگ گئیں۔ ریجنل کمیٹی کے سیکرٹری اور سنٹرل کمیٹی کے ۔۔۔ ممبر کامریڈ ہیٹیٹی وِچ آئے تھے۔ وہ خفیہ پولیس کے پہرے میں سٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اب ایک نیا دور شروع ہو رہا تھا۔ اور یہ دور شاید سب سے زیادہ خوفناک تھا۔ ایک بڑا لیڈر ریوالوروں سے مسلح پولیس کے پہرے میں سرگرم کمیونسٹوں کی میٹنگ میں آئے یہی زیادہ حیرانی کی بات تھی۔

اِس میٹنگ کے بعد پارٹی کے اندر چھپے ہوئے "دشمنوں" کو ننگا کرنا اور اُن کی مذمت کرنا ایک باعثِ عزّت کام سمجھا جانے لگا۔ کوزلوف کے عہدہ پر ایک اجنبی۔ بالکل نیا آدمی ہماری فیکٹری میں آیا۔ اُس کا نام لاس تھا۔ کامریڈ لاس کی طبیعت ضدّی سی تھی۔ وہ کسی سے زیادہ میل جول نہیں رکھتے تھے اور ناجائز شراب کی طرح بہت سخت بے ڈھب اور خام تھے۔

اب خفیہ پولیس کے ہیڈ کوارٹرز میں ساری ساری رات بتّیاں جلتی رہتی تھیں۔ خفیہ پولیس آجکل دن رات ۲۴ گھنٹے کام کرتی تھی۔ ڈوروگن۔ گیبرگولن اور اُن کے ساتھی۔ اُس لڑائی کے جرنیلوں کی طرح جو زور شور سے ہو رہی ہو۔ خوب مزے میں تھے۔ زیادہ کام اور تھکاوٹ کے باوجود اُنہیں اس سے آرام ملتا تھا۔ اور نکوپول اُس وسیع جسم کا ایک چھوٹا سا انگ تھا جسے کہ بڑی

پھانسی کی تلوار سے ذبح کیا جا رہا تھا۔

(۲)

نومبر ۱۹۳۶ء میں میری باری آئی۔

لائمینسکی کی طرح چوٹ مجھ پر بھی اچانک ہی پڑی۔ لیکن متوقع ہونے کی وجہ سے نفسیاتی طور پر میں نے اسے زیادہ محسوس نہ کیا۔ اس کے علاوہ اپنے کئی ساتھیوں کے خلاف کارروائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی وجہ سے ایک طرح سے میری ریہرسل ہو چکی تھی۔ اس لئے میں حواس باختہ نہ ہوا۔

ایک رات پارٹی کلب کے کھیل کے کمرہ میں ہماری میٹنگ ہو رہی تھی۔ تاریک اور پُرسکون رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ بوندا باندی کی وجہ سے باہر کیچڑ ہو گیا تھا۔ اور بوٹوں کے ساتھ کیچڑ اندر آجانے کی وجہ سے فرش پر پھسلن ہو گئی تھی۔ کمرے میں چاروں طرف سگریٹوں کا نیلا نیلا دھواں پھیل رہا تھا۔ وہ ہال۔ وہ رات اور وہ کیچڑ۔ تمام عمر مجھے یاد رہیگا۔ خواب میں بھی میں انہیں بھول نہیں سکتا۔

کئی ممبروں کے خلاف الزام لگ چکے تھے۔ مقامی کمیونسٹ اب اپنی خبرداری کو ظاہر کرنے کے لئے پولیس سے بھی پہلے اپنے ساتھیوں پر دھڑادھڑ الزام دھر رہے تھے۔ جب ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ میٹنگ ختم ہوا ہی چاہتی ہے تو اچانک کامریڈ لاس بولنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں اس بھدے اجتماع سے دور خیالات

کی کسی اور دُنیا میں ہی کھویا ہوا تھا۔ کہ لاس کے کچھ الفاظ کان میں پڑتے ہی میں چونک اٹھا۔ ان الفاظ نے بجلی کے کرنٹ کی طرح میرے سارے جسم کو جھنجوڑ دیا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب میری باری آئی۔

"ساتھیو!" کامریڈ لاس نے کہا۔ "میری تجویز ہے کہ ہم پائپ رولنگ سب پلانٹ کے ڈائرکٹر اور کمیونسٹ ممبر وکٹر ایمڈ ڈی وچ کرافتسنکو کے کیس پر غور کریں۔ ہمارے پاس اس کامریڈ کی سابقہ اور موجودہ سرگرمیوں کے متعلق کئی رپورٹیں پہنچی ہیں جن میں اُن پر نہائت سنگین الزام لگائے گئے ہیں"

"الزام لگانیوالوں کو بولنے دیا جائے۔" سٹیج کے پیچھے سے کسی نے آواز دی۔

"ٹھیک ہے" لاس بولا۔ "اب انجنیئر جارجی میکاروف اس سلسلہ میں کچھ کہیں گے۔"

میکاروف اس سلسلہ میں کچھ کہیں گے؟ میں حیران تھا۔

میکاروف پلیٹ فارم کیطرف جا رہے تھے۔ کہ میری دائیں طرف بیٹھا ہوا کامریڈ "سگریٹ پینے جا رہا ہوں" کہہ کر اُٹھ گیا۔ اس کے بعد بائیں طرف والا کامریڈ بھی اپنی نشست چھوڑ گیا۔ یہ لوگ مجھ سے اس طرح دُور بھاگ رہے تھے۔ جیسے مجھے کوڑھ کا مرض ہو گیا ہو۔

میکاروف کو میں تب سے جانتا تھا۔ جب ہم انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ میکاروف اُن نا اہل اور بے بس لوگوں میں سے ایک تھا جو صرف دوسروں کی ہمدردی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر زندہ رہتے ہیں۔ میں نے اُسے نکوپول میں نوکری دلوائی تھی۔ رہائش کیلئے مکان دلوایا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے آپ میں یہ سمجھتا رہا تھا کہ وہ میرا مشکور ہے۔

"میں کرافتسنکو کو کئی سالوں سے جانتا ہوں" میکاروف نے اپنی

تقریر شروع کر دی تھی۔

"میٹالرجیکل انسٹی ٹیوٹ میں وہ پارٹی کمیٹی کے بیورو کے ممبر تھے۔ اس کمیٹی کے دیگر ممبروں میں سے بیشتر گرفتار ہو چکے ہیں۔ خاص طور پر برٹز کوئی جو کہ ان کا دوست تھا اور کاٹز ——— میں حیران ہوں کہ کیا ان کے بیشتر ساتھیوں کی یہ گرفتاریاں محض اتفاقیہ ہیں؟"

"لیکن ساتھیو! یہ تو جملۂ معترضہ تھا۔ میں تو آپکو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان تمام سالوں میں کامریڈ کرافشینکو پارٹی کا ممبر ہوتے ہوئے پارٹی کو دھوکے میں رکھتے رہے ہیں۔ انہوں نے ایک نہائت اہم معاملہ پارٹی سے چھپا رکھا ہے اور وہ ہے ان کے باپ کا سیاسی ماضی ——— انہوں نے پارٹی کے سامنے یہ اعتراف کیوں نہیں کیا کہ انقلاب سے پہلے ان کے پاپا ایک سرگرم مینشویک رہے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی ابتک وہ غیر کمیونسٹ اور کمیونسٹ مزدوروں کو ہمارے محبوب لیڈر کے خلاف بھڑکا رہے ہیں؟"

"آپ کرافشینکو کی بابت کچھ کہیں۔ اُن کے باپ کی بابت نہیں۔" کسی نے میکاروف کو ٹوکا۔

"سیب کا تعلق سیب کے درخت سے ہے!"

کامریڈ لاسن نے گرج کر کہا۔ "تم اپنی بات جاری رکھو۔ کامریڈ میکاروف!"

"ٹھیک ہے۔" میکاروف سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "سیب کا تعلق سیب کے درخت سے ہے۔ کرافشینکو کی حالت بھی ان کے باپ سے بہتر نہیں۔ انہوں نے مخالف عناصر کو اپنے ارد گرد جمع کر رکھا ہے۔ کیا یہ محض اتفاقیہ ہی ہے۔ کہ انہوں نے اپنے محکمہ میں اتنے زیادہ غیر کمیونسٹ لوگ رکھے ہوئے ہیں؟ ان کے اسسٹنٹ کون ہیں؟ اُن کے فورمین کون ہیں؟ حال ہی میں

گرفتار ہونے والا مینشو یک، ڈیوبنیکی کون ہے؟ حال ہی میں گرفتار ہونیوالا جرمن فاسسٹ ظلمان کون ہے؟ میں اور کئی آدمیوں کا ذکر کر سکتا ہوں۔ یہ سب کے سب غیر کمیونسٹ یا حقیقی دشمن ہیں جن کی تخریبی کارروائیوں کو خفیہ پولیس نے ننگا کر دیا ہے۔"

بڑھتی ہوئی بے چینی کے دوران میں یہ الفاظ سن کر مجھے خیال آیا کہ میکاروف کو تکلیف کیا ہے۔ اُسکی مندرجہ بالا باتوں سے مَیں سمجھ گیا کہ چونکہ میں نے اُسے ترقی دیکر اپنا پُورا اسسٹنٹ نہیں بنایا۔ اِس لئے اُس کے پیٹ میں مروڑ اُٹھ رہے ہیں۔

"کامریڈ لاس"۔ ڈائرکٹر برشکو نے اپنی سیٹ پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں بہتر ہو گا اگر مقرر اپنے آپ کو حقائق تک محدود رکھے اور اس طرح کیچڑ اُچھالنا۔ اور بیہودہ باتیں کرنا بند کر دے۔"

"مَیں آپ کے سامنے حقائق رکھوں گا۔ کامریڈ برشکو۔ یقین مانیئے۔ بہت سے حقائق رکھوں گا۔ آپ ذرا اُن دِنوں کو دھیان میں لائیے۔ جبکہ سٹاکھنوف تحریک کے سلسلہ میں کام کے نئے کوٹے پاس کئے گئے تھے۔ کیا ہم سب نہیں جانتے کہ کامریڈ کرافشینکو نے اُس وقت کام کا کوٹہ بڑھانے کی مخالفت کی؟ تب صرف ایک ورکر کریوشکن تھا جس نے کام کے کوٹے بڑھانے پر نکتہ چینی کی تھی لیکن اس بڑے فراخدل اور انسانیت پرست کرافشینکو نے کیا کیا؟ اِس نے کریوشکن کو پہلے سے بہتر جگہ دیکر اس مخالفت کیلئے کریوشکن کو انعام کیوں دیا؟"

"اب پارٹی ممبر انجنیئر شائیکیوچ بولیں گے۔" کامریڈ لاس نے اعلان کیا۔ شائیکیوچ ایک پست قد۔ بندر نما چہرے اور چھوٹی چھوٹی خونخوار آنکھوں والا آدمی تھا۔

"ساتھیو۔ مَیں نے بھی کامریڈ کرافٹینکو پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اُن کی مذمت کی ہے۔" ایک ہموار آواز میں شانیکیوتچ بولا۔ "میں کافی عرصہ سے گہری نظر سے اُن کا مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اِس میں شک نہیں کہ اخبارات اور ریڈیو نے اُن کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دئیے ہیں۔ بیسیوں مرتبہ اُن کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوئی ہیں۔ لیکن ان سب کا کیا فائدہ اگر یہ تمام قومی خدمات اپنے تباہ کُن کام پر پردہ ڈالنے کیلئے سرانجام دی جائیں۔"

"حقائق پیش کرو۔ خالی الزام نہیں۔" پریشکو پھر بول اُٹھے۔

"کرافتینکو۔ پارٹی کی پالیسی اور پروگرام پر شک کرتا ہے۔ اُسے اِن پر مکمل اعتماد نہیں۔" مقرر نے غصّہ میں آتے ہوئے کہا۔ "انسٹی ٹیوٹ میں وہ اجتماعی کھیتی باڑی پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ ہر آدمی یہ بات جانتا ہے۔ اب فیکٹری میں بھی اُس کا یہی وطیرہ ہے۔ اُسے کوئی چیز پسند نہیں آتی۔ اُس کے مزاج پر پوری نہیں اُترتی۔ مَیں پُوچھتا ہوں کہ آخر اُسے اِتنا اعلےٰ عہدہ کیوں دیا گیا ہے؟ اِسلئے کہ ماسکو اور خارکوف میں اُس کے دوست موجود ہیں! تعلقات کو قابلیت پر ترجیح دی گئی ہے؟"

شانیکیوتچ کے بعد یوڈاون آئے۔ وہ خفیہ پولیس کی سرکاری زبان میں بات کر رہے تھے۔ مجھے علم تھا کہ یوڈاون پولیس کا ایجنٹ ہے۔ اِس لئے میں اُس سے دُور دُور رہنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اور اب وہ مجھ سے پُورا پُورا بدلا چکا رہا تھا۔ "ساتھیو" اُس نے کہا۔ "مَیں صرف اپنے سے پہلے مقررین کے خیالات کی تائید کرتا ہوں۔ بلکہ سب سے زیادہ سنگین معاملہ کی طرف آتا ہوں۔ وہ یہ کہ کرافتینکو ایک تخریب کار ہے۔"

یہ خوفناک لفظ ایک بم کی طرح پھٹا۔ سامعین پر خاموشی طاری ہو گئی۔

اُبتک میں نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا تھا۔ لیکن اب میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں سوچنے لگا کہ یہ چھپا ہوا پولیس ایجنٹ اور اس کا آقا گیر ھگوڈن آخر مجھے کہاں پہنچانا چاہتے ہیں۔

"ہاں تخریب کار" لیوڈاوِن نے اپنے الفاظ دوہرائے۔ "اِس کرافشینکو نے جان بوجھ کر حکومت کے ۱۰ لاکھ روبل کی مالیت کی روسی کرنسی اور نہ جانے کتنی مالیت کا غیر ملکی سکّہ ضائع کر دیا ہے۔ اس نے یہ سب کیسے کیا؟ ایک بالکل سادھارن طریقے سے۔ اُس نے ہر طرح کے مہنگے سے مہنگے آلات منگوا کر اپنے سب پلانٹ میں جمع کر لئے ہیں۔ اِس کا ڈیپارٹمنٹ ایسے بیش قیمت پرزہ جات سے بھرا پڑا ہے۔ جو کہ کبھی استعمال نہیں کئے گئے۔ اِن میں سے کئی تو ابھی تک پیکٹوں میں بند پڑے ہیں۔ میں الزام لگاتا ہوں کہ اُس نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا ہے۔ اور حکومت و ملک کو نقصان پہنچانے کے لئے کیا ہے۔"

اَب جبکہ الزامات لگ چکے تھے مَیں ایسے محسوس کر رہا تھا کہ سر سے بوجھ اُتر گیا ہے۔ مَیں سمجھتا تھا کہ الزامات اِسقدر خیالی ہیں کہ وُہ اپنے آپ کو خود ہی غلط ثابت کر دیں گے۔ چونکہ باقی لوگوں کی طرح لاس بھی میٹنگ کو جلد ختم کر کے گھر جانا چاہتا تھا۔ اسلیے میں مخالفوں کی مزید گولہ باری سے بچ گیا۔ لاس نے مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے کہا اور میں اپنی تمام قوتِ ارادی کو یکجا کرتے ہوئے سٹیج پہ جا پہنچا۔

"ساتھیو۔" میں نے بولنا شروع کیا۔ "میں آپ سے کھل کر باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ نتائج چاہے کچھ ہوں۔ میں گزشتہ آٹھ سالوں سے پارٹی کا ممبر ہوں۔ میرا ریکارڈ اپنی ترجمانی آپ کرتا ہے۔ مجھ میں بھی عام انسانی خامیاں ہیں۔ اور مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے کچھ ایسے لوگوں کو ترقی

دے دی ہو۔ جو اس کے مستحق نہ تھے۔ یا کچھ ایسے لوگوں کو ملازمت سے برطرف کر دیا ہے جنہیں کہ برطرف نہیں کیا جانا چاہیئے۔"

"لیکن اس پر بھی مجھے اصرار ہے کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مجھے کسی بات کا خوف نہیں۔ میں آپ سے صرف ایک چیز چاہتا ہوں مجھے اِن الزامات کو غلط اور شرارت آمیز ثابت کرنے کے لئے کچھ وقت دیجیے۔ میں چاہتا ہوں کہ اِن الزامات کی تحقیقات کیلئے ایک کمیشن مقرر کر دیا جائے۔ تب اگر میں کمیشن کے سامنے اِن الزامات کو غلط ثابت نہ کر سکوں تو میں ہر قسم کی سزا بھگتنے کیلئے تیار ہوں گا۔"

"ساری شکایات اور الزامات کی بنیاد جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اِس بات پر ہے کہ میرے پاپا مینشویک تھے۔ میں اِس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے پاپا کی مذمت نہیں کرتا۔ اُن سے محبت کرتا ہوں۔ اُن کی تعریف کرتا ہوں۔ انہوں نے ہی مجھ میں اُن پرولتاری خیالات کا بیج بویا جن کی بدولت کہ میں کومسومول اور اُس کے بعد پارٹی میں شامل ہوا۔ وہ کسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن اِس کے باوجود اُنہوں نے محنت کش طبقہ کی جو خدمت کی ہے اُسے سب جانتے ہیں۔"

"یہ ایک بالکل سادھارن سی حقیقت ہے کہ وہ اپنی زندگی کبھی مینشویک یا کسی اور پارٹی کے ممبر نہیں رہے۔ وہ زار اور سرمایہ داروں کے خلاف لڑنے والے محض ایک اچھے انقلابی تھے۔ جنہوں نے کوئی سیاسی لبادہ نہیں اوڑھا۔ ۱۹۰۵ء میں اُنہوں نے مورچے بنا کر زار کے خلاف گولی چلائی۔ مینشویکوں کے ساتھ کام کرتے رہے۔ لیکن ساتھ ہی بالشویکوں کے ساتھ بھی اُنہوں نے کام کیا ۔۔۔ اور ہر قسم کے انقلابیوں کے ساتھ جیل جاتے رہے۔ میں یہ سب باتیں ثابت کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ مجھے اِس کیلئے وقت دیا جائے۔"

’’جہاں تک تخریبی کارروائیاں کرنے کا تعلق ہے۔ یہ الزام باقی سب الزامات سے زیادہ لغو اور بیہودہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میں نے اپنے سب پلانٹ میں بہت سے نئے نئے آلات جمع کیے ہیں۔ لیکن انڈسٹریل کمشنری کو ان کے متعلق پوری پوری معلومات حاصل ہیں۔ میں نے ٹرسٹ کو لکھ رکھا ہے کہ وہ کبھی بھی وقت ان آلات کو منگوا سکتا ہے۔ یا کہیں بھیج سکتا ہے۔ یہ تمام آلات جس وقت منگوائے گئے تھے اُس وقت حقیقتاً ان کی ضرورت تھی۔‘‘

’’اتنی مہنگی مشینری اور اس کے پرزہ جات میرے سب پلانٹ میں کیسے جمع ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ مجھے اکثر خاص خاص کاموں پر لگایا جاتا رہا ہے۔ جن کیلئے خاص خاص قسم کے اوزاروں کی ضرورت تھی۔ مثال کے طور پر آپ کو یاد ہوگا۔ کہ ایک بار مجھے فوری طور پر باکو آئل فیلڈز کیلئے خاص پائپ تیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں آرڈر کم کر دیا گیا۔ کئی مرتبہ پلان تبدیل ہونے کی وجہ سے ہمیں وہ کام ادھورے چھوڑنے پڑتے تھے۔ جن کیلئے کہ ہم نے تمام تیاری مکمل کر لی ہوتی۔ اس طرح قیمتی اوزار سب پلانٹ میں جمع ہوتے گئے۔ اسکی وجہ ماسکو کے فیصلے ہیں۔ میں نہیں۔‘‘

ایک ساٹھ سالہ مزدور کامریڈ سلینن جسے میں صرف کچھ مرتبہ ملا تھا۔ بولنے کیلئے کھڑا ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی میں نے پہچان لیا کہ وہ کون ہے۔

’’جبتک کامریڈ کرافشینکو اپنے سب پلانٹ کے ہیڈ ہیں اُن کے کام میں مخل ہونا مناسب نہیں۔ اس کیس میں کئی باتیں بہت مشکوک ہیں۔ اسلئے ہمیں جلد بازی یا گھبراہٹ میں کوئی قدم اُٹھانا نہیں چاہیئے۔ کامریڈ کرافشینکو کو پارٹی سے نکالنے یا اُن کے خلاف کوئی اور کارروائی کرنے کیلئے ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ کرافشینکو نے خود جو تجویز پیش کی ہے۔ وہ ایک اچھی تجویز ہے۔ میرے خیال میں بہتر

ہوگا۔ کہ ہم سٹی کمیٹی کو ایک کمیشن مقرر کرنے کیلئے کہیں جو اس کیس کی تحقیقات کرے اور کامریڈ گرافشینکو اپنے حق میں جو ثبوت بھی پیش کرنا چاہیں، اس کمیشن کو پیش کریں"۔

یہ تجویز منظور کر لی گئی۔ کمرے سے باہر آتے ہوئے صرف برلیشکو اور بوڑھے سلبنیان نے میرے پاس آنے کی جرأت کی۔ اس کے بعد ۱۸ ماہ تک جبکہ میری مصیبت کے دن ختم ہوئے۔ میں ایک اچھوت بنا رہا۔ لوگ مجھ سے اس طرح ڈرتے تھے جیسے میں پلیگ کا کوئی مریض تھا۔

باب نمبر ۱۵

میری آزمائش

دوسرے دن صبح جب میں نے نکوپول کا مقامی اخبار کھول کر دیکھا تو وہ میرے خلاف پراپیگنڈا سے بھرا ہوا تھا۔ اخبار کے انہی کالموں میں میری تعریف ہوا کرتی تھی۔ اور آج اس کا اثر زائل کرنے کے لئے اخبار نے انتہائی بے رحمی کے ساتھ مجھ پر کیچڑ اچھالا تھا۔

سٹی کمیٹی میں اب براڈسکی کی جگہ ایک آدمی فیلائن کو لگایا گیا تھا۔ صبح میں جلدی جلدی ناشتہ میں مصروف تھا۔ کہ اچانک فیلائن کا ٹیلیفون آیا۔

ہمارے پاس کل کی میٹنگ کی پوری رپورٹ پہنچ گئی ہے۔ اور ہم نے صبح کے اخبارات میں بھی سب کچھ پڑھ لیا ہے۔" فیلاین بولا۔ "کامریڈ کرافتینکو! آپ کوئی فکر مت کریں۔ کام جاری رکھیں۔ اور اس بات کا خیال رکھیں کہ پیداوار برقرار رہے۔ فی الحال کوئی آپکو کچھ نہیں کہے گا"

جب میں فیکٹری میں پہنچا تو دیکھا کہ فیلاین کی طرف سے مقرر کیا گیا تحقیقاتی کمیشن پہلے ہی وہاں اپنے کام میں مصروف ہے۔ اس میں کامریڈ لاس شامل تھا۔ جس نے میری کمر ہمت کو ایکدم توڑ دیا۔ لیکن ساتھ ہی برلیشکو کو بھی دیکھ کر پھر سے کچھ حوصلہ پیدا ہوا۔ کمیشن میں ہمارے چیف انجنیر وشنیف بھی شامل تھے۔ یہ تمام لوگ سپلائی روم میں بیٹھے وہاں آلات اور اوزاروں کے ذخیرہ کا معائنہ کر رہے تھے۔

"گڈ مارننگ" لاس نے بڑی سرد مہری سے کہا۔ "آئیے، اب ہم کام شروع کر دیں۔ کیا یہاں اوزار وغیرہ منگوانے کیلئے آرڈر آپ ہی دیتے ہیں؟"

"ہاں!"

"تو کیا آپ کو اس بات سے انکار نہیں کہ آلات کے اس تمام ذخیرہ کو منگوانے کا آرڈر آپ ہی نے دیا تھا؟"

"یقیناً نہیں!"

"یہ آلات یہاں کس کے حکم پر آئے؟ کاغذات پر دستخط کس نے کئے تھے؟"

"کامریڈ وشنیف نے بطور چیف انجنیر"

ان الفاظ سے وشنیف کے چہرے پر کچھ گھبراہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔

"نہیں نہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ ان کاغذوں پر دستخط میں نے کئے تھے"

وشنیف نے گھبراہٹ میں کہا۔ "یا اگر میں نے ایسا کیا تو مرکز کی ہدایات پر کیا ہوگا"

"اچھا" اب ڈائرکٹر بریشکو بولے " کاغذات سے ہمیں حقیقتِ حال کا علم ہو جائیگا۔"

"میں وہ کاغذات تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔" کمیشن سے وعدہ کرتے ہوئے میں نے کہا۔ "لیکن میں صرف امید کر سکتا ہوں کہ ان کی نقول فائیلوں میں سے مل جائینگی۔ یا پھر اصلی کاغذ خارکوف اور ماسکو میں ملیں گے۔"

ان کاغذات کی تلاش میں میں کئی ہفتے مصروف رہا۔ یہ کاغذات اب بھوت کی طرح ہر وقت میرے ذہن پر چھائے رہتے تھے۔ مجھے احساس تھا۔ کہ ایک بار یہ کاغذ مجھے مل جائیں تو میں یہ ثابت کر سکوں گا۔ کہ مذکورہ آلات اور خاص طور پر امریکہ سے آنے والے اوزاروں کا ایک بڑا حصہ ماسکو کے خاص احکام پر عمل درآمد کیلئے منگوایا گیا تھا۔

اس بات کا مجھے کبھی پتہ نہیں چلا کہ ان کاغذات کی نقول دفتر سے ویسے ہی گم ہو گئی ہیں۔ یا انہیں جان بوجھ کر ضائع کرا دیا گیا ہے۔ بریشکو اور فیلاتن سے اجازت لیکر میں ان کاغذات کی تلاش میں اسی دن خارکوف کیلئے روانہ ہو گیا۔ میں نے ضرورت ہونے پر ماسکو جانے کی اجازت بھی حاصل کر لی تھی۔

ایک غلط اور گھڑا ہوا الزام اس طوفانی دن کے دھندلے آئینے میں بطور خود ایک منطق تھا۔ ذہن میں طرح طرح کے خیالات اٹھ رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر سرخ فوج کو منظم کرتے وقت، ٹراٹسکی "جرمنی کا ایجنٹ" تھا۔ لینن کے ساتھ انقلاب کیلئے جدوجہد کرنے والے روسی رہنما درحقیقت "وحشی کتے" تھے اور غیر ملکی طاقتوں کے تنخواہ دار ایجنٹ تھے۔ تو نکوپول میں کام کرنیوالا یہ کرافشینکو ۱۰ لاکھ روبل کے غیر ضروری آلات جمع کر کے روس سرکار کو تباہ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کر سکتا؟

اس مرتبہ میں نے اپنے گھر والوں سے کوئی بات چھپا نہ رکھی۔ میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا جس کے نتیجہ کے طور پر میرے اور پاپا کے درمیان نفسیاتی کشیدگی آخر ختم ہو گئی۔ اب میری بے چینی کی تہ میں یہ راحت افزا احساس پیدا ہو گیا تھا کہ ایک لمبی کشمکش کم و بیش ختم ہو گئی ہے۔ اچانک میں اپنے آپ کو والدین کے اس قدر قریب محسوس کرنے لگا۔ جیسے کہ بچہ کرتا ہے۔ اب میں ایک کٹر بالشویک نہیں رہا تھا۔

ہمارے اپنے شہر میں بھی کچھ ایسے ہی واقعات ہوئے تھے جن سے کہ میں دوچار ہو رہا تھا۔ چھانٹی کے اس پاگل پن میں ایک ہی رات کو ہمارے تین ہمسایہ کنبوں کے لوگ موت کے گھاٹ اتار دئے گئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی پارٹی کا ممبر نہ تھا۔ انہیں ہم لوگ کئی سالوں سے جانتے تھے۔ اور ان کے ساتھ پاپا نے میں نے اور میرے بھائیوں نے اکٹھے کام کیا تھا۔

ان المناک واقعات کے ماحول میں رہتے ہوئے جن کی تعداد ہر رات کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ قدرتی طور پر میرے گھر والوں کو میرے انجام کے متعلق بھی زبردست تشویش پیدا ہو گئی۔ پاپا اب کام پر نہیں جاتے تھے۔ وہ پنشن پا کر ریٹائر ہو چکے تھے۔ لیکن اب بھی اپنے کارخانہ کے مزدوروں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اور وہ جانتے تھے۔ کہ فیکٹری کے ٹیکنیکل اور انتظامیہ سٹاف پر کتنی زیادہ سختی ہو رہی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ۹۹ فیصدی کیسوں میں کسی پر محض الزام لگنا ہی اس کے جرم کا ثبوت مانا جاتا ہے۔

میری راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ اور بہت برے برے خواب آنے لگے تھے۔ ایک رات کو میں ایک بہت برا خواب دیکھتے دیکھتے چونک کر اُٹھا۔ تو میں نے دیکھا کہ ماما دعا کے لئے گھٹنوں پر جھکی ہوئی ہیں۔ ان کی آنکھیں بند ہیں اور سر اوپر اٹھا ہوا

ہے۔ اُن کے رخساروں پر دو موٹے موٹے آنسو جھلک رہے تھے۔ اور چہرہ کسی غم کے سبب مرجھایا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کچھ بول رہی تھیں۔ اِس آواز میں مَیں نے اپنا نام سنا اور اسی طرح پنجوں پر چلتا ہوا واپس بستر پر آکر لیٹ گیا۔ اُس رات مجھے جتنی گہری اور پُرسکون نیند آئی۔ پچھلے کئی مہینوں سے نہیں آئی تھی۔

دوسرے دن صبح پاپا کے ساتھ کافی دیر تک میری بات چیت ہوتی رہی وہ غصّے سے اُبل رہے تھے۔

"غصّہ کرنے سے کچھ نہیں بنیگا پاپا۔ ہمیں سب سے پہلے اِس بات کے ثبوت جمع کرنے چاہئیں کہ آپ مینشویک نہیں رہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مینشویک ہونا کوئی جرم ہے۔ بڑے بڑے اور بہترین انقلاب پسندوں میں سے کئی مینشویکوں کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔" پاپا نے غصّہ بھری آواز میں جواب دیا۔ اور اُٹھ کر چلے گئے۔

اُس دن پاپا شہر کے کئی پرانے اور مشہور کمیونسٹوں کے پاس گئے جو کہ اُن کے واقف کار تھے۔ اور جنہیں اُن کی سرگرمیوں کے متعلق واقفیت تھی۔ اِن میں سے ہر کمیونسٹ نے پاپا کو لکھ کر اور سرکاری طور پر تصدیق کرا کے اپنے بیان دے دیئے کہ وہ انہیں دیر سے جانتے ہیں اور اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ کہ وہ کبھی کسی خاص پارٹی کے ممبر نہیں رہے ہیں۔

اپنے شہر میں کئی دن قیام کرنے کی وجہ سے خوف کا وہ احساس اور بھی زیادہ گہرا ہو گیا کہ ہم سازش اور جنون کے خوابوں کی ایک دنیا میں رہ رہے ہیں کئی سالوں تک میں اپنے آپ کو اِس احساس سے نجات نہیں دلا سکا۔ میں اُس فیکٹری میں گیا جہاں کسی وقت کام کرتا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے کئی پرانے دوست "ختم" ہو چکے ہیں۔ اُن کے بارے میں لوگ سوالوں کا براہِ راست جواب دینے سے بچنے کی کوشش

کر رہے تھے۔ اس سے مجھے اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ انہیں کیا ہوا ہے۔
پلانٹ کے ڈائرکٹر سٹیفن برمن کو گرفتار نہیں کیا گیا تھا۔ جب خفیہ پولیس والے اُسے گرفتار کرنے کیلئے آئے تو انہوں نے اُس کی لاش کو خون میں لت پت پایا۔ چھانٹی سے بچنے کے لئے اُس نے خودکشی کر لی تھی۔ ہنگری کا باشندہ یہ برمن اپنے علاقہ کی بیلاکُن کمیونسٹ حکومت میں بطور وزیر کام کرتا رہا تھا۔ جب میں خارکوف کیلئے روانہ ہوا تو ریلوے سٹیشن پر ماما نے مجھے الوداع کہی مجھے توقع تھی کہ اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئیں گے لیکن انہیں۔

"ویٹا" انہوں نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "اپنے آپ پر قابو رکھو جہاں جھک سکتے ہو جھکو۔ آخر وہ لوگ بھی انسان ہیں۔ وہ ضرور سمجھ جائیں گے۔۔۔؟"

خارکوف کے ٹرپوسٹل ہیڈکوارٹر میں ہر سُو پریشانی اور گھبراہٹ دیکھی ہر آدمی پر دہشت طاری تھی۔ کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کل دفتر آئیگا۔ یا نہیں اور کل جیل کے باہر ہوگا یا اندر۔ کئی افسروں نے جو سالوں تک میرا کام دیکھتے رہے تھے۔ دیانتداری سے میری مدد کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں وہ دستاویزات نہ مل سکیں جن کی کہ مجھے ضرورت تھی مایوس ہو کر میں نے نکوپول میں برینٹ کو فون کیا۔

"پائیٹر پیٹرو وچ۔ مجھے کاغذات نہیں مل سکے" میں نے انہیں بتایا۔ "عام دفتری پیچیدگیوں میں چھانٹی نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ کیا مجھے ماسکو جا کر قسمت آزمائی کرنی چاہیئے؟"

"نہیں نہیں۔ تم جلد واپس آجاؤ۔" انہوں نے جواب دیا۔

"لیکن کیوں؟ کیا ہوا ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔

"میں یہ سب ٹیلیفون پر نہیں بتا سکتا۔ جتنی جلدی آسکتے ہو واپس آجاؤ۔ یہ بھی ضروری ہے۔" یہ کہکر انہوں نے فون رکھ دیا۔

(۲)

کامریڈ برلیشکو کی پریشانی جائز اور مناسب تھی۔ میرے ذاتی۔ دشمنوں حاسدوں اور خود غرضوں نے میری غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا تھا۔

خفیہ پولیس نے میرے سٹاف کے ممبروں کا "صفایا" شروع کر رکھا تھا۔ ڈیوبنسکی۔ رشپاشنسکی، انجینئر باکو اور تقریباً ایک درجن دیگر اشخاص گرفتار کئے جا چکے تھے۔ مزدور خوفزدہ تھے۔ اس کے علاوہ میرے اپنے یونٹ کے پارٹی سیکرٹری یاسنیف نے اعلیٰ حکام کی ہدایات کے مطابق کچھ ورکروں پر دباؤ ڈالا تھا۔ کہ وہ میری "مذمت" کریں۔ اُسے میرے خلاف مواد جمع کرنے کے کام پر لگایا گیا تھا۔

لاس بڑی تیزی سے اپنی چال چل رہا تھا۔ اُسے زیادہ وقت ضائع کئے بغیر کرانستبدا و سکی کیس کو ختم کرنا تھا۔ درحقیقت میرے خلاف کارروائی میرے متعدد دیگر ساتھیوں کے خلاف کارروائی کی بنیاد تھی۔ جنہیں کہ کسی نہ کسی طرح پھنسایا جانا تھا۔ لاس اور اُن کے دوست تاخیر برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ اور مجھے ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اسی میں اُن کی عزت تھی۔ اور وہ اسی طرح سے سیاسی طور پر اُونچے اُٹھ سکتے تھے۔ چند دن بعد انہوں نے میرے کیس پر پھر غور کرنے کیلئے نکبری پارٹی کمیٹی کی میٹنگ بلائی۔

یہ میٹنگ بھی کلب کے کھیل کے کمرے میں ہوئی۔ افسروں کو پارٹی لیڈروں کی تصویروں اور سُرخ جھنڈوں کے نیچے پلیٹ فارم پر ایک لائن میں بٹھایا گیا تھا۔

کمرے میں لگی ہوئی بتیاں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں اور اس سے پتہ چلتا تھا کہ کوئی ڈرامہ۔ روسی اخلاق کا کوئی عجیب و غریب نمونہ ——— اس سٹیج سے پیش کیا جانے والا ہے۔ اپنے آپ کو سنبھالے رکھنے اور پُر وقار طور پر عمل کرنے کی تمام کوششوں کے باوجود دل دھڑک رہا تھا۔ اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میرا انگ انگ کانپ رہا ہے۔

صرف دو ساتھیوں نے میٹنگ میں میرے پاس آنے کی جرأت کی۔ سیلینین اور گوسشن تھے۔ دونوں سیدھے سادے مزدور اور عمر رسیدہ آدمی تھے۔ اس بار لاس نے یہ خاص احتیاط کر لی تھی کہ "تخریب کی ایک اور سازش کو بے نقاب کرنے کے لیے اُس کی کوششوں میں کوئی مداخلت نہ ہو۔ ہر آدمی کو اُس کا پارٹ بخوبی سمجھا دیا گیا تھا۔

میرے کیس پر بحث لاس نے خود شروع کی۔ اُس کی تقریر۔ لوگوں کے جذبات کو بھڑکانے کے فن کا ایک شاہکار تھی۔ اُس نے کہا کہ میرا جرم بہت حد تک ثابت ہو گیا ہے۔ لاس نے یہ بھی کہا کہ اس بات میں اب کوئی شک نہیں رہا۔ کہ میرے پاپا اینٹی روسی خیالات کے تھے۔ اور ایک سرگرم مینشویک تھے۔ اُس نے وعدہ کیا کہ میری تخریبی کارروائیوں کی تفاصیل دوسرے ذرائع سے اور دوسرے موقعہ پر پیش کی جائیں گی۔ لاس کہہ رہا تھا۔

"ہمارے پاس ابھی یہ ثابت کرنے کے لئے کہ کرافشینکو اپنے باپ سے مل کر تخریبی کارروائیاں کر رہا ہے۔ پورے اعداد و شمار نہیں ہیں۔ ہمیں ایسی بہت سی شکایات موصول ہوئی ہیں۔ کہ کرافشینکو نے جو کہ عوام کا دشمن ہے۔ نہایت چالاکی سے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے۔ وہ کمیونسٹوں کو اپنے پلانٹ سے نکال کر مزدور دشمنوں کو وہاں جمع کر رہا ہے۔ کیا اب کوئی اس معاملہ میں کچھ کہنا چاہتا ہے؟"

کئی ہاتھ اُٹھے - اس مرتبہ میکاردف ینشا ئیکیوچ اور یوڈاون نے اپنے خیالات کو اچھی طرح سے ترتیب وار جمع کر رکھا تھا - اُن کی تقریروں کے بعد لاس نے پھر پوچھا۔

"کیا اب کوئی کرافشینکو کے حق میں بولنا چاہتا ہے؟" اُس کا انداز کچھ اس قسم کا دھمکی آمیز تھا جیسے وہ لوگوں کو متنبہ کرنا چاہتا ہو کہ جس کسی نے کرافشینکو کے حق میں بولنے کی جرأت کی اُسے اس کی سزا بھگتنی پڑے گی -

"میں بولوں گا -" ایک آواز آئی جو کہ سلینن کی آواز تھی - اُس نے کہا "میں بولنا چاہتا ہوں - کیونکہ اس نوجوان اور قابل ساتھی کے خلاف تمام الزامات کسی بگڑے ہوئے دماغ کی اُپج ہیں - کرافشینکو ایک مزدور کا بیٹا اور ایک پرانا انقلابی ہے - اُس کے باپ کے متعلق اور جو کچھ بھی یہاں کہا گیا ہے - سفید جھوٹ اور غلط بیانی ہے - جس طرح پانی کو بلونے سے مکھن نہیں نکل سکتا - اُسی طرح کرافشینکو کے باپ کے خلاف لگائے گئے الزامات صحیح ثابت نہیں ہو سکتے - اس کے علاوہ کرافشینکو اب بالغ ہے - اور اپنے آپ کیلئے خود ذمہ دار ہے"

"ایک اور بات جو میں آپکو بتانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ یاسنیف نے مجھے اپنے دفتر میں بلا کر کرافشینکو کے خلاف ایک بیان پہ دستخط کرنے کے لئے کہا تھا - میرے انکار کرنے پہ اُس نے مجھے ڈرایا دھمکایا - اسلئے اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ کرافشینکو کے خلاف جتنے بیان یہاں پیش کئے گئے ہیں اُن سب کی کتنی قیمت ہے"

"یہ سب جھوٹ ہے" یاسنیف نے گرجتے ہوئے کہا -

"نہیں یہ سچ ہے ساتھیو - آپ جانتے ہیں کہ میں اب کافی بوڑھا ہو چلا ہوں - اور بہت پرانا بالشویک ہوں - اسلئے میں اس قسم کی بات اپنے آپ گھڑ نہیں سکتا - میں ایک مزدور ہوں - جس نے کہ اپنے آپ کو پارٹی کے ارپن کر رکھا ہے - لیکن ہمارے

ایک بہترین اور سب سے دیانتدار ڈائرکٹر کے خلاف یہ الزامات اور کاروائی ایک سکینڈل ہے۔"

ان الفاظ سے میٹنگ کا سکون درہم برہم ہو گیا۔ لوگ شور مچانے لگے اور بلند آواز میں اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے لگے۔

جب کچھ خاموشی ہوئی تو بریشکو تقریر کرنے کیلئے پلیٹ فارم پر آئے۔ انہوں نے میرے خلاف تخریبی کارروائیوں کے الزام کو غلط ثابت کرنے کے لئے دلائل پیش کئے۔ انہوں نے کہا کہ میرے سیکشن نے جتنے آلات منگوائے تھے ان کی واقعی ضرورت تھی۔ اگرچہ بعد میں سکیموں میں ردّ و بدل ہو جانے کی وجہ سے ان میں سے کئی استعمال نہ کئے گئے۔ لیکن سکیموں میں ردّ و بدل میرا قصور نہیں تھا۔

"ہمیں حقائق کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ کیا آپ بتائیں گے کہ متعلقہ دستاویزات کہاں ہیں؟" لاس نے بریشکو کو ٹوکا۔

"میرے پاس دستاویزات نہیں ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم انہیں تلاش کر لیں گے۔ اگر کرافشینکو مجرم ہے تو اس کا انچارج ہونے کے ناطے میں بھی مجرم ہوں چیف انجنیئر ہونے کے ناطے وستنیف بھی مجرم ہے اور سارے کام کے انچارج ہونے کے ناطے خارکوف کا ٹربوسٹل اور ماسکو کا صنعت کمشنر بھی مجرم ہے۔"

اس مرحلہ پر سٹیج کے پیچھے سے کسی کے گرجنے کی آواز سنائی دی۔ بریشکو کے دلائل اس آواز تلے دب کر رہ گئے۔ ہر آدمی یہ دیکھنے کے لئے کہ سٹیج کے پیچھے کون ہے ادھر دیکھنے لگا۔ سٹیج کے پیچھے دروازے میں نکوپول خفیہ پولیس کا انچارج ڈوروگن کھڑا تھا۔ لمبا چوڑا فربہ جسم۔ بڑے بڑے نقش و نگار۔ متجسس آنکھیں اور بڑی لمبی ٹانگیں ـــ ڈوروگن واقعی ایک عجیب قسم کا انسان تھا۔ دایاں ہاتھ پستول پر رکھے اور بائیں میں سگریٹ دبائے وہ دروازے کا سہارا لیکر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ لیکن

مُسکراہٹ میں طنز تھا اکھڑپن تھا۔ بلند آواز میں اُس نے کہا۔

"کامریڈ بریشکو۔ آپ جذبات میں آ گئے۔ ایسی مہم شروع کرنے کا خوب وقت ملا آپ کو۔"

آہستہ آہستہ اُس نے میٹنگ میں موجود تمام لوگوں پر نگاہیں ڈالیں۔ بریشکو نے جلدی میں اپنی تقریر ختم کر دی۔ وہ کچھ گھبرا سے گئے تھے۔ اب لاس نے میٹنگ کو جلد ختم کرنے کے لئے پھر کوشش کی۔ ہال میں موجود دوسرے لوگوں کی طرح اُسے بھی یقین تھا۔ کہ ڈوروگن مجھے گرفتار کرنے کیلئے آیا ہے۔ اور میٹنگ ختم ہونے کے بعد مجھے گرفتار کر کے لے جائے گا۔

"کافی ہو چکا۔ ہمیں اب یہ تماشہ ختم کر کے اس "عوام دشمن" کو پارٹی سے خارج کر دینا چاہیئے۔" میکاروف نے آواز دی۔

"نہیں ساتھیو۔" لاس نے جواب میں کہا۔ "کرافشینکو کو آخری مرتبہ اپنی صفائی پیش کرنے کا حق حاصل ہے۔ اگر وہ چاہے تو اُسے ۵ منٹ مل سکتے ہیں۔"

یہ سُن کر میں، سٹیج کی طرف چل پڑا۔ ذہنی طور پر تو میں اس قسم کی صورت حال کیلئے تیار تھا۔ لیکن مجھے یہ خیال نہیں آیا تھا۔ کہ اتنی جلدی ہی ایسا ہو گا۔ پھر مجھے وقت بھی بہت کم ملا تھا۔ سٹیج پر پہنچکر اپنے حق میں دلائل پیش کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا۔ کہ میرے دلائل کا وزن بہت کم ہو گیا ہے۔ میں اس موقع کا پورا فائدہ نہیں اُٹھا رہا تھا۔ اس تقریر کے دوران میں میری آنکھیں لگاتار ڈوروگن پر لگی رہیں۔ جو اب تک دروازہ میں کھڑا خوفناک ڈھنگ سے مُسکرا مُسکرا کر سر ہلا رہا تھا۔

تقریر کے بعد میں ابھی ڈوروگن کیطرف دیکھتا ہوا سٹیج سے اُتر کر اپنی نشست کی طرف آ ہی رہا تھا۔ کہ ووٹ ڈالے گئے۔ ڈوروگن کی محض موجودگی ورکروں کو مرعوب کرنے کیلئے کافی تھی۔ صرف ۶ آدمیوں نے میرے اخراج کیخلاف ووٹ دیا۔ ۱۷۰ نے

اُنہیں نظر انداز کر دیا۔ اور اعلان کر دیا کہ

"یہ میٹنگ اتفاق رائے سے سٹی کمیٹی سے سفارش کرتی ہے۔ کہ کامریڈ اینڈری ووچ کرافٹینکو کو پارٹی سے خارج کر دیا جائے۔"

مَیں چلتا چلتا اب ڈوروگن کے پاس پہنچ گیا تھا۔ مجھے قریب آتے دیکھ کر ڈوروگن نے پوچھا۔

"کیا تم اپیل کرنا چاہتے ہو؟"

"یقیناً۔" میں نے جواب دیا۔ "مَیں کامریڈ آرٹوز ہونی کٹز کو تار دوں گا خارکوف و ماسکو کے حکام سے اس کارروائی کے خلاف پروٹسٹ کروں گا اور کل سٹی کمیٹی میں اپیل کروں گا۔"

"کرافٹینکو۔" سگریٹ کا کش لگا کر آہستہ آہستہ دھواں چھوڑتے ہوئے ڈوروگن نے کہا۔ "اتنے لوگوں کو پریشان کرنا فضول ہوگا۔ ہاں بالکل فضول ہوگا۔"

بات سُنی ان سُنی کر کے میں باہر تاریکی میں نکل گیا۔ کڑاکے دار سردی پڑ رہی تھی۔ لیکن میں نے اپنے اوور کوٹ کے بٹن بھی بند نہ کیئے تھے۔ مانو میرا جسمانی احساس ختم ہو چکا تھا۔ توقع تھی کہ خفیہ پولیس کی کار باہر میرا انتظار کر رہی ہوگی اسلیئے میں نے چاروں طرف آنکھیں دوڑائیں۔ ہال کے اندر سے کئی لوگ میری گرفتاری کا منظر دیکھنے کیلئے باہر آ گئے تھے۔ لیکن گرفتاری عمل میں نہ آئی اس پر اُنہیں پریشانی بھی ہوئی۔ اور مایوسی بھی۔

گھر پہنچ کر مَیں کمروں میں گھوما۔ جیسے کوئی سکون اور راحت کی تلاش میں گھوم رہا ہو۔ آرٹوز ہونی کٹز کے نام میں نے ایک تار لکھا اور پھر پھاڑ دیا۔ مَیں نے سوچا کہ آخر مجھ جیسے اور بھی تو لاکھوں ہیں کامریڈ آرٹوز ہونی کٹز کس کس کی سُنیں گے۔
آخر سوچ سوچ کر ذہن کے تھک جانے کے بعد میں اپنے کپڑوں سمیت ہی

بستر پر لیٹ گیا۔ مجھے علم تھا کہ ابھی خفیہ پولیس کے آدمی میری گرفتاری کے لئے آئیں گے۔ اور مجھے پھر کپڑے زیبِ تن کرنے ہوں گے۔ میں سویا نہیں۔ یا میرا جسم چاہے سو گیا ہو دماغ نہیں سویا۔ دماغ میں طرح طرح کے خیال اُٹھ رہے تھے۔ اور میں ہر پہلو سے اُن پر سوچ بچار کر رہا تھا۔ ایک عجیب و غریب قسم کا خیال اُٹھا اور اُس پر غور کرتے کرتے میرے دل میں غم کی جگہ ایک عجیب سی مسرت نے لے لی۔ مجھے غم کا مداوا مِل گیا تھا۔ میں اپنے آپ کو گولی مار کر ہلاک کرنے کا اِرادہ کر رہا تھا۔ اور اگر میرا جسم میرے دل کا ساتھ دیتا تو شائد اُسی رات کو میری داستانِ حیات ختم ہو جاتی۔ لیکن۔ دل اور جسم جو تب تک ایک رہتے۔ اب آمنے سامنے ہو گئے۔ ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لئے دونوں میں زبردست کشمکش جاری تھی۔ کہ میری کھڑکی کو کسی نے باہر سے کھٹکھٹایا۔ دھکا تو نہیں مارا گیا تھا۔ لیکن کھٹکھٹاہٹ کی توقع ہونے کی وجہ سے مَیں نے اِسے فوراً ہی سُن لیا۔ اور اُٹھ کر دروازہ کھولنے کے لئے چل دیا۔ آخر جسم دل پر برتری حاصل کر رہا تھا۔

وہ آ ہی گئے۔ چلو ختم ہُوا۔ مَیں نے سوچا۔ اب نیند اُڑ چکی تھی اور مَیں پوری طرح ہوشیار ہو چکا تھا۔ دروازہ کھولا سامنے میری توقع کے خلاف، خفیہ پولیس کے باوردی سپاہی نہیں بلکہ بوڑھا مزدور کرپوشکن کھڑا تھا۔

"آؤ۔ آؤ۔ کامریڈ کرپوشکن" مَیں نے خوش ہوتے ہُوئے تندرست حیرانی سے کہا۔ "تم آدھی رات کیوقت کیسے آئے؟"

"ہو سکتا ہے کہ مَیں نہ آتا تو اچھا ہوتا۔" اُس نے جواب دیا۔ "میں اندر نہیں آؤں گا۔ کیونکہ میرے مٹی سے لتھڑے ہُوئے پیر دل سے غالیچہ خراب ہو جائیگا۔ مَیں ابھی ابھی کام سے آیا ہوں اور تاریک رات میں کیچڑ میں گرتا پڑتا یہاں تک پہنچا ہُوں۔"

" جہنم میں جائے غالیچہ - تم اندر آؤ - لاؤ اپنا اوور کوٹ - اِدھر کرو - چائے پیو گے ؟ اور ہاں تمہیں میرے مکان کا پتہ کیسے چلا "؟

" تمہیں معلوم ہے اینڈری وِچ تمہیں تلاش کرنا کوئی مشکل نہیں آپکے لئے تو بیرکوں میں جاکر مجھے تلاش کرنا ضرور مشکل ہو گا - لیکن آپکا مکان کون نہیں جانتا - اچھا - اب میں اندر ہی چلتا ہوں "

" ایسی باتیں مت کرو - کریوشکن ! جب میں کانوں میں کام کرتا تھا تو تمہاری بیرکوں سے بھی بدتر بیرکوں میں رہا کرتا تھا - اور پھر اب تو شائد جلد ہی مجھے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں جا نا پڑے "

" اسی لئے تو میں یہاں آیا ہوں - ڈکٹر ! تمہارے اخراج کی خبر رات کی ساری شفٹ میں پھیل گئی تھی - تمام مزدوروں کو اس سے دُکھ ہوا ہے "

" وہ سب تمہاری عزت کرتے ہیں - اور انہیں تمہاری اس مصیبت پر بہت افسوس ہے - جہاں تک میرا تعلق ہے - میں اپنے دُکھ کا اظہار کیسے کروں ؟ میری زندگی میں تمہارا مقام بہت بلند ہے - صرف اسلئے نہیں کہ تم نے مجھے بہتر ملازمت دلائی - اور میں آج پہلے سے بہتر زندگی بسر کرتا ہوں - بلکہ اسلئے کہ تم نے اسوقت مجھ میں انسان ہونے کا احساس پیدا کیا جبکہ میں ذہنی پریشانیوں کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا "

میں نے جلدی اُس کے سامنے رکھی گھونٹ گھونٹ کر کے چائے پیتے ہوئے کریوشکن بولتا رہا -

" گذشتہ ۴ سالوں میں یہ پہلا موقع ہے کہ میں لیمول کے ساتھ چائے پی رہا ہوں - لیکن میں یہاں آیا کیوں ؟ میں خود ہی اسکا جواب دونگا - تم جانتے ہو کہ میں پرانے وقتوں کا آدمی ہوں - اور کسی کی توجہ کا مستحق نہیں - میرے

پاس کچھ ہے ہی نہیں جو کوئی مجھ سے چھین سکتا ہے۔ اِسلئے میں کسی سے خوف بھی نہیں کھاتا۔ میرے پاس تو اب بس ایک زندگی ہی زندگی ہے۔ وِکٹر بعض اوقات جو کام شیر نہیں کر سکتا اُسے ایک چوہا کر لیتا ہے۔ کچھ بھی ہو۔ اب میری باری ہے کہ میں جس بھی ڈھنگ سے ..... تمہاری مدد کر سکوں کروں۔ اور اِسی لئے میں یہاں آیا ہوں۔"

غم اور اندوہ کے باوجود مجھے ہنسی آگئی۔ اِس سادھارن اور سیدھے سادھے مزدور میں کتنی نیکی۔ کتنا احساس بھرا ہوا تھا۔ وہ بھولا بھالا مزدور شائد سمجھتا تھا کہ مجھے سچ مچ کسی بات کو چھپانا ہے جیسے سچ مچ مجھے کسی ایسے آدمی کی ضرورت ہو جو اِس کام میں میری مدد کر سکے۔

"کرپوشکن - میری بات سنو اور یقین کرو۔ میں تخریب کار نہیں ہوں۔ مجھے کسی چیز کو چھپانا نہیں ہے۔ پولیس والوں کو آنے دو۔ میرے گھر میں یا میرے دل میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے میرے خلاف کیس ثابت ہوتا ہو۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ تم تخریب کار ہو؟ لیکن ہو سکتا ہے۔۔۔۔"

"میں تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کرپوشکن کہ تم پہلے ہی میرے لئے بہت کچھ کر چکے ہو۔ میں تمہیں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ تمہاری میرے مکان پر آمد بہترین یاد ہو گی جو میں نکوپول سے لے کر جاؤں گا۔"

کرپوشکن کے ساتھ اِس طویل بات چیت اور اُس کی اِس پیشکش نے کہ وہ میری خاطر کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہے۔ مجھے پھر سے ترو تازہ کر دیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد میں نے گھر میں ایک بار پھر ان دستاویزات کی تلاش شروع کی جو مجھے بچا سکتی تھیں۔ ایک نئی اُمید کے سہارے میں اُس الماری کے پاس پہنچا۔ جس کے اُوپر کچھ آرٹیکلوں کے تراشے بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ اُن کے عین اُوپر ایک

صندوقچی تھی۔ کئی مہینے پہلے میں اپنے کاغذات وغیرہ رکھنے کیلئے اسے استعمال کیا کرتا تھا۔ لیکن راجدھانی کے دورہ سے واپسی پر میں نے اسے ایک طرف رکھ دیا تھا۔ اب میں اسے کبھی کبھار کھولتا تھا۔ آج نہ جانے کیوں میں نے پھر اسے کھولا۔ صندوقچی خالی تھی۔ اسے بند کر کے میں الماری کے اوپر رکھنے ہی والا تھا کہ نہ معلوم کس احساس کے زیر اثر ایکبار پھر میرے دل میں اسے کھول کر دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ صندوقچی کھولی اور اس کی ایک طرف والی جیب میں نگاہ ڈالی — یہ واقعی ایک معجزہ تھا۔ بہت بڑا معجزہ — جیب میں اُن خطوط کی نقول پڑی ہوئی تھیں جو کہ غیر ضروری بیان کئے جانے والے اوزار منگوانے کیلئے فیکٹری کی طرف سے لکھے گئے تھے۔ میں نے اُن مسلے ہوئے خستہ حال کاغذ کے ٹکڑوں کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ یقین نہیں آرہا تھا۔ کہ یہ وہی کاغذ ہیں انہیں دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ کسی بہت بڑی لاٹری کا پہلا انعام جیتنے والے کو کتنی خوشی ہوتی ہے۔

اب مجھے نیند کبھی نہیں آرہی تھی۔ اس بات کیلئے میں بیتاب تھا کہ برشکو اور خاص طور پر دشنیف کو جس کی قسمت میرے ساتھ وابستہ تھی جلد سے جلد یہ خوش خبری دوں۔

صبح جب میں فیکٹری میں گیا تو مزدور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرانی کے ساتھ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ راتوں رات یہ افواہ پھیل چکی تھی کہ مجھے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ کئی مزدور ابھی مجھے آزاد دیکھ کر مسکرائے اور کچھ ایک نے مجھے اپنے پاس سے گذرتا دیکھ کر کسی نہ کسی بہانے کچھ دوستانہ الفاظ کہے میں نے ان قیمتی خطوط کی فوٹو کاپیاں بنوالی تھیں۔ اُن میں سے ایک کاپی

مَیں نے برلیشکو کو بھیج دی۔ ایک دوشنیف کو اور ایک کاپی پر اپنے خلاف الزامات کی تفصیل اور ان خطوط سے اُن الزامات کے غلط ثابت ہونے کے متعلق دلائل لکھ کر اُسے اپنے ایک اَہرے دوست کے حوالے کر دیا۔ میں نے اُسے کہہ دیا تھا کہ اگر مجھے گرفتار کر لیا جائے تو وہ میری بے گناہی کے اس ثبوت کو ماسکو جا کر سنٹرل کمیٹی تک پہنچا دے۔

مَیں نے صنعتی کمشنر کامریڈ آرڈژ ہونی کڈز کے نام ایک خط میں، اُنہیں اپنی معاملہ بابت کے متعلق مطلع کر دیا۔ خارکوف ٹربو سٹل کے ہیڈ آئیفانشینکو کو بھی ایک خط لکھا جس میں اپنے خلاف لگائے گئے الزامات کو بے بنیاد قرار دیا۔ اور تب میں نے سٹی کمیٹی میں فیکٹری کمیٹی کے فیصلہ کے خلاف رسمی اپیل دائر کر دی۔ میری اپیل پر کامریڈ میلاین نے بلا تاخیر کمیٹی کے بیورو کا اجلاس بلا لیا۔

اَب تک نکوپول میں کرافشینکو کیس کافی مشہور ہو چکا تھا۔ اس کی ایک وجہ سب سے بڑے پائپ رولنگ پلانٹ کا ڈائرکٹر ہونے کے ناطے میرا عہدہ تھا۔ لیکن اصلی وجہ وہ جد و جہد اور زور شور تھا جس سے کہ میں اپنے آپکو بچانے کی کوششیں کر رہا تھا۔

اور مجھے یقین ہے کہ میرے بچاؤ کی ایک وجہ یہی تھی کہ میرا کیس بہت زیادہ شہرت اختیار کر گیا۔ اب چونکہ مقدمہ "کھُلی عدالت" میں شروع ہوا۔ اسلئے پولیس اور پارٹی کے عہدیداروں کیلئے چُپ چاپ یا بغیر کوئی بات سُنے اسے نپٹا دینا مشکل ہو گیا تھا۔

سٹی کمیٹی کے بیورو کے تمام ممبر دریائے نیپئر کے کنارے پارٹی بلڈنگ میں جمع ہو گئے۔ برلیشکو اور ڈوردگن کو چھوڑ کر باقی تقریباً سب ممبر نئے تھے چھانٹی کے گزشتہ دو مہینوں میں ہی اس بڑے صنعتی علاقے کے سب سے بڑے پارٹی ادارہ میں بہت بھاری تبدیلیاں ہوئی تھیں۔

اُس نے میرے خلاف کیس پیش کرتے ہوئے اُسے پھر اسی الزام سے شروع کیا

کہ میرے پاپا مینشویک تھے۔ کامریڈ فیلاین اس موضوع پر لاس کی تقریر سُنتے رہے۔ اور جب وہ خاموش ہوا۔ تو انہوں نے وہ بیانات پڑھ کر حاضرین کو سنائے جو کہ پاپا نے اپنے شہر کے بڑے بڑے کمیونسٹوں سے حاصل کئے تھے۔ انہوں نے کہا۔

" یہ بیانات اُن اچھے کمیونسٹوں کے ہیں جو کہ بڑے کرافشینکو سے سیاسی اختلافات رکھتے رہے ہیں۔ اس وجہ سے یہ اور بھی زیادہ با اثر ہو گئے ہیں۔ لیکن ساتھیو۔ آج کی ڈاک میں مجھے زار کی خفیہ پولیس کی رپورٹوں اور زار کے وقت کے جیلخانوں کے ریکارڈ کی کچھ نقل موصول ہوئی ہیں۔ جو کہ کامریڈ کرافشینکو کے والد کی انقلابی سرگرمیوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ کوئی آدمی چاہے تو یہاں آکر ان کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ مَیں نے ان کا بغور مطالعہ کیا ہے اور میرے دماغ میں یہ واضح ہو گیا ہے کہ وہ مینشویک نہیں۔ انقلاب کے ایک گمنام ہیرو ہیں۔"

ڈوروگن کا چہرہ غصّے سے لال ہو گیا۔ اور پھنکارتا ہوا اِدھر اُدھر گھومنے لگا نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا اور کیا پلان بنا رہا تھا؟ ساری میٹنگ کے دوران میں یہی سوال میرے دماغ میں چکر لگاتا رہا۔ میرے خلاف جو کیس تیار کیا گیا اُس میں خفیہ پولیس کا ہاتھ ناگزیر تھا۔ تو کیا ڈوروگن اپنے شکار کو ہاتھ سے نکلنے دیگا؟

فیلاین کے بعد پھر لاس کی باری آئی اور اب اُس نے تخریبی کارروائیوں کے متعلق میرے خلاف سب سے بڑا الزام پیش کیا۔ اُس نے کہا کہ کرافشینکو اور بریشکو دونوں متعلقہ دستاویزات کی بات کرتے ہیں لیکن وہ صرف باتیں ہی کرتے ہیں۔ دستاویزات پیش نہیں کر سکتے۔

" اوہ نہیں۔ کامریڈ لاس" بریشکو نے اُسے ٹوکا۔ "ہمارے پاس ثبوت ہیں۔ دیکھئے۔"

بریشکو کے ان الفاظ پر ڈوروگن اسقدر گھبرایا کہ ایکدم اُٹھکر کھڑا ہو گیا

اور پھر خود ہی کچھ سوچ کر بیٹھ گیا۔ لاس کا مُنہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ بریشکو نے دستاویزات کی کاربن کاپیاں میز پر پھیلا دیں اور اختصار سے یہ بتایا کہ ان میں میرے خلاف لگائے گئے الزامات کیسے غلط ثابت ہوتے ہیں۔

فیلائین کو یہ ثبوت پیش ہونے سے شانتی مِلی تھی اور اُن کے چہرے پر اِس کے واضح آثار تھے۔ اُنہوں نے کہا:۔

"مَیں تو سمجھتا ہُوں کہ یہ ثبوت کرافشینکو کو بیگناہ ثابت کرتے ہیں۔"

مقدمہ کی سماعت کئی گھنٹے بعد تک جاری رہی۔ لاس نے مجھے پھنسانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اُس نے اُن انجنیئرز، ٹیکنیکل ماہرین اور افسروں کے نام گنوانے شروع کر دیئے جو اب جیل میں تھے۔ اور اُس کے بیان کے مطابق میرے دوست تھے۔ میرے خلاف کیس اُس نے اِتنی شدّت سے پیش کیا کہ ڈورودگن کا پلیٹھ وارانہ فخر بول اُٹھا۔ "لاس۔ کیوں میرے مُنہ کا نوالہ چھین رہے ہو۔" اِن الفاظ سے میٹنگ میں زوردار قہقہہ پڑا۔ لیکن لاس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

بریشکو نے میٹنگ میں رسمی طور پر یہ تحریک پیش کی کہ مجھے پارٹی سے نکالنے کے متعلق فیکٹری کمیٹی کی سفارش ردّ کر دی جائے۔ لاس اور ڈورودگن نے ووٹ نہ دیا اور تحریک ممبروں کے ووٹوں سے پاس ہو گئی۔ تب کسی نے اُٹھ کر ایک اور تحریک پیش کر دی کہ کرافشینکو کو کم از کم وارننگ دیدی جائے۔ کیونکہ چاہے وُہ بڑے الزامات سے بُری ہو گیا ہے لیکن پارٹی عہدیداروں اور ٹریڈ یونین عہدیداروں کے ساتھ اُس کا سلوک اچھا نہیں رہا۔ یہ ڈورودگن کے وقار کو قائم رکھنے کی ایک کوشش تھی۔

مجھے وارننگ دیدی گئی اور باقی الزامات سے مَیں بری ہو گیا۔ لیکن اُس کے بعد جب مَیں نے کام شروع کیا تو میرے چاروں طرف دہشت ہی

دہشت تھی۔ میری اپنی شاپ اور میرے دفتر سے لوگ گرفتار کئے جا رہے تھے۔ لاپتہ ہو رہے تھے۔ میں کئی مرتبہ ۱۴، ۱۶، ۱۸ اور ۲۰، ۲۰ گھنٹے تک لگاتار کام میں مصروف رہتا۔ تاکہ مجھے کسی بات کو سوچنے کا موقع نہ ملے۔ اور میں ذہنی پریشانی سے بچا رہوں۔ اب میری ذاتی زندگی ختم ہو چکی تھی۔ کام کرتے ہوئے بھی مجھے اطمینان نصیب نہیں ہوتا تھا۔ نہ اپنے متعلق اب مجھے کوئی امید تھی نہ ملک کے مستقبل کے متعلق۔

یہی حالات تھے کہ فروری ۱۹۳۷ء کا وہ پُر الم دن آ پہنچا۔ میں ایک دن میز پر بیٹھا آئیفا نشینکو کے نام اپنی فیکٹری کی پروڈکشن رپورٹ لکھ رہا تھا جبکہ میرا ایک اسسٹنٹ بھاگتا ہوا دفتر میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"وکٹر اینڈری وچ" بھری ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ "سیرگو آرڈزہونی کڈز چل بسے۔ ملک کی بدقسمتی!"

مجھ پر جیسے فالج گرا۔ خاموش۔ اور بے حرکت میں وہیں بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔ آنسو رخساروں پر سے بہہ کر نیچے گر رہے تھے۔ میں ایک دوست اور ایک سرپرست سے محروم ہو گیا تھا۔

دوسرے ہی دن مجھے گیرشگورن کا ٹیلیفون آیا۔

"کتنا بڑا المیہ ہے" اس نے کہا۔ "ماسکو میں تمہارا سرپرست چل بسا۔ خیر بہتر ہوگا کہ ہم جلد آپس میں ملکر کچھ ادھر ادھر کی باتیں کریں۔" یہ کہہ کر اس نے ٹیلیفون رکھ۔ اب میرے چاروں طرف طوفانی لہریں تھیں۔ اور ان میں گھرا ہوا میں نہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔

باب نمبر ۱۶

اِنصاف کی کھوج

ایک دِن صبح جب میں فیکٹری میں پہنچا تو بریٹ کو وہاں میرا اِنتظار کرتے پایا۔ اُن کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے افسوس بھری آواز میں کہا۔

"وکٹر اینڈری وِچ۔ سٹی کمیٹی کے سیکرٹری کامریڈ فیلاین رات گرفتار کر لئے گئے!"

بات واقعی پریشان کُن تھی۔

اُسی دِن بعد دوپہر کامریڈ لاس نے مجھے بُلایا۔ اُس کے چہرے سے ظاہر تھا کہ وہ فیلاین کی گرفتاری کو اپنی فتح سمجھ کر خوش ہو رہا ہے۔ مجھ سے مخاطب ہو کر اُس نے کہا۔ "ہمیں آپ کا کیس پھر سے سٹی کمیٹی میں پیش کرنا پڑیگا۔ پچھلی بار عوام کے دشمن فیلاین نے تمہیں بچا لیا تھا۔ اب ہم دیکھیں گے۔ خیر کوئی بات نہیں۔"

اُس کے الفاظ میں طنز تھا۔ اور نگاہوں میں بھی۔

میں سمجھے بیٹھا تھا کہ اب میں چھانٹی کے مرحلہ سے گذر چکا ہوں۔ لیکن نہیں یہ تو اُس عمل کا آغاز تھا۔

گیر شگوزن نے ٹیلیفون پر مجھ سے جو "بات چیت" کرنے کیلئے کہا تھا۔ اس میں اب تاخیر نظر نہیں آتی تھی ہدایات کے مطابق جب میں رات کو خفیہ پولیس کے دفتر میں پہنچا تو گیر شگورن ابھی وہاں نہیں آیا تھا۔ ویٹنگ ہال میں اور لوگ بھی موجود تھے۔ میں بھی وہیں بیٹھ گیا۔ ذہن میں طرح طرح کے خوفناک خیال سانپوں کی طرح سر اٹھا رہے تھے۔ یہ لوگ مجھے پھانسنے کے لئے کیا دام پھیلا رہے ہیں ؟ کیا مجھے اس دہشت خانہ کو چھوڑ جانے کی اجازت نہیں ملیگی ؟

رات کا تقریباً ایک بج رہا تھا۔ جب گیر شگورن وہاں پہنچا۔ اُسکے فربہ رُخساروں پر شیو کے بعد پاؤڈر لگا ہوا تھا۔ اور لمبے گھنے بال چمک رہے تھے۔ وہ آرام کے بعد کام کیلئے تیار ہو کر آیا تھا۔ اُس کے ساتھ میں اُس کے بڑے اور سُنسان دفتر میں داخل ہو گیا۔ جہاں اس سے پہلے میں کئی مرتبہ پہنچ چکا تھا۔

"ہاں کرائشینکو" اقتصادی ڈویژن کی پولیس کے انچارج گیر شگورن نے چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "میں تم پر اعتبار کرتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ ہم جلد ایک دوسرے کو سمجھ لیں گے۔ ابتک تم پارٹی میں کاغذ کے چند ٹکڑوں کی بدولت قانون کی گرفت میں آنے سے بچتے رہے ہو۔ لیکن یہ ہیرا پھیری خفیہ پولیس کے سامنے نہیں چلیگی۔"

پوچھ تاچھ کی یہ پہلی رات تھی۔ اور اسی رات میں گیر شگوان کافی آگے بڑھ گیا۔ صبح ۴ بجے تک پوچھ تاچھ جاری رہی۔ اس کا تعلق زیادہ تر میٹالرجیکل انڈسٹری سے متعلقہ دوسرے لوگوں سے تھا۔ میرے ذریعے خفیہ پولیس والے گرفتار شدہ افسروں کے خلاف کیس تیار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عین اُسی طرح جس طرح کہ انہوں نے میرے خلاف دیگر لوگوں سے اعداد و شمار اکٹھے کئے تھے۔ میرے کچھ نہ بتانے اور مسلسل خاموش رہنے سے گیر شگورن کو سخت

مایوسی ہوتی گئی۔ جوں جوں رات گزرتی گئی۔ وہ زیادہ مضطرب زیادہ غضبناک ہوتا گیا۔ شروع شروع کی نرمی سے اب توہین آمیز حد تک سخت لہجہ کی شکل اختیار کر لی تھی اور وہ مجھے بڑی بڑی روسی گالیاں دے رہا تھا وہ اسے اپنی ذاتی توہین سمجھتا تھا۔ کہ میں اس کے ناپاک ارادوں اور جنون آمیز خیالات کو روکنے یا کمزور کرنے کی کوشش کروں۔

جب میں خفیہ پولیس کے دفتر کی عمارت سے نکلا تو دن چڑھ رہا تھا۔ دریائے نیپئر کی سطح نرم اور ملائم نظر آتی تھی۔ جیسے دریا میں لہروں کا وجود ہی ختم ہو چکا ہے۔ پھر بھی اس سطح پر چھلانگ لگا کر انسان ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ خفیہ پولیس کے دفتر سے نکلتے ہوئے مجھے موت کا خوشگوار نظر آنا کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر کوئی حیرانی ہو۔ میں سوچ رہا تھا۔ یہ لوگ مجھے اکیلا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ اپنی پوری قابلیت سے محنت سے کام کرنا چاہتا ہوں تو پھر یہ مجھے کیوں کام کرنے نہیں دیتے؟ آخر کیوں؟

جسم کے ساتھ ساتھ اب خیالات بھی کانپنے لگے تھے۔

تھوڑی سی نیند لینے کے بعد میں فیکٹری میں کام پر چلا گیا۔ انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ اور اس خیال سے کہ رات کو بستر پر لیٹ کر آرام سے سوؤں گا۔ مجھے بڑی شدت سے رات کا انتظار تھا۔ لیکن دوپہر کے بعد گیر شنگورن کے دفتر سے پھر ٹیلیفون آیا کہ کچھ "بات چیت" کیلئے مجھے رات کو ۱۱ بجے پھر وہاں جانا پڑیگا۔ رات ہوئی تو میں تھکا ہوا۔ گھبرایا ہوا اور کچھ غصے میں بھرا ہوا خفیہ پولیس کے دفتر میں پہنچ گیا۔ اسی طرح تقریباً ایک مہینہ تک یہ پوچھ تاچھ جاری رہی۔ درمیان میں ایک آدھ دن کا ناغہ ہوا ہو تو ہو ورنہ یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا۔ اتنے دنوں تک لگاتار نیند نہ لے سکنا میری آزمائش اور میرے امتحان

ACC. No. 14098

کا آغاز تھا۔ یہ امتحان کتنا دہشتناک ہوگا اِس کا اندازہ شاید کوئی وہ آدمی نہ لگا سکے جسے خود اِس سے دوچار نہ ہونا پڑا ہو۔

اُن کئی ہفتوں کے دوران میں جبکہ مجھے جاگتے رکھا جاتا تھا۔ ذہنی ٹارچر کا شکار بنایا جاتا تھا۔ اور خُفیہ پُوچھ تاچھ میں میری توہین کی جاتی تھی۔ دوسری طرف میرے خلاف پبلک میں چلایا جانے والا مقدمہ بھی تیار کر لیا گیا۔ پہلی مرتبہ مجھے پارٹی سے خارج کئے جانے کے موقعہ پر جو طریقۂ کار اپنایا گیا تھا وہی ایک پھر اپنایا گیا۔ ایک بار پھر تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوئے۔ پارٹی میٹنگوں میں بحث ہوئی۔ اور اخبارات میں مجھ پر کیچڑ اُچھالا گیا۔

میرا تعاقب جاری تھا۔ اور میں اب اِس بات کو بھول چکا تھا کہ تعاقب کیوں ہو رہا ہے۔ مَیں صرف اپنے آپ کو تھکا ہُوا پریشان اور دُکھی محسوس کرتا تھا اسی پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں مَیں نے فیصلہ کیا کہ چاہے عارضی طور پر ہی سہی میں رات کے وقت گیر شنگورن کی پُوچھ تاچھ سے نجات پانے کیلئے اور مقدمہ کے سلسلہ میں ذہنی پریشانی سے بچنے کے لئے کسی اور جگہ انصاف کی کھوج کروں۔ اپنی یہ سکیم مَیں نے ڈائرکٹر بریشکو کے سامنے رکھی۔

"یہ ایک احمقانہ اور فضول خواہش ہے۔" بریشکو نے کہا۔ "اس کے علاوہ تمہارے لئے اِس وقت نکوپول سے جانا کوئی دانشمندی نہیں۔ وہ لوگ تمہاری غیر حاضری سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ دُوسری طرف تمہاری حالت بہت زیادہ قابلِ رحم ہے۔ تم بہت زیادہ دہشت زدہ ہو اور کچھ عرصہ کیلئے اِس ماحول سے دُور جانا چاہتے ہو۔ خیر اگر تم جانا ہی چاہتے ہو تو مَیں تمہیں سرکاری کام پر کہیں اور بھیجنے کا انتظام کر دوں گا۔"

اور اِسطرح بریشکو کی مدد سے مَیں انصاف کی دِلشکن تلاش میں نکوپول

سے نکلا۔ مجھے درجنوں لوگوں کو ملنا تھا اور درجنوں انجمنوں میں جانا تھا۔ جن میں سے کسی کو بھی میرے متعلق کوئی علم نہ تھا۔ سب سے پہلے میں اپنی جنم بھومی ناپرو پیٹرو ھسک پہنچا۔ ریجنل کمیٹی کے سیکرٹری کامریڈ ہیٹی وِرچ اب اپنے عہدے پر نہیں تھے۔ کوئی اور تھا جسے میں، نہ کبھی ملا تھا نہ جانتا تھا۔ اُن سے انصاف مانگنے آیا تھا۔ اور یہاں پھر تماشا نظر آ رہی تھی۔ لیکن ہیٹی وِرچ کے جانشین مارگولین حیران کُن حد تک ایک انسان ثابت ہوئے۔ اُنہوں نے نہ صرف میری باتیں سُنیں۔ بلکہ کھلے لفظوں میں میرے ساتھ اظہارِ ہمدردی بھی کیا۔

"میں چاہتا ہوں کامریڈ مارگولین، کہ آپ میری مدد کریں۔" اُن سے درخواست کرتے ہوئے میں نے کہا۔ "فیلاین کے گرفتار ہو جانے کی وجہ سے میرا کیس دوبارہ کیوں شروع ہو؟ میرا اُس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ میں تو دستاویزات کی بنا پر بری کیا گیا تھا۔"

"صبر کرو۔ کامریڈ۔ صبر کرو۔" مارگولین نے دھیمی سی آواز میں جواب دیا۔ "تمہارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وُہ بہت بہت نرم ہے۔ آج ہم انقلاب کے ایک نازک دور میں سے گذر رہے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پارٹی پر نکتہ چینی کرنے کی بجائے اُسکی مدد کریں۔ خیر جہاں تک تمہارے کیس کا تعلق ہے میں اِس بارہ میں سٹی کمیٹی کو ہدایت بھیج دُوں گا۔"

"شکریہ۔ آپنے وعدہ پُورا کیا۔ تو میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپکا مشکور رہونگا۔"

"میرا شکریہ ادا مت کرو کامریڈ۔ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کل کو وُہ کہاں ہو گا۔"

یہ آخری الفاظ کامریڈ مارگولین نے کچھ عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہے تھے۔ میں نے اُن کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا لیکن وہاں کوئی مزاح نہیں تھا۔

نکوپول واپس آکر مجھے پتہ چلا کہ مارگولین نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ اُنہوں نے سٹی کمیٹی کو لکھ دیا تھا کہ انصاف سے کام لے۔ لیکن اُس وقت تک وُہ خود بھی گرفتار کیے جا چکے تھے۔ اور اِس سے مجھے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اُن کے ساتھ میری مُلاقات مزدُور دشمنوں کے ساتھ میرے تعلقات کا ایک اور ٹھوس ثبوت سمجھا جائیگا۔ اور مجھے دیر تک اِس کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا۔

اِنصاف کی تلاش میں میری دوسری منزل خارکوف تھی۔ مجھے بہت توقع تھی کہ کامریڈ آئیفانشینکو میری مدد کریں گے۔ وُہ مُلک کے ایک درجن کے قریب بڑے بڑے صنعتی کمانڈروں میں سے ایک تھے۔

لیکن ٹرِبوسٹل میں پہنچکر میں نے وہاں بھی خوف و ہراس کا ماحول دیکھا۔ آئیفانشینکو۔ جو انقلاب کا ہیرو تھا۔ اور جسے کریملن کی طرف سے کِسی بڑے سے بڑے آدمی کو دیا جانے والا ہر انعام تمغہ اور عزت افزائی مِلی ہوئی تھی۔ جو دیر تک حکومت کا ایک پُرزہ رہا تھا ظاہراً کسی سرکاری کام کیلئے ماسکو بُلایا گیا۔ وہاں خفیہ پولیس کے افسروں کی ایک "سواگتی کمیٹی" اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ جب وُہ وہاں پہنچا تو وُہ لوگ اُسے سیدھا جیلخانے لے گئے۔ ٹرِبوسٹل میں مجھے بہت کم ایسے لوگ مِلے جن سے کہ مَیں بات چیت کر سکتا تھا۔ بیشتر دفتروں میں بالکل نئے آدمی بیٹھے تھے اور اُن کے چہروں پر بھی خوف طاری تھا۔

رات تک خارکوف سے ماسکو کو کوئی گاڑی نہیں جاتی تھی۔ لیکن مَیں ماسکو کا ٹکٹ پہلے ہی خرید چُکا تھا۔ اِسلئے خالی وقت میں مَیں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ کیا ایلینا اِسی شہر میں ہے یا نہیں۔ مَیں نے اُسکے مکان پر فون کیا جواب میں خود ہی بولی۔ اور مَیں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس کی آواز نے میرے خیال کے مطابق میرے دِل و دماغ میں کوئی سنسناہٹ پیدا نہیں کی۔ فنائدیر مصائب

اور اندرونی مایوسی نے لطیف جذبات کو بالکل بے حس بنا دیا تھا۔ مَیں نے اپنے آپ میں سوچا ـــــ کیا ان بدمعاشوں نے میرے تمام احساسات اور جذبات کو مسل ڈالا ہے ؟ کیا اُنہوں نے میرے جسمانی اور ذہنی ڈھانچے سے رومانس کو بالکل ہی نچوڑ لیا ہے ؟

ایلینا میرے ہوٹل میں مجھے ملنے آئی۔ اب بھی وُہ حسین تھی۔ اور اُس کے چہرے پر وہی۔ چمک۔ وہی ملائمی اور وہی شانِ حسن تھی جو کبھی وقت میرے دل پر نشتر چلایا کرتی تھی۔ لیکن اَب عُمر کے لحاظ سے وُہ اُدھیڑ عُمر ہو چلی تھی۔ اُسکی آنکھوں میں اِس سے پہلے اِتنی گہری اُداسی کا مَیں نے کبھی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ اُس کے خاوند کو گرفتار کر کے پھر جبری محنت کے ایک کیمپ میں بھیجدیا گیا ہے۔ اور وُہ اب اپنی ماں کے ساتھ رہ رہی ہے اور تعمیراتی بیورو میں ملازم ہے مَیں نے اِس بار اُس سے یہ نہیں پُوچھا کہ کیا اب بھی وہ خُفیہ پولیس میں کام کرتی ہے یا نہیں۔

ریل روڈ سٹیشن پر الوداع کہتے ہوئے ہم نے پھر ملنے کا وعدہ کیا۔ حالانکہ ہم دونوں جانتے تھے کہ یہ وعدہ پُورا نہ ہوگا۔

(۲)

ماسکو سے مجھے محبت تھی۔ یہ کوئی بڑا حسین اور خوبصورت شہر نہیں ہے۔ تمام نئے سکائی سکریپرز اور کشادہ سڑکوں و بازاروں کے باوجود ماسکو اَب بھی رُوس کا سب سے بڑا گاؤں ہے۔ میں نے کبھی ہوٹل میں ٹھہر کر وہاں اپنا نام رجسٹر کرانا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ ایسا کرنا جان بُوجھ کر خفیہ پولیس کے جال میں

پھنسنے کے مترادف تھا۔ اِسکی بجائے میں نے کامریڈ میشا اور اُن کی بیوی سے درخواست کی کہ وُہ مجھے چند دِن اپنے مکان میں ٹھہرنے کی اجازت دیدیں۔

میشا ایک پرانے اور مشہور انقلابی تھے۔ اور اب زار کے وقت کے سیاسی قیدیوں کی سوسائیٹی میں کام کر رہے تھے۔ حکومت نے اُنہیں رہائش کیلئے ایک مکان اور اتنی پنشن دے رکھی تھی۔ جس سے یہ بُوڑھا جوڑا باآسانی اپنا گذارہ چلا سکے۔ انقلاب کیلئے وُہ اور میرے پاپا ایک ساتھ لڑتے رہے تھے۔ کامریڈ میشا نے اپنی زندگی کے دس سال الیگزینڈروفسک کے جیل میں گذارے تھے اور انقلاب آنے کے بعد ہی اُنہیں وہاں سے رہائی نصیب ہُوئی تھی۔ اُنہوں نے مجھ سے پُوچھا۔

"کہو۔ میرے پیارے اینڈری کا کیا حال ہے؟ کیا وُہ اب بھی ویسے ہی بھٹک رہا ہے؟"

"ہاں"۔ میں نے جواب دیا "پاپا ٹھیک ہیں۔ لیکن ہمیشہ کی طرح آج بھی اُنہیں زندگی اور گردونواح کے حالات سے نفرت ہے۔"

"ہم لوگ۔ میرا مطلب ہے ہماری نسل کے لوگ خیالات کے لحاظ سے پختہ واقع ہوئے ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ مَیں اُس سے پھر ملوں اور پچھلے وقتوں کے متعلق اُس کے ساتھ کُھل کر باتیں کروں۔"

رات کے کھانے کے وقت مَیں نے کامریڈ میشا کو بتایا کہ مَیں ماسکو کیوں آیا ہوں۔ اُن سے میں نے کوئی بات چُھپا نہ رکھی۔ کامریڈ مشیا کی لینن بخارن اور دُوسرے انقلابی نیتاؤں سے ذاتی واقفیت تھی اور ذاتی تعلقات تھے۔ وُہ سٹالن سے لیکر نیچے تک کے موجودہ لیڈروں کو اُن کے پہلے نام سے پُکارا کرتے تھے۔ جب مَیں نے اُنہیں اپنی داستان سُنائی۔ خاص طور پر جب میں نے پاپا جو میشا

کے جیل کے ساتھی تھے کیخلاف الزامات کا ذکر کیا تو کامریڈ غصّے سے بھر گئے۔ اسی عالم میں انہوں نے اپنی کرسی کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا اور اُٹھ کر ایک صندوق کے قریب جا پہنچے۔ وہاں سے انہوں نے ایک بھاری زنگ آلود زنجیر کھینچ نکالی۔ اور اُسے اپنے سر تک اُونچا اُٹھا کر پھر ایکدم نیچے لاتے ہوئے غصّہ بھری آواز میں بولے۔

"میں نے دس سال تک یہ زنجیریں پہنیں۔ اسلیئے کہ میں صداقت انصاف اور بہتر زندگی میں یقین رکھتا تھا۔ اور اب یہ موقع پرست ٹھگ جو انقلاب پسند ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ ہمارے بچّوں کو ٹارچر کر رہے ہیں! لعنت ہے ان پر۔ لعنت ہے ان ظالموں پر جو ہمارے رُوس کے جسم پہ چرکے لگا رہے ہیں۔"

دُوسرے دن میں نے اپنی ڈائری میں سے ماسکو میں اپنے واقفکاروں کی فہرست نکالی۔ اُن کے نام پڑھتے پڑھتے میں بہت سے... نام کاٹتا چلا گیا۔ کوئی مر چکا تھا کسی نے خودکشی کر لی تھی اور کوئی گرفتار ہو چکا تھا۔ آخر میں ایک ایسے نام پر پہنچا جہاں آکر مجھے رُک جانا پڑا۔

"لزرلیف"۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ میں اُس سے ملوں گا۔ درحقیقت اُسی نے مجھے اس راہ پر ڈالا تھا۔ جس کا یہ خوفناک انجام آج میرے سامنے ہے۔ انہیں کے اثر و رسُوخ کے ماتحت ہی تو میں ڈونٹیز کی کوئلے کی کانوں میں کام کرتے ہوئے کومسومول میں شامل ہوا تھا۔

اُس کے گھر پہنچکر جب میں نے دروازہ پر لگی ہُوئی گھنٹی بجائی تو دو عمر رسیدہ عورتیں دروازہ کھولنے کیلئے آئیں۔ جب میں نے لزرلیف کی بابت پُوچھا تو انہوں نے نہائت گھبراہٹ میں مجھے سر سے لیکر پاؤں تک دیکھا۔ اور اُن میں سے ایک رونے لگی۔

"میرا بچہ۔ میرا بیٹا۔ اُسے وُہ لے گئے۔ . . . . ایک سال ہو گیا۔ کیا تمہیں پتہ نہیں چلا۔ وُہ لوگ کہتے تھے کہ وُہ عوام کا دشمن ہے۔ ظالم! بے رحم!"

اور اس طرح مجھے معلوم ہؤا کہ کمیونسٹ تحریک میں میرا پہلا رہبر بھی اب خلاف قانون لوگوں میں شامل کیا جا چکا ہے۔ اُس نے لینن اور کارل مارکس کے پہلو میں ٹالسٹائی کی تصویر لگا رکھی تھی۔ اور یہ سزا شائد اُسے اُسکی اسی خطا کیلئے ملی۔

انصاف کی کھوج میں مَیں نے آخری ٹکر بڑی صنعتوں کے صدر دفتر صنعتی کمشنری میں ماری۔ وہاں بھی لامحدود گھبراہٹ اور خوف و ہراس نمایاں طور پر ظاہر تھا۔ کوئی آدمی اپنے خوف کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ دفتر میں بہت کم لوگ ایسے تھے جن سے میری کوئی واقفیت ہو۔ ایسے افسروں کے سامنے اپنی مصیبت کی کہانی پیش کرنا جنہیں اپنے عہدے کے متعلق بھی کوئی گارنٹی نہیں تھی۔ میں نے کچھ نامناسب سمجھا۔ خاص طور پر ایسے مقام پر جہاں کہ اعلےٰ افسروں، عہدیداروں اور سادھارن ملازموں کو دیکھتے دیکھتے ختم کر دیا گیا ہو۔

اس فضول سفر کے بعد جب میں واپس نکوپول پہنچا تو اُس وقت شام تھی میں نا اُمید ہو کر واپس آیا تھا۔ جب مَیں اپنے مکان کے نزدیک پہنچا۔ تو مجھے مکان کے اندر بالکل اندھیرا دیکھ کر حیرانی ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ پاشا کہاں گئی ہو گی مَیں نے تو اُسے لکھ بھی دیا تھا کہ میں واپس آ رہا ہوں۔ اُسے گھر پر ہونا چاہیئے تھا۔ مَیں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس پر میرا سارا جسم خوف سے کانپنے لگا۔

جب میں اپنے ہمسایہ کے مکان پر پہنچا تو میری آواز اس قدر مدھم ہو چکی تھی کہ میں ہمسائے کو بڑی مشکل سے اپنی بات سمجھا سکا۔ یہ ہمسایہ میری ہی فیکٹری کا ایک افسر تھا۔ اُس نے مجھے حیرانی سے اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا جیسے کوئی بھوت دیکھ رہا ہو۔

"وِکٹر اینڈری وِچ۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "کیا سچ مچ تم ہو؟ تم ابھی زندہ ہو؟

ابھی گرفتار نہیں کئے گئے؟ اوہ خدا کا شکر ہے!"

"کیا ہؤا؟ پاشا کہاں ہے؟ مَیں تو صرف کام پہ ماسکو گیا تھا۔"

"کیا تمہیں معلوم نہیں وِکٹر! تمہیں تمہارے عہدے سے ہٹا دیا گیا ہے اور اس مکان سے بیدخل کر دیا گیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تمہارا سامان کہاں ہے۔ ایک لاری آئی تھی اور وُہ سب کچھ لے گئی۔۔۔۔"

یہ سُنکر میں نے ہمسائے سے درخواست کی کہ وُہ مجھے اپنے مکان سے بریشکو کو ٹیلیفون کرنے کی اجازت دیدے۔

ٹیلیفون پر جب بریشکو سے بات ہوئی تو اُنہوں نے کہا۔

"اوہ وکٹر۔ تمہارے واپس آجانے پر مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

"لیکن پایئٹر پیٹروِوِچ" میں گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔" یہ سب ہؤا کیا ہے؟ ——— مجھے میرے گھر سے کیوں نکال دیا گیا؟"

"کوئی فکر مت کرو۔" ڈائرکٹر نے مجھے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔" اپنے آپ پر قابو رکھو۔ سٹی کمیٹی کے حکم کی وجہ سے مجھے تمہیں تمہارے عہدہ سے ہٹانا پڑا ہے۔ اب میں تمہیں پلانٹ کے ٹیکنیکل ڈویژن کا انچارج بنا رہا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ مجھے تو خود اس بات کا بہت افسوس ہے۔"

"بیشک بیشک۔ میں سمجھتا ہوں۔ پایئٹر پیٹروِوِچ۔ لیکن اب میں رات کہاں گذاروں گا۔" مَیں نے پُوچھا۔

"اوہ۔ اس کا انتظام ہو جائیگا۔ مَیں نے تمہارے لئے پلانٹ کے ہوٹل میں ایک کمرہ ریزرو کرا رکھا ہے۔ کمرہ تو خیر وُہ اچھا نہیں لیکن اور مِل نہیں سکتا تھا۔

مَیں واپس شہر میں آیا۔ ہوٹل کا مینیجر میرا انتظار کر رہا تھا۔ اُس کا رویّہ بھی میرے تئیں ہمدردانہ تھا۔ وُہ جانتا تھا کہ میرے جیسے آدمی کیلئے جو ایک نہائت

شاندار مکان میں رہتا ہو۔ ایک چھوٹے سے اور معمولی کمرے میں رہنا کتنا تکلیف دہ ہوگا۔ اِسلئے جب اُس نے میرے لئے ریزرو کیا گیا کمرہ مجھے دکھایا تو ساتھ ہی معافی بھی مانگ لی۔ وہ جیل کی کوٹھڑی جیسا کمرہ جس کی دیواروں پر لگے ہوئے کاغذ تک پھٹ گئے تھے۔ اب نکوپول میں میرے باقی قیام کے دوران میں میرا گھر ہوگا۔ میری کتابیں اور دوسرا سامان اِس کمرہ کے کونوں میں ڈھیروں کی شکل میں پڑا ہوا تھا۔ بستر کے علاوہ وہاں ایک چھوٹا سا میز۔ ایک آئینہ اور دیوار پر لگی ہوئی سٹالن کی ایک پرانی تصویر تھی۔ کمرے کے ساتھ غسلخانہ تو کُجا وہاں سے پانی کے اخراج کے لئے کوئی نالی تک نہ تھی۔

لیکن میں بہت زیادہ تھکا ہوا تھا۔ اِتنا زیادہ کہ نہ کُچھ سوچ سکتا تھا اور نہ کسی چیز کو محسوس کر سکتا تھا۔ اِسلئے جلدی سو گیا۔ اور دوسرے دِن صبح کافی دیر تک سویا رہا۔

باب نمبر ۱۷

آدھی رات کے بعد

جب ٹیلیفون پر مَیں نے گیر شگورن کی آواز سُنی تو میرا دل ڈوبنے لگا۔ اُس نے کہا۔

"اوہ۔ تو پنچھی اُڑان سے واپس آگیا۔ میرا خیال ہے۔ تمہیں ہر حال میں اپنا

نیا کوارٹر پسند آیا ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ اچھا تو آج آدھی رات کے بعد مجھے ملو"!

یہ کہکر اُس نے فون رکھ دیا۔ اُس رات کو بھی پہلے کی طرح کافی دیر تک مجھے اُس کا انتظار کرنا پڑا۔ بالآخر وُہ آیا اور اُس نے کہا۔

"اچھا کرانشٹینکو۔ میرا خیال ہے یہ دورہ تمہارے لئے فائدہ مند رہا لیکن ایک بات ہے کہ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہماری تحقیقات میں اسطرح رکاوٹ پڑے"۔

"میں باقاعدہ اجازت لے کر گیا تھا"۔

"میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ تم آئیفانشینکو اور مارگولین جیسے لوگوں سے پناہ حاصل کرنے گئے تھے۔ کیوں؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

افسوس وُہ دونوں عوام دُشمنی کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ اور یہ ایک حیران کُن اتفاق ہے۔ کہ تمہارے تمام دوست اور سرپرست آخر میں غدّار ثابت ہوئے ہیں۔ نیلائین۔ مارگولین۔ آئیفانشینکو اور کئی دُوسرے۔ سب کے سب صاف صاف بتاؤ کہ مارگولین نے تمہارے حق میں سٹی کمیٹی کو خط کیسے لکھا؟ وُہ تمہارا پرانا دوست تھا۔ اس میں تو اب کوئی شک نہیں؟"

"میں نے اُس آدمی کو اُسدن پہلی مرتبہ اُسکے دفتر میں دیکھا تھا"۔

"میں اسے بالکل درست نہیں مانتا۔ ۔ ۔ ۔ لیکن خیر ایک منٹ کیلئے مان لیتا ہوں۔ مجھے اُس بے ایمان تخریب کار آئیفانشینکو میں زیادہ دلچسپی ہے تم اُس غدّار کو کافی عرصہ سے جانتے تھے۔ ۔ ۔"

"ہاں۔ لیکن بطور غدّار نہیں"۔

"پائپ رولنگ انڈسٹری کے سلسلہ میں اُسکے کام کے متعلق تم مجھے کیا بتا سکتے ہو؟"

"میں، جو کچھ جانتا تھا میں نے بتا دیا۔ یہ سب کچھ سارے ملک کو معلوم تھا"۔

گیرشگورن کا فربہ اور بھدا چہرہ اب غصّے سے لال ہو گیا۔

"کرافشینکو۔ مذاق بند کرو۔ مجھے اِس قسم کی اطلاع کی ضرورت نہیں۔"

"میرے پاس تو یہی اطلاع ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ ہم تمہیں بہت کچھ یاد دلا سکتے ہیں۔ صرف "کوشش" کی دیر ہے۔ ہم نے تم جیسے بہت دیکھے ہیں۔"

کھڑکی سے، باہر پو پھٹتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ لیکن گیرشگورن زیادہ سے زیادہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔ اور اسی وجہ سے شاید اُسکا رویّہ بہت زیادہ توہین آمیز ہو چلا تھا۔

مجھ پہ ایک سوال کرتے کرتے درمیان میں ہی رُک کر اُس نے کہا۔

"کرافشینکو۔ تم گرفتاری سے اتنے ڈرتے کیوں ہو۔ کیا اسلئے کہ تمہارے دِل میں چور چھپا ہُوا ہے؟"

"آپ مہربانی کر کے مجھے مُعاف کریں۔ صبح کے ۵ بجنے کو ہیں۔ اور ۸ بجے مجھے ہر حالت میں کام پہ پہنچنا ہے۔ اگر میں اِسوقت زیرِ حراست نہیں ہوں تو یہ وقت نہیں کہ اِس قسم کی فلسفیانہ بحث شروع کی جائے۔"

اُس دن بعد دوپہر میں ایک نئے دفتر میں کام کر رہا تھا۔ نیند کے جھونکے آ رہے تھے۔ سارے جسم میں درد تھی۔ آنکھیں جل سی رہی تھیں۔ اور اسی حالت میں مَیں میز پہ پڑی ہوئی ٹیکنیکل رپورٹوں کی طرف توجہ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ بریشکو بول رہا تھا۔ لیکن اُس کی آواز اِتنی بدلی ہُوئی تھی کہ میرے لئے اُسے پہچاننا مُشکل تھا۔

"وکٹر اینڈری وچ!" اُس نے کہا۔ "اب میری باری ہے۔ نئی طرز کمیٹی کا میٹنگ ابھی ختم ہوئی ہے۔ مجھے پارٹی سے نکال دیا گیا۔ ہم ۲۰ سال تک ...

پارٹی کا ممبر رہا ہوں۔ اور اب مجھے نکال دیا گیا۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ پائیٹر پیٹرووچ ...."

"اور سنو۔ ہمارے پلانٹ کی پارٹی آرگنائیزیشن کی ایک خفیہ میٹنگ آج رات کو ہو رہی ہے۔ جس میں معاملہ بالکل صاف ہو جائیگا۔ میں تم سے کہنا چاہتا ہوں ۔۔۔ میں کیسے کہوں؟ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم سمجھ جاؤ گے۔ میں تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم میرے حق میں بولنے کی کوشش نہ کرنا۔ اِس سے معاملہ اور بھی بگڑ جائیگا۔"

یہ کہہ کر بریشکو نے ٹیلیفون بند کر دیا۔

دُوسرے دِن صبح بریشکو کام پر نہ آیا۔ مجھے پتہ چلا کہ اُس نے ریجنل کمیٹی میں اپیل کرنے کیلئے نائیپر وپیٹروفسک جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن وہ ابھی ناپا روز ہے تک ہی پہنچا تھا۔ کہ اُسے گاڑی سے اُتار لیا گیا۔ اُس کے بعد میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔ اور آج تک بھی مجھے پتہ نہیں چل سکا۔ کہ اُسکا کیا بنا۔

اُسی ہفتے سٹی کمیٹی نے "کرافشینکو کیس" پر دوبارہ غور شروع کر دیا۔ عام خیال یہ تھا کہ میرے دِن بھی اَب پُورے ہو چکے ہیں۔ لیکن میری تقدیر کا ستارہ ابھی غروب نہیں ہوُا تھا۔ اُسی دِن نکوپول کے اخبارات کے پہلے صفحات پر ایک لمبا آرٹیکل شائع ہوُا۔ جس میں ہماری فیکٹری کے کئی ملازموں پر مختلف سیاسی گناہوں اور خاص طور پر مزدوروں کے تئیں بدسلوکی کے الزامات لگائے گئے تھے۔ اِس آرٹیکل کے مطابق بڑے ملزم میرے خلاف شکائت کرنے والے میکاروف اور شائیکیووچ تھے۔

یہ ایک معجزہ تھا اور اِسطرح مجھ پر جو وار کیا جانا تھا وہ ٹل گیا۔ لاس نے بھی محسوس کیا کہ وہ میرے خلاف اپنے طے شُدہ پروگرام کے مطابق عمل نہیں کر سکتا خاص طور پر جبکہ اُسکے دو بڑے گواہ خود ملزم گردانے جا چکے ہوں۔ میکاروف

اور شائیکیوتر دونو کو پارٹی سے خارج کر دیا گیا - اور اس کے بعد مجھے پتہ چلا کہ اِس آرٹیکل کی عین موقع پر اشاعت کوئی اتفاق کی بات نہیں تھی بلکہ بُوڑھے سلیمنن اور دیگر دوستوں نے اِس کا خاص طور پر انتظام کیا تھا۔

چند ہفتے گذر گئے اور اُس کے بعد ایک رات کو پھر مجھے جگایا گیا ٹیلیفون پر کوئی مجھ سے بات چیت کرنا چاہتا تھا - اور یہ تھا وہی پُرانا مہربان گیر شگورن۔ اُس نے مجھے ایکدم خفیہ پولیس کے دفتر میں پہنچنے کا حکم دیا۔

اور ایک بار پھر مَیں گیر شگورن کے سرجن کے آپریشن رُوم جیسے کمرے میں جا پہنچا - گیر شگورن کے چہرے پر جیسے نیا گوشت چڑھ آیا تھا - وہ پہلے کی نسبت صحتمند دکھائی دیتا تھا - مَیں سوتر رہا تھا - کاش! آج مجھ میں وُہ پہلی سی جسمانی طاقت ہوتی ـــــ ہر وقت کے فکر و غم اکیلے پن اور فیکٹری کے ناامید کر دینے والے جھگڑوں نے میری طاقت کو نچوڑ لیا تھا - اور مَیں اب جسمانی طور پر نحیف اور کمزور ہو چکا تھا۔

"اچھا - آؤ اب اپنی مختصر بات چیت شروع کریں :" گیر شگورن نے گردن اکڑاتے اور نتھنے پھیلاتے ہوئے کہا - "مَیں سمجھتا ہُوں کہ اِس مرتبہ تم زیادہ سمجھداری کا ثبوت دو گے اور تعاون کرو گے :"

"آپ مجھ سے چاہتے کیا ہیں ؟"

گیر شگورن نے زور سے میز پر ہاتھ مارا - اور پھر اپنا سر میرے مُنہ کے پاس لے آیا۔

"ہم سوال پُوچھتے ہیں -" وُہ گرج کر بولا - "تمہیں صرف اُن کا جواب دینا ہے ـــــ مَیں پھر پُوچھتا ہُوں کہ تم آیئانشیٹکو کی تخریبی سرگرمیوں کے متعلق کیا جانتے ہو ؟ تمہیں اِس بارہ میں سوچنے کیلئے کافی وقت مل چکا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا"

"دیکھو کرافشینکو۔ تمہارے لئے بھی یہ بہتر ہوگا۔ اور میں بھی کافی تکلیف سے بچ جاؤنگا۔ اگر تم خود بخود کچھ بتادو۔ ہمیں لوگوں کے پیٹ سے بات نکالنے کا طریقہ آتا ہے۔ ہم انہیں سلک کی طرح ملائم اور مکھن کی طرح نرم بنانا جانتے ہیں۔ سمجھے؟" اسکی آواز خود اعتمادی وقار اور ساتھ ساتھ غصے سے بھری ہوئی تھی۔

"میں ایمانداری سے کہتا ہوں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ جو باتیں میں خود نہیں جانتا وہ آپکو کہاں سے بتاؤں"

"اچھا۔ تو تم کچھ بتانا نہیں چاہتے؟"

اسی لمحہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ گیرشگورن نے کہا کہ اسے ڈوروگن بلا رہا ہے۔ اسنے مجھے باہر برآمدے میں انتظار کرنے کو کہا۔ ہم دونوں کمرے سے باہر آئے اور مجھے ایک سپاہی کے حوالے کرتے ہوئے گیرشگورن نے کہا۔

"اس آدمی کو میرے آنے تک بٹھائے رکھنا۔"

برآمدے میں چار پانچ اور آدمی بھی۔ دیواروں کی طرف منہ اور پیٹھ کی طرف ہاتھ کئے کھڑے تھے۔

"ادھر جاؤ اور اسی طرح کھڑے ہو جاؤ" سپاہی نے مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں بھی انہی آدمیوں کیطرح کھڑا ہو گیا۔ برآمدے میں روشنی بہت مدھم تھی۔ اسلئے ہم ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ ہم یہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ ہمارے پیچھے کیا ہو رہا ہے۔ مجھے چار گھنٹے تک وہاں کھڑا رکھا گیا۔ دوسرے آدمی بھی اسی طرح کھڑے رہے۔ میں نے پولیس کی طرف سے اس قسم کے ٹارچر کی بابت سن رکھا تھا۔ اور یہ ہماری خفیہ پولیس کے اسلحہ خانہ میں سب سے چھوٹا ہتھیار تھا۔

جس آدمی کو ایک ہی پوزیشن میں دیوار کی طرف مُنہ کئے گھنٹوں کھڑا رہنے پر کبھی مجبور نہ کیا گیا ہو نہیں سمجھ سکتا کہ ایسے کھڑا ہونا کیا معنے رکھتا ہے۔ اس سے ہاتھ پاؤں بازو سارا جسم بھاری ہو جاتا ہے دُکھنے لگتا ہے۔ یہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انگ انگ، جوڑ جوڑ ٹوٹ رہا ہو۔ جسم پہ ہزاروں ٹن بوجھ آ پڑتا ہے۔ آدمی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن پھر بھی اُسے برداشت کرنا پڑتا ہے۔

برآمدے کے ساتھ والے کمروں سے دلخراش چیخیں سنائی دے رہی تھیں چیخیں اور گالیاں۔ مار پیٹ کی آواز اور جسم کے زمین پہ گرنے کی آواز لوگوں کو پولیس کے سوالات کا جواب دینے کے لئے مجبور کیا جا رہا تھا۔ پیٹا جا رہا تھا۔ دھمکایا جا رہا تھا۔۔۔۔۔ اُدھر اب صبح کی روشنی برآمدے تک پہنچنے لگی تھی۔ دیوار پہ روشنی کی چمک مجھے بھی نظر آنے لگی۔

"اچھا تو کرافشینکو آؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں اتنا انتظار کرنا پڑا۔ دراصل کام بہت زیادہ ہے۔ بہت ہی زیادہ۔۔۔۔۔"

گیرشگورن اپنی تر و تازہ آواز میں کہہ رہا تھا میں اُس کے پیچھے پیچھے دفتر میں آ گیا۔ دفتر میں پہنچکر بھی مجھے شانتی نہیں ملی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے میں اب بھی برآمدے میں کھڑا ہوں۔ گیرشگورن سوال پوچھ رہا تھا۔ اور مجھے کچھ سمجھ نہیں پڑ رہا۔

"اچھا۔ اب گھر جا کر کچھ نیند لے لو۔" گیرشگورن نے کہا "تمہیں اس کی ضرورت ہو گی۔ میں تمہیں پھر بلاؤں گا۔۔۔۔ جلد۔ اور ہاں یہ بات جب تک صرف تمہارے اور میرے درمیان ہے۔ یہ ہماری خُفیہ بات ہے۔ اگر تم نے کسی سے اس کا ذکر کیا تو یاد رکھو۔ پچھتانا پڑیگا۔"

وہاں سے واپس ہوٹل آ کر میں برف کی طرح ٹھنڈے پانی سے نہایا اور

چارپائی پر لیٹا رہا۔ آنکھوں میں اگرچہ نیند تھی لیکن آنکھ لگی نہیں۔ جب میں کام پر گیا تو وہاں خفیہ پولیس کا یہ پیغام پہلے سے پہنچا ہوا تھا کہ مجھے آج آدھی رات کو پھر بلایا گیا ہے۔

اِس رات گیرشنگورن کا رویّہ بہت نرم رہا اور آخر میں بالکل خوشگوار ہو گیا۔ اُس نے مجھے چائے پیش کی جو میں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میں اُسے وحشیوں کا طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور کر رہا ہوں۔ اگرچہ وہ وحشی نہیں گیرشنگورن کہہ رہا تھا۔

"آج رات تم ہم پر احسان کر سکتے ہو کرافشینکو۔ پولیس اور پارٹی اسکی قدر کریگی۔ ہم تم سے کوئی بہت بڑی بات کرنے کو نہیں کہتے۔"

"آپ کیا احسان چاہتے ہیں؟"

"صرف تمہارے دستخط۔ بطور انجنیر۔ بطور ایک ڈائرکٹر اور بطور ایک پارٹی ممبر تمہارے دیانتدارانہ اور رضامندانہ دستخط ـــــ ان کا تعلق ایک بہت اہم معاملہ سے ہے۔ ملک کے تحفظ سے ہے تمہاری فیکٹری سے کیمیکل ڈیفینس ورکس کو ناقص قسم کا پائپ سپلائی ہوا ہے۔ تمہارا اِس میں کوئی قصور نہیں کیوں آخر دھات تو تم نے نہیں بنایا تھا۔ یہ سارا کام ایک تخریبی کارروائی کی بدولت ہوا جو ماسکو میں شروع ہوئی۔ وہاں سے خارکوف آئی اور پھر نیپروزیتھل میں بھی اسکی کڑی مل گئی۔ جہاں کا ڈائرکٹر عوام دُشمن رودگوشٹویسکی تھا۔ جواب گرفتار ہو چکا ہے۔ اِس پائپ کیلئے دھات وہیں ڈھالی گئی۔"

یہ ساری تھیوری پولیس کی ایک خوفناک چال تھی۔ کچھ سوچکر میں نے جواب دیا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کامریڈ گیرشنگورن کہ مجھے یہ یقین نہیں کہ ناقص پائپ

کی سپلائی کسی تخریبی سازش کا نتیجہ ہے۔ دوسرے میں پہلے وہ دستاویز پڑھنا چاہوں گا۔ جس پر آپ میرے دستخط کروانا چاہتے ہیں"۔

"ضرور۔ ضرور۔ یہ ہے وہ دستاویز۔" گیرشگورن نے ٹائپ کئے ہوئے ۲۰ کاغذ مجھے پکڑا دیئے۔

میں نے آہستہ آہستہ تقریباً ایک گھنٹے میں اُسے پڑھا اس دوران میں ذہنی اُتار چڑھاؤ جاری رہا۔ اور دل کی دھڑکن گھٹتی بڑھتی رہی۔ یہ فائیل جھوٹ اور مکاری کا ایک انتہائی طور پر غیر معمولی اجتماع تھا۔ اور انہیں اس طرح ایکدوسرے میں فٹ کیا گیا تھا۔ جس سے طے شدہ پلان کے مطابق یہ ایک صاف سازش نظر آئے لہٰذا اس فائیل میں بہت سے نام بھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو تو میں ذاتی طور پر جانتا تھا۔ اور کچھ کیمیکل اور سٹیل انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے ملک گیر شہرت کے انجنیئروں پلانٹ مینجروں اور فورمینوں کے نام تھے۔

"میں اس دستاویز پر دستخط نہیں کرسکتا۔" اسے پڑھنے کے بعد میں نے کہا۔ "میں نے پائپ اُس فولاد کے ساتھ بنایا تھا۔ جو مجھے بھیجا گیا۔ فولاد بعض اوقات خالص نہیں ہوتا تھا۔ میں اتنا جانتا ہوں اور صرف اتنا ہی لکھ کر دے سکتا ہوں"۔

"بہت اچھا" گیرشگورن بولا۔ "بھلا ہمارے بہت بڑے بڑے اور بہترین انجنیئروں اور پروفیسروں نے اس پر دستخط کیوں کئے ہیں؟ کیا تم اپنے آپکو اُن سے زیادہ ماہر سمجھتے ہو؟"

اس دستاویز پر پیچ مچ روس کے مانے ہوئے سائنسدانوں اور انجنیئروں کے دستخط تھے۔ اُنہوں نے فتوے دیدیا تھا کہ یہ تخریبی کارروائی ہے۔ میں اندازہ لگا

سکتا تھا۔ کہ وہ دستخط کیسے حاصل کئے گئے ہوں گے۔ پوچھنے تک گیرشگورن میرے ساتھ بحث کرتا رہا۔ مجھ پر دباؤ ڈالتا رہا۔ نخو پول پولیس کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ مجھ سے بلاواسطہ طور پر اقبالِ جرم کروا لے۔ میرے دستخط پولیس کی اس چال کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری تھے۔ ایک بار میرے دستخط کرنے کی دیر تھی میں خود بھی اس چال میں پھنس جاتا۔

دن چڑھ چکا تھا۔ گیرشگورن نے مجھے یہ وارننگ دیکر کہ میں اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کروں مجھے جانے کی اجازت دیدی۔

اسی طرح کئی مہینے بیت گئے۔ ہر رات مجھے ہیڈکوارٹروں میں بلایا جاتا ہے۔ پوچھ تاچھ کی جاتی۔ دھمکایا جاتا اور سختی کی جاتی مجھے ہر رات جگائے رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ کام کے لئے مجھے ناکارہ کر دیا جائے۔ لیکن میں سارا دن کام کرتا اس نئے کام میں میں کوئی تغافل اختیار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ غفلت کی وجہ سے اگر کہیں کوئی ذرا سی بھی غلطی ہو جاتی تو اُسے میرے خلاف تخریب کے الزام کا ایک اور ثبوت بنا لیا جاتا۔

ایک رات ۴، ۵ گھنٹے برآمدے میں دیوار کی طرف منہ کئے کھڑے رکھنے کے بعد گیرشگورن نے مجھے پوچھ تاچھ کیلئے اندر نہ بلا کر گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اُس نے کہا کہ آج اُسکے پاس میرے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ لیکن دوسری رات اُس نے مجھ پر ایک بالکل نیا الزام عائد کر دیا۔

"ڈکرافشینکو۔ تمہارے ساتھ دو امریکن رہتے رہے ہیں۔ ٹھیک ہے نا؟" گیرشگورن نے کہا۔

"ہاں"۔ میں نے جواب دیا۔ "وہ کچھ امریکن مشینری کو چلانے میں ہماری مدد

کر رہے تھے۔"

"غدار بریشکو نے اُنہیں تمہارے ساتھ ہی کیوں لگایا کسی اور کے ساتھ کیوں نہیں لگایا؟"

"میرا خیال ہے شائد اِسلئے کہ میں ابھی کنوارہ ہوں۔ اور میں ایک بڑے مکان میں اکیلا رہتا تھا۔"

"صاف صاف بتاؤ کہ کیا تم نے کبھی اِن غیر مُلکیوں کے سامنے روسی حکومت پر نکتہ چینی کی تھی؟"

"نہیں بالکل نہیں۔ وُہ اب بھی روس میں ہی ہیں۔ آپ اُن سے دریافت کر سکتے ہیں۔"

"مجھے یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ ٹھیک ٹھیک کہو کہ تمہارے اُن امریکنوں کے ساتھ کیا سیاسی تعلقات ہیں؟"

"میرا اُن سے کوئی سیاسی تعلق نہیں۔ میں نے صرف اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے اور یہ میرا فرض تھا۔"

"لیکن کیا وُہ مشینری امریکہ سے منگوانے کا آرڈر آئیفانشینکو نے دیا تھا؟"

"ہاں۔"

"تو آئیفانشینکو اور امریکن فرم کے درمیان تخریبی سازش کا امکان ہے؟"

"یہ مَیں نہیں جانتا۔"

امریکنوں کے متعلق یہ پُوچھتاچھ کئی گھنٹے جاری رہی۔ اچانک دروازہ کُھلا۔ ڈورو گن جس کا چہرہ غصّے سے سُرخ تھا اور جو عملی طور پر ہانپ رہا تھا۔ اندر داخل ہؤا۔ اُس کے موٹے موٹے بھدّے، ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ گیرشگورن احترام کے طور پر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"گیر شگورن! تم کتنی دیر تک اِس تخریب کار کی اُنگلیوں پر ناچتے رہو گے؟ تم پولیس افسر ہو یا کہ ذلیل انسان؟ یہ بھی بہت بُرا ہوا کہ ہم نے اِسے ایک سال پہلے گرفتار نہیں کیا۔ اور سِٹی کمیٹی کو کیس خراب کرنے کا موقعہ دے دیا۔"

گیر شگورن کے چہرے پر گھبراہٹ نمایاں تھی۔ اور وُہ اپنے اعلےٰ افسر کی موجودگی میں قدرے کانپ رہا تھا۔

"کامریڈ چیف" وُہ کانپتی ہوئی سی آواز میں بولا۔ "مَیں اپنی طرف سے بہترین کوشش کرتا رہا ہُوں۔ ایک مہینہ سے ہر رات اِس پر محنت کر رہا ہُوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مَیں زیادہ سخت طریقے اختیار کروں۔ ۔ ۔"

ڈورو گن نے اُسکو نظر انداز کر دیا۔ اور مُجھ پر ٹوٹ پڑا۔

"کرافشینکو! ہم جو پوچھتے ہیں۔ بتادو۔ ورنہ یاد رکھو بُرا حال ہو گا۔"
یہ کہکر وہ دروازے کو زور سے بند کرتا ہوا باہر نِکل گیا۔ اور جب ایک گھنٹہ بعد گیر شگورن نے مجھے رہا کیا تو مَیں نے دِل ہی دِل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اب مَیں سیدھے ڈورو گن سے بات چیت کروں گا۔ مَیں اِس مصیبت کو کسی نہ کسی طرح ختم کرنا چاہتا تھا۔ ڈورو گن کے دفتر کے باہر پہنچکر مَیں نے سپاہی کے ہاتھ چِٹ بھیجی۔ مجھے اندر بُلا لیا گیا۔

"ہاں۔ کیا چاہتے ہو؟" ڈورو گن نے غرّاتے ہُوئے پُوچھا۔

"مَیں آپ سے یہ پُوچھنا چاہتا ہُوں کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں"۔
مَیں نے جواب دِیا۔ "اَبتک مجھ پر سختی ہوتی رہی ہے۔ ہر رات نئے الزام ایجاد کئے جاتے رہے ہیں۔ کامریڈ ڈورو گن! آپ سِٹی کمیٹی کے بیورو کے ممبر ہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ وہاں سے مجھے دو مرتبہ بری کیا جا چکا ہے۔ بطور کمیونسٹ مَیں آپ

سے درخواست کرتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔''

''بطور کمیونسٹ ؟'' وہ چلایا اور جھلائے ہوئے سانڈھ کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑا ۔ میرے مُنہ پر زور زور سے تھپڑ مارے ۔ گلے سے پکڑ لیا ۔ اور مجھے اِدھر اُدھر دھکے دیتے ہوئے گلا گھونٹنے لگا ۔ وہ جسمانی طور پر بہت مضبوط تھا ۔ اُس کے ہاتھ فولادی پنجوں کی طرح بہت مضبوط تھے ۔ اور اُن کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھی ۔ مجھے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آنے لگا ۔ ۔ ۔ ۔

''نکل جاؤ یہاں سے پیشتر اس کے کہ مَیں تمہیں جان سے مار دُوں'' گرجتے ہوئے اُس نے کہا اور مجھے دروازے سے باہر دھکا دیدیا ۔

مَیں سامنے کی دیوار سے جا ٹکرایا اور کچھ ہوش آنے تک کئی منٹ وہاں کھڑا رہا ۔ مَیں نہیں جانتا کہ میں واپس ہوٹل میں کیسے پہنچا ۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مجھے سارے جسم میں درد محسوس ہو رہا تھا ۔ اُوپر جا کر مَیں نے اپنے آپ کو بستر میں گرا دیا ۔ اور گہری نیند سو گیا ۔

(۲)

موسم خزاں کے دوران میں پولیس مجھے وقتاً فوقتاً رات کے وقت پوچھ تاچھ کے لئے بُلاتی رہی ۔ لیکن ۱۹۳۷ء کے آخر میں پھر یہ روز کا معمول بن گیا ۔ ''بات چیت'' کیلئے موضوعات کی کمی نہیں تھی ۔ صنعت میں نئی گرفتاریوں کے ساتھ ہی نئی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی تھیں ۔ جن میں میری شہادت ضروری اور اہم سمجھی جاتی تھی ۔ انہی دنوں مَیں نے وہ قدم اُٹھایا جسے اُٹھانے سے

اَب تک ڈر رہا تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں مجھ سے پوچھ تاچھ کرنے والے افسر ناراض نہ ہو جائیں۔

مَیں نے نائپر وپیٹرو فسک میں سنٹرل کمیٹی کے کنٹرول کمیشن کو ایک خط لکھا جس میں یہ شکایت کی کہ مجھے تخریب کے غیر منصفانہ اور غلط الزام لگا کر تنگ کیا جا رہا ہے۔ چند دن بعد کمیشن کی طرف سے ایک تحقیقات کنندہ آ پہنچا۔ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ جب سٹی کمیٹی نے مجھے بری کر دیا ہے تو پھر میں شکایت کیوں کر رہا ہوں؟

"میرے خلاف اب بھی کچھ شبہ موجود ہے" مَیں نے اُسے بتایا۔

"مَیں چاہتا ہوں کہ وہ بھی دُور ہو جائے۔ میری خواہش ہے کہ پارٹی کا کنٹرول کمیشن میرے خلاف الزامات کی خود چھان بین کرے۔"

ان دنوں نکوپول روسی آئین کے مطابق ہونے والے پہلے "جمہوری انتخابات" کے سلسلہ میں پوسٹروں سے بھرا ہوا تھا۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء کو روسی عوام نے "خفیہ بیلٹ" کے ذریعے سپریم سوویٹ کے ممبروں کو چُن کر اپنے اُس حق کا استعمال کرنا تھا جس پر کہ انہیں فخر تھا۔ اشتہارات میں اخبارات میں نکوپول کے گلی بازاروں میں لاوڈ سپیکروں پر کارخانوں میں اور مینگنیز کی کانوں میں ہر جگہ انتخاب کا نعرہ لگ رہا تھا۔

"پارٹی کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ سوشلسٹ سماج کیلئے ووٹ دو۔ ہمارا محبوب نیتا اور گورو کامریڈ سٹالن زندہ باد!"

مجھے یوں لگتا تھا جیسے میری اور لاکھوں دوسرے اشخاص کی مصیبتوں کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو۔ ۱۲ دسمبر کو مَیں بھی شہر میں لگی ہوئی ایک لمبی قطار میں کھڑا ہو گیا۔ اور بالآخر مجھے بھی "خفیہ بیلٹ" دیا گیا۔ اس پر امیدواروں کی ایک

ہی فہرست تھی جو سب پارٹی نے نامزد کئے تھے۔ بیلٹ پہ ہاں یا نہ لکھنے کے لئے یا کوئی اور نام لکھنے کے لئے بھی جگہ نہ تھی۔

اب آہستہ آہستہ میری قوت مزاحمت ختم ہونے لگی۔ میں اس مسلسل آزمائش سے کسی بھی قیمت پر چھٹکارہ پانا چاہتا تھا۔ کئی بار تو اب مجھے دن میں بھی بہت بڑے بڑے خواب نظر آتے تھے۔ بیلٹ بکس ملتے ہی میں نے ان پر بڑے بڑے لفظوں میں اپنا نام لکھا۔ ادھر آرکسیٹرا پہ دھن بجنے لگی۔۔۔ پھر نہ جانے کیا ہوا۔ جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک بستر پر پڑا ہوا پایا۔ ماما اور دادی نالٹنا میرے قریب بیٹھی تھیں۔

عین اسی مرحلہ پر بوڑھا سلیمان ہوٹل میں مجھ سے ملنے آیا۔ شائد اس نے یہ اندازہ لگا لیا ہو۔ کہ میری بس ہو چکی ہے۔ اور اب میں ہتھیار ڈالنے ہی والا ہوں۔

"تم اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔" بوڑھے سلیمان نے پوچھا۔ "سچ سچ بتاؤ کیونکہ مجھے بہت بڑا شک پیدا ہو رہا ہے۔ مجھ پر اعتبار کرو۔ بتاؤ۔"

مجھ پہ زیادہ زور ڈالنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کبھی سے دل کی بات کہنے کسی کے سامنے کلیجہ چیر کر رکھنے کے لئے تو میں پہلے ہی بیتاب تھا۔ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح مجھے مہینوں تک سونے نہیں دیا گیا۔ اور کس طرح مجھے مختلف کاغذات پر دستخط کرانے کیلئے مجبور کیا جا رہا ہے۔

"میں درخواست کرتا ہوں کامریڈ کہ ان پر دستخط نہ کرنا" سلیمان نے کہا۔ "جب تک اب تک اڑے رہے ہو آخر تک اڑے رہو۔ ان پر دستخط کرنے سے تم بچ نہیں سکو گے۔ اس سے تم جال میں پھنس کر ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاؤ گے۔"

"لیکن کب تک؟ آخر انسان کب تک اذیت برداشت کر سکتا ہے" میں نے درد بھری آواز میں پوچھا۔

"میں جانتا ہوں۔ جانتا ہوں۔ میرے عزیز۔ میں نے اتنی عمر میں بہت کچھ دیکھا ہے مجھے اس قسم کی اذیتوں کا تجربہ ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ چھانٹی اب ختم ہو رہی ہے۔ اب اخراج کیلئے زیادہ لوگ باقی نہیں۔ نکوپول ڈسٹرکٹ کے کل کمیونسٹوں میں سے تقریباً ۴۰ فیصدی کو پارٹی سے خارج کر دیا گیا ہے یا گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اور پارٹی سے نکالے جانیوالے ہر کمیونسٹ کے ساتھ کم از کم ۸ غیر کمیونسٹ گرفتار کیئے گئے ہیں۔ میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا۔ لیکن سٹی کمیٹی کے ایک ممبر سے مجھے پتہ چلا ہے کہ مرکز کی طرف سے ایک نیا ہدایت نامہ آیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے۔ کہ پارٹی کی رضامندی کے بغیر اب اور کسی کمیونسٹ کو گرفتار نہ کیا جائے۔ اسلیئے تم اپنے آپ پر رحم کرو اور کم از کم کچھ عرصہ اور اڑے رہو۔" سلیننن نے اپنے الفاظ پہ زور ڈالتے ہوئے کہا۔

ماہ جنوری کے پہلے ہفتے میں گیرشگورن نے میرے دستخط حاصل کرنے کیلئے ایک اور دستاویز میرے سامنے رکھی۔ یہ دستاویز ایک قسم کا میرا اقبال جرم کا بیان تھی۔ یہ طویل اور پیچیدہ بیان اگرچہ بہت مبہم تھا لیکن تھا اقبالی بیان اس میں میرے دوستوں۔ میرے اعلےٰ افسروں۔ میرے ماتحتوں وغیرہ کے "جرائم" درج تھے۔ اور ان کے لیئے میں خود کس حد تک ذمہ دار ہوں۔ اس کا ذکر کہیں کہیں اور مختصر طور پہ کیا گیا تھا۔ لیکن تھا بھید سے۔ سیدھا نہیں۔ یہ دستاویز مجھ سے اقبال جرم کرانے کے لیئے اور مجھے دھوکہ دے کر آسانی سے میرے دستخط حاصل کرانے کے لیئے تیار کی گئی تھی۔

میں اس "ٹکنیکل الفیلیلے" کو پڑھنے میں مصروف تھا۔ کہ گیرشگورن نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارے اس دستاویز پر دستخط کر دینے سے

ہم مطمئن ہو جائیں گے۔ لیکن اب اس سے کم اور نہیں۔ سودا بازی یہاں کام نہیں دیگی۔ اگر تم انکار کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم خفیہ پولیس کیخلاف "اعلانِ جنگ" کر رہے ہو۔ پھر تمہارے لئے اپنے اس کئے پر پچھتانا فضول ہو گا۔ اس لئے پوچھتا ہوں، تمہاری ہی طرح میں بھی تنگ آچکا ہوں۔ اسلئے اب تم ہوش سے کام لو۔ بولو اس پر قلم سے دستخط کرو گے یا پنسل سے؟"

"میں دستخط نہیں کروں گا۔ اس دستاویز میں جو باتیں درج ہیں وہ درست نہیں ۔۔۔۔ اور باقیوں کے متعلق میں ویسے کچھ نہیں جانتا۔ میں نے ایسا کوئی اعتراف نہیں کیا جو آپ اس دستاویز کے ذریعے مجھ سے کروانا چاہتے ہیں۔"

"میں کہتا ہوں تمہیں اس پر دستخط کرنے پڑیں گے۔ لیکن اسی طرح جس طرح کہ برشیشکو اور آئیفانشینکو نے کئے تھے!"

"آپ جو چاہیں کریں۔ میں اُن جرائم کا اعتراف نہیں کر سکتا۔ جن کا کہ میں مرتکب نہیں ہوا۔"

گیرشگورن غصے میں بھرا ہوا کرسی پیچھے کو پھینکتے ہوئے اٹھا۔ اور مجھ پر جھپٹ پڑا۔

"تخریب کار۔ بدمعاش۔ سازشی۔" گالیاں دیتے ہوئے۔ اس نے مجھ پر گھونسوں اور مکوں کی بارش شروع کر دی۔ اسکے مضبوط مکے میرے منہ پر اس طرح پڑ رہے تھے جیسے گولیاں چل رہی ہوں۔ میری ناک سے خون بہنے لگا۔ دانتوں پر مکے لگنے سے منہ میں بھی خون بھر آیا۔

"تم اب بھی دستخط کرو گے یا نہیں؟"

غصے بھرے ان الفاظ کے ساتھ گیرشگورن نے ایک بار پھر مجھ پر مکوں اور ٹھڈوں کی بارش شروع کر دی۔ اس سے میرے سر میں زخم ہو گیا۔ اور اس نے

خون بہہ بہہ کر میری آنکھوں میں پڑنے لگا۔ جس سے مجھے دکھائی دینا بند ہوگیا۔ میں دیکھ تو نہیں سکتا۔ البتہ آواز سے مجھے پتہ چلا کہ ڈوروگن کمرے کے اندر آ گیا ہے۔ میں اب اس کے بھاری قدموں کی آواز کو پہچاننے لگا تھا۔ اس نے بھی اندر آتے ہی ٹھوکروں سے میری گت بنانی شروع کر دی۔ میں فرش پر گر پڑا۔ اور گیند کی طرح لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ میں اپنے آپ میں سکڑتا جا رہا تھا۔ اور ادھر بڑے بڑے بوٹوں والے پیر لگاتار مجھے ٹھڈے لگائے جا رہے تھے۔

درد سے میری چیخیں نکلنے لگیں۔ پھر ڈوروگن نے گھنٹی دے کر باہر سے سپاہیوں کو بلا لیا تھا۔ جو کہ اب مجھے اٹھا کر لئے جا رہے تھے۔

"لیجاؤ اس بدمعاش کو باہر پھینک دو" ڈوروگن چلایا۔

اور تھوڑی دیر کے بعد میں باہر برف سے بھری ہوئی سڑک پر پڑا ٹھٹھر رہا تھا۔ برفباری کی وجہ سے میرا چہرہ جو پہلے ہی ان دو دیوؤں کے گھونسوں کی وجہ سے زخمی ہو چکا تھا۔ اور بھی زیادہ دکھنے لگا۔ رینگتا رینگتا میں ہوٹل تک پہنچا۔ وہاں میں گیلری سے گذر رہا تھا کہ اچانک میری نظر انتخابات کے وقت کے ایک پوسٹر پر پڑی جس پر لکھا ہوا تھا۔ "خوشحال سوشلسٹ زندگی کیلئے سٹالن کے گرد جمع ہو جاؤ۔"

میں کپڑوں سمیت بستر پر لیٹ گیا اور کچھ دیر بعد نہ جانے کیسے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو دیوار پر لگی ہوئی سٹالن کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ یہ تصویر دیکھتے ہی مجھے اپنے درد کا احساس نہ رہا بلکہ ندامت محسوس ہونے لگی۔ تصویر سے مخاطب ہوتے ہوئے میں نے دل ہی دل میں کہا۔

"کامریڈ سٹالن! اب تو ہم پوری طرح ایک دوسرے کے واقف ہو چکے ہیں۔ اب کوئی بات ایسی نہیں رہی جو چھپی ہوئی ہو۔ ہر چیز واضح ہو چکی ہے۔

مبارک ہو کامریڈ!"

ایسی ہی بے تکی باتیں کرتے کرتے دکھ اور افسوس کا احساس میرے ذہن پر سے مٹنے لگا مجھے بنی نوع انسان کی اس کسمپرسی اور بیکسی پہ افسوس ہوتا انسانیت کی اس تحقیر پہ ندامت تھی۔ مجھے اپنی مادرِ وطن اور اپنے ہموطنوں کی حالت پہ --- اپنے اس غریب "سوشلسٹ روس" کی حالت پہ دکھ تھا۔

لیکن تصویر سے دو چار باتیں کرنے کے بعد درد کم ہوتا ہوا محسوس ہوا اسلام لوگوں کا دکھ اور اُن کے مصایب کا خیال آتے ہی میرے اپنے زخم بھرنے لگے اور مجھے اُن چوٹوں کی یاد باقی نہ رہی جو ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے میرے چہرے۔ میرے سر میری پُشت۔ میرے سینے اور ٹانگوں پہ لگائی گئی تھیں۔

کچھ لمحوں کے لئے میں جیسے ہواؤں میں اُڑتا رہا لیکن جب پھر آنکھ کھلی تو جسم کے انگ انگ میں درد پھر زوروں سے شروع ہو گیا۔ دیوار پر لگی ہوئی سٹالن کی تصویر اب بھی وہیں تھی۔ اُسکی بے حس آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے میں نے دیکھا۔ اب مجھے اُس سے اُس کی حکومت سے اتنی نفرت ہو رہی تھی جتنی کہ پہلے کبھی کسی چیز سے نہ ہوئی ہو۔ ایکبار پھر وہی پُرانا جنون وہی تلخی اور حلاوت بھرا خیال دماغ میں آیا۔ ایکبار پھر میں نے سوچا کہ اپنے آپ کو گولی مار کر اس مصایب بھری زندگی سے نجات حاصل کروں۔ یہ خیال آتے ہی ذہن کے تار جھنجنا اُٹھے۔ جسم میں کپکپی پیدا ہو گئی۔ جسم اسقدر تھکاوٹ اور درد محسوس کر رہا تھا کہ میرے لئے اُٹھ کر سوٹ کیس میں سے پستول نکالنا بھی مشکل تھا۔ ہاتھوں میں گھوڑا دبانے کی سکت بھی باقی نہیں تھی۔ تصور میں میں نے وہ تمام حرکات کیں جو آدمی خودکشی کے وقت کرتا ہے لیکن میرا جسم اُسی طرح چارپائی پہ پڑا تھا۔

دیوار پر لگی ہوئی سٹالن کی تصویر کی نگرانی میں میں گہری نیند سو رہا۔ لیکن اب بھی میرے ذہن کے ایک کونے میں یہ خیال چھپا ہوا تھا کہ آج رات کو وہ لوگ مجھے لینے کے لئے آئیں گے۔ میں کسی کے قدموں کی آہٹ کا منتظر تھا۔ اچانک کانوں میں کچھ آواز پڑی۔ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ اٹھ کر چند لمحے میں نے دروازے کو زور سے دبائے رکھا۔ یہ لمحات۔۔۔۔ میرے خیال کے مطابق میری آزادی کے آخری لمحات تھے۔۔۔ آخر میں نے دروازہ کھول دیا۔

نیم تاریکی میں کھچڑی بالوں والی ایک منحنی سی عورت باہر کھڑی تھی۔ اور اسکے اوور کوٹ پر برف کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔ پہلی نظر میں میں نے اسے نہیں پہچانا۔ میں سوچ رہا تھا شاید یہ بھی کسی خواب کا ایک حصہ ہے۔ لیکن غور سے اس عورت کو دیکھتے ہی میں چلا اٹھا۔

"ماما۔ ڈیئر ماما" اور ساتھ ہی میں ماما کے بازوؤں میں تھا۔

اگلے دن پلانٹ میں لوگ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ میری آنکھوں پر سوزش کیوں ہے۔ چہرے پر زخم کیوں ہیں۔ میں نے ایک حادثہ میں زخمی ہونے کا بہانہ بنایا۔ لیکن ان کی آنکھوں سے ایسا جھلک رہا تھا جیسے کہ انہیں میری بات پر اعتبار نہیں۔ ادھر دفتر میں پہنچتے ہی مجھے نایپرو پیٹرووِنسک سے آیا ہوا ایک حکم ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ کنٹرول کمیشن پرسوں کو تمہارے کیس پر غور کرے گا۔ اسلئے تمہیں وہاں پہنچنا چاہیئے۔

کنٹرول کمیشن میں اپنے کیس کی سماعت کے بارے میں کسی کو کچھ بتائے بغیر میں نایپرو پیٹرووِنسک کیلئے روانہ ہو گیا۔ اس رات کو مجھے پولیس ہیڈکوارٹر میں پہنچنا تھا۔ لیکن اب مجھے کم از کم کچھ عرصہ کیلئے نجات مل گئی تھی۔ گیر شگورن بیٹھے میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ دو راتوں کو پوری نیند لینے سے میرے جسم میں نئی طاقت

پیدا ہو گئی تھی۔ اور ساتھ ہی نئی اُمید بھی

ریجنل پارٹی ہیڈ کوارٹر میں پہنچ کر میں کنٹرول کمیشن کے ویٹنگ روم میں پہنچا۔ ایک سپاہی ڈیوٹی پر تھا۔ سامنے کے بڑے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے اس خیال سے کچھ خوف سا محسوس ہونے لگا کہ اسکے اندر بیٹھکر کچھ اجنبی آج میری قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ ویٹنگ روم میں پڑے بنچوں پر آٹھ دس اور آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے پریشان چہروں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہاں بیٹھے ہوئے سب لوگوں کو میری ہی طرح کا کوئی مسئلہ درپیش ہے۔

کافی انتظار کے بعد آخر مجھے کمیشن کے روبرو طلب کیا گیا۔ میں ایک بڑے اور جگمگ کرتے ہوئے کمرے میں پہنچا۔ ایک لمبی میز پر سُرخ کپڑا بچھا ہوا تھا۔ اور اُس پر پانچ آدمی ایک قطار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ سارا منظر دیکھ کر میں کافی گھبرا سا گیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے میں نے پانچوں آدمیوں کے چہروں کا بغور مطالعہ کیا۔ اُن میں سے ایک میری طرف دیکھ دیکھ کر مُسکرا رہا تھا۔ سر ہلا رہا تھا۔ جیسے اُس نے مجھے پہچان لیا ہو۔۔۔۔

یا خدا! ۔۔۔۔ گریگو ریف۔۔۔ یہ ایک پرانا بالشویک، انقلاب سے پہلے کا بالشویک تھا۔ وہ پیٹرو فسکی لینن پلانٹ میں جو کہ اب صرف لینن پلانٹ رہ گیا تھا۔ میرے پاپا کیساتھ کام کرتا رہا تھا۔ اور مجھے بچپن سے جانتا تھا۔ اُسے دیکھ کر میری گھبراہٹ کافی حد تک دُور ہو گئی۔

ایک گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک میں کمیشن کے ممبروں کے سوالات کا جواب دیتا رہا۔ ایک سوال کنندہ جس کے چہرے پہ داغ تھے اور آواز میں بھاری پن تھا اور جو وضع قطع سے جیارجیا کا باشندہ نظر آتا تھا۔ میرے تئیں دُشمنانہ رویّہ

اختیار کئے ہوئے تھا۔ چیئرمین اور گریگوریف کا رویہ ہمدردانہ تھا۔ میں نے اپنے پاپا، آلات کے ذخیرے۔ اور "عوامی دشمنوں" کے ساتھ اپنے تعلقات کے بارے میں اُن کے سوالوں کے جواب دیئے۔ چونکہ مجھے کوئی چیز چھپانی مقصود نہ تھی۔ اسلئے میں نے ہر سوال کا فوراً اور ٹھیک ٹھیک جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے باہر ویٹنگ روم میں بھیجدیا گیا۔ میں اُسی جگہ پر بیٹھ گیا جہاں کہ پہلے ایک زیر حراست آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے سگریٹ سلگا لیا۔ اور اُس کے سہارے وقت کٹی کرنے لگا۔ جب بھی باہر کا دروازہ کھلتا میں یہی سمجھتا کہ خفیہ پولیس مجھے گرفتار کرنے کے لئے آرہی ہے۔ اِسی طرح انتظار میں ۱۵ منٹ گذر گئے۔ اور پھر مجھے دوبارہ اندر بلا لیا گیا۔

کمیشن کا چیئرمین اب کھل کر مسکرا رہا تھا۔

"کامریڈ کرافشینکو" مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے اُس نے کہا: "کمیشن نے نکوپول سٹی کمیٹی کے فیصلہ کی تصدیق کرنے اور تمہیں دیگئی وارننگ کو ختم کرنیکا فیصلہ کیا ہے۔ تم کام پر واپس جا سکتے ہو۔ اب کوئی تمہیں تنگ نہیں کریگا۔ لیکن میری یہ تجویز ہے کہ تم اپنی ملازمت بدل لو۔ اور کہیں نئی جگہ کام شروع کرو۔ اپنی پارٹی اور اپنے لیڈر پر اعتماد رکھو۔ اچھا۔ اب الوداع۔ کامریڈ۔ قسمت تمہارا ساتھ دے۔"

اُسوقت بیچارے چیئرمین کو یہ کہاں علم تھا کہ دو ماہ بعد اُسے اور گریگوریف دونوں کو "عوامی دشمن" ہونے کے الزام میں گرفتار کر لیا جائیگا!

میں ۱۹۳۵ کے آغاز میں ایک اچھا انجنیئر اور صنعتی افسر بننے کی اُمید لیکر نکوپول آیا تھا۔ میں مُلک اور عوام کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ اور اب تقریباً ۲ سال بعد یہاں سے جارہا تھا۔ نا اُمید ہو کر۔ کوئی خواہش اب باقی نہیں تھی۔ میری

توہین ہوئی تھی اور اِس سے دِل کو زبردست ٹھیس پہنچی تھی۔

جب میں سوچتا کہ اِن تین سالوں میں مَیں نے کیا پایا۔ تو صرف ایک بات ذہن میں آتی۔ اور وُہ یہ کہ مَیں یہ تین سال آزاد رہا ہُوں۔ اور میری جان بچی رہی ہے جبکہ لاکھوں دوسرے لوگ جو میری ہی طرح بے قصور تھے ہلاک کر دئے گئے ہیں۔ یا اس بے رحم سرکار کے جبری محنت کے کیمپوں میں لیجا کر غلام بنا دیئے گئے ہیں یا کم از کم اپنے عہدوں سے ہٹا دئے گئے ہیں۔

باب نمبر ۱۸

مزدور — آزاد اور غلام

ناگنوگ صوبہ ہوستوف میں سمندر کے کنارے واقع ہے۔ اس شہر میں باغ باغیچے بہت تھے۔ جن کی بدولت شہر نہائت خوبصورت اور ایک عشرت گاہ کی طرح لطیف تھا۔ لیکن اُسوقت پانچسالہ پلان پر عملدرآمد کی وجہ سے یہاں باہر سے بہت بھاری تعداد میں لوگ آ کٹھے ہوئے تھے۔ اور شہر میں بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ نئی فیکٹریاں لگنے کی وجہ سے شہر میں دھواں رہتا تھا۔ دیواروں پر اُسکی سیاہی جمی رہتی تھی۔

مجھے، ایڈمنسٹریشن کمپاؤنڈ میں ایک کھلا ہوادار کوارٹر رہائش کیلئے دیدیا گیا۔

جہاں کہ دوسرے ڈیگری افسر رہائش رکھتے تھے۔ ہمارے نزدیک ہی مزدوروں کے جھونپڑے تھے۔ اور انہیں دیکھ کر میں سوچا کرتا تھا کہ کیا رہائش وغیرہ کی پلاننگ کرنیوالوں نے روسی زندگی میں اونچے اور نچلے طبقوں کو ڈرامائی انداز میں ساتھ ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے؟ مجھے اس بات پر شک تھا پھر بھی غریب اور امیر کا فرق یہاں نمایاں طور پر سامنے آتا تھا۔ چیختا چلاتا ہوا۔ پریشان کرتا ہوا یہ فرق موجود تھا۔ اگرچہ خوبصورت درختوں کی قطاریں عام طور پر مزدوروں کی بارکوں کو ان جنگلوں میں رہنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھتی تھیں۔

اس بارونق شہر میں اگر کوئی چیز نہیں تھی تو وہ لوگوں کے چہرے کی مسکراہٹ اور مسرت کے آثار تھے۔ چھانٹی کا بدترین دور گذر چکا تھا۔ لیکن اسکی یاد ابھی لوگوں کے دلوں میں تھی۔ نصف سے زیادہ انتظامیہ سٹاف۔ چاہے اس کا پارٹی کیساتھ کوئی تعلق تھا یا نہیں۔ اس چھانٹی کا شکار ہوگیا تھا۔ اور جو لوگ باقی تھے۔ وہ بھی زخم خوردہ تھے۔ چھانٹی کے دوران میں ذلیل ہوچکے تھے۔ اور اب اس بات پر شرمندہ تھے۔ کہ وہ کیوں بچ رہے۔

مقامی اور ریجنل پارٹی کے عہدیداروں کے ساتھ ملنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میری شہرت یہاں بھی پہنچ گئی ہے۔ نکوپول کمیٹی اور ڈورو گن نے میرے متعلق تمام مواد یہاں بھیج دیا تھا۔ اسلئے میں یہاں بھی بالکل عماق رکاوٹ لے کر کام شروع نہیں کرسکتا تھا۔ یہ امر حوصلہ شکن تھا۔ اسکے علاوہ یہاں بیگار یا جبری محنت نکوپول سے بہت زیادہ تھی۔ اسلئے میری ذہنی پریشانی بھی یہاں آکر کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئی تھی۔ خفیہ پولیس کے غلاموں کی ایک بڑی فوج یہاں مال اتارنے یا لادنے کا تمام بھاری کام سرانجام دیتی تھی۔ گندے چیتھڑوں میں ملبوس لوگوں کو جنہیں انسان ماننا بھی مشکل تھا۔

دیکھ کر جوش ٹھنڈا پڑ جاتا تھا۔ ہمت ٹوٹ جاتی تھی۔ اور پھر یہ احساس کہ ایسے ہی لاکھوں غلام ۔۔۔ روس کے تمام جنگلوں میں دن رات مصیبت اُٹھا رہے ہیں۔ اور مکھیوں کی طرح مر رہے ہیں۔ اسقدر خوفناک تھا کہ میں ان کا خیال ذہن سے دُور رکھنے کی کوشش کرتا۔ حقائق کو سامنے دیکھنے سے دل اور دماغ کو ایک صدمہ پہنچتا تھا۔ اور یہ صدمہ اور زیادہ شدید ہو جاتا جب یہ خیال آتا کہ اگر ایک غیر متوقع حادثہ مجھے بچا نہ لیتا۔ تو آج میں بھی ان بدنصیب غلاموں میں شامل ہوتا۔ اب بھی مجھے اس بات کا خدشہ تھا۔ کہ میں عنقریب ان لوگوں میں شامل کر دیا جاؤں گا۔

سمندر کے کنارے میرا قیام بہت مختصر ثابت ہوا۔ بغیر کوئی وجہ بتائے ایک دن مجھے ماسکو میں گلیو ٹرودبوسٹل کے سامنے پیش ہونے کا حکم ملا۔ اس ادارے کے چیف مرکولوف نے اپنے اسسٹنٹ کوزہنیکوف کی موجودگی میں مجھے بتایا کہ کمشنر کاگنووچ اور پارٹی مجھے خاص اعزاز دینے والے ہیں۔

"نوتو۔ٹروبنی (نیو۔ پائپ) پلانٹ واقع یورال میں ان دنوں بہت زیادہ تخریبی کارروائیاں ہو رہی ہیں۔" مرکولوف نے مجھے بتایا۔ "وہاں سے بہت سے تخریب کاروں کو نکال دیا گیا ہے۔ اور باقیوں کے کیس زیر غور ہیں۔ اب ہم وہاں کے نظم و نسق کو قابل تعلیمیافتہ اور سیاسی طور پر قابل اعتبار لوگوں کے ذریعے مضبوط بنا رہے ہیں۔"

"مجھے اپنے بارے میں آپکو کچھ بتانا ہی پڑیگا۔ میں بھی گنہگار ہوں، کامریڈ مرکولوف۔ میں چھانٹی میں آچکا ہوں۔ بعد میں بحال کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب بھی سر سے پاؤں تک، مجھ پر انتہائی سنگین الزام موجود ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہمیں سب معلوم ہے۔ لیکن پھر بھی ہم تم پر اعتبار کرتے ہیں۔"

"لیکن میں یورال میں جانا نہیں چاہتا۔ میں بہت تھک چکا ہوں۔ میں بھلا اُس خوفناک مقام پر جانا پسند بھی کیوں کروں گا؟"

"ہم جانتے ہیں کہ پیر فورالسک۔ کا کام بہت بگڑا ہوا ہے۔ اِسلئے ہم تمہیں پورا تعاون دیں گے۔" مراکولوف نے مجھ سے وعدہ کرتے ہوئے کہا۔" کامریڈ کاگنووِچ خود تمہاری پُشت پر رہیں گے۔ ہم تمہیں وہاں سب سے زیادہ تنخواہ دیں گے۔ کام میں جتنے فیصدی بہتری ہوگی اُتنے ہی بونس دئے جائیں گے۔ نئی موٹر ملے گی۔ اور بھی جو کچھ تم مانگو گے۔ دیا جائے گا۔"

میں فیکٹری کے نئے ڈائریکٹر جیکب اوساڈشی سے مِلا جو یورال کی فیکٹری میں میرا واحد افسر ہونا تھا۔ باقی سب لوگ ہمارے ماتحت تھے۔ ماسکو میں یورال کی فیکٹری کیلئے بالکل نیا انتظامیہ سٹاف بھرتی کیا جا رہا تھا۔ اور اِس فیکٹری کا کام چلانے والے افسروں اور انجنیئروں کو اس کا ذرا بھی علم نہیں تھا۔ نئے کام کے متعلق مجھے بہت سی تلخ غلط فہمیاں تھیں۔ نو فورٹو بنی پلانٹ اپنی نارمل پیداواری قوت کا صرف ۳۵ یا ۴۰ فیصدی حِصّہ مال تیار کر رہا تھا۔ اور سرکاری تقریروں و اخبارات میں اِسے تخریب اور بد انتظامی کی بد ترین مثال قرار دیا تھا۔ میٹالرجی کے کام میں ابتک مجھے اِتنی پریشانی کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی کہ اپنی نئی ذمّہ داریوں کے متعلق ہو رہی تھی۔

(۲)

سفیر ڈلوفسک کے ریل روڈ سٹیشن پر جسے پہلے ییکٹرین برگ بھی کہا جاتا تھا اور جو اِس وجہ سے مشہور تھا۔ کہ وہاں پہلے زار اور اُس کے کُنبے کو قتل کیا

گیا تھا۔ لو نو ٹرو بنی پلانٹ کا ایک افسر مجھے ملا۔ خوش قسمتی سے اُس افسر کو میں پہلے سے کافی اچھی طرح جانتا تھا۔ اور وہ کُھل کر میرے ساتھ بات چیت کر سکتا تھا۔ وہاں سے پیر فور السک تک ۸ میل کا فاصلہ ہم نے موٹر میں طے کیا۔ اور اس دوران میں اُس افسر نے مجھے پلانٹ کے تمام حالات سے با خبر کر دیا۔ اگرچہ وہ کچھ جھجک سے بات کر رہا تھا۔ پھر بھی اُسکی باتوں سے میرے بدترین قیاس درست ثابت ہو گئے۔

ابھی پیر فور السک ۷، ۸ میل آگے تھا کہ میں نے سڑک سے چند سو گز کے فاصلہ پہ ایک جبری محنت کے کیمپ کی خاردار تاریں لگی ہوئی دیکھیں۔ اُسے زیادہ اچھی طرح دیکھنے کے لئے میں نے کار روک لی۔ جنگل کاٹ کر صاف کیا گیا تھا اس کئی ایکڑ زمین میں چھوٹی چھوٹی اور بھدی سی بارکیں کھڑی تھیں۔ کیمپ سنسان پڑا تھا۔ موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ کیمپ کے چھ کونے تھے۔ اور ہر کونے پر بڑے بڑے مینار بنے ہوئے تھے۔ جن پر سرچ لائٹ اور مشین گنیں فٹ تھیں۔

"قیدی کہاں ہیں؟" میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"اس وقت دن میں وہ کام پہ گئے ہوئے ہیں۔ اُن میں سے چند ہماری اپنی فیکٹری ہی میں ہیں۔ باقی دوسرے پلانٹوں میں کانوں میں اور تعمیر کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔" میرے ساتھی نے جواب دیا۔ اور کہا۔ "وکٹر اینڈری وچ! میرا خیال ہے کہ آپ پہلی بار یورال میں آئے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ آپ ہر جگہ اِدھر اُدھر ان قیدیوں کو دیکھنے کے عادی ہو جائیں۔"

ہم نے کار پھر سٹارٹ کر لی۔ میری نئی زندگی کا یہ اچھا تعارف تھا! پلانٹ کے نئے ڈائریکٹر اوسادشی مجھ سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ اُن کے چہرے پر مایوسی کے آثار تھے اور زبان خاموش تھی۔ ماسکو میں اُن کے اندر جو جوش خروش

پایا جاتا تھا۔ پلانٹ پر ایک نگاہ ڈالتے ہی ہوا ہو گیا تھا اور خود میری آنکھوں نے اُن کے احساسات کی تائید کر دی۔

مزدوروں کے کوارٹروں کا معائنہ کرنے کے بعد تو مایوسی میں رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔ خاردار تاروں کے پیچھے بنی ہوئی جو بارکیں میں نے دیکھی تھیں اُن میں اور اِن کوارٹروں میں بہت معمولی فرق تھا۔ لکڑی کے خستہ حال کھوکھے اندر کی گندگی۔ بُو ــــ اور اِن کوارٹروں میں ہماری فیکٹری کے آزاد پرولتاری بھرے ہوئے تھے۔

مجھے کام شروع کئے دو ہی ہفتے ہوئے تھے کہ اکاؤنٹنٹ مزدوروں کی پندرہ روزہ تنخواہوں کا رجسٹر دستخطوں کیلئے میرے پاس لایا۔ رجسٹر پر نظر دوڑاتے ہوئے ایک جگہ میں ٹھٹک گیا۔ ایک خاص مد میں خفیہ پولیس کیلئے کافی رقم ڈالی گئی تھی۔

"یہ کس لئے؟" حیرانی کے ساتھ میں نے پوچھا۔

"یہ رقم مزدوروں کے ٹھیکے کے ماتحت رکھی گئی ہے۔ آپکے سیکشن میں جو ۱۶۰ قیدی مزدور کام کرتے ہیں۔ اُن کی نصف تنخواہ خفیہ پولیس کو ملتی ہے۔"

"کیا وہ جبری محنت کے کیمپوں کے قیدی ہیں؟"

"نہیں نہیں کامریڈ کرافشینکو۔ یہ خفیہ پولیس کا بالکل الگ محکمہ کا ہے۔ ٹھیکے کے مزدور آزاد مزدوروں کی طرح یہاں اپنی الگ بارکوں میں رہتے ہیں۔ یہ وہ آدمی ہیں جنہیں مختلف جرائم کے سلسلہ میں جلاوطن کر کے یہاں بھیجا گیا ہے۔"

دو مہینے گذر جانے کے بعد پلانٹ کی حالت اتنی بدل گئی کہ اسے پہچاننا بھی مشکل تھا۔ میرے عزم کا میرے ساتھیوں پر بھی اثر ہوا تھا۔ اور کام کیلئے اُن کی بیتابی۔ عام کلرکوں اور فرش صاف کرنیوالے بھنگیوں پر بھی اثر انداز

ہوتی تھی۔ مئی تک نہ صرف ہماری پیداوار ۸۰ فیصدی بڑھ گئی۔ جو کہ پہلے ناممکن تھی۔ بلکہ مال کی کوالٹی بھی بہت بہتر ہو گئی۔ پائپ میں پہلے جہاں ۱۲ فیصدی خرابی ہوتی تھی اب وہ صرف ۵/۶ فیصدی رہ گئی تھی۔

شاید ہی کوئی ہفتہ گذرتا ہو جب خوفناک حکم اور تجربہ کاروں کی تلاش کے لئے پریشان کن ہدایات لیکر اس یا اُس بیورو سے کنٹرولروں یا جاسوسوں کی کوئی ٹیم پلانٹ میں نہ آتی ہو۔ وہ یہاں آکر میرا وقت ضائع کرتے۔ میرے کمرے میں بیٹھ کر لوگوں کے بیانات لیتے اور کانفرنسوں پر کانفرنسیں طلب کرتے۔ اس دُور اُفتادہ مقام پر اور اپنے کام کی لغویت کی وجہ سے زندگی میں مسرت کے فقدان کو ختم کرنے کے لئے وہ شراب کے جام گلے میں انڈھیلتے اور قمار بازی میں مصروف ہو جاتے۔

نوفوٹروبنی کے کام میں جو نمایاں بہتری ہوئی تھی ماسکو نے اُس کا اعتراف کیا۔ وہاں کے صدر دفتر میں سرگرم ورکروں کی ایک میٹنگ کامریڈ کاگنووچ کی موجودگی میں ہوئی جس میں میرے کام کو سراہا گیا۔ اخبار " فار انڈسٹریلائزیشن" میں شائع ہونے والی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ " پارٹی کے سرگرم نوجوان انجنیئر کرافشینکو کے پہنچنے تک پلانٹ کی حالت خراب تھی"۔ اِن چند الفاظ نے ہی ساری تصویر بدل دی۔

اکثر اوقات مجھے وہ مشورہ یاد آتا جو مجھے میری یہاں آمد کے پہلے ہی دِن دیا گیا تھا۔ کہ مَیں اپنے آپکو قیدیوں اور جبری محنت کے کیمپوں کو دیکھنے کا عادی بنالوں۔ پیرا نوراِلسک میں ہم سوشلسٹ روس کے جبری محنت کے کیمپوں کے ایک خطہ کے عین وسط میں تھے۔ یہاں سے کسی بھی طرف کو جانیوالی بڑی سڑک پر اِن کیمپوں کا ہولناک منظر دیکھنے میں آسکتا تھا۔

ہمارے گیس سٹیشن کیلئے لکڑی کا برادہ یورالزف ٹرسٹ سے آتا تھا۔ جب مجھے اس لکڑی سے تیار ہونے والے گیس کے متعلق شکایت پیدا ہوئی تو میں نے ٹرسٹ کے افسروں کو فون کیا۔ اُنہوں نے میری شکائت پر یورالزف کے افسروں سے پوچھ تاچھ کی۔ اور ان افسروں نے متعلقہ پولیس افسر سے جواب طلب کر لیا۔ ہزاروں قیدی مرد اور عورتیں سفیرڈلوفسک کے علاقہ میں یہ لکڑی کاٹنے کا کام کرتے تھے۔ اور یہی برادہ یورالیزگو ٹرسٹ میں بھی ایندھن کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ جہاں سے کہ ہمیں بجلی سپلائی ہوتی تھی۔

میں جبری محنت کے کیمپوں سے دُور دُور رہنے کی ہی کوشش کرتا تھا۔ کیونکہ ایک بار کسی ایسے کیمپ کو دیکھ لینے سے ہفتوں تک دماغ پریشان رہتا۔ ہمیشہ مجھے یہ خطرہ رہتا کہ کہیں مجھے اپنا کوئی واقفکار کوئی عزیز ان قیدیوں میں نظر نہ آجائے، میرے سینکڑوں دوست بڑی چھانٹی کی نذر ہو کر آخر ان کیمپوں میں ہی تو آچکے تھے۔

اکثر اوقات سفیرڈلوفسک جانے آنے کی وجہ سے میں جبری محنت کے اُس کیمپ کو دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا۔ جہاں کہ میں نے پہلی مرتبہ اپنی کار کو ٹھہرایا تھا۔ اس چھوٹے احاطہ کے ایک طرف اس کا بڑا دروازہ تھا۔ جہاں لکڑی کا ایک خوبصورت بلکہ جدید پھاٹک چڑھا ہوا تھا۔ اُس پر سٹالن کی ایک بڑی قد آدم تصویر لگی ہوئی تھی۔ پھاٹک پر سرخ رنگ کے ڈورے بھی پڑے ہوئے تھے اور ان کے اُوپر پارٹی کے آجکل کے نعرے کُھدے ہوئے تھے۔ رات کے وقت اس تصویر اور ان کُھدے ہوئے نعروں پر بجلی کے چھوٹے چھوٹے بلب جلتے اور انہیں دن سے بھی زیادہ "دلکش" بنا دیتے۔

کوئی اجنبی موٹر میں سڑک پر سے گذرے تو وہ اس دروازے کے پھاٹک اور

اِس تصویر کو دیکھ کر شائد یہ سمجھے گا کہ اِس خوبصورت دروازے کے پیچھے سماج واد کا کوئی مستحسن ادارہ کام کر رہا ہے۔ لیکن ہم لوگ جو اس علاقہ میں رہتے بستے جانتے تھے۔ کہ اِس ہولناک۔ چھ کونہ احاطہ میں ۲½ ہزار آدمی زندگی اور دُنیا سے کٹے پڑے ہیں۔ چھ کے چھ کونوں کے میناروں پر لگی ہوئی سرچ لائیٹیں ساری رات خود بخود احاطہ میں روشنی ڈالتی ہوئی گھومتی رہتیں۔ اور "روشنی کے یہ مینار" جو آسمان سے بھی اُوپر تک تاریک فضاؤں میں چکاچوند کر دیتے تھے۔ ہر اُس آدمی کو جو ان کی حقیقت نہیں جانتا تھا۔ بےحد خوبصورت نظر آتے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر سچا کمیونسٹ اپنے دِل کی گہرائیوں میں جبری بیگار کے اِس سسٹم پر شرمندہ تھا۔ کچھ زیادہ جنونی قسم کے کامریڈ جب گرمی میں آ کر اِس سسٹم کے حق میں دلائل دیتے تو اُن کی اُس گرمی میں ہی بےچینی اور پریشانی جھلکتی دکھائی دیتی۔ وہ قیدیوں کو طرح طرح کے بُرے ناموں — قلاق — تخریب کار — بیہودہ — گدھے — قرار دیتے۔ تو ایسا معلوم ہوتا۔ کہ وہ محض اپنے دِل کا بخار نکال رہے ہیں۔ ایسا کرنے والا ہر کمیونسٹ پُوری طرح یہ جانتا تھا۔ کہ سیاست کا ایک ہی نیا موڑ ایک ہی نئی چھانٹی یا نیا کرائیسس۔ اُسے اِن مجرموں میں شامل کر سکتا ہے۔ جن کا خون پسینہ کہ ہمارے عجیب و غریب ملک کے سوشلزم کی جڑیں مضبوط کر رہا ہے۔

---

(۳)

مَیں نے یُورال میں اور اُس سے پہلے تاگن روگ۔ اور نکوپول میں اپنی پرائیویٹ زندگی کے متعلق بہت کم ذکر کیا ہے۔ اور مجھے اس کا احساس ہے۔ میں محسوس کرتا

ہوں کہ یہ کتاب پڑھنے والے مجھ سے پوچھ سکتے ہیں۔ کہ کیا اُس وقت رُوس کے صنعتی افسر محض مشینیں ہی بنے اور کیا۔ اُن کی اپنی ذاتی کوئی زندگی نہیں تھی؟

اور اگر میں صاف گوئی سے کام لیتا ہوا اس کا جواب ہاں میں دیدوں تو شائد یہ واقعات کو کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہو۔ درحقیقت ہم روسی لوگ بہت سیدھے سادھے اور بھولے بھالے ہیں۔ ہم ہیں گرمجوشی زیادہ ہے ہم باتیں زیادہ کرتے ہیں۔ اور کسی دُوسرے کے جلد دوست بن جاتے ہیں۔ ہمارا دِل تو جیسے سینے میں نہیں۔ ہماری آستینوں میں چھپا رہتا ہے۔ اور اِس معاملہ میں مَیں اپنے آپ کو مستثنےٰ نہیں سمجھتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اِن سالوں میں مَیں نے درجنوں بلکہ سینکڑوں دوست بنائے۔ لیکن یہ بات یاد رکھی جانی چاہیئے۔ کہ اپنے گرد رہنے والے ہزاروں مردوں اور عورتوں کیلئے میں ایک اہم شخصیت ' پارٹی کا ایک نمائندہ تھا۔ میں جسے چاہتا فائدہ بھی پہنچا سکتا تھا۔ میرے گھر میں اُنہیں آرام ہی آرام نظر آتا تھا۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ اور یہ حالت صرف چند لوگوں کی تھی۔ اور باقی لوگ المناک طور پہ جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ میرا مقابلہ اگر امریکہ کے میری پوزیشن کے آدمی کے ساتھ کیا جائے تو میرا معیارِ زندگی درمیانہ درجے کا بلکہ شائد اُس سے بھی کم۔ تھا۔ لیکن نکوپول۔ تاگن روگ۔ پیر وُرالسک۔ اور ماسکو میں بھی یہ معیار اوسط معیار سے بہت بلند تھا۔ اور مزدور طبقہ کے معیارِ زندگی سے تو اتنا مختلف تھا۔ جیسے کہ مَیں کسی اور دُنیا میں رہتا ہوں۔

ہاں! اِن سالوں میں مَیں نے دوست بنائے اور کبھی کبھی دوستی کے راستے سے رومانس بھی میری زندگی میں داخل ہوا۔ لیکن پچھلی زندگی پر نگاہ دوڑاتے ہوئے اگر اِن تمام واقعات کو ملا کر دیکھا جائے تو یہ قابلِ رحم حد تک مختصر عرصہ کی

تصویر نظر آتے ہیں۔ اُن دنوں میں میری پوزیشن کے آدمی کیلئے انسانی تعلقات کا قائم رکھنا بہت مشکل تھا۔ زیادہ کام اور جارحانہ سیاست کے خطرات انہیں اُبھرنے نہیں دیتے تھے۔ خوف کی آندھیوں میں رومانس کی چنگاریوں کا کہیں پتہ نہیں چلتا تھا۔ ہم میں سے بہت کم لوگ اپنی زندگی کو طے شدہ سمجھتے تھے۔ کسی کو بھی اپنے مستقبل کا علم نہیں تھا۔ زندگی متحرک تھی۔ کسی کو کوئی پتہ نہیں تھا کہ کب اُسے اُٹھا کر اچانک کہیں اور پھینک دیا جائیگا۔ دور دراز علاقوں میں بھیجدیا جائیگا یا بالکل ختم کر دیا جائیگا۔ کسی کو دوست بناتے ہوئے ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ ہم سٹیشن کے پلیٹ فارم پر مختصر سے عرصہ کیلئے ملنے والے دو مسافر ہیں اور جلد مخالف سمتوں کو جانے والی ریل گاڑیوں میں سوار ہو کر ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔

لیکن یہ داستان کا محض ایک حصّہ ہے۔ میری زندگی کے یہ سال اتنے بڑے بڑے واقعات کے باوجود اگر خالی نظر آتے ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں نے یہ سال ایک طرح کے روحانی خلاء میں گذارے۔ اس عظیم تجربہ پر سے اعتماد اُٹھ جانے کی وجہ سے مجھے اب کسی چیز سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی۔ مجھے صرف کام سے کام تھا۔ اور یا فرار ہو لینے کی مدّھم سی اُمید۔۔۔ کوئی آدمی اپنا اندرونی وقار کیسے قائم رکھ سکتا تھا جبکہ ماسکو کے کسی لبتہ بردار کی ناراضگی یا کسی مقامی پارٹی یا پولیس افسر کا جوش و خروش ایک لمحہ کا نوٹس دئیے بغیر اُس کی شخصیت کو حرفِ غلط کی طرح مٹا سکتا ہو؟ غنڈہ نما اور خطرناک جاسوسوں کی پُر فریب نگاہوں کے زیرِ سایہ انسان کی خودداری کیسے پرورش پا سکتی ہے؟

ان سالوں میں ایسے لمحات بھی آئے جن میں مجھے اپنے ساتھیوں کی گھریلو زندگی پر رشک آنے لگا۔ اور میں سوچنے لگا کہ اگر میرے بیوی بچے ہوتے تو کیا میری زندگی

زیادہ مجھے مسرت نہ ہوتی۔ لیکن میرے اس خبط کو اس خیال نے فوراً دُور کر دیا۔ کہ ایک خاوند یا ایک باپ کی گرفتاری کسی کنوارے کی گرفتاری سے کتنی زیادہ خوفناک ہوگی۔

باہر کے آدمی کیلئے کسی روسی افسر کی پرائیویٹ زندگی حقیقت کی تیسری تصویر ہوگی۔ بشرطیکہ اس کے پس منظر کو درمیان میں رکھا جائے۔ نیم فاقہ کش۔ ننگے اور دبے ہوئے مصیبت زدہ عوام کا پس منظر۔ جنہیں کہ ابتدائی سیاسی یا اقتصادی آزادی بھی حاصل نہیں تھی۔

شائد ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو جسدن کوئی مزدور یا اُسکی بیوی اپنی غربت یا اپنی بیماری کی کہانی لیکر میرے پاس نہ آتی ہو۔ اُن کے لئے جو کچھ میں کر سکتا کرتا لیکن نہ قابل رحم حد تک کم ہوتا تھا۔ کئی بار میں اپنی پوزیشن سے فائدہ اُٹھا کر کسی زیادہ ضرورت مند مزدور کو جوتوں کا ایک جوڑا یا فیکٹری کی نئی وردی بھی دلا دیتا تھا۔

ورکروں کو اپنے اپنے کاموں پر لگائے رکھنے کے لئے سرکاری انتظامات کے باوجود ہماری فیکٹری سے فرار ہونیوالے مزدوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی میری اپنی شاپ میں سے ہر ماہ دو سو اور ۳ سو کے درمیان مزدور غائب ہو جاتے میری شاپ میں مزدوروں کی کل تعداد ۱۷ سو تھی۔ اتنی بڑی تعداد میں مزدوروں کے فرار کا شاپ کے کام اور پیداوار پر جو اثر ہو سکتا تھا۔ وہ ظاہر ہی ہے۔

اس مسئلہ کا واحد حل یہی تھا کہ حالات زندگی میں کوئی حقیقی تبدیلی لائی جاتی جو مزدور اپنا ٹوٹا پھوٹا سامان باندھ کر کسی اور جگہ روزگار تلاش کرنے کے لئے روانہ ہوتا۔ وہ انتہائی مایوسی کی وجہ سے ایسا کرتا تھا۔ شائد وہ کہیں سے یہ سن لیتا تھا کہ کسی اور جگہ جا کر اُس کے کُنبے کو زیادہ تنخواہ پر کام مل سکتا ہے۔ رہائش کیلئے زیادہ صاف ستھری جگہ مل سکتی ہے۔ یہاں سے زیادہ راشن مل

سکتا ہے۔ لیکن ہمارے نئے آقا وجوہات کو نظرانداز کر کے نتائج سے نپٹنے کی کوشش کرتے تھے۔ سرکاری پراپیگنڈا کے ذریعے ان بہتر زندگی کے متلاشیوں پر طرح طرح کے الزام لگا کر انہیں بدنام کرانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ انہیں لوفر، غیر مستحکم عناصر۔ اور لیبر لحاظ سے مفرور ہونے والے بھگوڑے قرار دیا جاتا۔ سرکاری پروپیگنڈا تمام سماجی برائیوں کی ایک ہی دوا تجویز کرتا تھا اور وہ تھی طاقت۔ چنانچہ اس پروپیگنڈا میں ایسے لوگوں کے خلاف زیادہ طاقت استعمال کرنے کو کہا جاتا ——— اس دوا نے ایک "نئی لیبر بک" کی شکل اختیار کر لی۔ ہر مزدور کو ایک لیبر بک دینے کا فیصلہ رسمی طور پر تو ۱۵ر جنوری ۱۹۳۹ء کو ہو گیا تھا۔ لیکن اس پر عمل کئی ہفتے بعد شروع ہوا۔

لونوڑوبنی کے مزدوروں میں یہ نئی دستاویز تقسیم کرتے ہوئے میں نے درجنوں مردوں اور عورتوں سے اس کے متعلق بات چیت کی۔ وہ کہتے "اگر زندگی تھوڑی بہت بھی خوشگوار ہو تو فیکٹری کو چھوڑ کر جانا کون پسند کرے گا؟ اب ان کتابوں کے اجراء کے بعد ہمارے اور جبری محنت۔ کے کیمپوں کے قیدیوں میں کیا فرق رہ جائیگا؟"

لیکن عام روسی فیشن کے مطابق اس بار بھی مزدوروں کو نہ صرف "رضاکارانہ" طور پر بلکہ "جوش و خروش" کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں نئی زنجیریں پہننے پر مجبور کر دیا گیا۔

یہاں صرف مصیبت برداشت کرنا ہی کافی نہیں تھا بلکہ اسے زبان سے خوش آمدید کہنا اور اس پر مسکرانا بھی ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس نئے "ڈسپلن" کی خوبیوں کے متعلق مزدوروں کو "تعلیم" دینے کے لئے ٹریڈ یونین حکام نے ایک باقاعدہ مہم شروع کی انہوں نے پبلک جلسے منعقد کئے جن میں چنے ہوئے

پارٹی ورکروں نے اس نئے طریق کے گن گائے۔

مزدوروں کو اسطرح مشینوں کے ساتھ باندھ کر اور ان سے اسی تنخواہ پر زیادہ کام لینے کا انتظام کر کے ہم نے پرولتاری ڈکٹیٹرشپ میں مزدور کے دکھ کا ایک نیا اور سب سے زیادہ توہین آمیز ثبوت مہیا کرنے کی تیاریاں شروع کیں۔ سب سے پہلے کام میں سستی اور دیر سے کام شروع کرنے کے خلاف پراپیگنڈا مہم شروع ہوئی۔ اس کے بعد مختلف شہروں میں سست روی اختیار کرنے والوں کے خلاف نمائشی مقدمات شروع کئے گئے۔

اور پھر سوشلسٹ لیبر ڈسپلن کو مضبوط بنانے کیلئے ڈراکونین کے تجویز کردہ اقدامات کا اعلان ہوا۔ معصوم غیر ملکیوں کو جو سمجھتے ہیں کہ روس میں اقتصادی جمہوریت اور مزدور سماج قائم ہے۔ ذرا ان اقدامات پر غور کرنا چاہیئے۔ انہیں سوچنا چاہیئے۔ کہ کیا ان کے دیشوں میں پسے اور دبے ہوئے مزدور بھی اس قسم کا سلوک برداشت کریں گے۔ جو کہ روس کے "آزاد" مزدوروں کے ساتھ کیا گیا تھا۔

اس نئے قانون کے مطابق قرار دیا گیا تھا۔ کہ جو مزدور بھی کام پر ۲۰ منٹ سے زیادہ لیٹ پہنچے اس کے خلاف مقدمہ چلانے کے لئے اسے مقامی پراسیکیوٹر کے حوالے کر دیا جانا چاہیئے۔ اس خیال سے کہ فیکٹریوں کے نرم دل افسر عدالتوں میں پرانے بورژوائی لبرل مزدوروں کے ساتھ رعایت کریں گے قانون میں یہ بھی قرار دیا گیا۔ کہ جو افسر لیٹ آنے والے مزدوروں کو بچانے کی کوشش کریں گے انہیں بھی گرفتار کر کے سزائیں دی جائیں گی۔

ہر صبح کو لیٹ آنیوالوں کی ایک فہرست لاکر میرے سامنے رکھی جاتی تھی۔ ان کے ناموں کے آگے یہ بھی لکھا ہوتا کہ وہ کتنے کتنے منٹ لیٹ آئے۔ پلانٹ میں

پارٹی اور لیبر یونین کے دفاتر کو اس فہرست کی نقول مہیا کی جاتی تھیں۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اس پر دستخط کرکے اسے ڈائریکٹر کے پاس بھیج دوں جہاں سے کہ وہ پراسیکیوٹر کے پاس چلی جاتی تھی۔

"مجرموں" کو فوراً عدالت میں طلب کر لیا جاتا۔ ہمیں یہ یقین نہیں ہوتا تھا کہ ان مزدوروں کو ایک سال یا زیادہ عرصہ کیلئے بیگار کیمپ میں بھیجا جائیگا اور ان کے کنبوں کو روٹی کمانے والے ہاتھوں سے محروم کر دیا جائے گا۔ لیکن ہمیں یقین کرنا پڑتا۔ قانون میں موجود وارننگ کے علاوہ عدالتوں کو خاص طور پر یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ایسے کیسوں میں بیرحمی اختیار کریں۔ عدالتیں اپنا فرض ادا کرتیں اگرچہ انہیں بھی اس پر شرم محسوس ہوتی۔ بہت کم پراسیکیوٹر اور جج اپنی اس ندامت کو چھپا سکتے تھے۔

پہلے تین مہینوں میں سارے روس کے اندر تقریباً دس لاکھ مزدوروں اور ان کے انچارج افسروں کے خلاف اس قانون کے ماتحت کارروائی کی گئی اور ان میں سے بیشتر جیل بھیجے گئے۔ زیادہ گہری نیند سو جانے کی وجہ سے وقت پر فیکٹری نہ پہنچ سکنے پر مردوں اور عورتوں کو گھروں سے کھینچ کھینچ کر لایا گیا۔ ان کے بچے چیختے چلاتے یا تو بھوک سے مر جاتے۔ یا انہیں یتیم خانہ بھیج دیا جاتا۔ کئی لوگ تو اس قانون کا شکار صرف اسلئے ہوتے کہ سرکاری ڈاکٹر ان کی بیماری کو زیادہ نازک خیال نہیں کرتے تھے۔ میرے اپنے ورکشاپ میں درجنوں ورکروں کے خلاف روزانہ مقدمات بنتے تھے۔ مزدوروں کی تنگ تاریک بارکوں اور ایک ایک کمرے والے مکانوں میں اس قانون نے صف ماتم بچھا دی۔ ان بیرکوں سے چیخیں اٹھنے لگیں۔ لیکن یہ اتنی زوردار نہیں تھیں۔ کہ پولٹ بیورو کے کانوں تک پہنچ سکتیں۔ ان احمقوں نے جو اس قسم کی "انتصادی جمہوریت کو دوسرے

دلیشوں پر بھی مسلّط کرنا چاہتے ہیں۔ شائد آج تک اِس قانون کے بارے میں کچھ نہیں سُنا۔

اِن حالات میں ماسکو سے کچھ اِشارہ مِلا کہ مجھے شائد یہاں سے تبدیل کر دیا جائے گا۔ میں نے اِس کا سواگت کیا۔ مجھے ہمیشہ یہ وہم رہتا تھا کہ کسی اور جگہ پر حالت اگر بہتر نہیں تو شائد اِتنے پریشان کُن اور افسوسناک بھی نہ ہوں
ایک دِن اچانک یہ افواہ پھیلی کہ سائبیریا میں ایک بہت بڑا پائپ رولنگ پراجیکٹ شروع کیا جا رہا ہے۔ اِس کے بعد کئی مہینوں تک اِس کے متعلق طرح طرح کی خبریں پھیلتی رہیں۔ یہ پراجیکٹ سٹالنسک میں جسے پہلے کوزنٹزک کہتے تھے شروع کیا جا رہا تھا۔ جہاں کہ پہلے ہی کئی بڑی بڑی صنعتیں کام کر رہی تھیں۔ اِس نئے پراجیکٹ پر ۱۰ کروڑ سے زیادہ روبل خرچ ہونے کا اندازہ تھا۔ روس میں صنعتی پھیلاؤ کے طے شدہ اصُولوں کے مطابق نئے پراجیکٹ کے پلان پہلے سے تیار کئے جا رہے تھے۔ میں نے اِس کے متعلق بہت کچھ سُنا تھا۔ اور ابتدائی پلان بھی پڑھے تھے۔ یہ سب کچھ ایک بالکل غیر جانبدارانہ ڈھنگ سے ہوا ——
لیکن ایک دِن یہ پلان۔ یہ تخمینے، یہ جائزے سب کچھ خوفناک حد تک مجھی پر مرکوز ہو کر رہ گئے۔ میری رائے لئے بغیر صنعت کمشنری اور پارٹی کی سنٹرل کمیٹی نے مجھے اِس پراجیکٹ کی تعمیر کے سارے کام کا ڈائریکٹر مقرر کر دیا۔

باب نمبر ۱۴

یہ ڈھونگ

محکمہ فیریس میٹالرجی نے کامریڈ وی۔ اے کرافشینکو کو سائبریا کے شہر سٹالنسک میں لگائے جانے والے میٹالرجیکل پلانٹ کا ڈائریکٹر نامزد کردیا ہے۔
یہ اعلان ماسکو کے اخبار "فار انڈسٹریلائیزیشن" کی ۲۸ فروری ۱۹۳۹ کی اشاعت میں شائع ہوا۔ خود مالوٹوف نے کمیونسٹ پارٹی کی ۱۸ ویں کانگرس کیلئے اپنے "تھیسس" میں سائبریا میں لگائے جانیوالے اس نئے پلانٹ کی اہمیت پر زور دیا۔ میرا نام ایک ایسے صنعتی ادارے کے ساتھ وابستہ ہو جانے کی وجہ سے جس کی طرف خود مالوٹوف نے اتنی توجہ دی ہو — اور اس طرح سٹالن کی توجہ بھی جس پر گئی ہو — میری عزت اور شان کو چار چاند لگا دئے۔
سائبریا میں نیا عہدہ سنبھالنے کیلئے جانے سے پہلے مجھے ماسکو میں کئی کام سرانجام دینے تھے۔ میں ماسکو پہنچا جہاں مجھے سرکاری خرچ پر میٹروپول ہوٹل میں ایک اعلےٰ کمرہ رہائش کے لئے مِل گیا۔ اور ساتھ ہی وہاں کے اخراجات کیلئے کافی رقم بھی مہیا کر دی گئی۔ میں جو چاہتا حاصل کر سکتا تھا۔ آخر سنٹرل کمیٹی کا منظورِ نظر

ہونا کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں تھی۔ درحقیقت ڈکٹیٹرشپ کے نظام کو اگر زیادہ اُوپر سے دیکھا جائے تو یہ اصل سے مختلف، کم سخت اور کم بیرحمانہ نظر آتا ہے۔

جب میرے نئے عہدہ کی خبریں میرے اپنے شہر کے اخباروں میں شائع ہوئیں اور ماما نے اُنہیں پڑھا تو اُنہوں نے سمجھ لیا کہ میری آزمائش کے دِن پُورے ہو چکے ہیں۔ اِس پر اُنہوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں مجھے دعا دیتے ہوئے لکھا تھا۔

"خدا تمہیں صحت اور کامیابی بخشے قسمت تمہارا ساتھ دے بیٹا۔ تُم ماضی کی توہین کو بھُول جانا مستقبل کی طرف توجہ دینا۔ اور اپنے پیارے دیش اور عوام کیلئے سخت محنت سے کام کرنا۔"

ایک معتمد ایگزیکٹو افسر کے اِس نئے عہدے پر تعینات ہو جانے کے باوجود خفیہ پولیس سے مجھے نجات نہیں مِلی تھی۔ اکثر ہوٹل واپس آنے پر میں دیکھتا تھا کہ میرے سوٹ کیس اور میز کے دراذوں کی بڑی مُنت سے تلاشی لی گئی ہے۔ ہمیشہ کی طرح اب بھی میرے نئے نئے واقفکار مجھے خطرناک قسم کے سیاسی مباحثوں میں کھینچنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن خوش قسمتی سے اب مجھے یہ پتہ چل چکا تھا کہ کسی سے کوئی بات کیسے کہلوائی جاتی ہے۔ نکو پول میں راتوں کے وقت خُفیہ پولیس کی پُوچھ تاچھ نے مجھ میں یہ ایک چھوٹا احساس پیدا کر دیا تھا۔ اور اس کی وجہ سے جب میں دیکھتا کہ کوئی آدمی اپنا دِل کھول کر میرے سامنے رکھنے کے لئے بہت بیتاب ہے تو مَیں اپنا مُنہ بند کر لیتا۔

چونکہ مجھے کچھ میٹالرجیکل افسروں سے مشورہ کرنے کیلئے نائپرو پیٹروفسک جانا تھا۔ اِسلئے مجھے سرکاری خرچ پر اپنے گھر جانے کا بھی موقع مِل گیا۔ مجھے فرسٹ کلاس یا "انٹرنیشنل" کہلوانے والی کار میں ایک علیحدہ ڈبہ مہیّا کر دیا گیا۔ میرے

کپڑے بھی اچھے تھے اور سب سے اعلےٰ اور آرام دہ ڈبے میں سفر کر رہا تھا اسلئے عام شہری مجھے ایک بڑا اور اعلےٰ سرکاری افسر سمجھ کر ... بار بار دیکھ رہے تھے کنڈکٹر بھی مجھ سے کچھ دُور دُور رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس طرح میں اس نابرابری کا نشان بن کر رہ گیا۔ جسے کہ میں ناپسند کرتا تھا۔ اسلئے مجھے پریشانی ہوئی۔

گھر پہنچکر میں نے دیکھا کہ پاپا اور ماما اب کافی بوڑھے نظر آنے لگے ہیں۔ اُن کے تین بیٹے اس بڑھاپے میں گذر اوقات کے لئے ان کی مالی مدد کر رہے تھے۔ اسلئے اُن کا رہن سہن اور گذارہ ہمسایوں سے کئی گُنا اچھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اُن کیلئے زندگی دوبھر ہو رہی تھی۔ روپیہ ہونے کے باوجود اُنہیں وہ خوراک نہیں مِل سکتی تھی جس کی کہ انہیں اس وقت ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ مزدوروں پر جو بھی چوٹ پڑتی پاپا اُسے اپنے اوپر ایک چوٹ سمجھتے تھے اور اس وجہ سے بھی اُن کی صحت خراب رہتی تھی۔ لیبر یُونینوں کا اجرا کیا جانا، آئینے کے خلافِ قانون۔ کام کے بڑھتے ہُوئے کوٹے اور جبری بیگار میں اضافہ کچھ ایسی باتیں تھیں جن کا پاپا پر بہت بُرا اثر پڑا۔

میں اور پاپا گھنٹوں تک بات چیت میں مصروف رہے۔ آخر وہ بہت ہی کم انسانوں میں سے ایک تھے۔ جن کے سامنے کہ میں اپنا چھلنی سینہ بلا کھٹکے کھول کر رکھ سکتا تھا۔ حالات کو دیکھنے کے بعد وہ خود بہت زیادہ مایُوس ہو چکے تھے۔ میرے جذبات تو اس حد سے بھی آگے گذر گئے تھے آج کی سوشلسٹ لفاظی اور محاورہ بندی کو میں نفرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا اور حکمرانوں کی دہشت پسندی اور جبر و تشدد کی کارروائیوں پر دِل ہی دِل میں اُنہیں گالیاں دینے لگا تھا۔

"پاپا! میں اکیلا کمیونسٹ نہیں ہُوں جو آج اس طرح کے خیالات رکھتا ہو۔ سٹالن کی چھانٹیوں نے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ اِتنے لوگوں کو ٹارچر کرنے

یا ہلاک کر دینے سے نفرت اور انتقام کے مستقل جذبہ کا پیدا ہونا قدرتی ہے اسے روکا نہیں جا سکتا۔" پاپا سے مخاطب ہو کر میں نے کہا۔

میری اِن باتوں سے پاپا کو اپنی جوانی کی انقلابی سرگرمیاں یاد آ گئیں مٹھیاں بھینچتے ہوئے انہوں نے کہا کہ آخر روسی عوام کو ہو کیا گیا ہے۔ کیا اب روس میں کوئی نوجوان نہیں رہا؟ کیا سب کا خون ٹھنڈا ہو گیا ہے؟ کیا کسی میں بھی پروٹسٹ کرنے کا حوصلہ نہیں رہا؟

"نہیں پاپا" میں نے جواب دیا۔ "ہم میں سے بیشتر احتجاج کرنا اور دنیا کو بتانا چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں۔ کہ یہ ناممکن ہے۔ جو لوگ ایسی کوشش کرتے ہیں اُنکی کوشش کامیاب ہونے سے پہلے ہی اُنہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔ صرف وہی چند لوگ جو فرار ہو کر دوسرے دیشوں میں چلے جائیں۔ دنیا کو حقیقت سے روشناس کرا سکتے ہیں۔ یہاں تو دہشت زندگی اپنے جوبن پر ہے۔ انتظامات اتنے سخت ہیں۔ کہ حقیقت زبان پر آنے سے پہلے ہی زبان پکڑی جاتی ہے۔"

ایک لمحہ کے لئے رُک کر میں نے پاپا کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا اور پھر کہا ـــ "اگر میں کبھی یہاں سے فرار ہو جانے میں کامیاب ہو جاؤں اور باہر جا کر تمام حقائق پر سے پردہ اُٹھانے کا فیصلہ کر دوں۔ تو آپ جانتے ہیں کہ آپکا اور ماما کا کیا بنے گا؟"

میرے دِل اور دماغ میں ایک خواب اُبھر رہا تھا ـــ فرار کا خواب!

"تم ہمارا فکر مت کرو۔" پاپا نے جواب دیا۔ "ہم اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اور اپنے دن گذار چکے ہیں۔ تم وہی کرو جو تم اپنا فرض سمجھتے ہو۔ وٹیا! اور کوئی بات اہمیت نہیں رکھتی۔ کسی کا خود تکلیف برداشت کرنا کوئی بڑی

بات نہیں۔ لیکن یہ علم ہونا کہ وہ خود ہی اپنے عزیز لوگوں کیلئے تکلیف کا باعث ہے۔ زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میں اسے خوب جانتا ہوں کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے لئے اپنے بیوی اور بچوں کو بھوکوں مرنے کیلئے چھوڑ کر جیل جانا کوئی آسان تھا؟"

اسی طرح باتیں ہوتی رہیں۔ اور جب میں نایپر دبیلر وفسا سے واپس روانہ ہوا تو ماما میرے ساتھ تھیں۔ انہیں ماسکو لانے کیلئے مجھے ان کے ساتھ کافی بحث کرنی پڑی۔ اور جب سب گھر والوں نے بھی انہیں مشورہ دیا تب وہ میرے ساتھ آنے کے لئے تیار ہوئیں۔ اس سے پہلے وہ کبھی راجدھانی میں نہیں آئی تھیں۔ اسلئے انہیں بڑے شاندار ڈھنگ سے یہ خوبصورت اور عظیم شہر دکھانے میں مجھے خوشی ہو رہی تھی۔ میں انہیں کچھ عرصہ کے لئے گھر کے کام کاج سے بھی نجات دلانا چاہتا تھا۔ چلتے وقت میں نے انہیں بہتیرا یقین دلایا۔ کہ فرسٹ کلاس کے ڈبہ میں کھانے پینے کیلئے بہت کچھ ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے دوران سفر میں پیٹ بھرنے کے لئے سامان اپنے سوٹ کیس میں رکھ ہی لیا۔

"انٹرنیشنل" کار کی شان دشوکت اور پھر موسکفا ہوٹل کے بڑے بڑے خوبصورت کمروں کو دیکھ کر جہاں کہ واپسی پر میرے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ وہ ساکت رہ گئیں۔ تقریباً دو ہفتے تک میں نے انہیں ماسکو کے رنگ ڈھنگ دکھلائے جنہیں دیکھ کر ان کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ ماسکو آرٹ تھیئیٹر۔ مئیلی تھیئیٹر۔ اوپیرا۔ اور بیلٹ کے شو۔ ڈائیمو سٹیڈیم کی کھیلیں آرٹ گیلریاں۔ پارک آف کلچر اینڈ ریسٹ۔ یہ سب کچھ میں نے انہیں دکھایا عام طور پر یہ الدنیا۔ وہ عورت جس کے ساتھ کئی مہینے پہلے میری واقفیت ہوئی

تھی۔ ہمارے ساتھ ہوتی۔

ایک دِن ہم ہوٹل ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ ماما کے ماسکو آنے کے متعلق کوئی بات نہیں چل رہی تھی کہ اچانک ماما نے پُوچھا۔

"وِٹیا۔ تم مجھے ماسکو لانے کے لئے اتنا اِصرار کیوں کرتے تھے؟"

"یہ کیا سوال ہے ماما!" مَیں نے جواب دیا۔ "بس۔ مَیں تمہیں ماسکو دِکھانا چاہتا تھا۔ یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔"

"ہاں بیشک۔ لیکن ہو سکتا ہے....."

ماما نے شرارت بھری مسکراہٹ سے میری طرف دیکھا۔ اور کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ تم اِرینا کو مجھے دِکھانا چاہتے تھے؟ ہاں ہاں۔ اب مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرو وِٹیا۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہیں ایک دُوسرے سے محبت ہے۔" ماما پھر مُسکرا دیں۔

"مانتا ہوں ماما۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ اگرچہ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ محبت جنون کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ در اصل مَیں اکیلے پن سے تنگ آ گیا ہُوں۔ اور پھر میں اِرینا کی خوبیوں کا بہت مدّاح بھی ہُوں۔" مَیں نے دِل کھول کر ماما کے سامنے رکھ دیا۔ میری بات سُن کر وُہ بولیں۔

"مَیں صرف یہی کہہ سکتی ہُوں کہ تمہاری پسند بہت خوب ہے۔ کیا تم نے شادی رجسٹر کروالی ہے؟"

"نہیں۔ لیکن اِس کے متعلق سب طے ہو چکا ہے۔ اِرینا کو کچھ ایسا کام ہے۔ جسے چھوڑ کر وُہ میرے ساتھ نہیں جا سکتی۔ مجھے بھی اِس سے خوشی ہے۔ کیونکہ مَیں اپنے گرہست کو سائیبریا کے دُور اُفتادہ علاقہ میں شروع نہیں کرنا چاہتا۔"

اِرینا ایک سرو قد ۔ خوبصورت نقش ونگار والی دیدہ زیب لڑکی تھی اسکی بڑی بڑی آنکھوں میں نیلا پن تھا ۔ اور بال قدرے بھورے رنگ کے۔ تھے۔ اُس کا باپ فرانسیسی تھا ۔ اور ماں رُوسی ۔ وہ کئی رُوسی انجمنوں کیلئے جرمن اور فرانسیسی زبان کی ادبی کتابوں کے ترجمے کر کے اپنا پیٹ پالتی تھی ۔ اُس سے میری پہلی ملاقات ایک بڑی بھاری پارٹی میں ہُوئی جہاں کہ مجھے میرا ایک اعلےٰ عہدہ پر فائز دوست لے گیا تھا ۔ اُس کی کسی خوبی نے نہ جانے وہ اُس کی آواز کی کھنک تھی ۔ یا خاموشی کی ادا ۔ یا ڈھیلے ڈھالے کپڑے اور یا چہرے کے تاثرات کی حلاوت ـــــ مجھ پر نہائت گہرا اثر ڈالا ۔ اُس رات کو شائد ہی مَیں نے اُس سے کوئی بات کی ہو ۔ اگرچہ مجھے ہال کمرے میں اُس کی موجودگی کا ہر لمحہ احساس تھا ۔ پارٹی ختم ہونے پر جب میں نے اُس سے پُوچھا کہ مَیں آپکے گھر تک چھوڑ آؤں تو اُسے کوئی حیرانی نہ ہُوئی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے پہلے سے ہی اس کی توقع ہو ۔

ہماری ملاقات کوئی ڈرامائی نہیں تھی ۔ پھر بھی چند ہفتوں کے اندر ہی ہمیں یہ احساس ہوگیا کہ اب ہم ایکدوسرے سے منسلک ہو کر رہیں گے ہمارے تعلقات اتنے گہرے ہو گئے تھے ۔ جن کی کوئی تھاہ نہیں تھی ۔ جب وہ پہلی بار ماما سے ملی تو مَیں نے دیکھا کہ اُس کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہیں تھے ۔ اُسے یہ یقین تھا کہ بہت جلد میرے ساتھ اُس کی شادی ہو رہی ہے ۔ ڈنر کے بعد جب اِرینا ہمارے پاس آئی ـــــ اُس وقت ہم پرنس آئیگور نام کا کھیل دیکھنے جا رہے تھے ـــــ تو ماما نے اُسے بغل میں لے کر اُس کا بوسہ لیا ۔ شائد زبان سے کچھ کہنا ضروری نہ تھا ۔

(۲)

مغربی سائبریا کا علاقہ قومی دفاع کیلئے نہایت اہم تھا۔ کیونکہ یہ جغرافیائی لحاظ سے اسطرح واقع ہے کہ یورپی رُوس یا ایشیائی رُوس کسی بھی حصّہ پر حملہ ہو۔ یہ علاقہ دونوں طرف سے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کام دے سکتا ہے۔ اس خطّہ کی نشو ونما کا پلان تیار کرنے میں جتنا ہاتھ محکمہ صنعت کا تھا اتنا ہی محکمہ جنگ کا بھی تھا۔ اور سٹالنسک جہاں کہ نیا پلانٹ قائم کیا جا رہا تھا۔ دفاعی اعتبار سے ایک بیحد اہم مقام سمجھا جاتا تھا۔

مجھے دال میں کچھ کالا نظر آیا۔ اس پر میں نے کامریڈ کوزہینفنیکوف سے جو ابتک گلیوٹرو پوسٹل کے ہیڈ بن چکے تھے۔ اصرار کیا کہ مجھے وہ جگہ دکھائی جائے۔ جہاں کہ پائپ رولنگ فیکٹری قائم کی جانی ہے۔ میرے اس اصرار پر کوزہیفنیکوف کو سخت غصّہ آیا۔ اور انہوں نے مجھے فوراً کامریڈ مرکولوف کے پاس بھیجدیا جو کہ اس وقت محکمہ فیرس میٹالرجی کے اعلیٰ ترین افسر تھے۔ کامریڈ مرکولوف سے بھی میں نے وہی درخواست کی۔ اور کہا۔

"چونکہ مجھے ایک ایسا کام سونپا گیا ہے جس پر ۱۵ کروڑ روبل خرچ ہونے ہیں۔ اسلئے آپ کو کم از کم مجھے وہ جگہ تو دیکھنے کا موقعہ دینا چاہیئے جہاں کہ پلانٹ لگایا جانا ہے۔ مجھے وہاں مزدور اور تعمیر کا سامان مل سکنے کے متعلق جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہاں اتنی بڑی تعمیر کیلئے عام حالات بھی سازگار ہیں یا نہیں۔"

میرے بات ختم کرنے پر مرکولوف نے اپنے افسرانہ ٹھاٹ سے جواب دیا۔

ڈنیکر ڈہی کیلئے رقم منظور ہو چکی ہے۔ لینن گراڈ کا پراجیکٹ انسٹی ٹیوٹ مہینوں تک اِس کے پلان تیار کرتا رہا ہے۔ لیکن چونکہ تمہارے جگہ کا معائنہ کرنے سے کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں اِسلئے میں تمہیں وہاں کا دورہ کرنے کی اجازت دیدوں گا۔ ہاں وِکٹر اینڈری وِچ! یہ ضرور یاد رہے کہ ہم پارٹی کے کسی فیصلے کو غلط قرار نہیں دے سکتے نہ اُس میں کوئی تبدیلی کر سکتے ہیں۔"

مرکولوف سے اجازت حاصل کرنے کے بعد میں اپنے چیف انجنیئر گیرارڈوف کے ہمراہ سٹالنسک کیلئے روانہ ہو گیا۔ ۴ دِن تک گاڑی کا سفر کرنے کے بعد ہم سٹالنسک پہنچے۔ ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن تھا۔ جہاں جگہ جگہ کوڑا کرکٹ اور گندگی پھیلی ہوئی تھی۔ جتنا یہ شہر مشہور تھا۔ اتنی یہاں رونق نہیں تھی۔ جگہ جگہ کوڑا کرکٹ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ یہاں کی ایک خاصیت ہے۔ شہر کے گرد میلوں تک مختلف عمارتیں زیرِ تعمیر تھیں۔ معمول کے مطابق یہاں بھی صنعتی پراجیکٹ کی بڑی بڑی عمارتوں کی تعمیر مزدوروں کی رہائش کیلئے کوئی خاطر خواہ انتظام کئے بغیر شروع کر دیگئی تھی۔

اِسوقت بھی اِس چھوٹے سے شہر میں جس کی آبادی تین سال پہلے شائد ۳۰ ہزار ہو گی۔ ½۱ لاکھ لوگ رہ رہے تھے۔ اس کے علاوہ سٹالنسک میں پلانٹوں کی تعمیر کیلئے جبری محنت کا بہت زیادہ اِستعمال کیا جاتا تھا۔ جبری محنت کے نواحی کیمپوں سے تقریباً ۸ ہزار قیدی یہاں کام کرنے کیلئے آتے تھے۔

پُرانے شہر سے باہر کی طرف بڑی بڑی بارکوں کی نو آبادیاں دھڑا دھڑ بن گئی تھیں۔ پھر بھی جن لوگوں کو مکان نہ مِل سکے۔ ایسے ہزاروں کُنبے زمین میں کھودے گڑھوں میں جنہیں ہم "زیملیانکی" کہتے تھے۔ رہ رہے تھے۔

روس میں جہاں کہیں نئے کارخانے لگ رہے ہوں۔ اُس کے گرد و نواح میں زمین میں کھودے ہوئے یہ گڑھے جن پر گھاس پھوس کی بنی ہوئی چھت ڈالی ہوئی ہوتی تھی۔ عام نظر آتے تھے۔ کیونکہ اُن علاقوں میں بڑھتی ہوئی آبادی کیلئے رہائش کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے لوگ اِن گڑھوں میں رہ کر قابلِ رحم حالت میں دِن کاٹتے تھے۔

جب ہم نے وُہ مقام دیکھا جہاں کہ ہماری فیکٹری لگائی جانی تھی تو ہم پر جیسے بجلی گر پڑی۔ یہ دریا کے کنارے دلدل سے بھرا ہوا ایک علاقہ تھا۔ شہر سے کافی فاصلے پر واقعہ —— نہ یہاں بجلی تھی۔ نہ گیس کی لائینیں تھیں۔ نہ ریل کی پٹڑی۔ یہاں تک آتی تھی۔ نہ ٹرالی کی لائین۔ یہاں تک کہ کوئی ایسی سڑک بھی اس علاقہ کیطرف نہیں آتی تھی۔ جس پر موٹر چل سکے۔ پہلے سے آباد شدہ صنعتی علاقہ میں پلانٹ لگانے کی بجائے یہ صحرا میں ایک نیا شہر آباد کرنے کی کوشش تھی۔ جو کہ مقررہ عرصہ اور منظور شدہ روپیہ سے آباد نہیں ہو سکتا تھا۔

سب سے زیادہ اہم اور خطرناک بات یہ تھی کہ یہ علاقہ میٹالرجیکل پلانٹ کیلئے موزوں نہیں تھا کوئی انجنیئر ہی نہیں بلکہ عام آدمی بجا یہ کہہ سکتا تھا کہ یہاں کی زمین پر پنج منزلی عمارتیں یا پائیپ رولنگ کیلئے کام آنے والی بھاری مشینوں کے چلنے سے کھڑی نہیں رہ سکیں گی۔ یہاں کام شروع کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔

مَیں نے واپسی پر جو رپورٹ پیش کی وُہ مرکولوف، کوز ہیفنیکوف اور اُن کے سٹاف کیلئے ایک زلزلہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہر آدمی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے گھورتا تھا۔ مجھ پر اب یہ ظاہر تھا کہ اُن میں سے ہر آدمی یہ سوچ رہا ہے کہ

وہ اپنے آپ کو اس "گول مال" سے کیسے الگ کریں جو ایک سیاسی قیامت بپا کر سکتا تھا۔ میں نے حالات کی جو تصویر پیش کی وہ اتنی واضح۔ اور اتنی غیر مبہم تھی۔ کہ کسی کے لئے اُسے اپنی مرضی کے مطابق رد کر دینا ناممکن تھا۔

سٹالنسک سے ۱۶۰ میل کے فاصلہ پر کیمیروفو نام کا ایک اور صنعتی مرکز بن رہا تھا۔ جب یہ اجیکٹ کا پلان بنایا گیا تو وہ جگہ بھی پائپ رولنگ فیکٹری لگانے کیلئے تجویز کی گئی تھی۔ میری رپورٹ پر خوفزدہ سرکاری مشینری اس تیزی سے حرکت میں آئی۔ کہ سٹالنسک میں فیکٹری لگانے کیلئے جو جوش و خروش پیدا ہو چکا تھا وہ اب کیمیروفو کی طرف منتقل ہونے لگا۔

اور اسطرح اتنے بڑے پیمانہ پر پلاننگ۔ سے جو گڑبڑ اور اُلجھن پیدا ہوتی ہے اُس کی وجہ سے میں سٹالنسک کی بجائے کیمیروفو پلانٹ کا ڈائرکٹر بنا دیا گیا۔ اس بار میں نے پھر اُس جگہ کا معائنہ کرنے پر اصرار کیا جہاں کہ پلانٹ لگانے کی تجویز تھی۔ محکمہ صنعت اور گلبورڈ دوسٹل اس مرتبہ کوئی حیل و حجت نہ کر سکتے تھے مجھے اجازت دیدی گئی۔

خوش قسمتی سے کیمیروفو پائپ رولنگ پلانٹ کیلئے ایک بالکل موزوں مقام ثابت تھا۔ اس شہر کی آبادی تقریباً ایک لاکھ ۲۵ ہزار تھی۔ یہ اں کی گلیاں اور سڑکیں چوڑی تھیں۔ شہر میں خوبصورت پارک بنے ہوئے تھے نئے مکانات بن رہے تھے اور خاص طور پر افسروں اور ایڈمنسٹریٹروں کیلئے خوبصورت بنگلوں کی تعمیر جاری تھی۔ یہاں بھی کئی اینٹ زمین میں مزدوروں کیلئے بنائی ہوئی تھیں کہیں کہیں "زیمبلانکی" ــــ گڑھا نما مکان بھی دیکھنے میں آتے تھے۔ لیکن عام حالات غیر معمولی طور پر خوشگوار تھے۔

وہاں سے میں واپس ماسکو آگیا۔ پھر میں نے اپنی گراؤ کی امنیا لو جیکل پلاننگ۔

انسٹی ٹیوشن میں کئی ہفتے تک کام کیا۔ جس نے کہ اب سٹالنسک میں پائپ رولنگ پلانٹ لگانے کی تیاریاں ترک کر دی تھیں اور جہاں اب کیمیروفو پلانٹ کیلئے تیزی سے کام جاری تھا۔ کیمیروفو بنک میں ہمارے حساب میں کافی روپیہ جمع کرا دیا گیا اور بالآخر میں اپنا نیا عہدہ سنبھالنے کیلئے اپنے سٹاف کے ہمراہ کیمیروفو کیلئے روانہ ہو گیا۔

ارینا مجھے ماسکو سٹیشن پر الوداع کہنے آئی۔ ہمارا علیحدگی کا احساس اس علم کیوجہ سے اور بھی شدت اختیار کر گیا کہ اب میں زیادہ کام ہونے کی وجہ سے صرف کبھی کبھی راجدھانی میں آ سکوں گا۔

مایوسی کا علاج یہی ہوتا ہے کہ آدمی بہت زیادہ کام کرے کم از کم میری حالت میں تو ایسا ہی تھا۔ کیمیروفو میں میں اپنے نئے کام میں اتنے زور شور سے مصروف ہو گیا۔ جیسے کہ کوئی آدمی انتہائی طور پر مایوس ہو کر ایک ہی طرف توجہ لگا لیتا ہے۔ جتنا زیادہ میں دن کو کام کرتا اُتنی ہی گہری نیند رات کو آتی! اپنے کام کی طرف ہی زیادہ توجہ دیتے ہوئے میں اُن پریشان کن خیالات کو اپنے دماغ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ جو کہ ملک کے مستقبل کے متعلق مجھے مشوش بنائے رہتے تھے۔ اس دہشت انگیز طرز حکومت سے جتنی زیادہ مجھے نفرت تھی اتنی ہی شدت کے ساتھ میں اپنے کام پر توجہ لگائے رکھتا تھا۔

لیکن شروع سے ہی میری اور میرے سٹاف کی کوششیں نوکر شاہی اور دفتری نظام کیوجہ سے ناکام ہونے لگیں۔ مجھے بہت سا خام مال اور آلات جمع کرنے تھے۔ انہیں یہاں لانے اور گوداموں میں رکھنے کا انتظام کرنا تھا۔ ہزاروں کاریگر اور عام مزدور بھرتی کرنے تھے۔ اُن کی رہائش اور ابتدائی دیکھ بھال کا انتظام کرنا تھا عام حالات میں یہ سب کام کوئی ایسے مشکل نہ تھے جنہیں کہ کیا نہ جا سکے۔ لیکن ہمارے روسی نظام میں ہر کام کے متعلق بے شمار کمیٹیوں اور بیوروز کی منظوری ضروری تھی

ان میں سے ہر کمیٹی اور ہر بیورو اپنے اختیارات کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرتا تھا اور پہل اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے کوشاں رہتا تھا۔

اتفاق ایسا تھا کہ کیمیرووو پر چھانٹی کی ہونا کیوں نے بہت زیادہ اثر کیا جس کی وجہ سے یہ شہر اور یہاں کا صنعتی ماحول ابھی تک مکمل پر نہ آسکا تھا۔ بڑے بڑے کاریگروں اور ایگزیکٹو افسروں کی صف ابھی تک خوف کے جبڑوں میں تھی۔ ماسکو میں جو مقدمات چلے اُن میں سے کئی سنسنی خیز مقدمات اسی شہر سے تعلق رکھتے تھے یہاں کے کیمیکل ورکس اور کوئلے کی کانوں کو تخریبی کارروائیوں کا گڑھ بتایا گیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ حکومت کی طرف سے یہ الزام بھی عائد ہوا تھا کہ مخالف لیڈروں نے کیمیرووو میں ایک خفیہ چھاپہ خانہ کھول رکھا ہے جسے کہ وہ اپنے پراپیگنڈا کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

حکومت کے بیان کے مطابق اس شہر میں سب سے بڑا سازشی کا مرتبہ نورکن تھا جو کہ پیاٹاکوف کیس میں بطور گواہ صفائی پیش ہوا تھا۔ اُسے مقدمہ کے فوراً بعد پھانسی دیدی گئی تھی۔ نورکن کیمیرووٹ میں بڑی صنعت کے محکمہ کا نمائندہ تھا۔ بدقسمتی سے اب مجھے بھی اُسی کرسی پر بیٹھ کر کام کرنا پڑتا تھا جس پر بیٹھ کر (اگر نورکن کے بے معنی اقبالی بیانات درست ہیں) نورکن نے "جرائم" کئے تھے۔ بعض اُن آدمیوں سے جنہوں نے کہ نورکن کے ساتھ کام کیا تھا۔ میرا روزمرہ کا تعلق تھا۔ انہی لوگوں نے اُس کے خلاف شہادتیں بھی دی تھیں۔

جوں جوں اِن لوگوں کے ساتھ میری واقفیت بڑھی۔ توں توں ایسی بات چیت میں نورکن کا ذکر آنا ناگزیر ہوتا گیا۔ اُس کے ذکر پر وہ جھینپتے۔ پریشان ہوتے اور نادم بھی۔ اُنہیں مجھے یہ بتلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ چاہے ایک آدمی نے مجھے بتا ہی دیا تھا۔ کہ انہوں نے خفیہ پولیس کے دباؤ کے تحت نورکن کےخلاف جھوٹی شہادتیں دی

ہیں۔ اُنہیں اپنی چمڑی بچانی مقصود تھی۔ کئی بار وہ اپنے ضمیر پہ اس اقدام کا بوجھ محسوس کیا کرتے تھے۔

اس ماحول میں کہ کیمیر وٹ کے کیمیکل ورکس۔ یہاں کے بلڈنگ ٹرسٹوں اور یہاں کی کوئلے کی کانوں میں تخریبی کارروائیاں اور سازشیں ہو رہی ہیں۔ یہاں کام کرنیوالوں کو ہمیشہ خفیہ پولیس کا خوف لگا رہتا تھا۔ یہاں کوئی آدمی نوفوسیبرسک اور ماسکو کے حکم بغیر کوئی قدم اُٹھانے کو تیار نہ تھا۔ اس ماحول میں بھی ہم جو کرنا چاہتے تھے ہم نے وہ کر لیا۔ لیکن بعد میں پالیسی کی تبدیلی کی وجہ سے ہمارے سب کئے کرائے پہ پانی پھر گیا۔ میں اپنی کہانی بیان کرتے کرتے اُس سے آگے نکل گیا ہوں۔ اس لئے اب عام حالات کی طرف آنا چاہیئے۔

باب نمبر ۲۰

جب یورپ جنگ لڑ رہا تھا

ایڈولف ہٹلر اور جوزف سٹالن کا معاہدہ جس نے کہ یورپ میں جنگ کی بنیاد ڈالی۔ سائبیریا کے اُس شہر کی مانند۔۔۔ جس میں کہ میں کام کر رہا تھا۔ ہمیشہ مجھے یاد رہے گا۔ میں اُن دنوں کیمیروفو میں ہی تھا۔ جبکہ یہ معاہدہ ایک غبارے کی طرح ہمارے اُفق پر چڑھا اور پھر یہ غبارہ ایکدم پارٹی ممبروں کے دل اور ضمیر پہ

سیدھا شہ کرتا ہوا پھٹ گیا۔ اس معاہدہ پر ہم سب حیران و ششدر رہ گئے ہمارا دل اور دماغ اسے درست ماننے کو تیار نہ تھا۔ ہمیں ابتک کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ نازی جرمنی. سوشلسٹ روس کے ساتھ دوستی گانٹھ لیگا اور اپنی فوجی طاقت کو کسی اور کیخلاف استعمال کرے گا۔ ہم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ نازیوں کا ایک ہی حقیقی دشمن ہے اور وہ ہے روس!

ہم اس ناقابل یقین خبر کو تب تک درست. ماننے کیلئے تیار نہ ہوئے جبتک کہ ہم نے نیوز ریلوں اور اخبارات میں شائع ہونے والی تصاویر میں مسکراتے ہوئے سٹالن کو وان ربن ٹروپ کیساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے نہ دیکھ لیا۔ ماسکو میں سواستکا اور ہتھوڑے درانتی والے جھنڈے ساتھ ساتھ لہرانے لگے ۔اس کے کچھ ہی دن بعد ہم نے مالوٹوف کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ" آخر فاسسزم پسند کا معاملہ ہے" سٹالن کو ہم نے جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر کو مبارکباد دیتے سنا جس میں کہا گیا تھا کہ ان کی دوستی کا محل خون کے گارے مٹی سے مضبوط ہو گیا ہے۔

روس کی تانا شاہی حکومت کو اسبات کی ضرورت نہیں تھی کہ پارٹی سے اپنی بات منوانے کیلئے کوئی ٹھوس دلائل پیش کرے. زندہ رہنے کیلئے لوگوں کو اس کی ہاں میں ہاں ملانی ہی پڑتی تھی۔ مصیبت سے بچنے کیلئے لوگوں کو ہر اس بیہودگی پر جواب دیتے ہو۔ نہ صرف اعتماد ظاہر کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ بہت گہرا اعتماد ظاہر کرنا پڑتا تھا۔"عظیم" سٹالن یہ جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے بالآخر وہی پارٹی کا ردعمل ہو گا۔

ہم حالات کے نئے رُخ پر نہ صرف پارٹی یونٹوں کی رسمی میٹنگوں میں بلکہ پرائیویٹ طور پر اپنے گھروں اور دفتروں میں بھی بات چیت کرتے تھے۔ ہم کہتے تھے یا کم از کم ظاہر آ کہتے تھے کہ کیمیر دنو میں بیٹھے ہوئے ہم لوگ اتنے نازک معاملات کو کیسے

سمجھ سکتے ہیں ؟ ہمارا کام تو فیکٹریاں قائم کرنا نہیں۔ چلانا اور فیکٹریوں میں کام کرنیوالے مزدوروں سے کام لینا ہے۔ ہم یہ اعتماد ظاہر کرتے تھے کہ ہمارا محبوب لیڈر کوئی غلطی نہیں کر سکتا۔

ہم صرف یہ جانتے تھے کہ ہمارا ملک اُس خوفناک جنگ کی لپیٹ میں آنے سے بچ گیا ہے۔ جو کہ اُن دنوں یورپ کو تباہ و برباد کر رہی تھی۔ اس جنگ سے بچ جانا یقیناً خوشی کی بات تھی۔ اس کے علاوہ مذکورہ معاہدہ کے مطابق ہمیں لوٹ کے مال میں سے حصہ کے طور پر نصف پولینڈ۔ بسریبا وغیرہ مل رہے تھے اور اس کے بعد کریملن کی شاطرانہ غیر جانبداری کی بدولت بالٹک کے ۳ ممالک ہمارے قبضہ میں آرہے تھے۔

آنے والے واقعات کی روشنی میں ایک بات یہاں واضح ہو جانی چاہیئے۔ وہ یہ کہ سٹالن نے ہٹلر کے ساتھ دوستی کا معاہدہ دیانتداری سے کیا تھا۔ اگر کریملن اس خیال سے معاہدہ کرتا کہ بالآخر اُسے جرمنی کیساتھ لڑنا ہی پڑے گا۔ تو ملک میں نازیوں کیخلاف پھیلی ہوئی نفرت کو بالکل ختم نہ کیا جاتا۔ کسی حد تک اُسے برقرار رکھا جاتا اور اینٹی نازی پراپیگنڈا ایک دم نازیوں کے حق میں اور امریکہ و برطانیہ کیخلاف پراپیگنڈا کی شکل اختیار نہ کر لیتا۔ کم از کم کریملن میں پارٹی کے معتمد عہدیداروں کو جن میں سے کئی اب میرے گہرے دوست تھے۔ نازی خطرہ موجود ہونے کا علم ضرور ہوتا۔

لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اس کے برعکس اب جرمنی کے خلاف کوئی بھی بات اور ہٹلر کے شکاروں کیساتھ ہمدردی کا ایک بھی لفظ نیا انقلاب دشمن اقدام سمجھا جانے لگا تھا۔ فرانس۔ برطانیہ۔ ناروے وغیرہ جنگ۔ بازوں کو گالیاں دیجاتی تھیں۔ یہ تھیوری تھی کہ سٹالن صرف نازیوں کیخلاف مسلح ہونے کیلئے وقت حاصل

کرنا چاہتا تھا۔ بعد میں کریملن کی اُس غلطی کو چھپانے کیلئے ایجاد کی گئی جو کہ اُس نے جرمنی پر اعتبار کر کے کی تھی۔

سیدھی سادھی حقیقت تو یہ ہے کہ اس معاہدہ کی وجہ سے روس کو جو وقت ملا اُس کے دوران میں اُس نے اپنے آپ کو موثر ڈھنگ سے مسلح نہیں کیا۔ میں دفاع سے تعلق رکھنے والی صنعتوں کے کافی نزدیک تھا۔ اسلئے میں جانتا ہوں کہ اس معاہدہ کے بعد عملی طور پر جنگی تیاریاں ڈھیلی پڑ گئی تھیں۔ اعلےٰ سرکاری حلقوں کی عام رائے یہ تھی کہ سٹالن کے تدبر کے باعث اب ہم اپنے آپ کو محفوظ سمجھ سکتے ہیں۔ اس معاملہ میں فرانس کی شکست تک کسی کو کوئی شک پیدا نہ ہوا تھا۔ اس کے بعد جب حقیقت سامنے آئی تو جنگی تیاریاں تیز کی گئیں ؛

؛ ؛ ؛ ؛

(۲)

کیمیروفو میں میرے کام کیلئے ۱۹۴۰ء میں ۱۴ کروڑ ۷۰ لاکھ روبل منظور کئے گئے تھے۔ ۱۹۳۹ء کے آخر تک تمام ضروری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ اور ہم مجوزہ فیکٹری کی بڑی عمارتوں کی تعمیر شروع کرنیوالے تھے

روس کے طریقہ کار کے مطابق عمارت کی تعمیر کا عملی کام بلڈنگ ٹرسٹ کیمیروفو سٹرائے کو ٹھیکہ پر دیا گیا۔ اس کام کیلئے مزدور وغیرہ اکٹھے کرنے کی ذمہ داری بھی اس ٹرسٹ پر ہی تھی۔ لیکن چونکہ مجھے کام کی کوالٹی اور رفتار کے متعلق سب سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اسلئے میں نے مزدور حاصل کرنے کے متعلق تمام بات چیت میں خود حصہ لیا۔

اور یہ پہلی بار تھی جبکہ مجھے بیگار کیلئے سودے کی تکنیک سے روشناس ہونا پڑا۔

لونو سیبرسک کے ریجنل پارٹی سیکرٹری کامریڈ یارکوف اور کیمیروفو کے پارٹی سیکرٹری کامریڈ مائیفوروف دونوں مزدوروں کے مطابق مزدور حاصل کرنے میں ٹرسٹ کی مدد کر رہے تھے۔ کیمیروفو سوویٹ بھی اس معاملہ میں سرگرم تھی۔ آزاد مزدوروں کی ایک بھاری تعداد بھی کام پر لگائی جاتی تھی لیکن زیادہ انحصار قیدی مزدوروں پر تھا۔

خفیہ پولیس نے شروع شروع میں ۲ ہزار قیدی مہیا کرنا مان لیا تھا۔ پولیس اس بات پر بھی رضامند ہو گئی تھی کہ موسم بہار میں جبکہ کام زیادہ وسیع پیمانہ پر شروع ہوگا۔ اور قیدی مہیا کر دیئے جائیں گے۔ کیمیروفو سٹرائے کے دفتر اور پولیس ہیڈکوارٹر میں مزدوروں کے متعلق کئی میٹنگیں ہوئیں۔ جن میں کام کی تفاصیل تیار کر لیگئیں۔ کام کے لئے جو غلام مہیا کئے جانے تھے اُن کی قابلیت اور اُن کی قیمت کے متعلق کافی سودے بازی ہوئی۔ نہ جانے ان افسروں کا خون بالکل ہی پانی ہو گیا تھا۔ اگر کوئی آدمی اُن کی میٹنگ کے دوران میں باہر سے اندر کمرے میں جاتا تو شاید یہی سمجھتا کہ یہاں گھوڑوں اور خچروں کے سودے ہو رہے ہیں۔

خفیہ پولیس کے ترجمان نے ٹرسٹ کے افسروں کو بتا دیا تھا کہ کام کیلئے قیدیوں کی کوئی کمی نہیں۔ اُن میں بہت سے کاریگر اور فورمین بھی شامل ہیں۔ اس ترجمان نے کہا کہ وہ ۵ ہزار دس ہزار یا اس سے بھی زیادہ۔ گویا جتنے درکار ہوں اتنے ہی قیدی مہیا کر سکتا ہے۔ اُس کی آواز میں پیشہ ورانہ تفاخر تھا۔ جیسے کہ کسی سائیس کو اپنے گھوڑوں پر فخر ہوتا ہے۔ مشکل صرف یہ تھی کہ انہیں رکھا کہاں جائیگا۔ کیمیروفو ڈسٹرکٹ میں واقع قیدی کیمپوں میں اُسوقت ۵ ہزار قیدی تھے۔ اور پولیس نمائندہ

کو تنگ تھا کہ مزید قیدی ان کیمپوں میں بند کئے جا سکیں گے۔
اس پر سوال اٹھا کہ کیا جلد ہی کوئی اور کیمپ بنایا جا سکتا ہے جو کہ ہمارا کام چلا سکے؟ یا پھر موجودہ کیمپوں میں اور بارکیں بنا دی جائیں؟ آخر کار ہم نے اس معاملہ میں کوئی قطعی سفارش کرنے سے پہلے کچھ فاصلے پر واقع قیدیوں کے سب سے بڑے کیمپ کا خود معائنہ کرنے کا فیصلہ کیا۔
ایک دن صبح کو ہم کار میں اس کیمپ کا معائنہ کرنے کیلئے چل پڑے۔ سخت سردی تھی ٹھنڈی ہوائیں جسم کو چیرتی ہوئی چل رہی تھیں۔ ہم چار آدمی تھے۔ خفیہ پولیس کا ایک افسر، ٹرسٹ کا ایک نمائندہ۔ سٹی کمیٹی کا میکرٹری اور میں خود برف کی وجہ سے کار آہستہ آہستہ چلائی جا رہی تھی۔ پھر بھی ہم ۲۰ منٹ میں اپنی منزل پر پہنچ گئے۔
کیمپ دریائے ٹام میں سے نکلنے والے ایک نالے کے کنارے ایک ٹیلے پر واقع تھا۔ یہ کیمپ ایک مربع کی شکل میں تھا۔ احاطہ کی چار دیواری کے اوپر خاردار تار لگے ہوئے تھے۔ چاروں کونوں میں اونچے اونچے مینار تھے جن پر پہریدار بیٹھے ہوئے تھے۔ کیمپ کے دروازہ پر پولیس کا کمرہ تھا۔ ہم دروازہ کے سامنے آ کر کار میں سے اترے۔ لکڑی کی بارکیں، چار دیواری کے ساتھ ساتھ لائنوں میں بنی ہوئی تھیں۔ اس سے انہوں نے بھی ایک مربع کی شکل اختیار کر لی تھی۔ درمیان میں پریڈ گراؤنڈ جیسا خالی قطعہ اراضی تھا۔ چاروں کونوں کے میناروں سے مشین گن کی گولی سیدھے اس خالی قطعہ میں مار کر سکتی تھی۔ کیمپ کو یہ شکل دی ہی اسلئے گئی تھی کہ اگر کسی وقت کوئی گڑبڑ ہو۔ تو چاروں طرف سے ایک ساتھ اور ایک ہی مقام پر گولی برسائی جا سکے۔
ہماری کیمپ میں آمد متوقع تھی۔ اسلئے ہمیں کار سے اترتے ہی عزت

کے ساتھ کیمپ کے بڑے دفتر میں لے جایا گیا۔ اور وہاں کیمپ کے چیف آفیسر سے ہماری ملاقات ہوئی۔ وہ نہ صرف خوش خلقی سے پیش آیا۔ بلکہ اس کے رویّہ میں عاجزی بھی تھی۔ چھوٹے سے قد والے اس موٹے تازے آدمی کے نقش ونگار پُرکشش تھے۔ اور اس کا چہرہ ظاہر کرتا تھا کہ اس نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا ہے۔ وہ سٹی کمیٹی کے سیکریٹری اور اعلیٰ پولیس افسر کی موجودگی میں گھبرایا ہوا ہے۔ اس کا ثبوت اس کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ تھا۔

پہلے بھی کئی بار میں قیدی کیمپوں میں جا چکا تھا۔ لیکن ابھی ان کیمپوں کے ماحول کا عادی نہیں ہوا تھا۔ اب بھی کیمپ کی اندرونی زندگی کے متعلق ہر نئی چیز کا علم ہوتے ہی ذہن پہ بوجھ بڑھتا جاتا تھا۔ میری اس وقت کیا حالت ہوگی۔ اس کا اندازہ وہی آدمی لگا سکتا ہے۔ جسے اپنے کبھی بھی وقت قیدی بننے کا خدشہ ہو۔ اور اس پر وہ ایک قیدی کیمپ کا معائنہ کرنے جائے۔

کھڑکی میں سے باہر دیکھتے ہوئے مجھے ۱۵ کے قریب عورتیں نظر آئیں۔ جو سخت سردی کی وجہ سے گٹھڑی بنی ہوئی تھیں۔ اور اس پر بھی لکڑیاں چُن رہی تھیں۔ ان میں سے ایک عورت کے سر پہ کپڑا بندھا ہوا تھا۔ کئی دیگر عورتوں کے ہاتھوں پر پٹیوں کی بجائے چیتھڑے بندھے ہوئے تھے۔ چند منٹوں بعد میں نے ہم مزید عورتوں کو سر پہ بڑی بڑی ٹوکریاں اٹھائے جاتے ہوئے دیکھا جن میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ یہ دیکھ میں نے پوچھ ہی لیا۔

"یہ عورتیں کیا کر رہی ہیں۔"

"کبوتروں اور مرغیوں کیلئے دانہ لے جا رہی ہیں۔" کیمپ کے چیف نے جواب دیا۔ اور پھر کچھ فخر کے ساتھ اس نے کہا۔

"ہم یہاں اپنے لئے گوشت کا انتظام خود کرتے ہیں۔"

"سب قیدیوں کے لئے؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"قیدیوں کیلئے؟" کیمپ چیف قہقہہ مار کر ہنس پڑا جیسے کہ میں نے کوئی بے معنی سی بات کر دی ہو۔ اس نے کہا۔ "تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم عوام دشمنوں کو یہاں گوشت کھلا رہے ہیں؟ یہ کوئی ہوٹل یا ریسٹورنٹ تو نہیں۔ لیکن آپ یقین کریں کہ یہاں ہماری اپنی اور سپاہیوں کی خوراک کا مسئلہ بھی بہت مشکل ہے۔"

"سامنے وہ تین بوڑھے آدمی کون ہیں؟"

میں نے سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا جہاں کہ لمبی لمبی داڑھیوں والے ۳ آدمی جن کے سر پر شال لپٹے ہوئے تھے۔ اور جنہوں نے پھٹے پرانے اوور کوٹ پہن رکھے تھے۔ پتھروں کے ایک ڈھیر پہ کام کر رہے تھے۔

ان میں دو پادری ہیں۔ اور ایک یہودی مولوی۔ یہ اسقدر کمزور ہیں کہ ۸ میل پیدل چل کر کام کرنے کے لئے کیمپ دفو نہیں جا سکتے۔ لیکن انہیں کیمپ کے اندر ہی کام مہیا کر دیا گیا ہے۔ اور یہ یہاں اپنی روزی کما لیتے ہیں۔"

"عجیب بات ہے۔" ٹرسٹ کے نمائیندے نے کچھ حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ پادری اور یہودی مولوی جب انقلاب دشمن سرگرمیوں کی وجہ سے قیدی کیمپ میں بھیج دیئے جائیں تو کس طرح ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ میں نے کئی کیمپوں میں یہ بات دیکھی ہے۔"

"یہ بالکل درست ہے۔ میں نے خود اس معاملہ پر غور کیا ہے"۔ کیمپ وارڈن نے اتفاق رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

دفتر میں بیٹھے ہوئے ہم نے اپنے مسئلہ پر غور کیا۔ اگرچہ کیمپ کے اندر اس وقت ۳ ہزار قیدی تھے جن کیلئے جگہ تنگ تھی۔ پھر بھی وارڈن نے یہ

خیال ظاہر کیا کہ ابھی مزید ایک ہزار قیدی تھوڑی سی مشکل سے کیمپ میں سما سکتے ہیں۔ اُس نے بتایا کہ اِسوقت بھی کئی بارکیں ڈبل کام دے رہی ہیں۔ جب قیدیوں کی ایک شفٹ کام پر گئی ہوئی ہو تو دوسری شفٹ کے لوگ اِن میں سوتے ہیں۔ اور جب پہلی شفٹ کے لوگ واپس آجائیں تو دوسری شفٹ کام پر چلی جاتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اِس کا انتظام کرنا آسان نہیں ہے۔ اِس انتظام کا ٹھیک ڈھنگ سے چلنا اُس کام کی نوعیت پر منحصر ہے جس کے لئے کہ قیدی لائے جانے ہوں۔ اُس نے مسئلہ کا ایک حل تجویز کیا کہ بارکوں میں قیدیوں کے رونے کیلئے تیسرے "شاہ نشین" بنوا دیئے جائیں۔

"ٹھیک ہے کہ اِس کا مطلب تیریوں کو بیرکوں کے اندر ٹھونسنا ہوگا۔ لیکن خیر۔ درمیان کے شاہ نشین، یہ سونے والوں کو سردی نہیں لگنے گی"۔ یہ کہکر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

اپنی اس تجویز کی وضاحت کیلئے اُسنے ہمیں بارکوں کا معائنہ کرنیکی دعوت دی۔ ہم نے اپنے ہیٹ اور کوٹ پہنے اور اس کے ساتھ چل پڑے۔

جگہ جگہ سنگینوں سے مسلح سپاہی پہرے پر کھڑے نظر آتے تھے لکڑی کی بنی ہوئی بارکیں جن پر روغن بھی نہیں کیا گیا۔ باہر سے تالا بند تھیں

"ایک۔ ایک بیرک میں کتنے کتنے آدمی رہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا انحصار قیدیوں کی کل تعداد پر ہے۔ عام طور پر ۳۰۰ اور ۵۰۰ کے درمیان قیدی ایک بیرک میں رہتے ہیں"۔ وارڈن نے جواب دیا۔ ساتھ ہی ایک سپاہی نے ایک بیرک کا تالا کھولا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وارڈن نے مجھے بتایا کہ یہ سپاہی ۳۱۰ عورتوں کی خبر گیری کرتا ہے۔

"کھڑے ہو جاؤ" اندر داخل ہوتے ہی سپاہی نے حکم دیا۔ بیرک بڑی لمبی

تھی لیکن اس کی چھت بہت نیچی تھی۔

قیدیوں نے تیزی سے سپاہی کے حکم پر عمل کیا۔ اوپر والی نشستوں سے قیدی گھبراہٹ میں نیچے اُتر رہے تھے۔ صرف ۳، ۴ قیدی نیچے نہ آئے وہ شائد اسقدر بیمار تھے کہ چل پھر بھی نہ سکتے ہوں میں نے غور سے اندر تاریکی میں دیکھا تو سب کے سب، قیدی عورتیں تھیں۔ ان میں ہر عمر کی اور ہر علاقہ کی عورت تھی۔ بوڑھیاں بھی تھیں۔ اُدھیڑ عمر بھی جوان بھی اور نوخیز بھی۔ لیکن سب کے جسم پر پھٹے پرانے چیتھڑے تھے اور سب ایک ہی طرح مرجھائی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اندر سے نکلنے والی بو سے میرا سر قدرے چکرانے لگا۔ بیرک کی تمام کھڑکیاں بند تھیں اور اس کے اندر سورج کی بہت کم کرنیں جاتی تھیں۔ چھت پر بجلی کے کئی چھوٹے چھوٹے بلب لگے ہوئے تھے۔ لیکن وہ اس وقت روشن نہیں تھے۔

بیرک کے اندر اتنی سردی تھی کہ ہمارا سانس بھاپ کی شکل میں نظر آتا تھا لیکن اتنی سردی میں بھی بیشتر عورتیں نیم برہنہ تھیں کہیں کہیں، کوئی عورت غیر متوقع فریڈل کو سامنے دیکھ کر کپڑے سے اپنی چھاتیاں ڈھانپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن باقی عورتوں کا سینہ ننگا تھا۔ انہوں نے اُسے ڈھانپنے کی کبھی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔ قدرت کی طرف سے اُنہیں عطا کی گئی حیا کا آخری عنصر بھی جیسے اُن کی فطرت سے خارج کر دیا گیا ہو۔ کئی چہرے بالکل جوان تھے۔ اُن سے کچھ زیادہ تعداد بوڑھے اور مرجھائے ہوئے چہروں کی تھی۔ لیکن ان عورتوں کی اکثریت ۲۰ اور ۴۰ سال کے درمیان عمر کی نظر آتی تھی۔ اُن میں سے کئی عورتوں کے چہروں اور اپنے کیریئر سے جواب دیتے پتھر سے بن چکے تھے۔ یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ یہاں آنے سے پہلے دانشور تھیں۔ چہرے پہ جمی ہوئی دھول اور پھیلی ہوئی پژمردگی کے باوجود یہ کوندر ظاہر کرتے تھے کہ وہ پڑھی لکھی اور مہذب تھیں۔ کیمپ میں پہنچنے کے بعد قیدیوں کے

قبضہ سے تمام خطوط ان کے رشتہ داروں کے فوٹو اور باہر کی "آزاد" دنیا کی دوسری ہر یادگار چھین لی جاتی ہے۔ بستر کی چادر تو کجا۔ ٹوتھ برش اور چھوٹی قینچی جیسی ابتدائی ضروریات کی چیزیں بھی ان کے قبضہ میں نہیں رہنے دی جاتیں۔ انہیں دھات کا پیالہ۔ پلیٹ اور لکڑی کا ایک چمچہ دیدیا جاتا ہے۔ یہ چیزیں یا تو وہ اپنے بستروں میں رکھتے ہیں یا اپنی دیواروں کے ساتھ لٹکا کر رکھتے ہیں۔ کتابیں۔ کاغذ اور پنسلیں کیمپ کے اندر لیجانے کی سخت ممانعت ہے۔ کیمپ کے اندر کوئی ریڈیو سیٹ بھی نہیں ہوتا۔ قیدیوں کو اپنے رشتہ داروں کیساتھ خط وکتابت کرنیکی اجازت نہیں ہوتی اور نہ عملی طور پر وہ اس قابل رہتے ہیں کہ خط لکھ سکیں۔

اس بیرک کے اندر ایک دیوار میں لوہے کی نالی لگی ہوئی تھی اور اس کے اوپر پانی کی ٹینکی تھی۔ ہمارے گائیڈ نے بتایا کہ یہ انتظام قیدیوں کے نہانے کے لئے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی پہلی تجویز کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر بیرک کے اندر قیدیوں کے سونے کیلئے دیواروں کے ساتھ ساتھ تیسری نشست بنادی جائے تو مزید ایک سو عورتیں اس بیرک میں سما سکیں گی۔ میں نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ مرغیوں کو کسی کمرے میں بند کرنے کی بات کر رہا ہو۔ اسے یہ بھی احساس نہ ہو کہ ہمارے سامنے کھڑی ہوئی قیدی عورتیں ہماری تمام بات چیت کو سن رہی ہیں۔

میں نے بیرک کی سامنے والی دیوار پر ایک سرخ پٹی بنی ہوئی دیکھی جس پر سفید الفاظ میں یہ نعرہ لکھا ہوا تھا۔

" ازسرنو آبادکاری کے مسئلہ کا حل ـــ محنت " "کیا یہ سب قیدی۔ اخلاقی مجرم ہیں" بیرک سے باہر نکلتے ہوتے میں نے پوچھا۔

" نہیں" وارڈن نے جواب دیا " یہ سب سیاسی قیدی ہیں ـــ قلاق اور دوسرے انقلاب کے دشمن۔ مردوں کی بیرکوں میں تو اخلاقی اور سیاسی قیدیوں کو اکٹھا ہی رکھا جاتا ہے

لیکن عورتوں کے کیس میں ہم نے اخلاقی قیدیوں اور بازاری عورتوں کو سیاسی قیدیوں سے الگ رکھنا ہی مناسب سمجھا ہے۔ عورت قیدیوں کو ڈسپلن میں رکھنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

ہماری رہنمائی کرنیوالا سپاہی ہمیں ایک اور بیرک میں لے گیا جو کہ پہلی کی نسبت چھوٹی تھی۔ کیمپ چیف نے مجھے بتایا کہ اس بیرک میں مقیم سب عورتیں اخلاقی قیدی ہیں۔ ان میں سے کچھ بازاری عورتیں بھی ہیں۔ اسنے یہ سمجھ لیا تھا کہ میں جس معاملہ پر بات چیت کرنے یہاں آیا ہوں اُس کی نسبت مجھے کیمپ سے زیادہ دلچسپی ہے اس لئے اب وہ خود ہی ہر چیز مجھے سمجھا رہا تھا۔

یہاں پھر ہمارے داخل ہوتے ہی تمام عورتیں سیدھی کھڑی ہو گئیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی عام آدمی کیلئے کچھ سو گندی مریض نما۔ اور شو کھی سڑی عورتوں کو دیکھنے کی نسبت اور کوئی منظر زیادہ خوفناک نہیں ہو سکتا۔ ایسا منظر دیکھ کر مرد کی روحانی فطرت کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

اس بیرک میں بھی میری نگاہیں دروازے کے قریب دیوار میں لگے ہوئے ایک پیلے کارڈ پر پڑیں۔ اس پر قواعد کی ایک چھپی ہوئی فہرست چسپاں ہوئی تھی۔ یہ فہرست صفائی اور حکم بجا لینے کے قواعد کے متعلق تھی۔ اور اس کے آخر میں بڑے بڑے حروف میں وہ سزائیں درج تھیں جو کہ قواعد کی خلاف ورزی کیلئے دیجاتی تھیں۔

پہلی خلاف ورزی کی سزا:۔ ۲ دن روٹی نہیں ملے گی۔

دوسرے جرم کی سزا:۔ ایک ہفتہ تک اکیلے کمرے میں بند کیا جائیگا۔

تیسرے جرم کی سزا:۔ حکام جو چاہیں سزا دیں۔ وہ قیدی کی میعاد قید میں توسیع کر سکیں گے، یا سماجی تحفظ کے لئے سب سے بڑا قدم اُٹھا سکیں گے۔

روس کے فارمولا کے مطابق یہ "سب سے بڑا قدم" گولی مار کر ہلاک کرنے کو کہا جاتا ہے۔

جب ہم اِس بیرک سے نکلے تو مَیں نے اپنے میزبان سے دریافت کیا کہ اُسے کبھی کسی قیدی کو موت کی سزا دینی پڑی ہے۔

"گزشتہ برس کی بغاوت کے بعد نہیں"۔ اُس نے جواب دیا۔

وُہ غالباً یہ سمجھتا تھا کہ چونکہ میں کیمبر دفو میں ایک افسر ہوں اِسلیئے مجھے اُس واقعہ کا علم ہوگا جس کی طرف کہ وُہ اِشارہ کہہ رہا تھا۔

اب ہمیں مردوں کی بیرکوں کی طرف لیجایا گیا۔ یہ بھی عورتوں کی بیرکوں جیسی ہی تھیں۔ ابتک چونکہ اِن بیرکوں کے مناظر اور ان سے اُٹھنے والی بدبُو میرے لیئے کوئی نئی چیز نہیں رہی تھی۔ اِسلیئے میں زیادہ گہرائی سے قیدیوں کا مطالعہ کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اگرچہ اُن میں سے بیشتر رُوسی تھے۔ پھر بھی کئی اُدیک۔ ترکش تاتاری۔ آرمینئین یہودی۔ پولینڈ کے باشندے اور کچھ چینی اِن قیدیوں میں شامل تھے۔ سب کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں۔ آنکھیں نکلی ہوئی تھیں۔ چہرے پر گرد وغبار جما ہوا تھا۔ پھر بھی میں نے اُن میں سے کچھ ایسے آدمی دیکھے جو بڑے سمجھدار نظر آتے تھے۔ اور شاید کبھی وقت کافی شہرت کے مالک ہوں۔ میں نے اپنے آپ سے سوچا کہ یہ لوگ شاید انجنیئر۔ پروفیسر۔ ادیب یا وُہ پارٹی لیڈر ہونگے۔ جنہیں کہ پارٹی سے خارج کر دیا گیا ہوگا۔ مَیں نے ایک لمبے اور چوڑی چھاتی والے قیدی کو سامنے کھڑے دیکھا۔ وہ سیدھا میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اُس کا کھڑا ہونے کا ڈھنگ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا۔ کہ وُہ کوئی فوجی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اب بھی وُہ اپنی وردی پہنے میرے سامنے کھڑا ہو۔ لیکن قیدیوں کی اکثریت عام مزدوروں اور کسانوں پر مشتمل نظر آتی تھی۔

ایک بیرک میں ہم نے دیکھا کہ وہاں کا اوورسیر ایک بڑا ہٹا کٹا آدمی ہے۔ جس کی ناک ٹوٹی ہوئی ہے۔ اور آنکھیں چھوٹی ہیں۔

" یہ شیشیلکنیک ہے " وارڈن نے مجھے بتایا۔ اس لفظ کا مطلب تالے توڑنے والا آدمی ہے۔

" ایسا کیوں ؟ " میں نے دریافت کیا۔

" اسلئے کہ یہ سیف کے تالے توڑنے کے معاملہ میں بہت مشہور ہے تقریباً نصف درجن صوبوں میں اسے اسی نام کیساتھ پکارا جاتا ہے " اُس نے ہنستے ہوئے جواب دیا " بیرکوں میں آکر سیاستدانوں کی نسبت یہ جرائم پیشہ لوگ بہتر اوورسیر ثابت ہوتے ہیں۔ یہ سیاستدانوں کی طرح نرم و نازک نہیں ہوتے "

" ان میں سے بیشتر سیاسی قیدیوں کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں " خفیہ پولیس کے افسر نے بات آگے بڑھائی " آخر ان میں یہ فرق تو ہے کہ یہ عوام کے دشمن نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صرف قانون توڑنے کے گناہگار ہیں "

" یہاں سیاسی اور اخلاقی قیدیوں کی نسبت کیا ہے۔ " ہم میں سے ایک آدمی نے پوچھا

" عام طور پر یہاں ۱۰ سے ۱۵ فیصدی تک اخلاقی قیدی رہتے ہیں۔ ان میں بازاری عورتیں بھی شامل ہیں۔ لیکن ہم ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتے " کیمپ وارڈن نے جواب دیا۔

کیمپ سے واپس گھر آتے ہوئے میں نے خفیہ پولیس کے افسر سے قیدی کیمپ کے متعلق کچھ اور تفاصیل حاصل کیں۔ مجھے بتایا گیا کہ قیدیوں کو بیرکوں کے اندر سگریٹ تمباکو وغیرہ پینے کی اجازت نہیں۔ اُن کے رشتہ داروں کو شاذ ہی کبھی یہ پتہ چلتا ہو کہ وہ کہاں ہیں۔ چھوٹی چھوٹی سزاؤں والے قیدیوں کو عام طور پر جیلخانوں یا لیبر نو آبادیوں میں رکھا جاتا ہے۔ تاکہ کیمپوں میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ

ہو۔ یہاں صرف وہ عورتیں اور مرد لائے جاتے ہیں۔ جن کی سزا ۵-۸-۱۰ یا زیادہ سال کی اور یا عمر قید کی ہو۔

لیکن حقیقتاً سزا کی معیاد کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ کیمپوں میں آنے والے لوگوں میں سے بہت کم رہا کئے جاتے ہیں۔ انہیں ان کی معیاد قید ختم ہونے کے بعد خود بخود ہی چھوڑ نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو سے خفیہ پولیس کے خاص احکام موصول ہونے پر رہا کیا جاتا ہے۔ جبکہ عام طور پر یکطرفہ کارروائی کر کے قیدیوں کی سزا کی میعاد بڑھا دیتی ہے۔ تاکہ جبری محنت کیلئے غلاموں کی فوج کو اس کی پوری طاقت میں رکھا جاسکے جنہیں رہا بھی کیا جائے۔ اُن میں سے بھی شاید ہی کسی کو اپنے اصلی گھر میں جانے کی اجازت ملتی ہے۔ گھر جانے کی بجائے انہیں مخصوص خطوں میں آباد ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اور یہ خطے عام طور پر سائبیریا کے دور افتادہ علاقے یا دور مشرق اور یا دور شمال میں واقع ہوتے ہیں ان خطوں میں ایسے ہی رہائی پانے والے قیدیوں کی ایک بھاری تعداد آباد ہے۔

مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ دور مشرق۔ دور شمال اور سائبیریا میں واقع زیادہ بدنام کیمپوں میں ۳۰، ۳۰ اور ۴۰، ۴۰ ہزار قیدی رہتے ہیں۔ چونکہ ان کیمپوں میں اموات کی شرح بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اسلئے وہاں کچھ کیمپوں میں قیدیوں کے خاص بریگیڈ بنے ہوئے ہیں۔ جن کی ۱۲، ۱۴ گھنٹے روزانہ کی ڈیوٹی صرف یہی ہوتی ہے۔ کہ وہ مرنے والوں کو دفناتے رہیں۔

جس کیمپ سے ہم ابھی ہو کر آئے تھے وہاں قیدیوں کو ڈبل روٹی کا راشن جبکہ عام طور پر ان کی بڑی خوراک ہے ۳۰۰ سے لیکر ۸۰۰ گرام یعنی ۱۱ سے لیکر ۳۰ اونس تک فی کس روزانہ کے حساب سے دیا جاتا تھا۔ راشن کا تعین کرتے وقت ۳ باتوں کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ ایک یہ کہ ان کے جرم کی نوعیت کیا ہے دوسرے

یہ کہ انہوں نے پیداوار کا کتنا کوٹہ پورا کیا ہے۔ اور تیسرے یہ کہ انہیں کس قسم کے کام پر لگایا گیا ہے۔ اس راشن کے علاوہ انہیں دن میں دو مرتبہ آلوؤں اور دوسری سبزیوں کا پتلا سا سوپ دیا جاتا تھا اور کبھی کبھی تلی ہوئی مچھلی مہیا کیجاتی تھی پورا کام نہ کرنے کی سزا یہ تھی کہ قیدی کا راشن کم کر دیا جائے۔ معدے کی خرابی، پیچش اور کم خوراک ملنے سے پیدا ہونیوالی دوسری بیماریاں کیمپ میں عام تھیں۔ بھوک کے کاٹنے کی وجہ سے بھی جگہ جگہ قیدی بستروں پر پڑے ہوئے تھے جن قیدیوں کو میں نے دیکھا۔ اُن میں سے بہت کم ایسے تھے جن کے جسم پر کہیں نہ کہیں پھوڑا نہ بہہ رہا ہو۔ جس کی آنکھیں سوجی ہوئی نہ ہوں جن کے جسم پر خرابی صحت کی کوئی علامت نہ ہو۔ امریکہ کی خانہ جنگی سے پہلے یہاں غلاموں کا جو سسٹم تھا۔ بالکل اسی قسم کے سسٹم کے ماتحت روس میں بھی یہ غلام اقتصادی قدروں کے مالک تھے۔ اس لئے ان کی اتنی حفاظت، اور دیکھ بھال ضرور ہوتی تھی۔ جتنی دوسرے کام کے مویشیوں کی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود روسی غلام کی حالت ماضی کے امریکی غلام سے بھی بدتر تھی یہاں چونکہ وہ بہتات میں مل سکتے تھے اس لئے ان کی آقا روسی حکومت کے لئے اقتصادی طور پر یہ زیادہ مفید تھا کہ وہ کیڑے مکوڑوں کی طرح مر جائیں۔ بنسبت اسکے کہ ایسے ان کے کھلانے اور کپڑے کا انتظام کرنا پڑے۔

”وہ غدر کیا تھا جس کا کروارڈن نے ذکر کیا تھا؟“ میں نے پولیس افسر سے دریافت کیا۔

”اوہ - وہ ۱۹۳۸ء کے آخر کا واقعہ ہے“ پارٹی سیکرٹری نے اس سوال کا جواب دینے کی ذمہ داری خود سنبھال لی۔ اُس نے کہا۔ ”چند قیدیوں نے باہر کام پر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ اُنہیں گلی سڑی خوراک مہیا کئے جانے پر اعتراض تھا۔ ایڈمنسٹریشن نے بڑی تندہی سے اپنا فرض سمجھا۔ انکار کرنیوالے قیدیوں کے ۱۴ لیڈر جن میں ۱۲ مرد اور ۲ عورتیں تھیں۔ گولی سے اڑا دیئے گئے۔ انہیں گولی کیمپ کے اندر

ماری گئی۔ سب قیدیوں کو یہ تماشہ دیکھنے کیلئے ایک لائن میں کھڑا کر لیا گیا تھا۔ اس کے بعد ہر ہیر کے ایک ایک آدمی لیکر احاطہ کی دیوار کیساتھ ہی باہر کی طرف اُن قیدی لیڈروں کی قبریں کھدوائی گئیں۔ اب چونکہ اس واقعہ کی یاد سب کے دل میں تازہ رہتی ہے اسلئے بیرونی دنیا سے کا زیادہ امکان نہیں۔ ہر کیمپ کا چیف قیدیوں کی زندگی اور موت کا مالک ہے۔ اور یہ ہے بھی بجا۔ اسوقت عوام دشمنوں کے تئیں نرم رویہ اختیار کرنا ویسے بھی مناسب نہیں ہے"

یہ آخری فقرے شاید سیکرٹری نے سیاسی طور پر اپنے بچاؤ کیلئے کہے تھے خفیہ پولیس کا جو افسر ہمارے ہمراہ تھا۔ وہ سیکرٹری کا گہرا دوست تھا۔ پھر بھی اُس نے کوئی خطرہ مول لینا درست نہ سمجھا۔

اُدھر بیشتر اسکے کہ ہمارا دس ہزار غلام حاصل کرنے کا مسئلہ حل ہوتا۔ یہاں پلانٹ لگانے کی ساری سکیم ترک کر دی گئی۔ پراجیکٹ ایکبار پھر نوکرشاہی کی سکیموں کی نذر ہو گیا۔

* * * * *

(۳)

مجھے ایسا کوئی شک نہیں تھا کہ کیمیروفو میں میں نے ابتک جو محنت کی ہے وہ ساری کی ساری کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر ڈالی جارہی ہے اسلئے جب ماہ دسمبر کے آخر میں ایکدن مجھے ماسکو طلب کیا گیا تو مجھے خوشی ہوئی۔ اس سرکاری حکم کی بدولت میں نوروز ارینا کے ساتھ منا سکوں گا۔ یہ واقعی خوشی کا مقام تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ مجھے پراجیکٹ کے متعلق ۱۹۳۷ء کے منصوبوں کے بارے میں قطعی مشورہ کے لئے بلایا گیا ہے۔ لیکن جب میں محکمہ صنعت کے دفتر میں پہنچا تو دیکھا کہ کامریڈ

کوزہیفنیکوف بڑے وسیع پیمانے پر ہیں۔
"میں تمہیں ایک بری خبر سنانے لگا ہوں وکٹر انیڈریوچ" انہوں نے کہنا شروع کیا۔ "سنٹرل کمیٹی اور سوفنارکوم نے فیصلہ کیا ہے کہ فی الحال کیمیروفو پائپ ڈائنگ پراجیکٹ کا کام بند کر دیا جائے اس کیلئے منظور کئے گئے اخراجات کم کر کے ۱۰ لاکھ روبل رہنے دیئے گئے ہیں تاکہ اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اس رقم سے اسے برقرار رکھا جا سکے"
میں گھبراہٹ میں کوزہیفنیکوف کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"لیکن یہ ناممکن ہے" میں نے چلا کر جواب دیا "ہم نے وہاں اتنی محنت کی ہے آج ہر چیز اپنی جگہ پر بہت شاندار ہے۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کام چھوڑ دیا جائے!"
"مجھ سے مت پوچھو۔ میں صرف گلیوٹرد یوسٹل کا ہیڈ ہوں مجھ سے کسی نے مشورہ نہیں لیا۔ مجھے صرف اس فیصلہ کی اطلاع دی گئی ہے۔ آپس کی بات ہے۔ سچ سچ مجھے بھی اس فیصلہ سے اتنی ہی پریشانی ہوئی ہے جتنی کہ تمہیں ہوئی ہے۔"
بڑی چھانٹی کے دوران میں مجھے جو تجربہ ہوا تھا۔ اسکی بدولت اب مجھے خطرے کا احساس فوراً ہو جاتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ بے گناہ افسر کس طرح اعلیٰ حلقوں کی غلطیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ اور کیمیروفو پلانٹ کی تعمیر منسوخ کرنا میرے نزدیک ایک ایسی ہی بڑی غلطی تھی۔
"میری تجویز تو یہ ہے کہ تم چپ ہو رہو" کامریڈ کوزہیفنیکوف نے کہا "کیمیروفو میں کام بند کراؤ اور یہاں واپس آ جاؤ۔
کیمیروفو تار دے کر کام بند کرنے کی ہدایت دی جا چکی ہے۔"
اگرچہ سرکاری طور پر سوویالی پلاننگ میں کسی کا بھی ہاتھ نہیں ہوتا تاہم جب بھی جب کسی آدمی کو کسی کام پر لگا دیا جاتا ہے تو وہ اسے اپنا ہی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح میں نے اپنے آپکو کیمیروفو پلانٹ کے کام میں جھونک دیا تھا۔ جس وسیع پیمانہ پر یہ پلانٹ

قائم کیا جا رہا تھا۔ اور سائبیریا کے مستقبل کیلئے اس کی جتنی اہمیت تھی اس کی وجہ سے مجھے پراجیکٹ میں زیادہ دلچسپی ہو گئی تھی۔ میرا ذہن جو بڑی بڑی ملیں کیمیروفو میں بنتی ہوئی دیکھ رہا تھا۔ ان کے لئے میں نے محنت کی سکیمیں بنائیں اور ہر قسم کے افسروں سے لڑائی جھگڑا مول لیا۔ اور اب میرے لئے یہ ماننا قدرے مشکل ہو رہا تھا۔ کہ میری تمام محنت ضائع کردی جائے گی۔

مجھے کام بند کرنا پڑا اور میں واپس ماسکو آگیا۔ اور جب تک کسی اور کام پر نہ لگایا گیا مجھے گلاوسٹرو ڈبسٹل سے تنخواہ ملتی رہی۔ چونکہ میں آرام کا عادی نہ تھا۔ اور اب کرنیکو کوئی کام نہیں تھا۔ اسلئے اب یہ فراغت اچھی لگتی تھی۔ ہر رات کریں ارینا کو کسی تھیٹر کنسرٹ یا اور کسی تماشے میں لیجاتا۔ عام روسیوں کی طرح میں بھی اب ماسکو کے موسم سرما کو پسند کرتا تھا۔ جس کے دن چھوٹے ہوتے ہیں اور راتیں لمبی اور۔ جب یہاں کی زندگی ملک کے اور حصوں میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے

جہاں تک میری پسند کا تعلق تھا۔ میں اب کئی سالوں تک ادھر ادھر گھوم کر تنگ آ چکا تھا۔ اور چاہتا تھا۔ کہ ایک جگہ رہ کر طے شدہ گھریلو زندگی بسر کروں۔ میں ماسکو میں بہار رہنے کا خواہشمند تھا جو کہ باقی ملک کے مقابلہ میں جنت نظر آتا تھا۔ میری اس خواہش نے اپنے لئے کوشش کرنے کی شکل اختیار کی۔ میرا جو تھوڑا بہت سیاسی اثر و رسوخ تھا۔ میں نے اُسے استعمال کیا اور اس کے نتیجہ کے طور پر پولٹ بیورو کے ایک ممبر اینڈریف نے میری مدد کی۔ بالآخر مجھے ماسکو میں ہی کام مہیا کر دیا گیا۔ مجھے شہر سے باہر فلی میں ایک میٹالرجیکل مل میں تعینات کیا گیا۔ ایک رمیا نے درجے کا عہدہ تھا۔ اگرچہ میں اس سے دو درجہ اونچے عہدوں پر رہ چکا تھا۔ لیکن چونکہ یہ عہدہ مجھے ماسکو میں ملا اسلئے میں نے اسے قبول کر لیا۔

یہ فیکٹری انقلاب سے پہلے کی تھی۔ پچھلے کچھ سالوں میں اسے وسعت دیگئی تھی اور یہاں نئی مشینیں فٹ کی گئی تھیں۔ اس میں تقریباً ایکہزار مزدور کام کر رہے تھے اور اس کا نام بھی ٹرسٹ کی طرح گلیو ٹرد بوسٹل تھا۔ اس میں تیار ہونے والی بڑی اشیاء سٹیل ٹیپ اور پائپ تھیں اور بطور اسسٹنٹ چیف انجنیئر عملی طور پر پیداوار کی تمام ذمہ داری مجھ پر تھی۔

ارینا کے ذہنی منظر میں میرا فیکٹری کا کام۔ سیاسی تقریریں میٹنگیں اور انجنیئرنگ سے دلچسپی سب نئی چیزیں تھیں۔ اُسے ان سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اُس کی اور میری دو دنیائیں قریب آئیں۔ لیکن کبھی ایک دوسرے پر سوار نہیں ہیں۔ ارینا کو میرے کام میں دلچسپی نہ ہونے کے علاوہ اس کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ اور وہ یہ کہ روسی افسر اپنے تحفظ کے لئے اپنی بیویوں کو اپنے پیشہ وارانہ اور سیاسی حالات سے بے بہرہ رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ تجربہ نے انہیں بتا دیا تھا کہ جس آدمی کا خاندان اس کے کام اور اُس کے مسائل کے متعلق جتنی کم واقفیت رکھتا ہو وہ آدمی بالآخر اتنا ہی محفوظ رہتا ہے۔ ہر وقت چھانٹی اور گرفتاری کا خطرہ سر پر رہنے کی وجہ سے قطعی اختیارات کی مالک اس حکومت کے ملازم۔ اپنے عزیزوں کو اپنے متعلق کچھ نہیں بتاتے تھے۔ یا بہت کم بتاتے تھے۔ تاکہ وہ محفوظ رہ سکیں۔

کچھ بھی ہو یہ ایک حقیقت ہے کہ میں ارینا سے اپنے فیکٹری کے کام کے متعلق بہت کم بات کرتا تھا۔ اور سیاسی معاملات کے متعلق تو کبھی اُسے بتاتا ہی نہ تھا۔ اگرچہ وہ بہت سمجھدار عورت تھی۔ اور اُسے میرے ساتھ کافی سے زیادہ محبت بھی تھی۔ پھر بھی میں نے کبھی اپنے سیاسی خیالات اور شکوک کے متعلق اس سے کوئی بات چیت نہیں کی۔ کئی بار میں سوچتا کہ میں اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھدوں لیکن پھر اپنی خطرناک ذہنی حالت میں اُسے حصہ دار نہ

بتانے کے خطرات میری زبان کو روک دیتے

ڈکٹیٹری نظام کے ماتحت پیدا ہونے والی ذہنی پریشانیوں کی موجودگی میں کوئی آدمی عام گھریلو زندگی بسر کرنے کی امید کیسے کر سکتا ہے؟

⁂ ⁂ ⁂

14098

باب نمبر ۲۱

غیر متوقع جنگ

۲۲ جون ۱۹۴۱ء کی صبح کو روس کے شہروں اور ہوائی اڈوں پر بمباری شروع ہوگئی۔ کافی لمبے محاذ پر نازیوں کے طوفانی دستوں کے مقابلہ میں روس کی فوجیں پہلے ہی تیزی سے پسپا ہو رہی تھیں۔ ان میں زبردست گھبراہٹ تھی، خوف و ہراس تھا۔ دنیا بھر کے اخبارات نے اس خبر کی پہلی سرخیاں دی تھیں کہ جرمنی نے اچانک روس پر حملہ کر دیا ہے۔ اُس دن صبح طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی خفیہ پولیس نے ملک بھر میں لاکھوں "ناپسندیدہ" اشخاص کی گرفتاریاں شروع کر دی تھیں۔

لیکن مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ میرے وطن کے ۲۰ کروڑ لوگوں کے سر پر کیا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ اور جب میں صبح اپنے دفتر میں پہنچا تو وہاں کسی اور کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ کیا ہوا ہے۔ اخبارات میں جنگ کے متعلق کل کی بڑی خبر شائع

ہوئی تھیں وہ تو یہی بتاتی تھیں کہ ہٹلر کی فوجیں آگے بڑھ رہی ہیں۔ اُس کے دشمن "سرمایہ دار گینگسٹر" اور جنگ باز سخت مشکل میں ہیں۔

پچھلے کئی مہینوں سے سرکاری پراپیگنڈا کی لائن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی جن ملکوں کو نازی فوجوں نے روند ڈالا تھا۔ ان کے لئے اس پراپیگنڈا میں ہمدردی کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوتا تھا اور ہٹلر کے طوفانی دستوں پر کسی قسم کا الزام لگا کر کوئی آدمی اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

جہاں تک عام روسیوں کا تعلق تھا انہیں یہی بتایا جاتا تھا کہ نازیوں اور روس کی دوستی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اس دوستی پر شک کرنا سٹالن کے استحکام پر شک کرنا تھا اور جب ۲۲ جون ۱۹۴۱ء کا تاریخی دن آیا تو ماحول بالکل یہی تھا۔ روس اور جرمنی کی دوستی میں گڑبڑ کی کوئی افواہ تک سننے میں نہ آئی تھی۔ ہماری فیکٹری میں کام پورے زور سے شروع تھا جبکہ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ ہم کمسار (وزیر) مالوٹوف کی ایک خاص ریڈیائی تقریر سننے کے لئے کام بند کریں۔ یہ طریقہ بالکل غیر معمولی تھا اس لئے اس اعلان سے سارے پلانٹ میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔

اور جب تقریر شروع ہوئی تو مالوٹوف کے متھوڑوں کی طرح برسنے والے اور پر ہم الفاظ سن کر ہم ششدر رہ گئے۔ انہوں نے جو سنسنی خیز اعلان کیا تھا اس سے ہم کیا نتیجہ اخذ کرتے؟ دھوکے باز، مکار اور دغا باز جرمنی نے ہمارے ملک پر اپنا بجلی کی چمک کی طرح زبردست اور پر زور حملہ شروع کر دیا تھا جبکہ ہمارا ملک پچھلے ۲ سالوں سے اپنے عوام کے منہ سے خوراک چھین کر ان کا ایندھن لیکر اس کی مدد کر رہا تھا۔ یورپ پر چھا جانے کیلئے اُسے دھات تیل اور اسلحہ مہیا کر رہا تھا۔

ہم نے روس اور جرمنی کے معاہدہ کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھایا تھا۔ ہم نے نازیوں کو صرف سامان ہی بہم نہیں پہنچایا تھا بلکہ ساری دنیا میں انکے حق میں پروپیگنڈا کیا تھا۔ ان کے حق میں لاملیہ میگ دبا ڈالا تھا۔ اور اسکا انعام اب ہمیں یہ ملا کہ اُسنے ہم پر حملہ کر دیا۔

چند گھنٹوں کے اندر پارٹی کے ایک اور مقرر ہماری فیکٹری میں پہنچ گئے دوپہر کے کھانے کے وقت میں ہم نے تمام فیکٹری ملازمین کی ایک میٹنگ بلائی ورکر جرمنوں کے حملہ کی خبر کو سُن کر انگشت بدنداں تھے۔ پھر بھی پارٹی مقرر کی تقریر کے دوران میں وہ بار بار تالیاں بجاتے رہے۔ ان تالیوں میں کوئی اتساہ نہیں تھا میٹنگ ختم ہوئی اور ہم شام تک حسبِ معمول کے مطابق کام کرتے رہے لیکن پھر بھی اسباب کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ جنگ شروع ہونے کی خبر نے بہت سے لوگوں کو ذہنی طور پر جھنجوڑ دیا تھا۔

بعد دوپہر مجھے مطلع کیا گیا کہ شفٹ سپرنٹنڈنٹ ویڈم الیگزینڈر ووچ سمولیانینوف آج کام پر نہیں آئے۔ اور ٹیلیفون پر اُن سے بات کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ یہ سن کر میں نے ٹیلیفون کا رسیور اُٹھایا اور سمولیانینوف کا نمبر مانگا۔

"آپ سمولیانینوف کے مکان سے بول رہے ہیں؟"

"نہیں۔ یہ مکان اب سمولیانینوف کے پاس نہیں"

"آپ انہیں فون پر بلا دیں" میں نے درخواست کی۔

"آپ کون ہیں؟" دوسری طرف سے کسی نے استفسار کیا۔

"میں اُن کے پلانٹ کا اسسٹنٹ چیف انجینئر بول رہا ہوں"

"وہ یہاں نہیں ہیں۔ اور اب یہاں نہیں آئینگے"

"ٹیلیفون پر کون بول رہا ہے" میں نے چلا کر کہا" میں اپنی سرکاری حیثیت میں پوچھتا ہوں کہ وہ کہاں ہے؟"

"میں بھی سرکاری حیثیت میں بول رہا ہوں ۔۔۔ خفیہ پولیس افسر ۔۔۔"

یہ سن کر میں نے رسیور رکھ دیا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ میرا دوست سمولیا نیتوف گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اُس کی انقلابی زندگی کا یہ انجام کتنا المناک تھا! سمولیانیتوف ایک قابل انجینئر تھا۔ پڑھا لکھا تھا۔ انقلاب کے دوران میں اس نے بہت سرگرمی سے کام کیا تھا اور اس کے بعد وہ لینن کا پرسنل سیکرٹری بنایا گیا تھا۔

جنگ کے دنوں میں جس بیرحمی سے ملک کا دہشت پھیلائی گئی سمولیا نیتوف اس کا پہلا شکار تھا جس کا مجھے علم ہوا۔ اگلے چند دنوں میں میرے ساتھ کام کرنے والے گردونواح میں رہنے والے درجنوں اور لوگ بھی کم ہو گئے۔ بہت عرصہ ہوا ایک بار خفیہ پولیس کے ایک افسر نے جو میرا دوست تھا مجھے بتایا تھا کہ جنگ شروع ہوتے ہی تمام خطرناک عناصر کو گرفتار کر لیا جائیگا۔ ہر گاؤں قصبہ اور شہر میں ناپسندیدہ اشخاص کی فہرستیں تیار تھیں اور ان میں لاکھوں اشخاص شامل تھے۔ اب مجھے پتہ چلا کہ وہ کوئی بات بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کر رہا تھا۔ جہاں تک ہماری جنگی تیاریوں کا تعلق ہے۔ پہلے خوفناک دور میں اسکا صرف ایک ہی حصہ تیزی سے مکمل ہوا۔ اور وہ "اندرونی دشمنوں" کا صفایا تھا۔ یہ ایک قسم کی چھانٹی تھی۔ جس کا پلان سٹالن کے حکم کیمطابق پہلے سے تیار کر کے رکھا گیا تھا۔

اور چند سال بعد مجھے امریکہ آ کر ایک حیران کن وقت تک غلط خیال کا پتہ چلا جسے بڑے بڑے سمجھدار امریکن بھی صحیح سمجھتے تھے۔ اور وہ یہ کہ" روس میں کوئی ففتھ کالم نہ تھا" کیونکہ خونی چھانٹیوں نے غداروں" کو پہلے ہی ختم کر دیا

تھا۔ میں نے یہ انتہائی طور پر غلط اور بیہودہ بات امریکہ کے سابق سفیر جوزف ڈیوز کی نیم ادبی کتاب۔ میں پڑھی۔ میں اس کو سوائے "برآمد شدہ" پراپیگنڈا کی کامیابی کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔

میں اسے "برآمد شدہ" اسلئے کہتا ہوں کہ روس کی اندر حکومت بالکل مختلف پراپیگنڈا لائن پر چل رہی تھی۔ اُسے اس بات پر اصرار تھا کہ قوم میں ففتھ کالم ابھرا ہوا ہے۔ جنگ شروع ہونے کے دن سے لیکر اخبارات ریڈیو اور پارٹی کے مقررین نے جھاڑ کر اندرونی دشمنوں کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ وہ جاسوس" انتشار پسندوں، افواہیں پھیلانے والوں، تخریب کاروں اور فاسسٹ ایجنٹوں" کی جان کے بھوکے ہو رہے تھے۔ اور خفیہ پولیس ان کے قدم قدم پر چلتی ہوئی اجتماعی گرفتاریوں میں مصروف تھی۔ لوگوں کو گولیوں سے اڑایا جا رہا تھا۔

اس خون خرابے کے باوجود درحقیقت روس میں کوئی جرمن نواز یا غدار عنصر نہیں تھا۔ لیکن ایسے لاکھوں کروڑوں محب الوطن تھے۔ جو سٹالن کی دھکے شاہی سے نفرت کرتے تھے اور اس کی دوسری باتوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک تو حکمران گروہ کے خدشات حق بجانب سمجھے جا سکتے ہیں۔

حکومت نے اپنے جنگی پلان میں اسی اپوزیشن کو بے رحمی سے کچل دینے کے کام کو باقی سب کاموں پر ترجیح دی۔ اس سلسلہ میں ہونیوالی کوششیں فوجی انتظامات پر بھی سبقت لے گئیں "جلاوطن" اور بیگار کیمپوں کے قیدیوں کی تعداد میں لاکھوں کا اضافہ ہوگیا۔ ہمارے حکمران کچھ اسطرح لوگوں کا شکار کھیلتے تھے۔ جیسے خوفزدہ بھیڑیا شکار ہی پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

جنگ شروع ہونے کے کئی دن بعد ماسکو میں ملٹری ٹربیونل قائم کر دیئے گئے جن کا چیئرمین شہر کے سابق جج کامریڈ واسیف کو بنایا گیا تھا۔ شہر کے

ہر گلی محلے میں اس کی شاخیں کھول دی گئیں۔ دوسرے شہروں میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اور اس نئے ادارے نے روسی زندگی کے تمام پہلوؤں کو ڈھانپ لیا۔ اسے لوگوں کو گرفتار کرنے ان کے خلاف بند کمروں میں مقدمات کی سماعت کرنے اور انہیں موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے غیر معمولی اختیارات حاصل تھے۔

پہلے چھ مہینوں کے اندر صرف ماسکو میں ہی ہزاروں لوگوں کو مارشل لاء کے ماتحت موت کے گھاٹ اتارا گیا کسی کے خلاف ذرا سا بھی شک۔ کسی کے منہ سے نکلا ہوا خوف یا بے چینی کا مظہر ایک بھی لفظ اسے فوجی ٹریبونل کے جبڑوں میں لانے کیلئے کافی ہوتا تھا۔ روٹی اور مٹی کے تیل کے ڈپوؤں پر لگی ہوئی لمبی لمبی قطاروں میں بازاروں میں دوکانوں پر سینما گھروں سٹریٹ کاروں اور ریلوے سٹیشنوں پر ہر جگہ ہزاروں جاسوس کسی قسم کی مایوسی، شکوک۔ یا نکتہ چینی کی ٹوہ میں رہتے تھے۔ ہر ہاؤس کمیٹی مکان میں رہنے والے کرایہ داروں کے متعلق باقاعدہ رپورٹیں بھیجتی تھی۔ اور ہر نوکر اپنے مالک کے متعلق رپورٹ بھیجتا تھا۔

روس کے اندر دہشت اتنی زیادہ تھی کہ اسے بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہی نہیں جا سکتا۔ گویا جنگ کے اندر جنگ جاری تھی۔ اس سے ظاہر تھا کہ کریملن کو روسی عوام پر کتنی بداعتمادی ہے۔ کریملن کی بداعتمادی کا دوسرا اظہار اس وقت ہوا جبکہ رات ہی رات میں وہ تمام سوشلسٹ نعرے" اور خاص خاص فقرے روسی زندگی میں سے خارج کر دیئے گئے جو ۲۴ سال تک روس میں چالو رہے تھے۔ ایک چوتھائی صدی تک کمیونسٹ فلسفہ عوام پر لٹھڑ نے کے بعد اب ہماری حکومت نے پھر قومیت حب الوطنی اور نسلی وفاداری حتےٰ کہ مذہب کے نام اپیلیں شروع کر دی تھیں۔ ہمیں سرزمین اشتراکیت کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ سرزمین روس کی حفاظت کیلئے ابھارا جاتا تھا۔ باپ دادا کے وطن کے نام پیلا در دنیا لوں کی

خدا کا واسطہ دیکر میدان میں آنے کو کہا جاتا تھا۔ جس قدر روس کے ماحول میں ہم اب تک رہے تھے۔ ان کی اس سے زیادہ تردید ——— چاہے یہ مجبوراً اور عارضی تھی ——— تصور نہیں کی جا سکتی۔

لیکن بیشتر اس سے کہ میں آگے بڑھوں جنگ کے پہلے دن کا ذکر کرنا ضروری ہے اُس دن شام کو جب میں ڈائرکٹر مانٹوروف کے دفتر میں گیا تو خود مانٹوروف بیگوروف اور سب پلانٹ کے ڈائرکٹر ل ریلوف وہاں موجود تھے ہم سب تازہ ترین خبریں حاصل کرنے کیلئے بیتاب تھے۔ اچانک ریڈیو پر سوئیاں لگیت بند ہوگیا اور اناؤنسر نے خاص روسی انداز میں اعلان کرنا شروع کیا۔

"روس کے شہر یو! روس کے باشندو! سنو! سنو!

ہم جرمن فوج کے ہیڈ کوارٹر سے بول رہے ہیں۔"

یہ الفاظ سن کر ہم گھبراہٹ میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے ریڈیو اناؤنسر کہہ رہا تھا۔

"ہم ۲۴ سال تک تم بھوک اور خوف میں مبتلا رہے ہو۔ تم سے آزاد زندگی مہیا کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن تمہیں ملی غلامی۔ تمہیں زیادہ خوراک مہیا کرنے کا جھانسا دیا گیا۔ لیکن ملا قحط۔ آج تم غلام ہو اور تمہیں کوئی حقوق حاصل نہیں۔ تم میں سے ہزاروں لوگ ہر روز سائبیریا کے منجمد میدانوں میں جبری محنت کے کیمپوں میں مکھیوں کی طرح مرتے ہیں۔ تم اپنے ملک کے تو کجا اپنی زندگی کے بھی خود مالک نہیں ہو۔ تمہارا آقا سٹالن ہے۔ تمہارے ساتھ غلاموں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ تمہارے لاکھوں بھائی آج جیل خانوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں اور بیگار کیمپوں میں پڑے گل سڑ رہے ہیں۔ تمہارے حکمرانوں نے تمہاری خدا پرستی کو اور تمہارے مذہب کو ختم کر دیا ہے اور اس کی جگہ سٹالن

کی پرستش شروع کرادی ہے۔ آج تمہاری وہ آزادیٔ تقریر و تحریر کہاں ہے؟ مار ڈالو انہیں جنہوں نے کہ تمہاری زندگیوں پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے! بغاوت کر دو اس ظلم و ستم کیخلاف!" اور اس کے بعد اناؤنسر نے روسی نظام اور یہاں کی لیڈرشپ پر گالیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اور دوسری فحش کلامی شروع کر دی جو کہ جرمن پراپیگنڈا کی خاصیت تھی۔

"بند کر دو اسے!" بیگوروف نے چلا کر کہا۔

مانتوروف نے تیزی سے اُٹھ کر ریڈیو بند کر دیا۔ اور اسکے بعد ماحول میں جو خاموشی طاری ہو گئی وہ پریشان کُن تھی۔ ہم ایکدوسرے کی نگاہوں سے نگاہیں ملانے کی بھی جرأت نہیں کر رہے تھے۔ اور اسی پریشانی کے عالم میں ہم اپنے اپنے گھر کو چلے گئے۔

ایک گھنٹہ بعد میں پھر مانتوروف کے دفتر میں واپس آیا۔ میں اُن کیساتھ مسمولیا نینوف کی جگہ کوئی اور آدمی رکھنے کے سوال پر مشورہ کرنا چاہتا تھا بمعمول کے مطابق میں دروازہ کھٹکھٹائے بغیر اندر چلا گیا۔ اور یہ دیکھکر حیران رہ گیا۔ کہ مانتوروف اور بیگوروف پھر دشمن کی ریڈیو براڈ کاسٹ سن رہے تھے۔ مجھے دیکھکر وہ گھبرا سے گئے اور یہ گھبراہٹ نمایاں ہو کر ان کے چہرے پر آ گئی۔ دشمن کی براڈکاسٹ سننے کیلئے اُن کے اشتیاق کو میں سمجھ سکتا تھا۔ کئی سالوں کے بعد کسی کو روسی نظام کی مذمت کرتے ہوئے سننا واقعی دلچسپ تھا۔ اب تک تو وہ روسی حکومت کی زبان سے ہی دوسروں کی مذمت سنتے رہے تھے۔ لیکن اب چکر اُلٹا چلنے لگا تھا۔

جب میں کمرے میں داخل ہوا تو ریڈیو اناؤنسر کہہ رہا تھا۔

"یہ اشتہار ہاتھوں میں لیکر ہمارے پاس آؤ۔ انہیں تمہارے پاس

سمجھا جائیگا۔ آخر جب جرمن تمہیں آزاد کرا رہے ہیں تو تم غلامی اور دہشت کی طرف سے ان کے خلاف کیوں لڑو؟"

مانٹوروف نے پھر ریڈیو بند کرتے ہوئے جرمنوں کو ایک ٹھیٹھ سی گالی دی یگیبوروف جو کہ میری آمد سے پریشان ہو گیا تھا۔ تیزی سے باہر نکل گیا۔ میں نے مانٹوروف کیساتھ سمولیانیتوف کے معاملہ اور دیگر سرکاری معاملات پر بات چیت کی۔ میں اس بارے میں کچھ کہہ رہا تھا کہ مانٹوروف نے مجھے درمیان میں ٹوکتے ہوئے کہا۔

"ایک بات ہے مرئیہ کرافیتنکو۔ اچھا یہی ہوگا۔ کہ تم کسی سے اس بات کا ذکر نہ کرو کہ ہم نے ریڈیو پر جرمن پراپیگنڈا سنا ہے! جانتے ہو۔ ۔ ۔ ۔ خدا اسی کی حفاظت کرتا ہے۔ جو اپنی حفاظت آپ کرتے ہیں"

"نہیں، نہیں، ایسی کیا بات ہے۔ سب سنتے ہیں، میں شرط سے کہتا ہوں کہ ماسکو کے نصف سے زیادہ لوگوں نے یہ براڈکاسٹ سنی ہوگی" میں نے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے جواب دیا

"کل وہ اسے نہیں سن سکیں گے۔ ابھی ابھی مجھے ٹیلیفون آیا ہے کل سب ریڈیو سٹ حکومت چھین لے گی"

"چھین لیگی؟ کیوں؟"

"میرا خیال ہے۔ محفوظ رکھنے کیلئے!"

اور دوسرے دن صبح ماسکو اور سارے ملک میں ایسا ہی ہوا۔ سب لوگوں نے سزا کے خوف سے اپنے اپنے ریڈیو سیٹ مقامی پولیس کے حوالے کر دیئے میں نے دیکھا کہ ہزاروں ریڈیو لکڑیوں کی طرح ٹرکوں میں ڈال کر سرکاری گوداموں کی طرف لیجائے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد جنگ کے سارے زمانہ میں روس

کے لوگوں کو اپنے گھروں میں ریڈیو رکھنے کی اجازت نہیں ملی۔ سرکاری ریڈیو اسٹیشنوں کے باہر لاؤڈ سپیکر لگا دیئے گئے تھے اور لوگ انہی کے ذریعے خبریں سن سکتے تھے۔ دوسرے ملکوں یعنی جرمنی اور جرمنی کے مفتوح ممالک میں بھی دشمن کا ریڈیو سننا ممنوع تھا لیکن وہاں ریڈیو سیٹ لوگوں سے چھینے نہیں گئے تھے۔ روس میں تو حکومت کو لوگوں پر اعتبار ہی نہ تھا۔ اسلئے انہیں ریڈیو سیٹوں سے ہی محروم کر دیا گیا۔

خبروں کے قطعی بلیک آؤٹ کے سلسلہ میں یہ پہلا قدم تھا جو کہ روسی سرکار نے اٹھایا۔

جنگ کے متعلق سرکاری کمیونک لوگوں کو کوئی ٹھوس اطلاع بہم نہیں پہنچاتے تھے۔ اور اس وجہ سے نئی سے نئی افواہیں پھیل رہی تھیں۔ راجدھانی کے گرد پولیس کا گھیرا تھا اور شہر کے لوگوں کے حوصلے بنائے رکھنے کیلئے باہر سے شرنارتھیوں کو شہر میں نہیں آنے دیا جاتا تھا لیکن پھر بھی ان میں سے کافی لوگ شہر کے اندر گھس آتے تھے اور ان کی آمد سے ہمارا بڑھتے ہوئے خطرے کا احساس شدید صورت اختیار کر جاتا تھا۔ سرکاری کمیونکوں میں کھل کر سرخ فوجوں کی شکست کا اعتراف نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ فتوحات کے دعوے کئے جاتے تھے۔ لیکن ان میں جن مقامات کے نام ہوتے تھے۔ ان سے ظاہر تھا کہ جنگ نزدیک آ رہی ہے۔

ہمیں اپنی شکستوں کی وجوہات کے بارے میں کوئی علم نہ تھا ۲۰ سالوں تک ہمیں بھوکا رکھا گیا تھا۔ ٹارچر کیا گیا تھا۔ اور فوجی تیاریوں کے نام پر ہر طرح کی قربانی کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ ہمارے لیڈر تربیت یافتہ فوج اور اسلحہ کے متعلق روس کی برتری کی شیخیاں بگھارتے رہے تھے۔ لیکن اب ہماری فوجوں کے تہس نہس ہونے کی حد تک پچھڑنے کی وجہ ہمیں یہ بتائی جا رہی تھی کہ ہمارے پاس توپیں نہیں

ہوائی جہاز نہیں اسلحہ نہیں۔
حکومت نے جلدی اور گھبراہٹ میں فوجی بھرتی شروع کر دی۔ ریزرو دستے محاذ پہ بھیجے جانے لگے۔ ان دستوں میں شامل سپاہیوں کو اپنے گھر والوں سے آخری بار ملنے کی بھی اجازت نہ دی گئی۔ یہ سب کچھ اس حقیقت کے باوجود ہو رہا تھا کہ ہماری فوج دنیا کی سب سے بڑی فوج تھی جیسے کہ ہمسایہ ملکوں پہ حملے کرنے کا تجربہ تھا اور جو فنلینڈ کیساتھ پورے زوروں سے جنگ لڑ چکی تھی۔
ماہ جولائی میں ایک صبح کو مجھے فیکٹری کی پارٹی کمیٹی کے دفتر میں طلب کیا گیا۔ وہاں یگیوروف نے مجھے ہدایت کی کہ میں جنگ کیلئے والنٹیروں کی بھرتی کیواسطے ورکروں کی میٹنگ بلاؤں۔ میں نے یگیوروف پہ زور دیا کہ چونکہ وہی پارٹی کا لیڈر ہے اسلئے یہ کام وہ خود کرے۔ میرے اصرار پہ اُس نے کہا۔
" نہیں نہیں وکٹر اینڈریوچ۔ یہ کام پارٹی کی بجائے عوام کی طرف سے ہونا چاہیئے۔ تم مزدوروں میں بہت ہردلعزیز ہو۔ اس لئے میری نسبت تمہارے لئے یہ کام سرانجام دینا آسان ہوگا"
چنانچہ انکے کہنے پر میں نے میٹنگ بُلائی۔ مزدوروں کے افسوس زدہ چہرے میرے سامنے تھے۔ میں نے "کمیونسٹ یا سوشلسٹ" الفاظ استعمال کئے بغیر ایک عام روسی کے ناطے اُن سے بات چیت کی۔ ان سب کی طرح مجھے بھی اپنے وطن سے محبت تھی میں جانتا تھا کہ وطن اُس گروہ سے مختلف ہے جو کہ ہمارے دلوں میں دہشت پیدا کر رہا ہے اسلئے میں عوامی ملیشیا قائم کرنے کیلئے جذباتی اپیلیں کر سکتا تھا۔ روسی نظام سے نفرت کرتے ہوئے بھی میں اپنے ملک کی فتح کیلئے کوشش کر رہا تھا اور مجھے وطن کے دشمنوں سے نفرت تھی۔ روسی عوام جرمنوں کیخلاف کیوں لڑتے رہے اور انہیں آخر میں فتح کیسے نصیب ہوئی اسکی وجہ حب الوطنی کا یہی جذبہ تھا۔ وہ سٹالن کیلئے نہیں لڑتے تھے۔ بلکہ سٹالن کے برسرحکومت

ہونے کے باوجود لڑ رہے تھے۔ اگر میلن کو سیاست کا علم تھا اور جنگ کے متعلق جتنی بھی اپیلیں ہوتی تھیں اُن سے یہ حقیقت ظاہر تھی۔

ایک مثال قائم کرنے کیلئے میں نے سب سے پہلے خود اپنے آپکو والنٹیر کے طور پہ رجسٹر کرایا۔ اس پہ درجنوں مزدوروں کاریگروں اور کلرکوں نے بھی اپنے اپنے نام دیدیئے لیکن افسروں میں سے کوئی آگے نہ آیا۔ مزدوروں کی نگاہیں ایک طویل سوال کی طرح اُن پہ لگی ہوئی تھیں۔ لیکن اُن میں سے کوئی حرکت میں نہ آیا

دوسرے ہی دن ڈسٹرکٹ کمیٹی نے والنٹیروں کی وہ فہرست رد کردی جوکہ میں نے تیار کی تھی۔ مانٹوروف اور یگیوروف ویسے تو یہ چاہتے تھے کہ مجھے فوراً محاذ پر بھیج دیا جائے میں نے انہیں والنٹیروں کی فہرست میں شامل کرنیکی کوشش کی تھی اور میری اس گستاخی کو انہوں نے کبھی نہیں بھلایا۔ لیکن اب چونکہ ہمیں محاذ پہ بھیجنے کا فیصلہ منسوخ کردیا گیا تھا۔ اس لئے ان کی عزت رہ گئی۔

جنگ شروع ہونے کے ایک ہفتہ بعد ملسکو میں جہاں کہ ضروری اشیا کی سپلائی کا انتظام بہترین تھا۔ ڈبل روٹی نایاب ہوگئی۔ سرکاری ڈپوؤں کے باہر راشن لینے والوں کی لمبی لمبی قطاریں لگی رہتی تھیں۔ اور جو لوگ ان قطاروں کے پیچھے ہوتے انہیں کبھی یہ یقین نہ ہوتا تھا کہ ان کیلئے کوئی روٹی یا تھوڑا بہت مٹی کا تیل بچ رہے گا۔ روس کی راجدھانی میں بمباری سے بچنے کا بھی کوئی انتظام نہ کیا گیا تھا۔ مغربی اور جنوبی روس میں سے سامان جنگ تیار کرنیوالے کسی ایک بھی کارخانے کی مشینری نکال کر محفوظ مقام پر نہ پہنچائی گئی تھی کیونکہ میلن کی تھیوریوں کے مطابق ہماری فوجیں صرف کسی پہ حملہ کرنے کیلئے تیار تھیں۔ اسلئے وہ دفاعی کاموں میں کچھ نہ کرسکیں اور مناسب وقت پر اُن علاقوں سے بھی اپنے سٹور نہ نکال سکیں جوکہ تھوڑے ہی عرصہ بعد جنگ کا میدان بن گئے۔ لاکھوں ٹن خام مال، سامان جنگ، ایندھن اور لاکھوں آدمی اُن انتہائی طور پہ غیر محفوظ علاقوں

میں پڑے رہ گئے۔ جن پر کہ جرمن فوجوں نے بہت جلد قبضہ کر لیا۔

اس وقت ہمیں ایک زبردست دفاعی جنگ لڑنی پڑ رہی تھی اور اس کیلئے تیار نہ ہونے کے سبب ہم بے بس تھے ہمیں ہر کام ایکدم کرنا پڑا تھا فوجی بھرتی کرنا اصل کا ذکام اور دشمن کے عقب میں گوریلا مزاحمت کی تنظیم سارے کام ایکدم کرنا بڑا مشکل تھا۔ ہٹلر کے گروہ نے سٹالن کیساتھ معاہدہ کر کے اُسے اتنی گہری نیند سلا دیا تھا کہ امریکہ اور برطانیہ کیطرف سے اُسے جگانے کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

یورپ کی جنگ کیوجہ سے روس کو جو وقفہ ملا تھا۔ کریملین نے اُس سے فائدہ نہ اُٹھایا اسلئے اب ہٹلر کی فوجیں تیزی سے ان بڑے بڑے کارخانوں اور فیکٹریوں پر قبضہ کر رہی تھیں۔ جنہیں کہ روسی عوام نے صنعتی فروغ کی مہم کے ۱۵ سالوں میں اپنے خون پسینے اور آنسوؤں سے تیار کیا تھا یوکرین اور سفید روس میں بے شمار فیکٹریاں مشینیں۔ ٹریکٹر سٹیشن۔ ہائیڈرو الیکٹرک پلانٹ بے شمار سامان جنگ اور لاکھوں مزدور بیرحم نازیوں کے ہاتھ پڑ گئے تھے۔

چھانٹی کے دوران میں فوجیں پرانے اور تجربہ کار افسروں سے محروم ہو گئی تھیں اور انہیں نئی لیڈرشپ نہ مل سکی تھی۔ وارشیلوف بڈینی اور دوسرے نااہل افسر مختلف محاذوں پر سُرخ فوج کے کمانڈر بنا دیئے گئے تھے۔ جو کہ ناکام ثابت ہوئے انہیں جنگ کی ٹکنیک کا علم ہی نہیں تھا۔ ماہ اکتوبر تک اُن سب کو ان عہدوں سے ہٹا کر کمان نئے لوگوں کے حوالے کر دی گئی یہ پھر سٹالن کی ایک اور ناکامی تھی یہ لوگ بھی آزمائش میں پورے نہ اترے چاہے آخر میں روس کو فتح حاصل ہوئی لیکن مؤرخ سٹالن کی اس ناکامی کو کبھی فراموش نہیں کریں گے یہ ناکامی۔ یہ غلطی لاکھوں بیگناہوں کے خون کی وجہ بنی۔ انالڑے کی اس غلطی نے وہ تباہی نازل کی کہ توبہ ہی بھلی۔

یہاں پھر میں نازیوں اور روس کے معاہدہ کے متعلق ایک بڑی حقیقت کو دہراتا ہوں

یہ کہنا کہ روس نے صرف وقت حاصل کرنے کیلئے نازیوں سے معاہدہ کیا تھا محض ایک فریب غلط بیانی اور جھوٹا پراپیگنڈا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

(۳)

روسی عوام کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے۔ انہیں پھر سے کمر ہمت باندھنے پہ تیار کرنے میں کئی مہینے لگے اور اس دوران میں لوگوں کو جرمن فوجوں کی سنگدلی اور بربریت کا تجربہ ہوتا رہا۔ دو سال سے لوگوں کو بتایا جا رہا تھا کہ ہٹلر روس کا اور اس کا دوست ہے اور ان دو سالوں کے بعد اب انہیں پھر نازیوں کیخلاف لڑنے کیلئے تیار ہونا پڑا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے پہلے کئی ہفتوں میں سرخ فوج کے ڈویژن کے ڈویژن بغیر کسی جدوجہد کے ہی دشمن کے چنگل میں جاتے رہے۔

اگر حملہ آور انسانوں جیسا طرز عمل اختیار کرتے اور سیاسی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیتے تو انہیں اُس گوریلا مزاحمت کا مقابلہ نہ کرنا پڑتا جو اب عقب سے دن رات انہیں پریشان کر رہی تھی لیکن جرمنوں نے اپنے نسلی تکبر میں آکر لوگوں کو ہلاک کرنا مارنا پیٹنا غلام بنانا اور عورتوں سے زنا کرنا شروع کر دیا تھا۔

جرمن فوجوں کے حملوں کی وجہ سے بھاگ کر آنیوالے شرنارتھی اور انکے جنگی قیدی کیمپوں سے فرار ہونیوالے قیدی آ آکر جو داستانیں سناتے تھے اُن سے جرمنوں کی زیادتیوں اور مظالم کا پتہ چلتا تھا۔ ہم نے سُنا کہ ظالم نازی کسی بھی آدمی ...... کو انسان نہیں سمجھتے میں اپنے جذبات کی بنا پہ کہہ سکتا ہوں کہ جرمنوں کیخلاف نفرت کے جذبہ نے ہمارے دلوں سے اپنی حکومت کیخلاف نفرت کو نکال دیا تھا۔ ہٹلر کے مظالم نے روس کی حب الوطنی کو اُبھارنے میں اُن اپیلوں سے زیادہ مدد دی جو کہ کریملین کی طرف سے بسل قوم

اور مذہب کے نام پہ کیجا رہی تھیں

اگر لڑائی کہیں کسی جمہوری ملک سے ہوتی جو انسانی قدروں کو پہچانتا ہے، ہمیں آزادی کا سندیش دیتا اور خود مختار قوموں میں کھڑا کرتا۔ یقینی طور پر لڑائی کی کہانی شاید بالکل مختلف ہوتی۔ لیکن روسیوں کو تو صرف اس ظلم و ستم جس سے کہ وہ واقف ہو چکے تھے۔ اور ایک باہر سے آنے والے جبر و تشدد کے نظام میں سے ایک کو منتخب کرنا تھا۔ اگر انہوں نے اپنے وطن کی بنی ہوئی زنجیریں پہنے رکھنے کو ترجیح دی تو اس پہ روسی ڈکٹیٹروں کو کوئی فخر نہ ہونا چاہیئے۔

روس کی تاریخ میں یہ انڈر گراؤنڈ مزاحمت بجا طور پہ سنہری حروف میں لکھی جائیگی۔ یہ مزاحمت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ ہمارے ملک کے لوگ کس قدر حوصلہ مند ہیں۔ کیونکہ اپنے آپ کو حالات کے سانچے میں ڈھال سکتے ہیں۔ اُن کے دل میں اپنے ملک کے تئیں کتنی گہری محبت ہے۔ اور مصیبت کے وقت وہ اپنا ذہنی توازن کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اسے سٹالن شاہی کی مقبولیت ظاہر کرنا جیسا کہ کچھ غیر ملکی کرتے ہیں۔ جتنا غلط ہے اُتنا ہی بیہودہ بھی۔ یہ سچائی تو ضرور تسلیم کیجانی چاہیئے۔ کہ دشمن کے عقب میں خفیہ پولیس یا N.K.V.D نے بہت کام کیا جو کہ گوریلا جنگ میں تربیت یافتہ تھی اور اسکے لئے مسلح تھی۔ اسکے سپاہی جو کہ دشمن کے عقب میں خاص طرح تخریبی کاروائیاں کرنے کیلئے تیار کئے گئے تھے۔ پیراشوٹوں کے ذریعے جرمن فوجوں کی صفوں کے پیچھے اتارے جاتے رہے۔

غیر ملکیوں کو اس کا علم نہیں ۔۔ اور سچائی کا یہ تقاضا ہے۔ کہ اسے ظاہر کیا جائے کہ مافعی یہ سرخ فوج کے پیچھے پسپائی کے راستہ میں روکاٹ ڈالنے والے خفیہ پولیس کے خاص دستے ہوا کرتے تھے۔ یہ دستے

خفیہ پولیس کی گورنمنٹ سیکورٹی فورسز کے جوانوں پر مشتمل تھے۔ یہ دستے فوج کے سیاسی افسروں کیساتھ تعاون کرتے تھے۔ ان کا کام بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو روکنا تھا یہ دستے حکومت کی منظوری کے بغیر ہونیوالی پسپائی کو روکتے تھے انہیں اختیار تھا کہ جو بھی فوجی چاہے کسی بھی مقصد کیلئے بلا اجازت اپنی صفوں کو چھوڑ کر باہر آئے اُسے گولی مار دیں۔ اور وہ اپنے اس اختیار کا استعمال بھی کرتے تھے لیکن عام طور پر مفرور ہونیوالے سپاہیوں کو فوجی ٹریبونلوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔

آہستہ آہستہ ہم بھگوڑوں سے بھرے ہوئے ٹرکوں کے ٹرک جیلخانوں سے نکلتے دیکھنے کے عادی ہو گئے۔ ان کے گرد کانسٹیبلوں کا پہرہ ہوتا تھا شاید انہیں اجتماعی طور پر گولی سے اڑا دینے کیلئے شہر سے کہیں باہر لیجایا جاتا تھا۔ ان کے سر مونڈے ہوتے ہوتے۔ چہروں پر مٹی جمی ہوئی ہوتی۔ گھبراہٹ کے آثار ہوتے اور وہ اپنی پھٹی ہوئی فوجی وردیوں میں ملبوس ہونے کے باوجود شدت سردی کے باعث کانپ رہے ہوتے۔ مجھے فوج سے قریبی تعلق رکھنے والے حلقوں سے یہ پتہ چلا کہ بھگوڑوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

جنگ میں زخمی اور ہلاک ہونیوالے روسیوں کی بھاری تعداد کو لاکھوں مرتبہ روس کی بہادری کی ایک مثال کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے کم از کم ایکبار کریملن کی مجرمانہ غلطی کے ثبوت کے طور پر بھی پیش کیا جانا چاہیئے۔

ماسکو سے لوگوں کا نکاس ماہ اگست میں شروع ہوا اور تقریباً ۱۹۴۲ء کے وسط تک جاری رہا۔ جبتک کہ راجدھانی کیلئے خطرہ ٹل نہ گیا۔ ایک مہینہ تک میں اپنی فیکٹری کو اکھاڑنے اور مشینوں کو یورال بھیجنے کے کام میں مصروف رہا اور اسکے بعد مجھے فوجی ڈیوٹی کیلئے سرخ فوج میں بلا لیا گیا۔

نازیوں کی ہوائی بمباری تیز ہونے پر شہر کی آبادی کا ایک طبقہ خود بخود ہی شہر سے نکل کر بھاگنے لگا۔ افراتفری اور کچھ گرم مزاج لوگ بھاگنے والوں کو بھگوڑے اور بزدل

ہونیکا طعنہ دیتے تھے۔ اس بھاگ دوڑ کیوجہ سے جب ریلوے سٹیشن اور موٹروں کے اڈے مسافروں سے بھر گئے تو ہمیں تشویش ہونے لگی کیونکہ سرکار نے خدا لیسے بزدل لوگوں کو شہر سے نکال لینے کا کوئی انتظام نہ کیا تھا۔

جب مجھے فوج میں لے لیا گیا تو مجھے اس پر خوشی ہوئی کہ اب میں وطن کیلئے لڑنیوالوں کی صف میں جا پہنچا ہوں میں اسی جگہ آ نا چاہتا تھا۔ ستمبر کے شروع میں فوجی بھرتی کے مقامی کمیشن نے مجھے امتحان کیلئے حاضر ہونیکی ہدایت کی میں نے جب پہلے پہل اپنے آپکو جنگ کیلئے والنیٹر کیا تھا اُس واقعہ کو کافی عرصہ ہو چکا تھا۔ بیگیبدف اور مانٹو روغت نے سمجھ لیا تھا کہ اب اس آدمی سے چھٹکارہ نہیں مل سکتا۔ لیکن مجھے امتحان کیلئے طلب کئے جانے پر انہیں خوشی ہوئی۔ امتحان کے بعد میرا طبی معائنہ ہوا جس پر صرف دو منٹ لگے مجھے ماسکو سے ۲۰ میل دور بالشیفو کے والد انجینئرنگ کالج میں بھیج دیا گیا پہلے بھی میں کیپٹن کے عہدہ پر فوج میں رہ چکا تھا۔ اب پھر مجھے وہی عہدہ دیدیا گیا مجھے ایک خاص ڈویژن میں جگہ دیگئی جس میں کہ اعلےٰ عہدوں کیلئے افسر تیار کئے جاتے ہیں اس کالج میں سینکڑوں دوسرے انجینئروں کیساتھ میں نے ملٹری انجینئرنگ اور سبوٹیج لڑائی کے سلسلہ میں کورس پڑھنا شروع کر دیا۔

چونکہ بالشیفو راجدھانی سے بہت نزدیک تھا اسلئے مجھے اور ارینا کو علیحدگی کا کوئی احساس نہ ہوا۔

* * * *

باب نمبر ۲۲

ماسکو میں خوف وہراس

بالشیفو میں مجھے پارٹی آرگنائزر بنا دیا گیا جس کی وجہ سے کالج میں پڑھنے والے تمام افسروں سے میں سیاسی طور پر سب سے بڑی پوزیشن حاصل کر گیا تمام فوجی معاملات میں میں کرنل فار فارکن اور ان کے ماتحت افسروں سے ہدایات حاصل کیا کرتا تھا۔ ہمارے ملک کی بڑھتی ہوئی بدحالی ہم سب کو ایکدوسرے کے قریب لے آئی تھی۔

دل سے میں اسوقت کی حکومت کا کٹر دشمن تھا۔ مجھے اس کے مظالم کا تجربہ تھا اور اب اس کی نااہلیت کے جو ثبوت ہمیں مل رہے تھے۔ انہوں نے اس تجربہ کو اور بھی زیادہ بااثر بنا دیا۔ ہٹلر کے ساتھ سٹالن کا سودا — وہ "حقائق پسندی" جو تباہ کن ثابت ہوئی۔ اتنا زیادہ شرمناک تھا کہ اُس کی یاد سے جنونی سٹالن پرستوں کو بھی ندامت محسوس ہونے لگتی ہے لیکن مجھے اپنے دلیش سے محبت تھی اور اپنے ہموطنوں کے ساتھ گہری ہمدردی نے حکومت کے تئیں دشمنی کے جذبہ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

بالشیفو میں جو ٹریننگ دی جاتی تھی وہ ۲۰۰ سال تک صنعت کو فروغ دینے والی ایک عظیم طاقت تو کجا ایک تیسرے درجے کی قوم کی شان کے بھی شایاں نہ تھی۔ ہمیں پل اور ہوائی اڈے وغیرہ بنانے کے لئے جو اوزار دیئے گئے وہ ۱۰۰ تنے قدیم تھے۔ کہ کلہاڑا اور آری تک ان میں شامل تھی۔ ہم سوچتے تھے کہ اُس اعلےٰ تکنیک کو کیا ہوا۔ جسے کمیونسٹ اپنی تقریروں میں اُچھالا کرتے تھے۔ اس معاملہ پر میں نے اپنے ساتھیوں کو نہایت سخت الفاظ میں نکتہ چینی کرتے اور اپنی حکومت کو گالیاں تک دیتے سُنا۔

مجھے اکثر اوقات ماسکو جانا پڑتا۔ اس لئے وہاں کی بڑھتی ہوئی مایوسی کے ماحول کا مجھ پر اثر ہوتا۔ جوں جوں جرمن آگے بڑھتے، لوگوں کے نکاس میں اضافہ ہوتا توں توں گھبراہٹ اور پریشانی بھی بڑھتی جاتی اور پریشانی بڑھنے کے ساتھ ساتھ پولیس کی سختیوں میں اضافہ ہوجاتا۔ یہ ایک ایسا چکر تھا جس کی وجہ سے خوف وہراس اور لوٹ مار جو کہ نہایت احتیاط سے بیرونی دنیا سے چھپائی گئی۔ ناگزیر ہوگئی۔

ستمبر کے آخری دنوں میں خوف اور بدامنی اپنی انتہا پر پہنچ گئی۔ شہری آبادی کے نکاس کے کام میں جانبداری اور خوش نوازی نے عام لوگوں کے غصے کو اور بھی بھڑکایا۔ اعلےٰ افسروں اور عہدیداروں کے حواریوں کا فرنیچر۔ گھر کا معمولی سامان اُن کے رشتہ دار اور ان کے بچوں کو پڑھانے والی اُستانیاں تک بحفاظت نکال کر بڑے بڑے مکانوں اور بنگلوں میں پہنچا دیگئی تھیں۔ جبکہ دوسری طرف ہزاروں تباہ حال کنبے اپنے سوٹ کیس اور کپڑوں کی گٹھڑیاں لئے ریلوے سٹیشن پر لگے گندے کیمپوں میں خوار ہو رہے تھے۔ وہ یا بس کے لئے جگہ کی تلاش میں تھے یا پھر اس انتظار میں کہ انہیں مشرق کی طرف جانیوالی کسی گاڑی میں پاؤں دھرنے کی جگہ مل جائے۔

ریلوے سٹیشنوں کے گرد جمع ان نکاسیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ زیادہ خوفزدہ، زیادہ پُر شور اور زیادہ بےچین ہوتے جا رہے تھے۔ اُن کے شور شرابے نے شہر کے سکون کو درہم برہم کر دیا تھا۔ اُدھر "اپنے آدمیوں" اور بڑے لوگوں کے گھریلو سامان سے بھری ہوئی کاروں کے قافلے ماسکو سے نکلتے جیسے جان بوجھ کر ان تباہ حال لوگوں کو چڑایا جا رہا ہو۔ جنگ اور خطرہ کے اس ماحول میں مختلف طبقوں کی حالت کے درمیان یہ فرق پہلے سے زیادہ گہرا اور بعید النظر آتا تھا۔

اکتوبر کے پہلے ہفتے میں تو ایسا نظر آنے لگا جیسے راجدھانی میں زندگی تمام پابندیوں سے آزاد ہو گئی ہو۔ ایک آدمی کی طرح ایک شہر بھی ذہنی طور پر ناکارہ ہو سکتا ہے۔ ماسکو میں اُن دنوں ٹرامیں اور اومنی بسیں چلا ضرور کرتی تھیں لیکن خالی۔ دوکانوں میں کوئی سامان نہیں تھا لیکن بھوکے لوگ اُن کے باہر قطاریں بنائے کھڑے رہتے تھے اگرچہ آنٹر نیا کے پاس تمام لوگوں سے زیادہ دولت تھی اور اعلیٰ طبقہ کے ساتھ اُس کے زیادہ تعلقات تھے پھر بھی اکثر اُسے خوراک کی سخت ضرورت رہتی۔ گھروں اور دفتروں میں اب آگ نہیں جلتی تھی۔ پانی اور بجلی سپلائی کم ہو گئی ہے سروسیں اب غیر یقینی ہو چکی تھیں اور کسی بھی وقت بند ہو سکتی تھیں۔

خفیہ پولیس سپریم کورٹ وزارتِ خارجہ متعدد دیگر اداروں اور پارٹی ہیڈکوارٹرز کے دفاتر کی چمنیوں سے دن رات دھواں نکلتا رہتا۔ ہمارے لیڈر تیزی کے ساتھ پرانے ریکارڈ کو ضائع کر رہے تھے۔ وہ سالوں تک سرکار کی طرف سے کئے جانے والے جرائم کے تمام ثبوت ضائع کر دینے چاہتے تھے۔ حکومت مرکز کی ہدایات پر اپنا بوریا بستر باندھ رہی تھی۔ اکتوبر میں جب پہلی برف باری ہوئی تو سرکاری دفاتر میں جلائے جانے والے کاغذات کی راکھ نے اڑ اڑ کر اُس کے صاف و شفاف گولوں کو بدنما بنا دیا۔

ایک رات کو انتہائی خفیہ طور پر پولیس والے وہ صندوق ٹرک میں ڈال کر لے گئے جس میں کہ لینن کی لاش ریڈ سکوئر کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی تھی اس صندوق کو ایک خاص کو رمیں سائبیریا کے شہر ٹائیومن میں لیجایا گیا جہاں کہ یہ جنگ کے خاتمہ تک یعنی ۴ سال پڑی رہی۔ کر یملین اور عجائب گھروں میں پڑی ہوئی دیگر زیادہ قیمتی چیزوں کو بھی ملک کے اندرونی حصے میں پہنچا دیا گیا۔ ماسکو پر بمباری اگرچہ اتنی زیادہ تباہی خیز تو نہ تھی۔ جتنی کہ متوقع تھی۔ لیکن وہ روز بروز زیادہ تیز اور خوفناک ہوتی جا رہی تھی۔

۱۳ اکتوبر کو ہم سب بالشیفو کے جنگلات میں برف پر لیٹ کر ادھر سے راجدھانی کی طرف جانیوالے راستوں کی حفاظت کرنے لگے۔ خیال تھا کہ جرمن فوجیں پیراشوٹ کے ذریعے یہاں اتریں گی۔ درجہ حرارت صفر سے بھی بہت زیادہ نیچے جا چکا تھا اور میں نے صرف ایک گرم بنیان، کینولیس کے بوٹ، ٹوپی اور ایک فوجی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ میرے پاس جو سامان جنگ تھا اس میں صرف ایک ٹریننگ رائیفل اور پسح پح ۳ کارتوس شامل تھے۔ اگرچہ ہم سب افسر تھے۔ لیکن سردی سے بچنے کے لئے زیادہ گرم کپڑے بہت کم لوگوں کے پاس تھے۔ جہاں تک اسلحہ کا تعلق ہے۔ ۵ کارتوس کسی کسی خوش قسمت کے پاس ہی ہوں گے۔ ہیڈ کوارٹر نے ہمیں جو اسلحہ بھیجنے کا وعدہ کیا تھا وہ اب تک ہمیں نہیں ملا تھا۔

برف میں گذارے ہوئے وہ دن اور وہ راتیں جن میں میرے کئی ساتھیوں کو سردی کی وجہ سے بخار ہو گیا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مجھے یاد رہ گئے۔ ضروری کپڑے، ہتھیار اور اسلحہ پاس نہ ہونے سے بھی زیادہ پریشان کن بات یہ تھی۔ کہ "بڑے لوگوں" کے کنبوں اور انکے گھریلو سامان سے بھری ہوئی لاریاں ماسکو سے جاتی ہوئی اب بھی ہمیں نظر آتی تھیں۔ میرے قریب مورچے میں بیٹھے ہوئے ایک افسر

BIBLE COLLEGE LIBRARY 14695

نے ان کاروں کو دیکھ کر کہا۔
"اگر مجھے سرکاری افسروں کو لیجاتی ہوئی کوئی کار نظر آئی تو میں گولی چلا کر اسے چھلنی چھلنی کر دوں گا۔"
"بہتر ہوگا اگر تم اپنی تین گولیاں جرمنوں کے لئے سنبھال کر رکھو" میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

۱۶ کی صبح کو کرنل فارفارکن نے مجھے ماسکو طلب کیا۔ شہر میں خوف و ہراس اپنی انتہا پر تھا۔ ہر جگہ طرح طرح کی جنون آمیز افواہیں پھیلی ہوئی تھیں لوگ کہہ رہے تھے کہ کریملن میں بغاوت ہو گئی ہے اور سٹالن کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اور کہ جرمن فوجیں شہر کی بیرونی بستی خلی میں داخل ہو گئی ہیں۔ گھبرائے ہوئے لوگ یہاں تک کہہ رہے تھے کہ انہوں نے جرمن فوجوں کو پیراشوٹ کے ذریعہ ریڈ سکوئر میں اترتے دیکھا ہے۔

شہر میں فساد اور لوٹ مار شروع ہو چکی تھی۔ سرکاری سٹور اور مال گودام لوٹ لئے گئے تھے۔ عام لوگوں میں یہ خیال پھیل چکا تھا۔ کہ شہر میں اب کوئی حکومت نہیں رہی اور کہ لاکھوں ماسکو نواسیوں کو اُن کی خوراک کا انتظام کئے بغیر اُن کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب انکے پاس ایندھن ہے نہ لڑنے کے لئے ہتھیار ہیں۔ اس خیال کی وجہ سے نظم و نسق مکمل طور پر ٹوٹ رہا تھا۔

سیوائے۔ میٹروپول اور کئی دیگر بڑے بڑے ہوٹلوں اور ریسٹورنٹوں میں خوفزدہ عورتیں اور عام ویشیائیں اُن اعلےٰ سرکاری افسروں کے ساتھ شراب پی کر بدمست ہو رہی تھیں۔ جو کہ ابھی شہر چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔ ان محفلوں میں شراب کے دریا بہہ رہے تھے۔ شاید یہ پارٹیاں اُتنی زیادہ فحش نہ ہوں۔ جتنی کہ بتائی جاتی تھیں لیکن جو قابل نفرت کہانیاں پھیل رہی تھیں اُنہی سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ نظم و نسق

معطل ہو چکا ہے۔

رات ہونے تک میں واپس بالشیفو پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ایک مشتعل ہجوم کو اپنی عمارتوں کے گرد نعرے لگاتے ہوئے دیکھا۔ میری یہاں سے روانگی کے جلد ہی بعد یہاں بھی لوٹ مار شروع ہو گئی تھی، اور پچھلے کئی گھنٹوں سے جاری تھی مقامی آبادی کے علاوہ نواحی دیہات کے کسان بھی لوٹ مار میں حصہ لینے کیلئے پہنچ چکے تھے۔ ہمارے کمانڈنگ افسر غائب ہو گئے تھے۔ فوجی گوداموں کے دروازے توڑے جانے کے بعد کئی افسر بھی کچھ گرم کپڑے حاصل کرنے کے لئے اسی ہجوم میں شامل ہو گئے تھے۔ ہجوم ٹڈی دل کی طرح گوداموں سے کمبل، چادریں، وردیاں، جوتے اناج اور دوسری وہ تمام چیزیں اڑا لے گیا۔ جن کا وہاں سے لیجانا کہ ممکن تھا۔ عمارت اب بالکل خالی پڑی تھی، اندر کا فرش بھی برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ اور کہیں کہیں کچھ چیزیں بکھری پڑی تھیں۔

دریں اثنا ماسکو میں عورتیں مرد اور بچے ریلوے سٹیشنوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ۱۷ اکتوبر کو خوراک کی تلاش میں بھپرے ہوئے ہجوموں نے ایکبار پھر مال گوداموں، منڈیوں اور دوکانوں پہ دھاوا بول دیا۔ پولیس بالکل غیر سرگرم تھی۔ رات دن اور پھر ۱۸ اکتوبر کا بھی کچھ حصہ یہ دھاندلی جاری رہی۔ ہزاروں کمیونسٹوں نے جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایک متروکہ شہر میں گھر گئے ہیں۔ اپنے پارٹی کارڈ پارٹی کا لٹریچر اور سٹالن و دوسرے لیڈروں کی تصویریں ضائع کر دیں۔ میں یہاں اُس حقیقت پہ زور ڈال سکتا ہوں جس کی تصدیق بعد میں ذمہ دار اور باخبر لوگوں نے سینکڑوں مرتبہ کی ہے۔

اور وہ یہ

کہ ۔ اِن دِنوں جرمن بغیر کسی جدوجہد کے ماسکو پہ قبضہ کر سکتے تھے۔ اگر

ہوائی جہازوں سے پیراشوٹ کے ذریعے دو یا تین ڈویژن فوج وہاں اُتار یجاتی تو شہر اُس کے رحم پر ہوتا۔

شہر کی سرحدوں پر تعینات فوجیں اور جلدی میں منظم کی گیئیں مزدور بٹالئنیں۔ غیر تسلی بخش طور پر مسلح تھیں اور اُدھر راجدھانی کے اندر حکومت ختم ہو چکی تھی۔ ہمکی میں، جو پہلا جرمن ٹینک پہنچا اُسے بہت کم مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں سے جرمن فوجیں کیوں پلٹ گئیں؟ یہ ایک ایسا معمہ ہے جسے تاریخ میں صرف جرمنی خود ہی سلجھا سکتا ہے۔ شاید اُنہیں ماسکو کے دفاعی انتظامات کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہو۔ اور اُنہوں نے موسم بہار تک نئی کمک پہنچنے تک انتظار کرنے کا فیصلہ کیا ہو۔ ۱۹ تاریخ کو صبح کے وقت سے ہی حالت کچھ سدھرنے لگی، سائبیریا اور دور مشرقی علاقہ کی تجربہ کار فوجیں ماسکو میں پہنچنے لگی تھیں۔ اور جرمن انکے مقابلہ میں پیچھے ہٹ رہے تھے شاید وہ موسم سرما کے حملہ کے لئے اپنی طاقت جمع کرنا چاہتے ہوں۔

اُدھر بالشیفو میں ہم کو مرکز سے حکم موصول ہوا کہ ہم اس مقام کو خالی کر دیں فوجی ہائی کمان کے حکم کے مطابق ہم نے تمام سیاسی کتابوں فوجی کاغذوں اور قدیم یادگاروں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ ابھی ہم نے نکاس کی تیاریاں مکمل کی ہی تھیں کہ مرکز سے ایک اور حکم آ پہنچا جس میں پہلے حکم کو منسوخ کر دیا گیا تھا۔ لیکن چند دن بعد پھر مشرق کی طرف پسپائی کا حکم دیدیا گیا۔ اور اس پر عمل ہوا۔

انہی دنوں میرے دانتوں میں درد شروع ہو گیا۔ جس کی وجہ سے میری مشکلات اور بھی بڑھ گئیں۔ فوجی ہسپتال میں ایک اُدھیڑ عمر دندان ساز نے میرے ایک دانت کی کھوڑ بھر دی اور مجھ سے کہا کہ جب تک میں اپنی نامعلوم منزل پر نہیں پہنچ جاتا مجھے آرام رہے گا۔ اس سے اگلے ہفتے مجھے جو تجربہ ہوا اُس نے

میرے دکھ کو اُسکی انتہا پر پہنچا دیا۔ اس مہینے میں مجھے ایک سرد اور ضرورت سے زیادہ بھری ہوئی کاریں ۱۷ دن تک سفر کرنا پڑا۔ اور اس کے بعد ربڑ کے تلوں والے کینولیس کے بوٹوں کے ساتھ ۶ دن پیدل چلنا پڑا یہ سارا سفر انتہائی طور پر مشکل اور خوفناک تھا۔ میرے پاؤں پر سوزش ہو گئی تھی اور جسم کا انگ انگ درد کر رہا تھا۔

دور مشرق کی فوجیں جنہوں نے جاپانیوں کیساتھ سرحدی جھگڑوں میں اپنے جوہر دکھائے تھے اور سائبیریا کی فوجیں جو سرد علاقہ کی جنگ میں ماہر تھیں اب حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کیلئے تیزی سے مغرب کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے چھوٹے چھوٹے دستے ٹریننگ کیلئے دریائے وولگا کے ساتھ ساتھ یورال کی پہاڑیوں کو پار کرنے کیلئے بالکل مخالف سمت میں جا رہے تھے اُن میں بیشتر نئے رنگروٹ تھے۔ اس کے علاوہ ان دستوں میں وہ فوجیں بھی شامل تھیں۔ جو کہ مختلف محاذوں سے بھاگ کر آئی تھیں۔ اُن سب کو بھی نئے سرے سے ٹریننگ دے کر پھر سے منظم کیا جانا تھا۔ درحقیقت مزاحمت کی حقیقی تیاریاں اب شروع ہو رہی تھیں۔

جنگی تیاریوں میں اس المناک تاخیر نے جو کہ اُوپر بیان کی گئی ہے۔ ہٹلر کو اتنے زیادہ علاقہ پر قبضہ کر لینے کا موقع دیا۔ جتنے علاقہ پر کہ نپولین اور روس کی تاریخ میں یورپ سے آنے والا کوئی اور حملہ آور نہیں کر سکا تھا۔ ہم سب جانتے تھے کہ لاکھوں کا قتل عام کر دیا جائیگا اور دیگر لاکھوں اشخاص بے گھر اور بے زر ہو کر رہ جائیں گے۔ ہمیں اپنے آقاؤں کی مجرمانہ سست روی کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑے گی لیکن ہمیں یقین تھا کہ بالاخر روس کی منظم فوجیں جنگ کا رُخ پلٹ دیں گی۔ اور ہما لیہ جیسی غلطی کرنے والے لوگ تاریخ کی ستم ظریفی سے اس

کا تمام کریڈٹ لیجائیں گے ۔۔۔

میرا انجینیرنگ یونٹ بھی غیر منظم فوجوں کے اُس بڑے قافلہ کا ایک حصہ بن گیا۔ جو کہ مشرق کی طرف خطرہ کے علاقہ سے باہر ٹریننگ حاصل کرنے کیلئے جا رہا تھا۔ جس کا رین میں بیٹھا تھا۔ اُس میں ایک سٹوو اپنے آخری دموں پہ جل رہا تھا۔ لیکن سردی بہت زیادہ تھی۔ چند ہی دنوں میں ہمارے تقریباً نصف آدمی سردی۔ بدہضمی اور دیگر بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ میری اپنی حالت بھی روز بروز بگڑ رہی تھی۔ دانتوں کے درد نے مجھے تنگ کر رکھا تھا۔

اس طرح ہم نے وہ سفر ۱۷ دنوں میں طے کیا جو کہ عام مسافر گاڑی ۴۸ گھنٹوں میں طے کر لیتی تھی۔ دن میں کئی مرتبہ ہماری گاڑی کو مختلف سٹیشنوں پر "کھڑے سے لائن" میں لگا دیا جاتا تا کہ تربیت یافتہ فوج اور بڑے ہتھیاروں سے بھری ہوئی گاڑیاں بلا روک ٹوک محاذ پر جا سکیں۔ بعض اوقات اس لئے بھی ہماری گاڑی کو گھنٹوں روکے رکھا جاتا کہ وہ سویلین گاڑیاں گذاری جا سکیں جن میں کہ وولگا کے کنارے یا اُس سے بھی دور واقع شہروں میں پناہ لینے کے لئے جا رہے تھے بڑے بڑے افسر اپنے کنبوں اور دوست یاروں سمیت بھرے ہوئے ہوتے تھے

ہمارے متعلق بہت کم بڑے افسروں اور وزیروں کو یہ معلوم تھا کہ انہیں کہاں لیجایا جا رہا ہے۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ ہماری منزل کہاں ہے۔ ہم تاتار ریپبلک کے شہر مینز بلینسک کیطرف جا رہے تھے۔ جس کی راجدھانی ایک قدیم شہر کا غان میں تھی۔ مینز بلنسک دریائے کاما کے کنارے واقع ہے جو کہ دریائے وولگا کا ایک معاون دریا ہے۔

کا غان پہنچنے سے پہلے ایک جنکشن پر جہاں کہ فوجوں سے بھری ہوئی ایک لمبی

گاڑی کو گذارنے کیلئے ہماری گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی گئی تھی۔ ہمیں باہر نکل کر گھومنے پھرنے کی اجازت دیدی گئی کئی ساتھی افسروں کے ہمراہ میں گھومتا گھومتا ایک قریبی جنگل میں پہنچ گیا جہاں کہ درختوں کو گرایا جا رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جنگل کاٹنے کے کام میں مصروف مرد اور عورتیں جن کی حالت بہت خراب نظر آتی تھی روسی نہیں تھے۔ اگرچہ سب نے روسی ڈھنگ کے جوتے پہن رکھے تھے لیکن ان کے کپڑے صاف طور پر غیر ملکی نظر آتے تھے اُن پر دُھول اور میل دونوں کی تہ جمی ہوئی تھی۔

ہم نے ایک پولیس پہریدار سے اُنکے متعلق دریافت کیا تو اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ سب کے سب غیر ملکی تھے اُن میں سے کچھ لیتھونیا۔ کچھ الیسٹونیا اور کچھ پولینڈ کے باشندے تھے کچھ یہودی تھے۔ انہیں روس اور جرمنی کے معاہدہ کے مطابق روس کے قبضہ میں آنیوالے علاقہ سے سزاوار دشمنی کے الزام میں جبری محنت کے کیمپوں میں یہاں بھیجا گیا تھا۔ اور وہ ایسے دو لاکھ ناپسندیدہ اشخاص میں سے تھے جنہیں کان علاقوں سے یہاں لایا گیا۔ ہم کچھ پژمردگی اور طبیعت پر کچھ بوجھ لئے واپس اپنی گاڑی میں آ گئے۔ نازی ازم کے ساتھ اس سودے بازی کی یاد بھی روسیوں کیلئے تکلیف دہ تھی

ہمارے سفر کی پہلی منزل اگرنہ نام کا ایک سٹیشن تھا جہاں کہ ہم ۷ ویں دن اُترے ہم نے ایک کھنڈر نما عمارت میں جہاں کہ کبھی ایک سکول ہوتا تھا ڈیرے ڈالدیئے۔ دوسرے دن صبح ہمیں ہدایت کی گئی کہ ہم چھ دن کے اندر اندر مینز ملنک میں ڈیوٹی پر پہنچیں۔ اب ہمارے لئے مسئلہ یہ تھا کہ وہاں آسانی کے ساتھ پہنچا کیسے جائے۔ ہم نے چھ دنوں میں پیدل ہی مینز ملنک پہنچنے کا فیصلہ کیا اور سوچا کہ راستہ میں کسانوں سے یاری گانٹھ کر ہم کچھ سفر ان کی گاڑیوں میں طے کر لینگے چنانچہ ہم نے اپنے آپ کو کچھ گروپوں میں بانٹ لیا اور ہر گروپ کا لیڈر ایک ایک

پارٹی عہدیدار کو مقرر کر دیا۔
ہمارے گروپ میں کل بارہ آدمی تھے اور ہم اس کوشش میں کہ ہمیں سردی محسوس نہ ہو۔ تیزی سے چلنے لگے۔ ہمارے ہتھیار اور چھ دن کا راشن ملکر ایک بڑا بوجھ بن گئے تھے اور ہر قدم آگے بڑھنے کے ساتھ یہ بوجھ زیادہ بھاری ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میرے کینوس کے بوٹ جن کا تلا ربڑ کا تھا برف پر چلنے کے کام نہیں آسکے تھے۔ اس لئے تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے تکلیف دینے لگے اب ہر قدم سے میرے جبڑوں میں دھمک ہوتی تھی۔ لیکن اچانک کسی نے ایک لوک گیت گانا شروع کر دیا۔ گیت خالص روسی زبان اور روسی ماحول کا تھا۔ اس میں تڑپ تھی سوز تھا۔ اور اس لئے اس گیت نے ہمارا تھکاوٹ کا احساس قدرے کم کر دیا۔

تیسرے دن شام کو ہم دریائے کاما کے کنارے واقع ایک چھوٹے سے قصبہ کراسنی بور میں پہنچے میری حالت ابتک بہت ابتر ہو چکی تھی پاؤں کی انگلیاں برف سے چھو چھو کر جم سی گئی تھیں۔ پاؤں پھٹ گئے تھے۔ اور جسم میں ناقابل برداشت درد ہو رہا تھا۔ اور دانتوں کے درد سے چیخیں نکل رہی تھیں ساری رات میری آنکھ نہ لگ سکی۔ صبح برف کا طوفان چلنے لگا۔ ٹھنڈی ہوائیں جسم کو چیر رہی تھیں۔ اور اس حالت میں ہی میں کراسنی بور سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ڈسٹرکٹ ڈسپنسری میں گیا۔ نام اس کا چاہے ڈسٹرکٹ ڈسپنسری تھا لیکن وہاں پہنچکر درشن چھوٹے پائے۔ لکڑی کے بنے ہوئے چند کھوکھے اس ڈسپنسری کی عمارت ---------------- اور ایک ادھیڑ عمر لیڈی ڈاکٹر اسکی انچارج تھی۔ میری حالت کو دیکھ کر وہ بہت دکھی ہوئی کیونکہ اس کے پاس ایسی بہت کم ادویات تھیں جن سے کہ وہ میرا کوئی علاج کر سکتی۔

"تمہاری ہڈیوں پر سوزش ہے" میرے جسم کا بغور معائنہ کرنے کے بعد اُس نے کہا۔ "دانتوں کا زہر تمہارے سارے جسم میں پھیل گیا ہے۔ تمہیں جلد سے جلد میز۔ بلنسک پہنچ کر علاج کے لئے ہسپتال میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ یہاں میں بے بس ہوں"

"لیکن آپ زہر والے دانتوں کو تو نکال سکتی ہیں نہ؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں میرے پاس اوزار نہیں ہیں۔ جو کچھ ہیں بھی وہ کم از کم دس سال پرانے ہیں اور یقیناً آجکل فضول ہیں۔ اس کے علاوہ میرے پاس ایسا ٹیکہ بھی نہیں جسے لگا کر دانت نکالا جاتا ہے" اُس نے جواب دیا۔

مَیں اُس پر زور ڈالتا رہا کہ وہ میرے دانت نکال دے اور بالآخر اُسنے میرے پھولے ہوئے مسوڑھے کو کاٹ کر ایک پرانے اور بگڑے ہوئے پلاس کے ساتھ دانت نکال دیئے۔ اس میں ۱۵ منٹ لگے اور ان ۱۵ منٹوں میں میری جو حالت ہوئی اُسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد میں ایک کوچ پر لیٹ کر تقریباً ایک گھنٹہ آرام کرتا رہا اور پھر تھوڑی سی شراب گلے میں انڈیل کر ٹالیں کراسنی لور پہنچا۔ تکلیف دینے والے دانت نکل جانے کی وجہ سے اب میرے ذہن کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا تھا۔ تکلیف بھی کم تھی۔ کراسنی لور سے ہم چلے اور راستہ میں اپنے یونٹ کے کئی دوسرے کمرہ بیلوں کے ساتھ ملتے ملاتے چھٹے دن میز۔ بلنسک پہنچ گئے۔

یہ ایک تاتاری قصبہ تھا۔ تنگ و تاریک گلیاں اور مشرق کی امتیازی خصوصیات اس بات کی آئینہ دار تھیں کہ یہ تاتاری قصبہ ہے۔ ہمیں ایک سکول کی پرانی عمارت میں ٹھہرایا گیا۔ جہاں نہ روشنی تھی نہ پانی تھا۔ لوہے کے کئی سٹوو منگوا کر جلائے گئے لیکن ان سے اندر کی سردی کم نہ ہوئی

عملی طور پر

یونٹ کے تقریباً سبھی آدمیوں کا خون منجمد ہوئے جا رہا تھا۔ پاؤں پھٹے ہوئے تھے۔ اور کئی آدمیوں کے پیروں سے تو خون تک بہنے لگا تھا۔ میں اتنا زیادہ تھک چکا تھا کہ اب میرے لئے اُٹھکر چلنا بھی محال تھا۔ جسم کے انگ انگ میں درد تھا۔ اور میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ میرے جسم کے تمام وصلوں پر سوزش ہو گئی ہے۔

دو دن تک میں اسی پُر درد حالت میں گھاس پھوس کے بستر پر پڑا رہا۔ تیسرے دن مجھے بیز بلینک کے ملٹری ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔ مجھے زور کا بخار چڑھ آیا تھا۔ کچھ دن بعد درد کم ہوا تو میں چارپائی پر سے اُٹھنے چلنے اور اپنے گرد و نواح کو دیکھنے کے قابل ہو سکا۔ ایک لیڈی ڈاکٹر جس کے نقش و نگار اچھے تھے۔ اور جس کی آنکھوں سے مہربانی ٹپک رہی تھی۔ میرا ٹمپریچر لینے میں مصروف تھی۔ "تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے کامریڈ کرافنیکو" مجھے یقین دلاتے ہوئے مسکرا کر اسنے کہا "جونہی تم سفر کرنے کے قابل ہو سے تمہیں علاج کرانے کیلئے واپس ماسکو جانا پڑے گا۔ تب تک ہم سے جتنا ہو سکیگا ہم تمہیں آرام پہنچانے کی کوشش کرینگے۔"

چند ہفتے بعد ایک رات کو ۱۲ بجے سے کچھ پہلے ایک نوکر جلتا ہوا لیمپ لے کر ہمارے وارڈ میں آیا۔ چند منٹ بعد لیڈی ڈاکٹر اندر آئی۔ وہ نہ صرف سویلین کپڑوں میں تھی بلکہ اُس نے کچھ بھڑکیلا لباس پہن رکھا تھا۔ اُس کے سیاہ بال جو عام طور پر پیچھے کی طرف کس کر باندھے ہوئے ہوتے تھے۔ آج ایک نئے فیشن سے بنائے ہوئے تھے اور ماتھے کے اوپر تک ان کا اُبھار نظر آتا تھا۔ وارڈ کے مریض کہنیوں کے سہارے اُٹھ اُٹھ کر حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ جب اُس نے میٹ کی کچھ پلیٹیں اور پھلوں کے رس کا برتن لا کر کمرے میں رکھا تو میں نے کچھ ایسا بھی محسوس کیا۔ جیسے

اُس نے کوئی خوشبو لگا رکھی ہو۔

"نیا سال مبارک۔ نیا سال مبارک" مسرت بھری آواز میں اُس نے کہا اور جب اُس نے ہماری حیرانی کو دیکھا تو کچھ پریشان ہو کر بولی۔

"میں نے سوچا ہے کہ شاید ایک بار آپ کسی عورت کو عورت کے لباس میں دیکھنا پسند کریں گے۔ میرا مطلب ہے... کہ آج چونکہ نوروز ہے اس لئے شاید اس سے آپکو اپنا گھر یاد آجائے"

میری نگاہوں کے لئے یہ نئے سال کا ایک حیرت انگیز تحفہ ہے" ہمارے کمشنر نے پُر جذبات لیکن دھیمی آواز میں کہا۔

"میری بیوی نے جو گاؤں میں رہتی ہے کبھی ایسا لباس نہیں پہنا" بوڑھے کسان سپاہی نے کہا "لیکن الوگنا فلیپا میر فنا۔ اس تحفہ کے لئے تمہارا شکریہ۔ اور ہاں نئے سال کی مبارک"

اِسی طرح دن گذرتے گئے اور ماہ جنوری کے آخر میں ملٹری ہسپتال سروس کے ایک کمیشن نے مجھے مزید علاج معالجہ کے لئے واپس ماسکو بھیجنے کا حکم دیدیا۔ راجدھانی میں مجھے کسی ہسپتال میں تو داخل نہیں کیا گیا۔ البتہ مجھے ہر روز ایک شفا خانے میں جانا پڑتا تھا یہ سلسلہ جاری تھا۔ ان دنوں میرے کھانے وغیرہ کا انتظام سُرخ فوج کے سنٹرل آفیسرز ہوم میں تھا۔ اگرینا کی محبت آمیز نگرانی میں میری حالت تیزی سے سدھرتی گئی۔ شفا خانہ کے انچارج جس نے جب مجھے چھٹی دی اور ساتھ یہ سفارش کر دی کہ میں طاقت بحال کرنے کیلئے کچھ عرصہ آرام کروں تو میں مزید احکام لینے کے لئے متعلقہ کمیشن کے پاس پہنچا۔ یہاں رسمی طور پر دوسنٹ کے لئے میرا امتحان لیا گیا۔ اور اس کے بعد کمیشن نے مجھے کام کے قابل قرار دیدیا۔ میرے سنئے کاغذات یہ ظاہر کرتے تھے کہ مجھے محاذ جنگ

پر بھیجا جائیگا۔

میں نے آئرینا کو الوداع کہی، ذہن میں یہ خیال لئے ہوئے کہ اگر میں پھر اُسے مل بھی سکا تو کم از کم ابھی کافی عرصہ تک نہیں مل سکوں گا۔

لیکن جب میں وزارتِ افواج کے دفتر میں حاضر ہوا تو مجھے بتایا گیا کہ ابھی ابھی ایک نیا حکم جاری کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ اعلےٰ ٹیکنیکل تعلیمیافتہ لوگوں کو ہوم فرنٹ پر صنعتی کام کو تیز کرنے کیلئے محاذ پر جانے سے مستثنےٰ قرار دیدیا جائیگا۔ یہ حکم بہت ہوشمندانہ تھا۔ پھر بھی میں نے ایسا محسوس کیا جیسے مجھ سے ایوگنا فلیڈ لمیرفنا، کسانوں، ماہی گیروں، مزدوروں اور میرے ساتھی انجنیروں کیلئے اپنی جان کی بازی لگانے کا موقع چھین لیا گیا ہو۔ وہ میرے ہم وطن تھے۔ درحقیقت میرا دلیش تھے جو کہ نئی سیاست اور نئے آدرشوں کے تجربہ میں سے گذر رہا تھا۔

٭ ٭ ٭ ٭

(۳۷)

۱۳۰ برس پہلے نیپولین کے حملے کے بعد ماسکو کا اس برس کا موسم سرما شاید بدترین تھا۔ حملہ آور شہر پر قبضہ کرنے میں ناکام رہے تھے۔ روس کی منجمد سطحوں پر مکھیوں کی طرح بیٹھے ہوئے حملہ آور زبردست سردی کے سبب بھاری تعداد میں مر رہے تھے۔ پسماندہ اور غریب ملک بلقان میں بھی جرمن سپاہی کسی حد تک زندہ رہ سکتے تھے۔ لیکن برف سے ڈھکے ہوئے روس میں تو فاتح فوجوں کیلئے دن کاٹنے بھی مشکل ہو رہے تھے۔ مفتوح روسی عوام کو فاتح فوجوں کی ان مشکلات کو دیکھ کر قدرے تسلی اور آرام ملتا تھا۔

میں راجدھانی میں واپس آیا تو دیکھا کہ وہاں بجلی کا انتظام ٹوٹ چکا ہے۔ لوگ بھوکے ہیں۔ شہر دشمن کی بمباری سے تباہ ہو چکا ہے اور کہر کی تہ اب بھی جمی ہوئی ہے۔ شہر میں زندگی کے آثار ختم ہو چکے تھے۔ اور لوگ بے حس نظر آتے تھے جب تک حملہ کا خطرہ ختم ہونے کا سگنل نہ ہو جاتا۔ لوگ پناہ گاہوں میں چھپے رہتے۔

سرکاری طور پر لوگوں کو جو راشن دیا جاتا وہ انسان کے زندہ رہنے کے لئے ناکافی تھا۔ لیکن راشن کی دکانیں اتنا کم راشن بھی سپلائی نہ کر سکتی تھیں بھوک اور سردی اب دشمن سے بھی بڑا خطرہ نظر آنے لگیں۔ ابھی جنگ شروع ہوئے ۸ یا ۹ ماہ ہی ہوئے تھے لیکن ادھر ایک عظیم ملک کی راجدھانی میں یہ حالت پیدا ہو گئی تھی کہ لوگ آلو کی بنی ہوئی روٹی کھانے پر مجبور تھے۔ وہ اپنے کتوں، بلیوں اور ان کوؤں تک کو ذبح کر کے اپنا پیٹ بھر رہے تھے جنہیں کہ وہ پکڑ پاتے۔ جنگی تیاریوں پر یہ تبصرہ بھی کتنا زیادہ دکھدائی ہے۔

انیزنا کا وزن کم ہو گیا تھا۔ جب سے اسے اپنے دفتر میں ایک وقت کا کھانا ملنے لگا تھا وہ اپنا راشن زیادہ بدقسمت بھائیوں کو دینے لگ گئی تھی ہمارے کمرے میں آگ نہیں تھی۔ اس لئے ہم نے اندر سویٹر اور اوپر بڑے کوٹ پہن کر اوپر سے کمبل اوڑھ رکھے تھے۔ اکثر اوقات وہاں بجلی نہیں ہوتی تھی اور پانی کی سپلائی کا سسٹم بھی ٹوٹ جاتا تھا۔ بعض اوقات کئی کئی دنوں تک پانی کے نلوں میں پانی منجمد رہتا۔

زندگی بہت مشکل اور بے لطف ہو گئی تھی۔ ماسکو ۲۵ سال کی نوکر شاہی دھاندلی اور سیاسی نادوراندیشی کی قیمت ادا کر رہا تھا۔

پارٹی کمیٹی کے ذریعے سے مجھے بھوم ٹرسٹ کا انجینئر بنا دیا گیا۔ جو کہ ۹ مختلف فیکٹریوں کو کنٹرول کرتا تھا۔ ان فیکٹریوں میں زیادہ تر وہ فیکٹریاں

تھیں۔ چونکہ محاذ جنگ پر سامان مہیا کرنے کیلئے کام کم ہی تھیں۔
ایک دن صبح پر روم ٹرسٹ میں مجھے اپنی میز پر یہ پیغام پڑا ہوا ملا کہ میں فلاں نمبر پر آج ضرور ٹیلیفون کردوں چنانچہ میں نے اس نمبر پر ٹیلیفون کیا اور اپنا نام بتایا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آہا کرافنیشکو۔ ہاں تو آپ۔ آر۔ ایس۔ ایف۔ ایس۔ آر کے سوفنارکوم میں ٹھیک بارہ بجے ضرور پہنچیئے۔ پاس لئے ایک آدمی آپ کا انتظار کر رہا ہوگا"

آر۔ ایس۔ ایف۔ ایس۔ آر۔ دشین سوویٹ فیڈ ریٹڈ سوشلسٹ ری پبلک روس کی تمام جمہوریتوں سے بڑی جمہوریت ہے۔ اگر باقی تمام جمہوریتوں کو یکجا کر دیا جائے۔ تب بھی یہ ان سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ روس میں جمہوریتوں کی نام نہاد خود مختاری محض ایک پاکھنڈ ہے۔ درحقیقت انہیں امریکہ کی ریاستوں جتنی بھی آزادی نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک آر ایس ایف ایس آر کا تعلق ہے۔ اس کی خود مختاری فریب نہیں۔ اس کا سوفنارکوم ساری یونین کے سوفنارکوم جتنا ہی ہے۔ اس کی راجدھانی ماسکو ہے اور اسکی تمام سرگرمی دراصل روسی حکومت کی سرگرمیوں سے ہی وابستہ ہے۔ دوسری جمہوریتوں یا پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کی طرح اس کی اپنی کوئی خفیہ پولیس نہیں۔ دوسرے لفظوں میں آر ایس ایف ایس آر۔ اگر آئینی طور پر نہیں تو کم از کم عملی طور روس میں شامل ہونے کے باوجود اس کے برابر کی ایک ریاست ہے۔

ویٹنگ روم میں کچھ انتظار کے بعد ایک لیڈی سیکرٹری مجھے سوفنارکوم کے نائب صدر کامریڈ اینڈریو آئیگنا لیوچ ؟ٹکن کے کمرے میں لے گئی۔

انہوں نے اشارے سے مجھے بیٹھ جانے کیلئے کہا۔ پھر مجھ پر کئی طرح کے سوالات کئے اور کئی تقریریں جھاڑیں۔ روسی طریقہ کار کے مطابق ہم سب

اپنے ہی متعلق دوسرے کی تقریریں سننے کے عادی ہو چکے تھے اپنے متعلق میں نے انہیں سب کچھ بتایا۔ کوئی چیز اپنی کوئی خامی چھپا نہ رکھی۔ جیسے کہ میں اپنے متعلق نہیں بلکہ اپنے کسی ایسے واقفکار کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ جس کے معاملات سے مجھے محض دوستانہ دلچسپی ہو۔ ۳ گھنٹے بعد اُٹکن نے اپنے سیاہ بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے مجھ پہ گہری نظر ڈالی اور اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

" تم سوفنارکوم کیلئے کام کرنا پسند کرو گے ؟ "

"اس کا انحصار کام پہ ہوگا" ۔ میں نے جواب دیا ۔

" دراصل ہمیں اپنی فوجی صنعت کے محکمہ کیلئے ایک انجنیئر کی ضرورت ہے جو اس سارے محکمہ کو سنبھال سکے ۔ اور ساتھ ہی پارٹی کا ممبر بھی ہو۔ تم اسس آسامی کو پر کر سکتے ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ معاملہ آج ہی طے ہو جائے گا۔ مجھے ابتدائی اقدامات کے لئے تمہاری رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت ہے " کامریڈ اُٹکن نے اُسی طرح مجھے گھورتے ہوئے کہا ؛۔

میں نے رضامندی ظاہر کر دی اور مختلف اقسام کے کئی فارم بھر کر انہیں دیدیئے ۔ چند دن بعد مجھے آر۔ ایس۔ ایف۔ ایس آر سوفنارکوم کے چیئرمین کی خدمت میں حاضر ہونے کی ہدایت کی گئی۔ اُن کا نام کانسٹنٹائن ہیمفیلوف تھا اور وہ سٹالن کے گرد رہنے والے اُن کے ساتھیوں میں سے ایک اہم شخصیت تھے۔ اُن کا شاندار دفتر حکومت کی گدی۔ آئل پینٹ سے بنی ہوئی سٹالن کی تصویریں یہ سب ظاہر کرتی تھیں کہ وہ اُٹکن سے بڑے عہدہ پر ہیں۔ فرنیچر اور دوسرا سامان بھی اُٹکن کے دفتر سے زیادہ خوبصورت اور شاندار تھا۔

یہاں پھر مجھے متعدد سوالات کے جواب دینے پڑے۔ میرے متعلق

خاص رپورٹیں اُن کی میز پر پڑی ہوئی تھیں۔

"کامریڈ کرافشینکو!" سونارکوم کے چیئرمین نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا، "تم ذمہ دار عہدوں پر رہے ہو۔ لیکن سرکاری محکموں میں کام کرنا ذرا مختلف ہوتا ہے۔ ہم پارٹی کے خادم ہیں۔ اور سرکار کے کسی محکمہ میں کام کرنا۔ دوسری سب باتوں کو چھوڑ بھی دیا جائے تو۔ پارٹی کا کام ہے۔ پارٹی ہی تو ملک پر حکومت کرتی ہے"

انہوں نے اپنی بات ختم کی تو میں نے اُنہیں یقین دلایا کہ میں یہ سب باتیں سمجھتا ہوں۔ میری یقین دہانی کے بعد پیمفیلوف نے اپنے اسسٹنٹ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کامریڈ اُٹکن۔ کوئی جواب ملا؟"

"ابھی نہیں ملا۔ کامریڈ پیمفیلوف" اُٹکن نے جواب دیا۔

اور یہ جواب سُن کر پیمفیلوف نے اپنے میز پر پڑے ہوئے بہت سے ٹیلیفونوں میں سے ایک کا رسیور اُٹھایا اور ایک نمبر گھما کر بولے۔

"پیمفیلوف بول رہا ہوں۔ کرافشینکو کے معاملہ کا کیا بنا؟"

یہ کہکر وہ ۲، ۳ منٹ تک خاموش رہے۔ کمرے میں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ اس ساری بات چیت سے ایسا ظاہر ہوتا تھا۔ کہ دوسری طرف کوئی آدمی کسی چیز کو تلاش کر رہا ہے۔

"ہاں .... ہاں ...." آخر پیمفیلوف نے پھر جواب دیا۔ "کوئی اعتراض نہیں۔ ٹھیک ٹھیک .... بہت اچھا"

یہ کہہ کر اُنہوں نے رسیور رکھ دیا۔ مجھے اس بارے میں کوئی شک نہ تھا۔ کہ اُنہوں نے خفیہ پولیس کے محکمہ کو فون کیا ہوگا۔ جن کی منظوری کے بغیر کوئی اعلے سرکاری عہدہ پر نہیں کیا جا سکتا۔

"بہت اچھا، کامریڈ کرافشینکو" میری طرف مخاطب ہوتے ہوئے کامریڈ یمفیلوف نے کہا" اب تم جا سکتے ہو۔ سارا معاملہ تیار ہو جانے پر تمہیں مطلع کر دیا جائیگا"

مجھے اس عہدہ میں فائز کر دیا گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد پارٹی کی سنٹرل کمیٹی نے مجھے اس عہدہ پر مستقل کر دیا۔ میں نے سوفنارکوم کے سپیشل ڈیپارٹمنٹ کو تحریری طور پر یہ حلف نامہ دیدیا کہ میں کسی بھی حالت میں کبھی بھی اس ادارے کے کام کے متعلق کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ اس کے بعد مجھے آٹلکن کے بعد دوسرے نمبر کے اس عہدہ کا چارج دیدیا گیا۔ تاہم میری ذمہ داری آٹلکن سے قدرے کم تھی۔ میرے دفتر کو آنے والی گیلری کے دروازہ پر خفیہ پولیس کا ایک خاص افسر ہر وقت پہرہ دیتا رہتا۔ میرے ویٹنگ روم میں دو لیڈی سیکرٹریاں آنیوالے مہمانوں کا سواگت کردیں۔ لفظ کے اصطلاحی معنوں میں میں اب حکومت کا رکن تھا۔ مجھے ایک سرخ کارڈ ملگیا۔ جس پر سنہری پھول بنا ہوا تھا۔ یہ کارڈ میرے حکومت کا رکن ہونیکا نشان تھا۔ اور اس لئے مسحور کن خاصیت کا حامل۔

یہ مئی ۱۹۴۲ء کی بات ہے۔ جبکہ جرمنوں کا نیا حملہ شروع ہی ہوا تھا۔ اور ہٹلر کی فوجیں ایکبار پھر آگے بڑھنے لگی تھیں۔ بعد میں یہی فوجیں میرے آبائی صوبہ یوکرین کو روندتی ہوئی کاکیشیا میں سے ہو کر دریائے وولگا کے کنارے سٹالن گراڈ تک جا پہنچیں۔

* * * * *

باب نمبر ۲۳

کریملین - جنگ کے دنوں میں

روسی زبان کا ایک لفظ ہے VLAST - "طاقت" اسکے معنے ہیں
--- حکومت، اعلےٰ ترین اختیار - لیکن روس میں اس لفظ کا مطلب
اور بہت کچھ بھی لیا جاتا تھا - جیسے سٹالن، پولٹ بیورو، خفیہ پولیس،
سٹالن کے منظورِ نظر آخر الذکر سرکاری افسر ہوں چاہے بغیر خطاب کے سٹالن
کے درباری - انہیں وہی پوزیشن حاصل تھی - جب کوئی عام شہری یہ لفظ استعمال
کرتا تو اس لفظ میں سے "ہمارے آقاؤں" کے تنبیں - نفرت کا جذبہ اور اُن
کے نام سے دہشت پیدا ہونے کا احساس ---- ٹپکتا تھا - اور ایسا
دکھائی دیتا تھا - کہ "آقاؤں" اور عوام کے درمیان بہت بڑی خلیج پیدا ہو چکی ہے
سو خنار کوم میں میں اسی ولاسٹ - طاقت کی بلٹ ہی پر بیٹھا ہوا تھا -
اور پہلی بار یہاں کے زاویہ نگاہ سے اس لفظ کے معنوں پر نظر دوڑا رہا تھا -
اب میں سمجھ سکتا تھا کہ یہاں بیٹھنے والے لوگ کتنی بے رحمی سے عام لوگوں کی
زندگی میں ہلچل مچاتے رہتے ہیں - اس کے رُخ پلٹتے رہتے ہیں - اور اسے ختم کرتے

رہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ نہیں اپنے بلانوں اپنے تجربوں اور اپنی غلطیوں میں خام مال کو ضائع کرنے کی عادت ہے۔ اچانک میں نے اپنے آپ کو ایسے لوگوں میں پایا جو کہ بھوکوں مرتے ہوئے لوگوں کو سامنے دیکھ کر بھی پیٹ بھر کر اعلیٰ خوراک کھا سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ اسے درست اقدام مانتے ہیں۔ اس میں کوئی برائی محسوس نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ وہ تاریخ کا کوئی فرض بجا لا رہے ہیں۔

ساتھ ہی مجھے اپنی اہمیت کا بھی کچھ کچھ احساس ہو رہا تھا۔ اسلئے میں اکثر خاموش ہی رہتا تھا۔ کسی آدمی کی مہربانی نے مجھے ایک دم اونچا اٹھا دیا تھا۔ مجھ سے اوپر بیٹھے ہوئے لوگ قلم کی ایک جنبش سے مجھے اس مقام سے ہٹا سکتے تھے اور ان سے اعلیٰ لوگ انہیں کسی بھی وقت بغیر وارننگ دیئے دھکا دیکر نیچے گہرائی میں گرا سکتے تھے۔ پولٹ بیورو کے کسی عہدیدار یا سٹالن کے کسی منظور نظر کی موجودگی میں میں پیفیلوف اور اٹکن کو کانپتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ انہیں جیبڑا سیوں کی طرح موٹی موٹی گالیاں دی جاتی تھیں اور انکے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا جاتا تھا۔ ڈکٹیٹر شپ میں جہاں ایک طرف غیر محدود طاقت ہوتی ہے۔ وہاں دوسری طرف بے پناہ خوف بھی ہوتا ہے۔

ہم میں سے چند لوگ جو "ولاسدٹ" کی نمائندگی کرتے تھے اور جن کی تعداد شاید کل ۳۰ تھی۔ درمیان کے افسروں اور نیچے کے بے شمار ملازموں سے کئی طرح کٹے ہوئے تھے۔ ہمارے دفاتر بالکل الگ تھے۔ لوگ جرح کی طرح ان سے دور دور رہتے تھے۔ اور خفیہ پولیس کے سپاہی نہیں بلکہ افسر اس کے باہر پہرہ دیا کرتے تھے۔ ان شاندار دفاتر کے باہر ویٹنگ روم تھے اور دفاتر کے کمروں میں آنے اور جانے والوں کے لئے دو الگ الگ دروازے ہوتے تھے ہمیں اچھا ناشتہ اور دوپہر کا صحت بخش کھانا ہمارے میزوں پر مفت مہیا کیا جاتا تھا۔ رات

کے کھانے کے لئے ہمیں الگ ڈائننگ روم ملا ہوا تھا۔ جہاں کہ ہمیں یہ کھانا نہایت سستے نرخوں پر ملتا۔ دفتروں کے ساتھ ہی ہمارے منہ ہاتھ دھونے نہانے اور کپڑے بدلنے کا بھی بالکل الگ انتظام تھا۔ اور باہر پہرہ دینے والے پولیس افسر اسبات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ کہ کوئی اور ہمارے لئے مخصوص کمروں میں جانے نہ پائے۔

ایک مرتبہ سوفنارکوم میں ایک سکینڈل کا زبردست شور بپا ہوا۔ بات یہ ہوئی کہ ایک نیا عہدیدار جو ابھی یہاں کے طبقاتی امتیاز سے بے بہرہ تھا۔ اچانک اس منزل پر پہنچ گیا۔ جہاں کہ ہمارے دفاتر واقع تھے۔ سوفنارکوم کا کوئی رکن دفتر سے نکل کر گیا تھا۔ کہ پہریدار قدرے لاپرواہ ہو گیا اور اسی اثنا میں یہ نیا آدمی اندر گھس آیا۔ ٹائیلٹ میں ہونے کے بعد وہ باہر گیا تو خفیہ پولیس کے پہریدار نے اُسے دیکھتے ہی گرفتار کر لیا۔ اور اپنے افسروں کو اطلاع دی۔ اس آدمی کے پاس جو کاغذات تھے۔ ان کی چھان بین ہوتی اور پھر "انقلاب کی ننگی تلوار" یعنی محکمہ سراغرسانی نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ٹائیلٹ اور دوسرے کمروں کی نہایت احتیاط سے تلاشی لیگئی کہ کہیں کوئی ٹائم بم نہ رکھ دیا گیا ہو یا کوئی اور شرارت نہ کی گئی ہو۔ تحقیقات ختم ہونے پر رنگ ساز کو بلا کر ٹائیلٹ اور دوسری جگہوں پر نئے سرے سے رنگ کرایا گیا۔

جہاں تک میری ذاتی زندگی کا تعلق ہے وہ تو شائد اسی قابل تھی کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے لیکن روسی حکومت کے کل پرزے کے طور پر میرے عہدہ پر میری ایک بڑے قومی خزانہ کی طرح حفاظت کی جاتی تھی۔ میری رضامندی حاصل کئے بغیر باہر سے آنے والا کوئی آدمی مجھ سے ملاقات نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے پہلے ملاقاتی کے لئے اپنی مہر اور دستخط کے ساتھ ایک پاس

جاری کرنا پڑتا۔ پھر گیٹ کے پہریدار ٹیلیفون پر مجھ سے اسکی تصدیق کرتے مجھے ایک کوڈ کے ذریعے جسے صرف میں اور پہریدار ہی سمجھ سکتے تھے ، اسکی تصدیق کرنی پڑتی تب کہیں ملاقاتی اندر آسکتا۔ اندر آکر بھی اُسے میرے کمرے تک پہنچنے کے لئے پوچھ تاچھ کا ایک اور امتحان پاس کرنا پڑتا۔ بعض اوقات مجھے پولیس کی طرف سے لاگو کئے گئے اس دوہرے کنٹرول سسٹم کی وجہ سے شرمندہ ہونا پڑتا۔ خاص طور پر جبکہ ملاقاتی کوئی پرانا اور عزیز دوست ہو۔

باہر سے آنیوالے ہر آدمی کے ہمارے دفتر تک پہنچنے کا یہی طریقہ تھا۔ میرے کسی ماتحت کو کسی بھی حالت میں ملاقاتیوں کو پاس جاری کرنیکا اختیار نہیں تھا۔ اگر کوئی ماتحت کسی آدمی کا اندر آنا ضروری سمجھتا ہو تو اُسے پہلے سارا معاملہ مجھے سمجھانا پڑتا تھا۔ اور پھر اگر میں اس آدمی کا اندر آنا ضروری سمجھوں تو اس کے داخلہ کا انتظام مجھے کرنا ہوتا تھا۔

صرف یہی نہیں۔ کریملن پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے ہیڈ کوارٹر اور بعض دوسرے مقامات کی طرح ہمارے یہاں بھی "شطرنج" ـــــــ

ـــــــ شطرنج۔ کا سسٹم جاری تھا۔ اس کا مطلب کسی غدار پہریدار کی طرف سے کسی قاتل کسی جاسوس یا کسی سیاسی منحرف کو اندر لانے کی کسی سازش کا پتہ چلانا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اُن پر اچانک چھاپہ مارنا تھا۔ اس سسٹم کے مطابق کبھی کبھی پولیس کے اعلےٰ افسر تمام پہریداروں کو شطرنج کے مہرے کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیتے جاتے۔ انہیں بغیر وارننگ دیئے اپنی ڈیوٹیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا جاتا اور منظم سکیم کے ماتحت سنٹرل کنٹرول پوائنٹ کا اشارہ پاتے ہی انہیں ان کی ڈیوٹی سے ہٹا کر چلنے کو کہا جاتا اسطرح کوئی پہریدار یہ نہ جان سکتا کہ اسے مقررہ وقت پر کہاں اپنی ڈیوٹی دینی ہے اسطرح کسی غیر منظور شدہ

آدمی کے اندر داخل ہونے کے لئے اگر کچھ باہر والوں نے کوئی سازش کر رکھی ہو تو اسے ناکام بنایا جا سکتا تھا اور پکڑا جا سکتا تھا
مزید احتیاط کے طور پر سیکورٹی افسروں نے یہ پابندی بھی لگا رکھی تھی کہ سوفنارکوم کے عہدیداروں کی موٹر گاڑیوں کے سوا اور کوئی موٹر گاڑی عمارت کے احاطہ میں داخل نہیں ہو سکتی چاہے اس میں کوئی کتنا ہی اہم آدمی کیوں سوار نہ ہو۔ یہاں تک کہ عوام کے نمائندوں کو بھی اپنی گاڑیاں باہر کھڑی کرنی پڑتی تھیں۔ اس طرح سے اس خطرہ کی روک تھام بھی ہو جاتی تھی کہ کہیں کوئی آدمی موٹر کار میں ہی بم رکھکر سوفنارکوم کو نہ اڑا دے۔
لیکن میری عزت اور میرے وقار کا حقیقی نشان یہ حفاظتی انتظامات یا میرا پاس جاری کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک لکڑی کی صندوقچی تھی جو کہنے کو تو ایک عام چیز ہے۔ لیکن روسی حکمرانوں کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہ صندوقچی۔ یا یوں کہیے۔ سیف ایسا تھا۔ جس کی دونوں چابیاں میرے ہی پاس تھیں اس کے اندر بند خفیہ دستاویزات کا میرے اور خفیہ پولیس کے سوا اور کسی کو علم نہیں ہو سکتا تھا۔ طاقت کے اس نشان کی خاص بات یہ تھی کہ مجھ سے اعلیٰ کوئی عہدیدار اسے کھول کر کوئی راز نہیں جان سکتا تھا۔ اس طرح اس سیف کی بدولت میں اپنے اعلیٰ عہدیداروں سے بھی کوئی چیز چھپانے کے قابل تھا۔ روس کے "شاہی خاندان" میں صرف چند لوگوں کے پاس ایسے سیف ہیں جنہیں کہ اپنے سے اوپر والے آدمیوں سے کچھ چھپا کر رکھنے کا اختیار حاصل ہو۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خفیہ پولیس بھی اس سیف کے رازوں سے واقف نہ ہو سارے روس میں ایک ہی ایسا سیف تھا۔ اور وہ ہے سٹالن کا سیف۔
کمرے کی دوسری چیزوں کے درمیان میں پڑا ہوا یہ سیف اس طرح سر اٹھائے

دکھائی دیتا تھا۔ جیسے وہ بھی اور ہر چیز کو اپنے سے ہیچ سمجھتا ہو۔ جیسے اُسے اپنی اہمیت کا احساس ہو۔ اُٹکن اور ہیفیلوٹ نے اگر کبھی مجھ سے کوئی بات کرنی ہوتی تو مجھے اپنے کمرے میں طلب کرنے کی بجائے خود میرے پاس آتے۔ اس سیف پر اُن کی نگاہیں پڑتیں۔ اور وہ بڑی گہری نظروں سے اسکی طرف دیکھتے رہتے۔ وہ بھی سوچتے ہوں گے کہ اُن کے احکام اور زبانی ہدایات کے متعلق میں نے نہ جانے کیا نوٹ لکھ لکھ کر اسمیں رکھے ہوئے ہیں۔

لیکن چونکہ دنیا میں اور کوئی اس سیف کو کھول کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے یہ خفیہ پولیس اور سپیشل ڈیپارٹمنٹ کی چھان بین کا نشانہ بنا رہتا۔ میری غیر حاضری میں کاغذات کا معائنہ کرنے کا انہیں پورا پورا حق تھا۔ اس لئے جب کبھی وہ اس سیف کی تلاشی لیتے انہیں اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ کہ وہ اسے چھپانے کی کوشش کریں۔ اپنے سے برتر لوگوں کو نقصان پہنچانے کا بہترین طریقہ ان دنوں یہی سمجھا جاتا تھا کہ اُن کے خلاف ٹھوس الزامات لکھ کر اس سیف میں رکھ دیئے جائیں۔

سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ اب مجھے گورمنٹ کے نام پہ کوئی بھی کارروائی کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ میرے محکمہ کے ذمہ جو کام تھے۔ ان کے سلسلہ میں آر۔ ایس ۔ ایف۔ ایس۔ آر میں تمام مقامی حکام اور دفاتر میرے کنٹرول میں تھے۔ اور اُن کی رہنمائی میں کرتا تھا۔ میں عوامی نمائندوں کو جو نظم و نسق کے ذمہ دار تھے۔ اور اُن کے ماتحت سٹاف کو اپنے کام کی پوری رپورٹ مہیا کرنے کا حکم دے سکتا تھا۔ اپنے محکمہ کے کاموں کے سلسلہ میں انہیں کوئی بھی ہدایت جاری کر سکتا تھا۔ دن رات میں کسی بھی وقت انہیں اپنے دفتر میں طلب کر سکتا تھا۔ لیکن انہیں اگر مجھ سے کوئی بات کرنا ہوتی تو وہ مجھے نہیں بلا سکتے تھے۔

کسی خاص افسر سے تعاون کرنے یا اُسے بالکل نظر انداز کر دینے کا اختیار بھی مجھے حاصل تھا مجھے اسبات کا علم ہوتا تھا کہ حکومت کی مختلف افسروں کے بارے میں کیا رائے ہے۔ کسے ترقی دیجانی ہے اور کس کی جڑیں کاٹنی ہیں۔ حکومت اور پارٹی کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ کس پہ نزلہ گرنے والا ہے۔ کس کی حوصلہ افزائی ہونے والی ہے۔ ان سب باتوں کا مجھے پہلے سے علم ہو جاتا تھا۔ بعض اوقات ایسے افسر جن کی عام لوگ تعریف کرتے نہیں تھکتے حکومت کی نظروں میں ناپسندیدہ ہوتے اور حکومت کے اندر رہنے والے میرے جیسے لوگ اُن کی حالت قابلِ رحم سمجھتے۔

اس نئے عہدہ پر اپنے پہلے دن کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ صبح دس بجے میں دفتر پہنچا تو میرے اسسٹنٹ اور سیکرٹری پہلے ہی اپنی اپنی جگہوں پہ موجود تھے۔ جو کاغذات میری نظروں سے گذرنے ضروری تھے۔ وہ پہلے سے ہی نہایت صفائی کے ساتھ ۔۔۔ میری میز پہ رکھے ہوئے تھے۔ دروازے پہ میں ایک لمحہ کیلئے رُکا۔ میں نے اس شاندار کمرے ۔ دیواروں پہ لگی ہوئی لیڈروں کی تصاویر اور اپنی کرسی کے عین اوپر دیوار پہ لگی ہوئی سٹالن کی پینٹ تصویر پہ نگاہ ڈالی اور ایکدم نکولیول کے ہوٹل کا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آگیا جہاں کہ میں نے سٹالن کی کاغذ پہ چھپی ہوئی ایک تصویر کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے غلاظت کی نالی میں پھینک دیا تھا۔ اپنے آپ کو سنبھالنے کے بعد میں سامنے پڑی ہوئی کرسی ــــ راج گدی ـــ پہ بیٹھ گیا۔ سر پہ نکولیول کے ہوٹل کی نسبت بڑا اور زیادہ فنکارانہ ڈھنگ سے بنا ہوا سٹالن لٹک رہا تھا۔ میرے کرسی سنبھالتے ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف خفیہ پولیس کا ایک افسر تھا۔ اس نے نہایت باادب اور احترام بھری آواز میں مجھ سے دریافت کیا کہ وہ مجھ سے ملنے آنا چاہتا ہے کیں

اُسے چند منٹ سے سکول گیا یا نہیں۔ میری زندگی میں پہلی بار اس خوفناک محکمے کا ایک افسر مجھ سے ملاقات کی اجازت مانگ رہا تھا ۔۔۔۔ میں نے اُسے آنے کی دعوت دیدی۔

"میں آپکی یہ ذاتی مہر آپکے حوالے کرنا چاہتا ہوں" ربڑ کی ایک مہر مجھے دیتے ہوئے خفیہ پولیس کے اس افسر نے کہا" اسے آپ وزیٹر پاسوں اور دوسری دستاویزات پر استعمال کر سکتے ہیں۔ ہاں آپ اسے ہمیشہ تالے میں بند رکھیں۔ اس کے علاوہ آپ چونکہ یہاں نئے ہیں۔ اس لئے مجھے اگر اجازت ہو تو میں آپکو یہاں کے دیگر قواعد وضوابط سمجھادوں"

"کہئے کہئے۔ میں سن رہا ہوں" میں نے جواب دیا۔

پولیس افسر نے سب سے پہلے مجھے یہ بتایا کہ وزیٹروں کے اندر داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے۔ پھر اُس نے مجھے میرا کوڈ سمجھایا متنبہ کیا کہ میں اس لفظ کو کبھی کسی جگہ زبان سے نہ نکالوں جہاں یہ کسی اور کے کانوں میں پڑ سکتا ہو۔ چاہے وہ آدمی کتنا بھی زیادہ اہم کیوں نہ ہو۔ پھر اُس نے میرے میز پر لگے ہوئے کئی ٹیلیفونوں کا معمہ حل کیا۔ اُن میں سے ایک ٹیلیفون کا تعلق گورنمنٹ کے سپیشل سرکٹ سے تھا۔ جو کہ کریملن پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے ہیڈکوارٹر اور تمام بڑی وزارتوں کے دفاتر سے ملا ہوا تھا۔ کسی سرکاری کام کے متعلق ان دفاتر کے ساتھ بات چیت صرف اِسی ٹیلیفون پر ہو سکتی تھی۔ اس کام کیلئے کوئی اور ٹیلیفون استعمال نہ ہو سکتا تھا۔

"اس کے علاوہ سوفنارکوم میں کاغذ کا ہر ٹکڑا ایک سرکاری راز ہے" پولیس افسر نے اپنی بات جاری رکھی" اگر آپ کوئی خط دستاویز یا کاربن کاپی تالے میں نہ رکھکر یونہی چھوڑ جائینگے تو اس کے لئے آپ سے جواب طلب کیا جا سکیگا۔ اگر آپ کسی دستاویز کو یا کسی کاربن کاپی کو ضائع بھی کرنا چاہیں تو محض اُسے

پھاڑ کر پھینک دینا کافی نہیں ہے۔ آپکو اُس پر ہدایات لکھ کر اُسے جلا دینے کے لئے سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے پاس بھیجنا پڑے گا"

پابندیاں بہت سخت تھیں۔ پولیس افسر اپنی ڈیوٹی ختم کر کے چلا گیا اور میں کچھ سوچتے سوچتے کاغذات کی چھان بین کرنے لگا۔

تقریباً گیارہ بجے میری سیکرٹری نے جو ایک سمجھدار اور شکل و صورت کے اعتبار سے خوشگوار عورت تھی دروازے پر دستک دی۔

"ڈکٹر اینڈرسن درچ۔ آپ ناشتہ کریں گے؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں۔ ضرور۔ اور آپ؟ کیا آپ ناشتہ کر چکیں؟"

"مجھے صرف چائے کا ایک کپ لینے کی اجازت ہے" لمبا سانس لیتے ہوئے لیڈی سیکرٹری نے کہا" روٹی میں گھر سے ساتھ لاتی ہوں۔ جنگ جو ہو رہی ہے۔۔۔ کوئی کیا کر سکتا ہے"

تھوڑی دیر بعد کینٹین کی ایک عورت ملازم ناشتے کی ٹرے لیکر آ گئی۔ وہ تیس پینتیس سال کی ایک ادھیڑ عمر عورت، صاف ستھرے کپڑے اور سر پر ایک سفید ٹوپی پہنے ہوئے تھی۔ ایک چھوٹی میز پر اُس نے ایک میز پوش بچھا دیا۔ اور اس پر خاموشی سے ناشتے کا سامان سجا دیا۔ اس میں دو انڈے کچھ بھنا ہُوا گوشت سفید روٹی مکھن گرم گرم چائے کا ایک گلاس چینی اور کچھ دوسری چیزیں شامل تھیں۔ ان میں انڈوں اور چائے کے سوا باقی تمام چیزیں امریکہ سے اُدھار پٹے پر آنیوالی اشیا کا ایک حصہ تھیں۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

(۳)

روسی نوکر شاہی میں افسروں کا وہ طبقہ جس میں کہ میں شامل تھا - کئی اعتباروں سے خوش قسمت تھا لیکن اجتماعی طور پہ ہماری ذمہ داریاں اختیارات سے زیادہ تھیں۔ ہم مشکل ترین کام کرتے اور اس کا کریڈٹ ہمارے چیف لیجاتے ہم اتنے اعلےٰ عہدوں پہ تھے کہ چھوٹے موٹے افسروں یا عام ملازموں کی طرح کام سے اپنی توجہ ہٹا نہیں سکتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اتنے زیادہ بڑے عہدوں پر بھی نہیں تھے کہ خود کام سے لاپرواہ ہو کر دوسروں پر اس کا الزام تھوپ سکتے۔

ہمیں جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ان میں سے سب سے بڑی پوری نیند کا نہ ملنا تھی۔ اس عہدہ پر میں نے ایک ہفتہ باقی سارے عرصہ سے زیادہ آرام کیا اور وہ بھی اوسطاً ۵ گھنٹے روزانہ سے کچھ زیادہ - دفتر میں کام کرنے والے ملازم اور عام ٹیکنیکل ماہرین صبح ۹ سے شام کے ۵ بجے تک کام کرتے تھے اگرچہ کبھی کبھی میں کچھ ملازموں کو دیر تک بیٹھنے یا شام کو پھر حاضر ہونے کی ہدایت کر دیتا تھا۔ لیکن میرا اپنا کام کا وقت صبح دس یا گیارہ بجے سے لیکر دوسرے دن ۳ یا ۴ بجے صبح تک چلتا تھا - اکثر اوقات اس سے بھی زیادہ عرصہ بیٹھنا پڑتا تا- گھر میں بیٹھ کر ..... شام گذارنے کا موقعہ مجھے کبھی کبھی ملتا۔

وجہ نہ معلوم کیا تھی لیکن ہے یہ ایک حقیقت کہ راجدھانی کی ساری نوکر شاہی سٹالن کی اپنی خاص گھڑی کے مطابق چلتی تھی- اعلےٰ سے اعلےٰ افسر عین اُسی وقت کام پہ آتے جبکہ سٹالن جسے ہم سب غیر رسمی بات چیت میں باس کہتے تھے کام پر آتا اور ٹھیک اس وقت کام چھوڑتے جبکہ وہ دفتر سے گھر چلا جاتا- یہ ایسے ہو رہا تھا

جیسے اُنہیں کوئی سگنل ملتا ہو۔ باقی ملک جس کا ٹیلیفون کے ذریعے راجدھانی کے ساتھ ہر وقت تعلق رہتا بھی اسی پروگرام کے مطابق چلتا عملی طور پر سارے روس میں افسروں کے کام شروع کرنے اور گھروں کو واپس جانے کا سارا سسٹم جارجیا کے اس مضبوط اور خوش بخت انسان کے آنے اور جانے کی گھڑی کے مطابق چلتا تھا۔ ہاں ایک محکمہ ۲۴ گھنٹے کام کرتا تھا۔ اور وہ تھا خفیہ پولیس کا محکمہ۔ اِسے یہ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ سٹالن دفتر میں ہے یا چلا گیا ہے۔ کیونکہ اسکا دفتر تو کبھی بند ہی نہ ہوتا تھا۔

کام کے دنوں میں صبح ۱۰ بجے بڑی بڑی گاڑیاں جن پر بندوق یا پستول کی گولی اپنا اثر نہ کر سکتی تھی موز ہٹیک روڈ سے ہوتی ہوئیں لمبے اربٹ بولیوارڈ سے گذر کر اقتدار کے بڑے بڑے محلوں کی طرف بڑھتیں۔ سیٹیوں کی آوازوں کے ساتھ۔ ٹریفک کو کنٹرول کرنے والے سپاہی سارا ٹریفک روک کر ان شور مچاتی ہوئی تیز رفتار گاڑیوں کو گذرنے کا راستہ دیتے۔ اور ماسکو کے لوگ ایکدم یہ سمجھ جاتے کہ باس (سٹالن) مالوٹوف۔ بیریا میلنکوف۔ میکویاں کاگنوویچ اور ایسے دوسرے لیڈر راجدھانی میں سے گذر رہے ہیں۔ ہر لیڈر کی بڑی کار کے پیچھے دو کاریں ہوتیں جن میں سفید کپڑوں میں ملبوس خفیہ پولیس کے افسر سوار ہوتے تھے۔ یہ کاریں عام طور پر پیکارڈ قسم کی ہوتیں۔ لیڈروں کی کاریں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ایک ایک کر کے گذرتیں۔ اس کی وجہ بھی اُن کا تحفظ تھی۔

تمام راستوں پر خفیہ پولیس کی سپیشل برانچ کے آدمی چھائے رہتے۔ یہی سپیشل برانچ بڑے بڑے افسروں کی حفاظت کیلئے ذمہ دار تھی۔ اس لئے جن راستوں سے یہ افسر گذرتے اُن کے ایک ایک انچ پر سپیشل برانچ کے آدمیوں کی نگاہ رہتی۔ سڑک کے کنارے رہنے والے تمام لوگوں کے متعلق

پولیس کو بدھی واقفیت ہوتی تھی۔ اگر کوئی مشکوک آدمی اس سڑک کے کنارے واقع کسی مکان میں رہائش اختیار کرلے تو اُسے فوراً وہاں سے نکال دیا جاتا۔ سادہ کپڑوں اور اپنی وردیوں میں ملبوس ہزاروں آدمی اہم ناکوں پر تعینات ہوتے اُن کا دایاں ہاتھ ہمیشہ ریوالور پر رہتا تاکہ وہ بوقت ضرورت اُسے فوراً نکال سکیں۔ انہیں علم تھا کہ اگر بلٹ پروف کاروں میں بیٹھے ہوئے کسی محبوب لیڈر کو کچھ ہو گیا تو اُنہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ جب سٹالن اور اُن کے قریبی ساتھیوں کو سڑک پر سے گذرا جا رہا ہوتا۔ تو ماسکو کے لوگ انہیں دیکھنے کیلئے چلتے چلتے سڑک پر رکنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ ہوشمند لوگ تو اُس راستہ کو ہی چھوڑ جاتے۔

ایک دو درجے چھوٹے افسر مثال کے طور پر ہمارے سوفنارکوم میں بیمیلوف اور اُٹکن جیسے لوگ اسبات کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے کہ وہ سٹالن کے دفتر میں پہنچنے سے پہلے اپنے دفتر میں پہنچ جائیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں اپنے سے سینئر افسروں کی آمد سے پہلے دفتر میں پہنچ جاتا تھا۔ عین اُسی طرح جس طرح کہ میرے اسسٹنٹ میری آمد سے پہلے دفتر میں موجود ہوتے تھے۔ جتبک میرے اعلےٰ افسر دفتر سے نہ چلے جاتے میں بھی دفتر میں موجود رہتا اور اس طرح عام طور پر میرے اوقات کار ۱۷ یا ۱۸ گھنٹے ہوتے۔ اُٹکن اور بیمیلوف یہ سمجھتے تھے کہ وہ جب بھی مجھے فون کریں گے۔ میں دفتر میں موجود ہوں گا۔ عین اسی طرح جس طرح کہ سٹالن بیلالوڈوف اُن کے متعلق سمجھتے تھے۔ شاید کسی بڑی قوم کا روزمرہ کا سرکاری کام اس طرح ایک آدمی کے پروگرام کا پابند نہیں رہا ہوگا۔

ہمارا سوفنارکوم قطعی اختیارات والی سٹیٹ ڈیفنس کمیٹی کا ایگزیکٹو ادارہ تھا۔ جو کہ اس کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرتا تھا۔ اس کا بڑا کام آر۔ ایس۔ ایف

ایس۔آر میں جنگ کیلئے تمام سپلائی کا انتظام اور سپلائی کے آرڈروں کو پورا کرنے کے کام کی نگرانی کرنا تھا چونکہ سفید روس، یوکرین اور کاکیشیا کے کچھ حصوں پر جرمنوں کا قبضہ تھا۔ اس لئے ملک کے تمام پیداکاری ذرائع اور آبادی ہمارے علاقہ میں سکڑ کر رہ گئی تھی۔ اور اسوقت جنگ کیلئے سامان کی سپلائی کا زیادہ تر بوجھ اسی علاقہ پر پڑا ہوا تھا۔

سینکڑوں آرڈر فیصلے شکایتیں اور دھمکیاں۔ جن پر سٹالن یا اُسکے قریبی ساتھیوں۔ بیریا۔ مالوٹوف۔ میکویان۔ وزنیسنکی۔ مالشیف اور کاسائیگن کے دستخط ہوتے ہر روز میرے میز پر پہنچتیں۔ میرا تمام وزارتوں۔ ملک بھر کے کارخانوں خاص خاص صنعتی اداروں اور علاقائی دفاتر کے ساتھ ہر وقت بذریعہ ٹیلیفون تعلق قائم رہتا۔ ایک گھنٹہ میں ہی میں گورکی اور سفیرڈلوفسک سے نووسیبرسک اور شیلیابنسک تک ہر جگہ کی پیداوار کی پڑتال کر سکتا تھا۔

میری زندگی۔ خام مال، کوئلہ اور مزدور حاصل کرنے کی ایک سرگرم جدوجہد بن کر رہ گئی تھی۔ مجھے مقررہ وقت کے اندر طے شدہ پیداوار مہیا کرنی پڑتی۔ اور ماسکو سے سائبیریا تک ہر جگہ کے سرکاری افسروں اور پبلک اداروں کو حرکت میں لانے کے لئے ہدایات دینی پڑتیں پھر بھی میرے چیف اور ڈیفنس کمیٹی کے ایگزیکٹو عہدیدار مجھے جھاڑ ڈالتے اور مجھے لعن طعن کرتے رہتے تھے

ایک بار مجھے خاص قسم کی چیزیں مثلاً خاردار تاروں کو کاٹنے کے اوزار مورچے کھودنے کیلئے کدالے اور فلیش لائٹ کی جگہ استعمال کرنے کیلئے لالٹینیں تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس پیداوار کا انتظام کرتے کرتے کئی ہفتے میری زندگی اجیرن رہی۔ ایک رات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ جبکہ سُرخ فوج کا ایک جرنیل آنکھوں میں آنسو لئے میرے کمرے میں بیٹھا یہ درخواست کر رہا تھا۔ کہ خاردار

تاروں کو کاٹنے والے اوزار فوج کو جلد مہیا کئے جائیں۔ اس نے بتایا کہ ہمارے ہزاروں سپاہی اس سادہ سے اوزار کے نہ ہونے کی وجہ سے بلا وجہ مارے جا رہے ہیں اس کی موجودگی میں میں نے تمام فیکٹری افسروں اور عوامی نمائندوں کو طلب کیا۔ لیکن میری دھمکیاں اور ان پر برسنا کیا کر سکتا تھا۔ جبکہ فیکٹریوں میں یہ اوزار بنانے کے لئے ضروری فولاد۔ مشینیں اور آلات ہی موجود نہیں تھے۔

ہر روز مجھے اسباب کے براہِ راست اور المناک ثبوت مل رہے تھے۔ کہ کہ میرا ملک زندگی اور موت کی اس جدوجہد کی تیاری کرنے میں ناکام رہا ہے بڑے بڑے جرنیلوں اور بحری کمانڈروں کی نسبت اب مجھے امریکہ کے ادھار پٹہ پر آنے والے ہتھیاروں۔ مشینوں اور دوسرے سامان کی اہمیت کا زیادہ احساس تھا۔ امریکیوں کا شاید اس میں کچھ شک ہو۔ لیکن روسی لیڈروں کو اس بارے میں کوئی شک نہیں تھا کہ فتح حاصل کرنے کیلئے امریکہ سے ادھار پٹہ پر آنے والا مال کتنا ضروری ہے۔ خدا گواہ ہے کہ ہم نے اتحادیوں کی امداد کی پوری قیمت چکا دی روسی زندگیوں کی شکل میں ہم نے اس کے پورے دام دیئے۔ لیکن اس سے اس حقیقت کی اہمیت تو کم نہیں ہوتی کہ یہ امداد ضروری تھی اگر امریکہ سے بھاری تعداد میں ہوائی جہاز موٹر ٹرانسپورٹ، ٹیلیفون کا سامان اور دوسری ہزاروں چیزیں جن کی ہمیں ضرورت تھی نہ آتیں تو روس کہاں تک جرمنوں کو روک سکتا؟ روس کی فتح کی وجوہات میں روس کی پیداوار روسی جوانوں کی بہادری اور قربانی کو پہلا درجہ حاصل ہے۔ سٹالن گراڈ میں روسیوں نے ادھار پٹے پر ملنے والے ہتھیار پہنچنے سے پہلے ہی فتح حاصل کر لی تھی۔ لیکن اس بہادری اور قربانی کے بعد دوسرے نمبر پر اس فتح کی اگر کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔ تو وہ یہ امریکہ اور اتحادیوں کی مدد ہے۔

اس سے پہلے میں نے کبھی اتنا سخت۔ اتنا زیادہ۔ اور اتنی زیادہ پریشانی میں

کام نہیں کیا تھا۔ اور اس کے نتیجہ کے طور پر تھوڑے ہی عرصہ میں میرے چہرے پر زردی چھانے لگی۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے پیدا ہو گئے اور مسلسل تھکاوٹ کے نتیجہ کے طور پر معمولی بخار رہنے لگا۔ میرے ماتحت کام کرنے والے سب مرد اور عورتیں بھی میری مانند سخت محنت کرتی تھیں۔

پمفیلوف سے لیکر نیچے فائل کلرک تک ساری کی ساری آرگنائزیشن میں حب الوطنی کا زبردست جذبہ پیدا ہو گیا تھا جو کہ روس کے اتہاس اور روس کی آتما کی گہرائیوں سے ابھرا تھا۔ سٹالن شاہی کے پراپیگنڈا ایجنٹ جو ملک کے اندر بھی اور باہر بھی اس جذبہ کو بالشویکی آدرشوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ روس کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔

سوفنار کوم میں میرے پہلے کئی مہینے اسی طرح گذرے۔ جنگ خوفناک ترین مراحل میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ ۱۹۴۲ء کے موسم گرما کا ذکر ہے۔ وہ دن یاد آنے سے دل میں اب بھی ٹیس اٹھتی ہے۔ جرمنوں نے انہی دنوں میں سب سے زیادہ پیشقدمی کی اور انہی دنوں میں سب سے زیادہ علاقہ پر قبضہ کیا۔ وہ دریائے والگا تک بڑھ آئے اور انہی دنوں میں سٹالن گراڈ میں تاریخی اور گھمسان کی لڑائی ہوئی جس نے کہ اس شہر کو میراتھن اور واٹرلو کی صف میں لا کھڑا کیا۔ ہر قوم کی بنیادیں ایک مضبوط اور ناقابل تسخیر عنصر پر ہوتی ہیں۔ یہی وہ عنصر تھا جو کہ سٹالن گراڈ میں بروئے کار آیا۔ جس نے ایک خوفناک تباہی کو روک دیا۔ کارل مارکس یا سٹالن کے ساتھ اس عنصر کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

جنگ شکتی کے اس شدید کرائسس میں لاکھوں کروڑوں تبدیلیوں سے لی جانیوالی جبری محنت روسی فوج کی اقتصادیات کو بچانے کیلئے بہت ــــ بہت ہی زیادہ اہم تھی۔ یہ سچائی کتنی ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہو۔ اسکا اعتراف

کے بغیر چارہ نہیں ۔ دوسرے علاقوں سے اُکھاڑ کر لائی گئی فیکٹریوں سائبیریا و یورال کے توسیع شدہ پلانٹوں اور نئے صنعتی یونٹوں میں سامان جنگ کی پیداوار ہر روز بڑھائی جا رہی تھی ۔ لیکن شاید ہی چند کارخانے ہوں جہاں جبری محنت دینے والے قیدیوں کا ایک آدھ دستہ کام نہ کر رہا ہو ۔ غیر ممالک میں جو لوگ بڑے جوش وخروش سے روس کی فتح کو روسی نظام کی کامیابی کا ایک ثبوت قرار دیتے ہیں وہ سچائی کے زیادہ نزدیک آ جائیں گے ۔ اگر وہ وسیع پیمانہ پر لوگوں کے راجیہ کا غلام بنانے کی بھی تعریف کریں ۔

جرمنی کی طرح روس کی جنگی صنعتوں کا انحصار بھی زیادہ تر جبری بیگار پر تھا ۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہٹلر غیر ملکی فوجوں کے زیر حراست سپاہیوں سے بیگار لیتا تھا ۔ اور روس میں اپنے ملک کے لوگوں کو غلام بنایا جاتا تھا ۔

مختلف صنعتی دفاتر کو پیداوار بڑھانے کی ہدایات دیتے ہوئے میں خود اہم موقعوں پر جن شکتی نہ ملنے کی وجہ سے پریشان رہتا تھا ۔ مقامی نمائندے میری نسبت حالات کو زیادہ سمجھتے تھے ۔ وہ اکثر پیمفیلوف سے درخواست کرتے کہ خفیہ پولیس کے ریزرو قیدی دستوں میں سے انہیں زیادہ لیبر مہیا کیا جائے ۔ پیمفیلوف اسپادہ میں پولیس کو اور لیبر مہیا کرنے کیلئے کہتا اور کئی بار جن شکتی کا یہ مسئلہ براہ راست وزنیسنکی ، مالوٹوف اور بیریا جیسے لیڈروں کے سامنے پیش کرتا جبری محنت کے کیمپوں کی ایڈمنسٹریشن جسے "گلاگ" کا نام دیا جاتا تھا ۔ خفیہ پولیس کے جنرل نیڈ دسکین کے ہاتھ میں تھی جو کہ بیریا کا ایک اسسٹنٹ تھا ۔ نیڈ دسکین کو مالوٹوف بیریا سٹالن یا دوسرے ممبروں کے دستخطوں کے ساتھ ڈیفینس کمیٹی کی طرف سے بیگار دینے والے قیدی سپلائی کرنے کا حکم پہنچتا اور وہ مزید قیدی بھیج دیتا ۔

آج مجھے "گلاگ" کے ایک اعلیٰ ناظم کے ساتھ اپنی ملاقات کی یاد آتی ہے جو کہ اُٹکن کے حکم پر کیگئی تھی۔ اس ناظم کو کئی سو قیدی جلدی سے ایک فیکٹری میں بھیجنے تھے۔ ہیمفیلوف اس کے لئے زبردست دباؤ ڈال رہا تھا۔ اُدپر سے لکے کان اینٹھے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس کے دباؤ کے زیر تحت میں نے گلاگ کے ایک افسر کو اس بارے میں قطعی بات چیت کیلئے بلایا۔ تاکہ فیصلہ کیا جائے کہ وہ آخر کیوں آدمی سپلائی نہیں کرتے۔

" ایکین کامریڈ کرانشنکو ذرا سوچئے" مجھے درمیان میں ٹوکتے ہوئے گلاگ ایڈمنسٹریشن کے اس افسر نے کہا " آخر آپکا سوفنارکوم ہی تو نہیں جو ہم سے آدمی مانگ رہا ہے سٹیٹ ڈلیفنیس کمیٹی کو آدمیوں کی ضرورت ہے۔ کامریڈ میکویان نے ہمیں جینا دُوبھر کر رکھا ہے۔ میلنکوف اور نوسینسکی کو بھی آدمیوں کی ضرورت ہے۔ وارشیلوف بھی سڑکوں کی تعمیر کے لئے آدمی مانگ رہے ہیں۔ قدرتی طور پر ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس کا کام سب سے زیادہ اہم ہے ایسی حالت میں ہم کیا کریں! حقیقت یہ ہے کہ ہم ابھی تک لوگوں کو ان کیمپوں میں بھیجنے کے متعلق اپنے پلان مکمل نہیں کر سکے اس لئے سپلائی کی نسبت مانگ زیادہ ہے۔"

لوگوں کو کیمپوں میں لانے کے پلان - اس ایک فقرے کے مجنونانہ اور خوفناک پس منظر کا خیال آتے ہی آج بھی میں کانپ اُٹھتا ہوں۔ کہنے والے نے یہ فقرہ اس انداز سے کہا تھا جیسے " لوگوں کو کیمپوں میں لانا " ایک بالکل درست اقدام ہو اور اس وجہ سے یہ فقرہ اور بھی زیادہ بھیانک ہوگیا تھا۔ دراصل لوگوں کو گرفتار کرنا اور غلام بنا کر ان کیمپوں میں بند کر دینا اس کی زندگی کا معمول بن چکا تھا اس لئے اُسے اس کی اہمیت کا احساس نہیں تھا۔ بلاشبہ اس فقرے سے اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ مزدوروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے گرفتاریاں کیجاتی ہیں وہ محض اپنے خاص روسی انداز میں یہ شکایت کر رہا تھا کہ جبری محنت دینے

والے لاکھوں کروڑوں مزدور بھی اُن تمام ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے جن کے متعلق کہ گلاگ کو آرڈر بھیجے جاتے ہیں۔

نہ جانے کیوں اب تک دنیا روس میں بچوں کی بیگار کے متعلق بالکل بے خبر رہی ہے۔ یہاں تک کہ خود روس میں بھی اِسے خفیہ رکھا جاتا ہے اور یا غلط نعروں میں لپیٹ کر لوگوں کے سامنے لایا جاتا ہے۔ اس سسٹم کا جسے کہ محض لفاظی میں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ بنچوڑ بھی جبر ہے۔ اس کے مطابق لاکھوں بچوں کو ان کی یا اُن کے والدین کی خواہش کے خلاف گھروں سے نکال کر لیجایا جاتا ہے۔ جیسے کہ جبری فوجی بھرتی ہو رہی ہو اور پھر انہیں ان کی رائے پوچھے بغیر مختلف صنعتوں میں بھر دیا جاتا ہے اس سسٹم کو صرف جنگ کی پیداوار قرار دینا مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سنہ ۱۹۴۰ء سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ اور جیسا کہ اعداد و شمار سے ظاہر ہے جنگ ختم ہونے کے بعد اِسے زیادہ تیز کر دیا گیا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

(۳)

مجھے جنگ کی سپلائی میں اپنے ملک کی المناک خامیوں کا علم شروع میں ہی ہو گیا تھا۔ کریملن میں سٹالن کے ایک سب سے طاقتور اسسٹنٹ الیگزی کیباٹیگن نے ایک کانفرنس بلائی تھی جس کے دوران میں یہ حقائق مجھ پر عیاں ہوئے۔ چونکہ اس کانفرنس کے ایجنڈا میں بہت سی مدات ایسی تھیں جن کا تعلق براہِ راست میرے محکمہ سے تھا۔ اسلئے اُٹکن نے مجھے اپنے ساتھ اس کانفرنس میں چلنے کے لئے کہا لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کر دی کہ جب تک وہ مجھے بولنے کیلئے نہ

کہے۔ میں وہاں ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالوں۔

کانفرنس آدھی رات کے بعد ایک بجے صبح ہونی کٹنی اور اس سے بہت وقت پہلے ہی پانچوں عوامی نمائندے پارکمشنز ویٹنگ روم میں پہنچ گئے۔ سرکاری کام سے کچھ عرصہ کیلئے چھٹی پاکر ہم اپنے آپ کو آرام میں محسوس کر رہے تھے پانچوں عوامی نمائندے ایک دوسرے کو اچھی طرح ہی نہیں بہت اچھی طرح جانتے تھے اقتدار کی دنیا میں آخر وابستگی تو ہوتی ہی ہے۔ یہ لوگ آپس میں گپیں ہانکنے لگے اور ہنسی مخول شروع ہو گیا۔

ترقیات کے افسر اعلیٰ کامریڈ کنسبرگ۔ جن کا قد چھوٹا جسم فربہ۔ سر گنجا اور عینک کے شیشے موٹے موٹے تھے۔ ایک کونہ میں بیٹھے آرام سے چائے پی رہے تھے۔ ایک لمبا تگڑا آدمی خاص روسی ڈھنگ کا رنگدار بلاؤز پہنے ایک سیب پر دانت چلا رہا تھا۔ یہ کپڑے کی صنعت کا افسر اعلیٰ آکیموف تھا۔ میں نے اسکی پیروی کرتے ہوئے پھلوں سے بھری ہوئی پلیٹ کی طرف رجوع کیا۔ لائٹ انڈسٹری کے چیف کامریڈ لیوکن مجھے گھور رہے تھے۔ وہ ایک عملی جوکر کے طور پر مشہور تھے۔

"آپ چاہیں کب تک یہاں ٹارچر کریں گے" کیا لینگن کے ایک آدمی سے مخاطب ہوتے ہوئے لیوکن نے کہا " میں انڈے اور مچھلی کھانا چاہتا ہوں ——— اور انہیں ہضم کرنے کیلئے شراب کا ایک گلاس ———"

" ہاں۔ آج رات کو تمہیں طاقت کی ضرورت ہو گی " ایک اور آدمی نے ہنستے ہوئے جواب دیا " تمہیں جہنم میں جو جانا ہوگا۔ اسلئے پہلے سے ہی تیاری کرنا مناسب ہے"

اس پر سب لوگوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ صرف لمبا تگڑا اور پر رعب چہرے والا محکمہ عمارات و عمارتی مسالہ کا اعلیٰ افسر کامریڈ سیٹن خاموش

تھا۔ اس کے چہرے پر پژمردگی اور اُداسی چھائی ہوئی تھی اور یہ بے وجہ نہیں تھی۔ وہ ایک ایسے محکمہ کا انچارج تھا جس سے کسی کا بھی خوش ہونا ممکن نہیں ہر کانفرنس میں بڑے افسروں سے اس محکمہ کے انچارج کو جھاڑ ہی پڑتی تھی۔

اتنے میں جنرل کالیاگن کے ہمراہ مارشل فورد بیوف بھی تشریف لے آئے .... فورد بیوف جنگ کی انجینیرنگ فوجوں اور سپلائز کے معاملہ میں مارشل سٹالن کے اسسٹنٹ تھے۔ چونکہ اُنکے مسائل کا حل میرے محکمہ کے ہاتھ میں تھا اسلئے ہم پہلے سے ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اور وہ آتے ہی گرمجوشی سے مجھے ملے۔ ہمیں ایک دوسرے سے کام پڑتا رہتا تھا اور کامریڈ فورد بیوف اور جنرل کالیاگن دونوں جانتے تھے کہ میں کتنی دیانتداری سے محاذِ جنگ کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ چائے پیتے اور باتیں کرتے ہوئے بھی ہمارا دھیان انگیزی کیسا ٹیگن کے کمرے کے ..... دروازہ کی طرف لگا ہوا تھا۔ بالآخر دروازہ کھلا اور ایک سیکرٹری نے ہمیں آواز دیتے ہوئے کہا۔

"انگیزی نکولا ٹیوویچ آپ کو کانفرنس کیلئے بلا رہے ہیں"۔

اس آواز کے ساتھ ہی کمرے میں ایک سکوت سا طاری ہو گیا۔ سب کے چہروں پر سے مسکراہٹ جاتی رہی۔ ہر آدمی نے اپنی سرکاری حیثیت کا احساس کر لیا۔ کیسا ٹیگن کی موجودگی میں ہم سب "محبوب لیڈر" سٹالن کے پاؤں کی دھول تھے۔ کیسا ٹیگن کا کمرہ بڑا وسیع تھا۔ اور اس کی چھت بہت اُونچی تھی۔ ہلکے ہلکے رنگ کی دیواروں پر بڑی سجاوٹ کے ساتھ پولٹ بیورو کے تمام ممبروں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ غیر ملکی ساخت کا ایک بڑا ریڈیو سیٹ کمرے میں پڑا تھا۔ جس نے میری نگاہیں ایک لمحہ کیلئے اپنی طرف کھینچ لیں۔ روس

میں عام لوگوں کو جنگ کے دنوں میں ریڈیو سیٹ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔
میز کی دوسری طرف کامریڈ کیبا ٹیگن تشریف فرما تھے اور انہوں نے غیر ملکی کپڑے کی پوشاک پہن رکھی تھی۔ اُن کے چہرے سے ایسا نظر آتا تھا کہ میری ہی طرح وہ بھی بہت کم نیند لیتے ہیں اور بہت زیادہ تھکے ہوئے ہیں۔
"بیٹھ جاؤ!" انہوں نے حکم دیا "ہاں اب جی۔ ڈی۔ آئی۔ یو۔ کے کا ہیڈ اپنی رپورٹ پیش کرے"
جی۔ ڈی۔ آئی۔ یو۔ کے۔ مارشل نورو بیوف کے محکمہ کے نام تھا۔ چنانچہ انہوں نے بولنا شروع کیا۔ ہم سب کو اور خود مارشل نوروبیوف کو اس امر کا احساس تھا۔ کہ انہیں ان کا نام لیکر بولنے کو نہیں کہا گیا۔ اس سے ظاہر تھا۔ کہ کیبا ٹیگن کا مزاج ٹھیک نہیں اسلئے ہمیں خطرہ پیدا ہو گیا کہ اب تلخی ضرور پیدا ہوگی۔
مارشل نوروبیوف اپنی فائیل کے ورق اُلٹتے ہوئے تقریباً ۱۵ منٹ تک بولتے رہے۔ انہوں نے بہت سے اعداد و شمار پیش کئے۔ انہوں نے سپلائی کی قلت کی ایک سیاہ تصویر پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس دریا پار کرنے کے لئے موٹر کشتیاں نہیں اور اس وجہ سے ہمارے ہزاروں سپاہی مر رہے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی تیار شدہ پل نہیں۔ دشمن کی پیشقدمی روکنے کیلئے بارودی سرنگیں نہیں۔ موٹر گاڑیوں کی مرمت کیلئے کوئی ورکشاپ نہیں۔ ٹیلیفون کی تاریں اور دیگر آلات نہیں خندقوں کو گرم رکھنے کیلئے کوئی سٹوو نہیں۔ یہاں تک کہ پیدل فوجوں کے پاس کسیاں اور کلہاڑے بھی نہیں۔
کیبا ٹیگن کی نگاہیں اس کے سامنے ٹھہرے ہوئے پیڈ پر تھیں اور انکے چہرے پہ پریشانی کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ چہرے پہ کئی ناڑیاں پھولنے اور اُبھرنے لگی تھیں۔ اور ادھر میرے دماغ پر یہ سوال ہتھوڑے چلا رہا تھا کہ

"پورے مشینی ہتھیاروں اور سامان جنگ سے مسلح دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی موثر چیز کیوں نہیں؟ ہم نے جنگ سے پہلے امن کے دو سال ضائع کیوں کئے؟" مارشل کے جذبات اس کے فوجی لب و لہجہ پہ غالب آگئے اور بھرے ہوئے گلے سے اُنہوں نے کہا۔

"اِس وقت بھی محاذ پہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں لڑ رہے ہیں۔ آخر ہم انہیں سادہ سا ڈن کلہاڑے کھپیاں اور تاریں کاٹنے کے اوزار کیوں تھما نہیں کر سکتے؟ ہمارے نوجوان اپنی لاشوں سے دریاؤں پہ پُل باندھ رہے ہیں۔ ساتھیو! یہ حالت شرمناک ہے بیحد شرمناک!

" سرچ لائٹ کا تو ذکر ہی کیا ہمارے پاس لالٹینیں بھی نہیں ہیں گذشتہ چند مہینوں میں کامریڈ سٹالن نے خود آٹھ دفعہ ان لالٹینوں کی تیاری کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ اب تک محاذ پہ نہیں پہنچیں۔ ہمارے پاس سپاہیوں اور گاڑیوں پہ ڈالنے کیلئے پردے وغیرہ بھی نہیں ہیں۔ میں محاذ پہ لڑنے والے عام سپاہی کے نام پہ آپ سے —— آپ لوگوں سے جو صنعتوں کے ہیڈ ہیں —— اپیل کرتا ہوں کہ آپ ہمیں یہ اشیا بہم پہنچائیں"

"ہر چیز واضح ہے" مارشل کے بیٹھتے ہی کیسا ٹیگن نے تلخ آواز میں کہا۔ "آپ کس قسم کی لالٹینوں کا ذکر کر رہے ہیں؟"

مارشل کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک کرنل نے ایک قدیم زمانے کی گول لالٹین نکال کر میز پہ رکھ دی جس کا فریم دھات کا تھا۔ اور اُوپر شیشے کی چمنی چڑھی ہوئی تھی۔

" تو کیا ہم یہ کھلونا بھی تیار نہیں کر سکتے؟" کیسا ٹیگن نے غصہ بھری آواز میں پوچھا۔

میں چونکہ اس مسئلہ کے متعلق ذاتی طور پہ کچھ جانتا تھا۔ اس لئے میں بول اُٹھا۔

"میں بتاتا ہوں الیگزینڈر نکولائیوچ - ان لالٹینوں کی تیاری اسلئے رکی ہوئی ہے کہ ہمارے پاس اسکی تیاری کیلئے ضروری لوہے کی چادریں نہیں سٹیمپنگ مشین نہیں۔ مناسب سائز اور کوالٹی کا شیشہ نہیں۔ لوہے کی چادریں تیار کرنے والا جو پلانٹ نوفو موسکووسک سے یہاں لایا گیا تھا۔ ابھی تک چالو نہیں ہو سکا۔ شیشہ ہمیں صرف کراسنویارسک سے مل سکتا ہے۔ شاید کامریڈ سوسنن بتا سکیں کہ وہ شیشہ کیوں نہیں مل رہا"

لالٹینیں تیار کیجائیں گی" گرج کر اور میز پہ مکا مارتے ہوئے کیبائیگن نے کہا "میں وارننگ دیتا ہوں کہ یہ مجرمانہ غفلت ختم ہونی چاہیئے، اگر میں بدمعاشوں کی بیٹھ کی چمڑی اُتروا دوں تو سامان جنگ کی سپلائی ٹھیک ڈھنگ سے ہونے لگے گی۔ عین اسی طرح جس طرح کہ کامریڈ سٹالن چاہتے ہیں ۔۔ سوسنن تم بولو!"

مغموم سوسنن کے چہرے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بیحد گھبرا گیا ہے اس کی باتوں سے بے بسی جھلکتی تھی اور وہ غیر مدلل باتیں کہہ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ کراسنویارسک میں مشینوں کی حالت بڑی خراب ہے۔ پاور سٹیشن کام نہیں کرتا، تربیت یافتہ مزدور نہیں ہیں، وغیرہ وغیرہ ......

کیبائیگن نے آکیموف اور دوسرے لوگوں سے اپنے اپنے محکمہ کی رپورٹ پیش کرنے کے لئے کہا۔ اور اس طرح کانفرنس گھنٹوں تک جاری رہی۔ ہر محکمہ رپورٹ مایوسی کو اور زیادہ گہرا بنا دیتی تھی کیبائیگن اب خاموش تھا۔ اُس نے بولنے والے پہ سوالات کرنے بند کر دیئے تھے۔ وہ بس گرج رہا تھا حکم دے رہا تھا اور کسی کا مشورہ لئے بغیر پیداوار کے کوٹے مقرر کر رہا تھا ۔۔ اور تمام محکموں

کے افسرانِ اعلیٰ۔ عوامی نمائندے۔ فوجی جرنیل۔ مجرموں کی طرح کانپ رہے تھے۔ جیسے غصے میں بھرا ہوا ہیڈ ماسٹر سکول کے کچھ لڑکوں کو ڈانٹ دے رہا ہو۔ نگاہیں نیچی کئے ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا بھی بند کر دیا تھا۔ کیساٹیگن بھی اور ہم سب بھی جانتے تھے۔ کہ خامیاں حقیقی ہیں۔ اور اُن کی موجودگی میں ہم میں سے کوئی بھی کوئی معجزہ کر کے نہیں دکھا سکتا۔

ایک موقع پر کیساٹیگن کامریڈ گنبرگ پر برس رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ غالباً کیساٹیگن نے سگنل سے یہ جان لیا تھا کہ ٹیلیفون پر اُسے کون بلا رہا ہے اُسکا انداز اسکے چہرے کا تاثر اُس کا لب و لہجہ سب ایک دم بدل گیا۔ نرم ہو گیا بلکہ عاجزانہ ہو گیا۔ رسیور کان سے لگاتے ہوئے اُسنے کہا۔

"ہاں۔ جوزف فیساریونووچ ..... بیشک۔ بیشک جوزف ..... یہ ہو جائے گا۔۔۔۔"

سٹالن! میز کے گرد بیٹھے ہوئے سبھی لوگوں میں .... خوف اور احترام کا ایک ملا جلا احساس پیدا ہو گیا۔ ہم سب بت بنے بیٹھے تھے۔ کیساٹیگن نے رسیور کو آہستہ سے سنبھال کر ٹیلیفون پر رکھ دیا جیسے یہ کانچ کا بنا ہوا ہو۔ اس کے بعد اُسے پھر غصے میں اور گالیاں و حکم دینے کے موڈ میں آتے ہوئے پورے پانچ منٹ لگے۔

صبح ۴½ بجے اس کانفرنس سے چھٹکارا ہوا۔ ہم میں سے ہر ایک کو بیشمار ہدایات دی گئی تھیں۔ کسی کو پردہ ڈالنے والی ۵ لاکھ وردیاں تیار کرنے۔ کسی کو دس لاکھ" کھپیاں تیار کرنے۔ کسی کو ایک لاکھ فیلڈ ٹیلیفون ریلیں اور اسی طرح کی درجنوں اور چیزیں تیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا ہم سب جانتے تھے کہ یہ کام ہونا ممکن نہیں۔ اگر ان کا ۷۵ فیصدی کام بھی ہو جائے تو یہ خوشی کا مقام ہو گا۔

ہمیں بونس ملیں گے۔ اور اعزازی میڈل ملیں گے۔ ہمیں یہ بھی علم تھا کہ کوٹہ جان بوجھ کر اتنا زیادہ مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ صنعت کی طرف سے کوئی ڈھیل نہ ہونے پائے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حکومت کو دراصل ضرورت اس سے بھی زیادہ مال کی تھی۔ اس لئے وہ کوٹہ میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنا چاہتی تھی۔

گھر پہنچکر میں اندھیرے میں ہی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے تیسری منزل پر پہنچ گیا۔ جہاں کہ ہم رہتے تھے آیریٹا مجھے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ نیند کے خمار میں ہی اُس نے مجھ سے پوچھا کہ میں اتنی دیر سے کیوں آیا ہوں۔ کیا کوئی گڑبڑ ہے؟ لیکن میں نے اسکا یہ شک دور کر دیا اور اُسے بتایا کہ آج ایک اور کانفرنس تھی۔ جہاں سے کہ میں اسوقت آیا ہوں۔ میں نے اُسے سو جانے کے لئے کہا۔ اُس وقت پو پھٹ رہی تھی۔

میں سٹالن کے ڈپٹیوں۔ توسینیکی۔ سابوروف اور دوسروں کی طرف سے بلائی جانے والی ایسی درجنوں کانفرنسوں میں شامل ہوا۔ ان کی کارروائی اور ماحول عام طور پر وہی ہوتا جو کیباٹیگوف کی طرف سے بلائی گئی کانفرنس کا تھا۔ ان پر سٹالن کے حکم۔ ہدایت نامے۔ مطالبات اور ناقابلِ علاج مشکلات چھائی رہتی تھیں ؛

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

باب نمبر ۴۲

دوزخ

سو ننار کوم میں ایک محکمہ کا ہیڈ ہونے کی وجہ سے میری آمدنی اُس آمدنی سے آدھی بھی نہ رہی تھی جو انڈسٹری میں ہوتی تھی وہاں ایڈمنسٹریشن کی طرف سے جو بونس ملتے تھے۔ وہ یہاں نہیں تھے۔ لیکن ہر چیز کی خوفناک قلت کے دور میں روپیہ بے معنی تھا۔ اسوقت اگر کوئی چیز اہمیت رکھتی تھی۔ تو وہ یہ کہ کسی کو کتنا راشن ملتا ہے۔ اور جس دکان سے کوئی راشن خریدتا ہے۔ اس میں راشن ہے بھی یا نہیں۔ اس لحاظ سے میں سب سے اعلے اور سب سے اونچے طبقے میں تھا۔

روس کے ہر ادارہ میں وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ پارٹی کمیٹی ڈکٹیٹرشپ کی طاقت کا ایک جزو ہوتی ہے۔ عین اُسی طرح جس طرح کہ خفیہ پولیس اور سپیشل ڈیپارٹمنٹ اُس کے محافظ ہیں۔

سو ننار کوم میں بھی ایک پارٹی کمیٹی تھی اور ہم لوگ بہت سے خالص پارٹی کے کام سرانجام دیتے تھے۔

جو غیر ملکی سٹالن کی پالیسیوں یا روس کے "ذہنی رجحان" کو روسی اخبارات

کے مطالعہ یا کریملین کی پبلک کارروائیوں کے مطالعہ سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں اکٹھی کرلیتے ہیں۔ ایسے ہزاروں میں سے ایک آدمی بھی بالشویکیوں کے "دو سچائیوں" کے سدھانت کو جان نہیں سکا۔۔۔ ایک سچائی تو عوام کے لئے اور بیرونی دنیا کے لئے ہوتی ہے۔ اور دوسری پارٹی کے وفادار معتمدوں اور اندرونی لوگوں کے لئے ہوتی ہے کسی وقت جب پبلک طور پر ایک خاص ڈھنگ کا پروپیگنڈا شروع ہو یا ایک خاص ڈھنگ سے عمل کیا جاتا ہو۔ پارٹی ممبروں کو اسے نظر انداز کر دینے کی ہدایت کی جا سکتی ہے۔ بلکہ یہاں تک بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس پراپیگنڈا کے بالکل الٹ باتوں کو صحیح مانیں۔

جنگ کے اس نازک مرحلے میں لینن ازم سے پیچھے ہٹنا۔۔۔ ٹھوس بنیادوں سے نہیں بلکہ سطحی نکتہ نگاہ سے۔۔۔ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ روس میں اور مشرقی یورپ میں "پسماندہ عناصر" کو بحالی مذہب کے ذریعے شانت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ پرانے وقتوں کی قومی حب الوطنی کی اخلاقی قدروں سے کسی حد تک فائدہ اٹھانا ایک بڑی ضرورت تھی اور کوشش یہ تھی کہ ان حربوں کو اپنا کر اور بالآخر کمیونسٹ انٹرنیشنل کو توڑ کر سرمایہ دار اتحادیوں کو خوش کر لیا جائے۔

بیرونی دنیا اور روسیوں کی اکثریت نے بڑی بیتابی سے اس تبدیلی کو قبول کر لیا اور وہ اسے روسی لیڈروں کی تبدیلی دل کا ثبوت ماننے لگے۔ میں نے ایسے آرٹیکل اور کتابیں اپنی آنکھوں سے پڑھی ہیں جس میں اس "ترک" کو عالمی انقلاب کے آدرش سے روس کا قطع تعلق قرار دیا گیا تھا۔ روس کے متعلق جانکاری رکھنے والے کچھ ایسے "ماہرین" بھی تھے۔ جنہوں نے نہایت احمقانہ طور پر یہاں تک بھی اعلان کر دیا کہ روس ڈکٹیٹرشپ کو چھوڑ کر سرمایہ داری کے نزدیک آگیا ہے۔

ان میں سے کوئی ماہر اگر ہماری پارٹی کے بڑے بڑے عہدیداروں کی کسی ہفتہ وار خفیہ میٹنگ میں شامل ہوتا تو وہ دنگ رہ جاتا۔ ہمارے لئے "لینن ازم سے پیچھے ہٹنا" ایک عارضی چال تھی۔ مذہب کے ساتھ مفاہمت ایک الٹا اقدام تھا۔ جس کے لئے ہمارا دل تیار نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس کے بغیر گذارہ بھی نہ تھا۔ خاص طور پر جبکہ اس وقت آزمائش میں ہونے کی وجہ سے ہماری پارٹی اور ہماری حکومت اس مفاہمت کے لئے مجبور تھی۔ ہمیں کہا گیا کہ ہم کمیونزم پر اپنے دلی اعتقاد کو قائم رکھیں۔ بلکہ مضبوط بنائیں کیونکہ یہ "ٹرک" یہ چال پیشقدمی کرنے کیلئے سٹالن کی پالیسی کا ایک حصہ ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر بلآخر فتح ہماری ہوگی۔

پارٹی کے کام میں ان مفروضہ تبدیلیوں کا نام ونشان تک نہیں ملتا کہ جو روس میں "ہوئی تھیں" جنگ سے پہلے کی کسی پارٹی میٹنگ اور اس وقت کی پارٹی میٹنگ میں اس کے سوا اور کوئی فرق نہیں تھا کہ اب اس میں جنگ اور اس سے متعلقہ کاموں پر غور ہوتا تھا۔

ہر ہفتے ہماری ہفتہ وار میٹنگ رات کے دس بجے شروع ہوتی کامریڈ میرنوف اس کے پردھان ہوتے۔ پردھان کی کرسی سے پیچھے دیوار پر سٹالن کی ایک بڑی سی تصویر ہوتی تھی۔ اور دوسرے سرکردہ کامریڈ انکے پاس سٹیج پر بیٹھے ہوتے تھے۔ ایک رات کو میٹنگ میں گورنمنٹ پبلشنگ ایجنسی کے چیف کامریڈ یوڈن جو اب پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے ایجی ٹیشن پراپیگنڈا سکیشن کی نمائندگی کرتے تھے پہلے سے مہمان تھے۔ ہمیں علم تھا کہ وہ سٹالن کی تصویریں تیار کرنے والے چند اِنے گِنے لوگوں میں سے ایک ہیں۔ اسلئے ہم نہایت دھیان سے انکی تقریر سننے کیلئے تیار ہونے لگے۔ ان کی تقریر کا محور بین الاقوامی حالات تھے۔ لیکن جو کچھ انہیں کہنا تھا، وہ ان معنوں میں محض "رائے" نہیں تھی جو اس لفظ کے مغرب میں لئے

جاتے ہیں۔ اُن کی یہ تصویر اُس پالیسی ... اُن کا انحصار تھا جس پر کہ ہمیں کار بند رہنا تھا جس سے کہ کسی وفادار کمیونسٹ کو منحرف نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ ہمیں علم تھا کہ بوڈن کی تصویر سٹالن کی، پارٹی کی اور روسی ڈکٹیٹر شپ کی آواز ہو گی۔

لیکن پیشتر اس کے کہ کامریڈ بوڈن تقریر شروع کرتے ایک اور ساتھی نے ہمارے سامنے اسوقت کی فوجی پوزیشن کا ایک خاکہ پیش کیا۔ اسنے ہماری شکستوں کی نوعیت یا سامنے نظر آنیوالے خطرہ کو کم کر کے دکھلانے کی کوشش نہ کی اُس نے کہا کہ سٹالن گراڈ میں ہمارا امتحان ہو گا۔ ہم وہاں ناکام رہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ہمیں وہاں ناکام نہیں رہنا چاہیئے۔ اگر سٹالن گراڈ دشمن کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اگر جرمن دریائے وولگا کو پار کر آئے تو ہم تیل کے ذخیروں سے کٹ جائیں گے۔ لڑائی جاری رکھنے کی تمام کوشش ناکام ہو جائے گی۔ لیکن یہی نہیں۔ اُس کامریڈ نے کہا۔

"ساتھیو! ہم سب کو یہ بات ضرور سمجھ لینی چاہیئے کہ سٹالن گراڈ محض ایک شہر نہیں ہے یہ وہ شہر ہے جس کا نام بین الاقوامی کمیونزم کے ستون سٹالن کے نام پر ہے۔ سٹالن گراڈ میں معاشرت کے دو ڈھنگ ٹکرائیں گے۔ ایک طرف سرمایہ داری اپنی فاسسٹ شکل میں ہو گی۔ اور دوسری طرف کمیونزم ہو گا۔ ایک طرف ہٹلر کی فوجیں ہوں گی اور دوسری طرف سٹالن کے آدرشوں کی قوت۔ لینن کے لفظوں میں "کٹو کو فو؟" کون کس پر فتح پائے گا؟"

"سٹالن کے نام پر آباد شہر سے ہمیں پیچھے نہیں ہٹنا چاہیئے۔ قیمت چاہے کچھ دینی پڑے۔ ہمیں اس شہر کی ایک ایک اینٹ ایک ایک پتھر سے چمٹے رہنا چاہیئے۔ اس تاریخی لڑائی کے لئے فوجیں اور سامانِ جنگ بھاری مقدار میں جمع کیا جا رہا ہے۔ ہم جرمنوں کو اُن کے اپنے خون میں ڈبو دیں گے۔ اور دنیا کو یہ علم

ہو جائے گا کہ محبوب سٹالن کیا معنے رکھتا ہے۔ سٹالن گراڈ ہمارے محبوب لیڈر کی ایک شاندار یادگار کے طور پر صدیوں تک قائم رہے گا"

ان الفاظ پر وہ تالیاں پڑیں کہ ہال گونج اٹھا۔ اور جب تالیاں مدھم ہوئیں تو کامریڈ پوڈن تقریر کرنے کیلئے سٹیج پر آئے۔ ہم ہمہ تن گوش انکی تقریر سن رہے تھے۔ کامریڈ پوڈن اگرچہ ایک مارکسی فلسفر دان تھے پھر بھی وہ جگہ جگہ پر اپنی تقریر میں طنز کا استعمال کر رہے تھے۔ موضوع پر انہیں کمال حاصل تھا۔ اور وہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ نہ صرف ہٹلر کے گٹ بلکہ ساری گلی سڑی اور بوسیدہ سرمایہ دار دنیا پر روشنی ڈال رہے تھے۔

انہوں نے ہمیں بتایا کہ انگلینڈ اور امریکہ کے عوام میں روسی نظام پر اعتماد کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ انہوں نے پروٹسکی لاسکی اور دوسروں کے حوالے دیئے اور کہا کہ نہ چرچل نہ روزویلٹ اور نہ انکی سوشلسٹ اور "لیبر" کٹھ پتلیاں اس رَو کو روک سکتی ہیں۔ کامریڈ پوڈن نے بتایا کہ انگلینڈ میں سوشل فاسسٹ لیڈر کلیمنٹ ایٹلی اکثر فاسسٹ لیڈر لیڈی آسٹر کے مہمان بن کر انکے پاس جاتے ہیں۔

" اب آپ اس وجہ کا اندازہ خود لگا لیں" یہ فقرہ انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا اور تقریر جاری رکھی۔

" انگریز لیڈر ذرا یہ سمجھتے ہیں کہ جنگ عوام میں انقلابیت پیدا کر رہی ہے اُن کے لئے جرمن کو شکست دینے کی نسبت اس خطرے کو ختم کرنا زیادہ اہم ہے لیکن وہ اسے ختم کیسے کریں؟

یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ "نام نہاد لیبر پارٹی" مسلح عوام کو کمیونسٹ پارٹی اور کمیونسٹ انٹرنیشنل کی رہنمائی میں طاقت پر قبضہ کرنے سے روک دے"

کامریڈ پوڈن نے کہا کہ اسوقت ظاہرا طور پر چرچل اور لیبر اپوزیشن کے

درمیان جدوجہد محض ایک دکھاوا ہے۔ پرولتاریوں کو دبائے رکھنے کیلئے دونوں گروپ اکٹھے کام کر رہے ہیں۔ اور دونوں "خدا بادشاہ سلامت کو بچائے" کا نعرہ لگانے کو تیار رہیں۔

"جہاں تک روس کے تئیں رویہ کا تعلق ہے" کامریڈ پوڈن نے سب کی توجہ اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا "لیبر لیڈر ہم سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں، جتنی کہ ہمیں ہٹلر سے ہے"

اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ لیبر پارٹی اور اس قسم کے دوسرے "اُلکل توپی" جمہوریت پسندوں کا پارٹی میٹنگ میں مذاق اُڑانا اور اُن کے تئیں نفرت کا اظہار کرنا ایک اچھی بات سمجھی جاتی تھی۔ سکون قائم ہونے کے بعد کامریڈ پوڈن نے ترکی اور جاپان کے حالات پر کچھ روشنی ڈالی۔

"ہم جانتے ہیں" انہوں نے گرجتے ہوئے کہا "کہ جاپان کے ماتسوکا نے — جیسے کہ کامریڈ سٹالن نے سٹیشن پر جا کر الوداع کہنے کی عزت بخشی تھی۔ اپنی فوجوں کو اس وقت روس پر عمل کرنے کا حکم دیا جو تنگ کرے پہلے اہر کے بعد جرمن دیں، ماسکو کی طرف بڑھ رہی تھیں ہم دراصل ہٹلر کے گروہ سے نپٹ لیں۔ جاپان اور اس کے شاہی خاندان کو بھی پتہ چل جائے گا کہ ان کا یہ اقدام کیا معنیٰ رکھتا ہے۔

"ساتھیو۔ اب میں امریکہ کی طرف آتا ہوں۔ وہاں روزویلٹ کی اس پالیسی کی زبردست مخالفت شروع ہو گئی ہے کہ جب تک اپنے لئے مفید ہے روس کو ساتھ ملائے رکھو۔ سرمایہ داری کے گروہ میں اس قسم کی مخالفت تیز رہی ہے۔ اپوزیشن کی رہنمائی سابق صدر ہربرٹ ہوور اور کچھ رجعت پسند ممبران (سینیٹر) ودسرے لوگ کر رہے ہیں۔ جو کہ مارگن راک فیلر اور ڈیوپونٹ جیسے سرمایہ داروں کے تنخواہ دار ہیں۔ ہیرسٹ اور میکارمک جیسے لوگوں کا فاسسٹ اور نیم فاسسٹ پریس

اور کچھ ایسے سے خبر ہے جرنلسٹ انکی حمایت کر رہے ہیں۔

"ہمارے لئے یہ بات واقعی دلچسپ ہے کہ ان لوگوں کے خیال میں روزویلٹ روس اور کمیونزم کے ہاتھ بک گیا ہے۔ وہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اپنی کی طرح روزویلٹ بھی ناگریہ یہ کمیونزم کیخلاف ان کی آخری دفاعی چوکی ہے۔ وہ یہ بھی نہیں سمجھتے کہ اس نے جنگ میں روس کے ساتھ جو متحدہ محاذ بنایا ہے وہ ویسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی بوقت ضرورت شادی کرے اور بعد میں اُسے توڑ دے۔ انہیں سرمایہ داری سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی کہ انہیں ہم سے ہے۔ سٹالن اور لینن نے ہمارے ذمہ جو کام ڈالا ہے۔ ہمیں جو راہ دکھائی ہے۔ اور تاریخ نے ہم پر جو ذمہ داری ڈالی ہے ہم اس سے کبھی ــــ کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے!"

ان الفاظ پر زوردار تالیاں بجیں جو اس بات کی مظہر تھیں کہ اگر امریکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتا جو بوڈن نے پیش کی ہے تو ہم ضرور سمجھتے ہیں کامریڈ بوڈن نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

• "ساتھیو! سرمایہ دار قوموں کے ساتھ جنگ میں ہماری شرکت سے کوئی غلط فہمیاں پیدا نہیں ہونی چاہیئں۔ ہمیں اپنے بنیادی اصولوں پر سختی سے کاربند رہنا چاہیئے۔ آج دنیا ایک نہیں دو ہیں۔ کبھی کبھی اس خلیج پہ جو انہیں ایک دوسرے سے الگ کرتی ہے پل باندھ دیا جاتا ہے جیسا کہ اس جنگ میں باندھا گیا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ جلد یا بدیر یہ پل ضرور ٹوٹ جائیگا۔

سرمایہ داری اور کمیونزم کی دو دنیائیں ہمیشہ کیلئے پہلو بہ پہلو نہیں رہ سکتیں۔ "کاڈ لوفو" کون کس پہ فتح حاصل کریگا؟ یہی ایک سوال پہلے بھی تھا اور آج بھی اسی طرح قائم ہے یہی ہمارے مستقبل کا بڑا مسئلہ ہے۔

"ساتھیو! جب تک ہم سرمایہ دار دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں ہم خطرہ

میں ہیں۔ اس بات کو ہمیں بھولنا نہیں چاہیئے۔ اُدھار پٹے کی بنیادوں پر سوچ کر ہمیں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ایک ایسا سودا ہے جسکی قیمت ہم اپنے خون سے ادا کر رہے ہیں۔ ہمیں اس نئی اور غیر قدرتی دوستی سے کوئی زیادہ اُمیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہیئں۔ ہم پارٹی ممبروں کو یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم لینن اور سٹالن کے سپاہی ہیں، اور سرمایہ داری کے ارادوں اور اس کی حقیقت کو سمجھتے ہیں"

یوڈن کی تقریر ختم کرنے کے بعد ہم سب اپنی سیٹوں پر اُٹھکر کھڑے ہو گئے اور ہم نے پارٹی کا ترانہ "انٹرنیشنل" گایا۔ دوسرے لوگ روس کے کمیونسٹ اصولوں سے "پیچھے ہٹنے" کے چاہے کچھ معنے لیتے ہوں لیکن ہم لوگ جنہیں کمیونزم پر پوری طرح اعتماد تھا۔ جانتے تھے۔ کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے عارضی طور پر سیکھے جانے والی مراعات ہیں۔ یہ سب بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کی ایک نئی شکل تھی۔ اور یہ سمجھنا محض بیوقوفی تھا کہ پارٹی یا روسی سرکار اپنے مقاصد کو چھوڑ بیٹھی ہے۔

ایسے ہی ایک اور موقعہ پر مقرّر روس کے مشہور ڈپلومیٹ فلاڈیمر لوٹیویکن تھے انہوں نے جو کچھ کہا تقریباً وہی تھا جو ہم یوڈن سے سن چکے تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ روس میں کسی کی کوئی اپنی رائے نہیں ہوتی۔ ہر آدمی طے شدہ پارٹی لائن پر ہی سوچتا ہے اور پبلک تقریروں میں اُسی کو دہراتا ہے۔ لیکن لوٹیویکن چونکہ بین الاقوامی امور کے ماہر تھے اس لیئے انہوں نے مختلف یوروپی ملکوں کے مستقبل پر زیادہ وضاحت سے روشنی ڈالی سنٹرل کمیٹی کے دوسرے ترجمانوں کی طرح اُن کے خیالات بھی پارٹی کی تھیوری کے آئینہ دار تھے۔

یہ سب لوگ اس بات پر زور دیتے تھے کہ اگر ہم فاسسٹ کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن سے پیچھے ہٹتے ہیں۔ تو وہ صرف اس لیئے کہ پیشقدمی کیلیئے نئے اڈے بنا سکیں انہیں اس بات کا قطعی طور پر یقین تھا۔ کہ ہماری فتح کے بعد شکست کھانے یا

"آزاد" ہونے والے ممالک کی وزارتوں میں کمیونسٹ شامل ہوں گے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ اس مقصد کیلئے ہمیں انقلابی طاقت اور انقلابی فوجوں کو وسعت دینی چاہیئے اور آنے والے دنوں کیلئے اُسے ریزرو رکھنا چاہیئے۔ اُن کا کہنا تھا کہ سرمایہ داری پر دو طرف سے حملہ کیا جائیگا۔ نیچے سے عوام حملہ کریں گے۔ اور اوپر سے اِن ملکوں کی حکومتوں میں گھسے ہوئے کمیونسٹ۔

جنگ کے دنوں میں کمیونزم نے سرمایہ داری سے جو مفاہمت کی اُس میں سے زیادہ اہم مفاہمت مذہب کے معاملہ میں تھی۔ ایک روز اس معاملہ پر پارٹی کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے کامریڈ میردانوف نے کہا۔

"ساتھیو! ہمیں خدا اور مذہب پرستوں کو کچھ رعائتیں دینی پڑی ہیں خاص طور پر اس لئے کہ سُرخ فوج کے سپاہیوں کی ایک بڑی بھاری تعداد ایسے پسماندہ دیہات سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں کہ مذہب کا اب تک بہت کافی احترام ہے۔ اس کے علاوہ دشمن پراپیگنڈا مقاصد کیلئے ہماری مذہب کے خلاف پالیسیوں کا فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اگر ہم چرچ کے ساتھ اپنے تعلقات کو خوشگوار بنالیں تو دشمن کا پراپیگنڈا بے اثر ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بہت اہم مصلحت ہے۔ ہماری فوجیں عنقریب اُن دیشوں میں بڑھنی شروع ہوجائیں گی۔ جہاں کہ کمیونزم کا پرچار نہیں ہے۔ اس لئے بھی ہمیں چرچ کے تئیں اپنی موجودہ پالیسی جاری رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"مذہب کے متعلق ہماری نئی پالیسی رومن کیتھولک۔ لوتھرن اور دوسرے مذہبی گرجوں کے اینٹی سوویٹ پراپیگنڈا کا اثر زائل کرنے میں بہت مدد دے گی۔ اس لئے آپ لوگ، پارٹی کی دانشمندی کا کوئی کم اندازہ نہ لگائیں۔ آنے والے دنوں میں ہمیں اس مسئلہ پر زیادہ وسیع نکتہ نگاہ سے غور کرنا ہے۔ ہمارے پاس دوسرے

دانشوروں کے پیرچوں کو روس کے قریب لانے کا موقع ہے اس طرح سے ہم روس کو تیسرا دم بنا سکیں گے"

ہم پر پوزیشن اب واضح ہو گئی تھی، مذہب کے معاملہ میں پالیسی کی تبدیلی بھی ایک چال تھی ہم پر یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ عوام کے ساتھ اپنی بات چیت کے دوران میں ہمیں یہی ظاہر کرنا چاہیئے کہ تبدیلی حقیقی ہے اور سچے دل سے کیگئی ہے۔

۱۹۴۳ء میں جب اچانک کمیونسٹ انٹرنیشنل "کو توڑ" دیا گیا۔ اس وقت میں سو فنار کوم میں کام نہیں کرتا تھا۔ لیکن مجھے اس کے پس منظر کا علم تھا سو فنار کوم میں پارٹی افسروں کی خفیہ میٹنگوں میں یوڈن یو ٹیہ مکن نے ہمیں جو کچھ بتایا تھا۔ وہ ابتک ذہن میں تھا۔ میں جانتا تھا۔ کہ اس عالمی ادارے کو محض رسمی طور پر توڑا گیا ہے۔ درحقیقت اس کی مشینری کو تو اب مضبوط بنایا جاتا تھا۔ کیونکہ خفیہ طور پر کام کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ ایک مقرر کے یہ لفظ اب بھی میرے ذہن میں گونج رہے تھے۔ کہ "ساری دنیا میں انقلاب کی طاقتیں جدوجہد کرنے اور فتح حاصل کرنے کی تیاریاں کر رہی ہیں"

انٹرنیشنل کو توڑے جانے کی خوشی میں اسبات کو بالکل بھلا دیا گیا تھا کہ سٹالن کی کتاب :- "Problems of Leninism"

فلسفہ کے معاملہ میں اب بھی کمیونسٹوں کی رہنمائی کر رہی ہے۔ اور اس کتاب کے اندر سٹالن نے اپنے اس یقین میں کوئی شک نہیں رہنے دیا کہ "فاتح پرولتاریت" —— جس کے معنے ہیں روس —— کو یہ حق حاصل ہے بلکہ اسکا یہ ایک فرض ہے کہ وہ دوسرے ممالک میں انقلاب لانے کے لئے موقع ملنے پر اپنی طاقت استعمال کرے سٹالن نے لکھا ہے کہ "جہاں انقلابی حکومت قائم ہو چکی ہو اُسے باقی دنیا میں انقلاب لانے کیلئے مدد دینی چاہیئے۔ اور جب کبھی ضرورت ہو لوٹ کھسوٹ

کرنے والے طبقوں اور انکی حکومتوں کے خلاف فوجی طاقت کے استعمال سے بھی
نہیں ہچکچانا چاہیئے۔

اسکے علاوہ سٹالن کی کتاب "History of the Party"
جسے پارٹی کے سرکاری لٹریچر کی حیثیت حاصل تھی۔ اب بھی موجود تھی۔ اور جہاں
کہیں سٹالن کے پیرو کار یا اُن کے ہمسفر موجود تھے۔ وہاں یہ کتاب بھی پڑھی جاتی تھی
اس کے بارے میں زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں اس کے پیش لفظ میں اعلان
کیا گیا ہے کہ :-

" آل یونین کمیونسٹ پارٹی مارکسزم اور لینن اِزم کی انقلابی تعلیمات پر
عمل کرتی رہی ہے۔ اور اب بھی اُن پر اعتقاد رکھتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "ہسٹری آف
دی پارٹی" کو پڑھنے سے یہ یقین مضبوط ہوتا ہے۔ کہ بالآخر لینن اور سٹالن کا عظیم
مشن کامیاب ہوگا۔ اور کمیونزم کو ساری دنیا میں فتح حاصل ہوگی"

چونکہ ان اعلانات کی ابتک کبھی تردید نہیں کی گئی۔ اس لئے کوئی آدمی
یہ قیاس کر سکتا ہے۔ اور ایسا قیاس کرتے ہوئے خوف سے کانپ سکتا ہے کہ
اگر امریکہ کی بجائے پہلے روس ایٹم بم تیار کر لیتا تو کیا ہوتا !۔

انہی دنوں میں جبکہ کمیونسٹ انٹرنیشنل کو توڑ دینے کا اعلان ہوا اور
جب سرمایہ دار اتحادی اس پر بغلیں بجا رہے تھے۔ مجھے "انٹرنیشنل بک" میں
جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ وہ ادارہ تھا جو غیر ملکی زبانوں میں پراپیگنڈا لٹریچر شائع
کرتا تھا۔ وہاں میں نے پارٹی لائن کے متعلق چھپے ہوئے لٹریچر کے بھاری ذخیرے
دیکھے جو کہ اُن ملکوں میں تقسیم کئے جانے تھے۔ جن میں کہ روسی فوجیں داخل ہونے
والی تھیں۔ ظاہری میں کمیونسٹ انٹرنیشنل ختم ہو چکی تھی لیکن حقیقت میں
پارٹی کی سنٹرل کمیٹی تیزی سے اُن ممالک پر اپنا فلسفہ مسلط کرنے کی کوششوں

میں مصروف تھی۔ جن پر کہ شرح تو جیں قبضہ کریں۔ کمیونسٹ انٹرنیشنل کے کارندوں کو جرمنی فرانس پولینڈ ہنگری اٹلی اور ایسے ہی دوسرے ممالک میں کام کرنے کے لئے ازسر نو منظم کیا جا رہا تھا۔

٭ ٭ ٭ ٭

(۲)

کچھ عرصہ سے میں اس مطلق العنان حکومت سے وہ بہترین انعام حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو یہ کسی کو دے سکتی تھی۔ میری مراد رہائش کے لئے ایک بالکل الگ مکان سے ہے۔ بالآخر اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔

لمبی چوڑی موزہیتک روڈ روس کی بہترین سڑک ہے اور اسکی سب سے زیادہ دیکھ ریکھ ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ وہ سڑک ہے جو کہ سٹالن کی دیہاتی رہائش گاہ اور پولٹ بیورو کے کئی ممبروں کے موسم گرما کے دفاتر کی طرف جاتی ہے۔ چونکہ محبوب لیڈر سٹالن اس سڑک پر سے گذرتا ہے۔ اسلئے قدرتی طور پر ہر وقت اس سڑک کی زبردست نگرانی کی جاتی ہے۔ خفیہ پولیس کے مخبر اور چیتن افسر چمڑے کی واسکٹیں پہنے ہر وقت موٹر سائیکل پر ادھر ادھر گھومتے نظر آتے ہیں۔

شہر میں اس سڑک کے کنارے جدید ڈیزائن کی کئی بہت خوبصورت عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں۔ سوفنارکوم کی مدا خلت سے ان میں سے ایک عمارت میں مجھے ایک بالکل الگ پورشن دیدیا گیا۔ دو کمرے تھے اور باورچی خانہ۔ ماسکو میں مکانوں کی قلت اور آبادی میں اضافہ کی وجہ سے اتنی جگہ ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ اس پورشن میں الگ غسلخانہ تھا کمروں کے درمیان میں ہیٹر لگانے کی جگہ تھی۔

بجلی کا جدید ترین سامان لگا ہوا تھا۔ اور دیگر تمام سہولیات تھیں۔ ایک چھوٹا سا نقص تھا وہ یہ کہ اسکی کھڑکیاں باہر ٹیمی سڑک پر کھلنے کی بجائے پچھلی طرف آنگن میں کھلتی تھیں۔

مکان کا الاٹمنٹ آرڈر۔ سوفنار کوم میں اپنے عہدہ کا سرٹیفکیٹ اور اپنا پارٹی کارڈ لیکر میں ہاؤس چیئرمین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے کاغذات دیکھکر انہوں نے کہا:۔

"ڈکٹر اینڈری نہرج! یہ تو سب ٹھیک ہے۔ ہاں اب تم اس مکان کے قبضہ کے متعلق ضلع کی خفیہ پولیس کے اسسٹنٹ چیف کے پاس رپورٹ کر آؤ۔ یہ ایک رسمی کارروائی ہے"

"لیکن خفیہ پولیس کا اس سے کیا تعلق؟ یہ کاغذات تو بالکل واضح نظر آتے ہیں" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

" میرے لئے تو کاغذات ٹھیک ہیں۔ لیکن یہ ایک سرکاری سڑک ہے۔ اس پر سے ہر روز پولٹ بیورو کے ممبر گذرتے ہیں۔ اسلئے اس کے کنارے رہنے والے لوگوں کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے تمہارا خفیہ پولیس چیف کے پاس جانا ضروری ہے"

اب بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ اگرچہ اس عمارت کی کھڑکیاں سڑک پر نہیں کھلتی تھیں پھر بھی مجھے تب تک موزہیٹک روڈ کے کنارے رہنے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی۔ جبتک کہ خفیہ پولیس یہ فیصلہ نہ دیدے کہ میرے وہاں رہائش رکھنے سے سٹالن کے تحفظ کو کوئی خطرہ نہیں۔ میں متعلقہ پولیس افسر کے پاس پہنچا وہاں مجھ پر اسی قسم کے سوالات کئے گئے جن کا کہ میں اچھی طرح سے عادی ہو چکا تھا۔ ان کے بعد مجھے وہاں رہنے کی اجازت دیدی گئی۔

لیکن شاید اس مکان کا قبضہ حاصل کرنا قسمت میں نہ تھا۔ عمارت چونکہ ابھی تعمیر ہو رہی تھی۔ اس لئے کمروں میں پلستر اور سفیدیاں وغیرہ ہونے میں کافی وقت لگا۔ دریں اثنا میرے کسی سرکاری عہدہ پر غیر ملک میں بھیجے جانیکا کچھ امکان پیدا ہو گیا۔ یہ ایک ایسا چانس تھا۔ جس کی توقع شاید میں نے کبھی تصور میں ہی کی ہوگی۔ مجھے یہ سنہری موقع ملنے کی کوئی بھی اُمید نہیں تھی۔ اب جبکہ اس بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو جاتا۔ میرے نئے مکان میں منتقل ہونے کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔

اُدھر ادھار پٹے کے بڑھتے ہوئے سلسلہ کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ اقتصادیات کی تمام برانچوں کے سینکڑوں ماہرین کو انگلینڈ کینیڈا اور خاص طور پر امریکہ بھیجا جائے۔ روس کی تاریخ میں پہلے کبھی اتنے لوگوں کو غیر ممالک میں نہیں بھیجا گیا تھا جتنے کہ اب بھیجے جا رہے تھے۔ کافی تجربہ کار میٹالرجی انجینئر ہونیکی وجہ سے میں بھی کسی ایسے عہدہ کے قابل تھا۔ میرا سیاسی ریکارڈ چھانٹیوں کے دنوں کی سخت آزمائش کے باوجود بے داغ تھا۔ لیکن اگر میں باہر جانے کیلئے خود کوشش کرتا تو اسکا اثر اُلٹا ہوتا اور شائد میرا کسی عہدہ کے لئے چنا جانا ویسے ہی ناممکن ہو جاتا۔ جو آدمی کسی غیر ملک میں جانے کیلئے زیادہ بیتاب ہو۔ اُسے اپنی اس بیتابی کو زیادہ زور سے دبانا چاہئے تھا کیونکہ بصورت دیگر احتمال تھا کہ روس کی وفاداری کے محافظ اس بیتابی سے کسی اور غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

ایک رات کو میں غیر ملکی تجارت کے محکمہ میں ایک اعلےٰ عہدہ پر فائز افسر سے جو کہ میرا دوست تھا ادھار پٹہ کی حالت کیمتعلق بات چیت کر رہا تھا میں نے بڑی احتیاط سے بات چیت کا رُخ موڑا میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ میں باہر کسی دلیش میں جا کر کام کر سکنے کے قابل ہوں۔ لیکن میں نے باتوں باتوں میں یہ خیال کسی نہ کسی طرح اس افسر کے دماغ میں بٹھا دیا اور اس خیال سے ترغیب پاتے ہی اُس نے مجھ سے پُوچھا۔

"ڈاکٹر اینڈر ہی وبچ - تمہارا امریکہ جانے کے بارے میں کیا خیال ہے! مجھے علم ہے کہ وہاں ہمیں ابھی اور آدمیوں کی ضرورت ہے"

"ہول!" میں نے جواب دیا" اس پر کبھی غور نہیں کیا - اور اس کے علاوہ — آپ جانتے ہی ہیں — میں یہاں سوفنار کوم میں کبھی کافی ذمہ داری کا کام سرانجام دے رہا ہوں - پھر کبھی اگر میں جنگی سرگرمیوں میں مفید ثابت ہو سکتا ہوں تو...."

میرا دوست یہ افسر بدھو نہیں تھا میرے گول مول جواب سے وہ بیوقوف نہیں بنا - اُس نے کہا -

"کوئی بات نہیں - میں اسکا انتظام کردوں گا - یقین رکھو میں متعلقہ حلقوں میں تمہارا نام تجویز کردوں گا - "

اس پر میں نے اسکا شکریہ ادا کیا - مجھے یہ ذرا بھی یقین نہیں تھا کہ اُس نے اگر تجویز پیش کی تو وہ منظور کر لیجائیگی

جن دنوں کی یہ بات ہے وہ غالباً دسمبر کا مہینہ تھا -

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

باب نمبر ۲۵

امریکہ آنے کی تیاریاں

میرے امریکہ جانے کا خیال جنوری ۱۹۷۳ء میں قطعی شکل اختیار کرنے لگا۔ اور جولائی میں سچ مچ میرے نام کا پاسپورٹ جاری کر دیا گیا۔ ان ۶ مہینوں میں میں اپنے آپ کو ایک ایسا عنصر محسوس کر رہا تھا جس پر ایک بڑی سائنسی لیبارٹری میں بڑے بڑے سائنسدان تجربے کر رہے ہوں جس کی جانچ کی جا رہی ہو ہر طریقہ سے اور ہر پہلو سے چیر پھاڑ کر کے دیکھنے کی کوشش کی جا رہی ہو کر اندر کیا... ہے میری خامیوں کو برائیوں کو ڈھونڈا جا رہا تھا۔ مطلق العنان حکومت کی ساری طاقتیں میری شخصیت کی چیر پھاڑ کرنے پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ اس بات کی تحقیقات ہو رہی تھی کہ میری شخصیت کا دائرہ کہاں تک ہے۔ میرے رشتہ دار، سسرال اور دوسرے ہر قسم کے واقفکاروں کے متعلق تحقیقات کی جا رہی تھی۔

حکومت کی بداعتمادی کی انتہا یہ تھی کہ اُسے خود اپنی کارروائیوں پر بھی اعتماد نہ تھا۔ ہفتوں تک اس نے نئے سے نئے تجربہ کار جاسوسوں کی معرفت میرے دل ....اور دماغ کی تلاشی لی۔ یہ جاننے کیلئے کہ ان کی تہہ میں کیا ہے اور یہ واقعی

حیرانی کی بات ہے۔ کہ ابھی یہ تمام تحقیقات ناکام رہی ــ اس کے جاسوس میرے دل کے راز کو ــــ روس سے فرار ہونے کے فیصلہ کو ــــ ڈھونڈ نکالنے میں ناکام رہے۔ انہیں اسکا پتہ نہ چل سکا اور راز ایک راز ہی رہا۔

میرے متعلق یہ چھان بین محکمہ غیر ملکی تجارت کے سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے دفتر میں شروع ہوئی۔ سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے افسر کامریڈ شٹوب کی آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک چڑھی ہوئی تھی قد اُن کا چھوٹا تھا اور انہوں نے میرے ساتھ ایسے باتیں کیں جیسے انہیں میری شخصیت سے کوئی تعلق نہ ہو جیسے ان کے لئے مجھ میں اور ایسی ہی تحقیقات کیلئے آنے والے اور لوگوں میں کوئی فرق نہ ہو۔

پہلے تو انہوں نے جنم سے لیکر اب تک کی میری داستانِ حیات سنی پھر میرے والدین۔ میرے دادا۔ دادی بھائیوں اور پھر دور کے رشتہ داروں کے حالات زندگی کے بارے میں پوچھا۔ قریبی رشتہ داروں کے بعد دوسرے لوگوں کے ساتھ میرے تعلقات کے متعلق نہایت گہرے سوالات کئے اور میرے پیشہ وارانہ ساتھیوں اور دیگر واقفکاروں کے متعلق بھی واقفیت حاصل کی۔

اس معاملہ میں مطمئن ہو کر اس نادر اندیش افسر کامریڈ شٹوب نے مجھے کچھ تحریری سوالنامے دیدیئے اور کہا کہ میں انہیں بھر کر کل انکے پاس لے آؤں۔ اس نے مجھے متنبہ کیا کہ ان سوالناموں میں کوئی لفظ بگاڑنا۔ کاٹنا یا دوبارہ لکھنا ممنوع ہے ــــ یہ پابندی شاید اس لئے تھی کہ مجرم ضمیر سے غلطی ضرور ہوتی ہے۔ اور اگر سوالنامے میں کوئی غلطی ہو اور کاٹ کر کچھ لکھا جائے تو اس سے سوالنامہ پُر کرنے والے کا ضمیر مجرم ہونے کا پتہ چل سکتا ہے۔

میں نے اس ہدایت پر عین ٹھیک ڈھنگ سے عمل کیا اور کاغذات کی جتنی

نقول جس بڑا پرچے میں جمع کرائی تھیں۔ کرا دیں۔ چند دن بعد مجھے پیغام ملا۔

" موجودہ عہدے پہ کام جاری رکھو۔ اگر تمہیں غیر ملک میں بھیجنے کی ضرورت پیدا ہوئی تو مطلع کر دیا جائے گا۔"

موجودہ روس کی پالیسی کے مطابق یہ پیغام اسبات کا مظہر تھا۔ کہ میرے متعلق زوروں سے تحقیقات ہو رہی اور اگر مجھے باہر بھیجنے کے قابل سمجھا گیا۔ تو آگے تحقیقات کی جائے گی۔ ورنہ وہیں ختم کر دی جائیگی۔

تین مہینے گذر گئے۔ میں کچھ نا امید ہونے لگا۔ میرے ذہن میں یہ خیال اٹھنے لگا تھا کہ کہیں میری یا میرے کنبے کی تاریخ کے اوراق پہ کوئی ایسا دھبہ رہ گیا ہے۔ جسے کہ مٹایا نہ جا سکا ہو۔ لیکن ۱۸ اپریل میں ایک رات کو جب میں گلیومیل میں ۱۴ گھنٹے تک جان توڑ کام کرنے کے بعد تھکاوٹ سے چور گھر پہنچا تو وہاں مجھے ایک پُر اسرار پیغام ملا جو کبھی شائد ایک طرح سے تحقیقات کا ایک حصہ ہی تھا کیونکہ اس کے ملتے ہی خوف اور امید کا ملا جلا احساس پیدا ہو جانا ضروری تھا۔ اس پیغام سے جہاں یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ کوئی ترقی ملنے والی ہے۔ وہاں یہ بھی کہ شاید پولیس نے "بات چیت" کیلئے بلایا ہو۔

جس نمبر پہ مجھے ٹیلیفون کرنے کو کہا گیا تھا۔ جب میں نے فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ محکمہ غیر ملکی تجارت کے ایک اعلےٰ افسر کا نمبر ہے۔ اس نے مجھے پاس آنے کو کہا اور میں جلدی سے اسکی طرف روانہ ہو گیا۔

تین گھنٹے تک ہمارے درمیان۔ میرے ماضی کے متعلق سوال و جواب ہوتے رہے۔ میرے سیاسی نظریات اور رجحانات کے ہر موڑ پہ مذکورہ افسر کچھ کھٹکتا رہا۔ کبھی وہ کوئی ایسی بات کہتا جس سے متاثر ہو کر میں وہ جواب دے سکتا تھا جس کی کہ اُسے تلاش تھی اور کبھی وہ مجھ پہ ایک دم سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دیتا

ہیر پھیر کر سوال پوچھنا۔ پھر کوئی ایسی بات کہنا جس سے میرے متاثر ہونے کا امکان تھا اور پھر ایکدم نیا رخ پلٹ لینا۔ اس میں شک نہیں کہ اپنے اُس دوست کو میں ایک بوڑھی اور تجربہ کار بلی سے تشبیہہ دے سکتا ہوں۔ لیکن اس بار اُسے ایک چالاک اور تجربہ کار چوہے سے واسطہ پڑا تھا۔

"ہیمرسمتھ" ڈیپریشن گیرسٹگڈن۔ ڈورکنگ اور دوسرے "مختلف کلاسوں" میں میں نے جو تربیت حاصل کی تھی آج وہ میرے آڑے آرہی تھی۔ صبح کے دو بجنے تک میں اور تحقیقات کنندہ افسر دونوں بالکل تھک گئے۔ اور بالآخر افسر مذکور نے مجھے چند بہت اہم فارم پُر کرنے کیلئے دیئے اور کچھ دن بعد اسی دفتر میں حاضر ہونے کی ہدایت دیکر جانے کی اجازت دیدی گئی۔

جو کچھ بھی ہوا۔ اس سے مجھے اسبات کا ثبوت تو مل ہی گیا کہ مجھے باہر بھیجنے کا معاملہ آگے بڑھ رہا ہے۔ ایک دن مجھے محکمہ غیر ملکی تجارت کے میڈیکل آفیسر کے سامنے پیش ہوکر اپنا طبی معائنہ کروانے اور پھر سرکاری فوٹو گرافر سے اپنی فوٹو اتروانے کا حکم ملا۔ دو دن بعد مجھے اسسٹنٹ کمشنر کامریڈ لیبیڈ لیف کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ جو کہ محکمہ کے افسر اعلیٰ کامریڈ میکوٹیان کے ایک دائیں بازو تھے۔

میں جب لیبیڈ لیف سے پہلی مرتبہ ملنے گیا تو اُن کے دونوں طرف دو اسسٹنٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ جو بات چیت کے دوران میں بار بار مختلف کاغذات ان کے ہاتھوں میں دے رہے تھے۔ نہ معلوم کیوں اُن کی خوبصورت میز کمرے کے درمیان میں تھی۔ اور دیواروں پر سفیدی کی بجائے رنگ ہوا ہوا تھا۔ دیواروں پر سٹالن مالوٹوف اور میکوٹیان کی تصاویر آویزاں تھیں۔ آن کے سامنے میز پر ایک موٹی فائیل پڑی تھی۔ غالباً اس فائل میں وہ بے شمار

سوالنامے تھے جو پچھلے دنوں میں مجھ سے پُر کرائے گئے۔ اور وہ پراسرار رپورٹیں تھیں جو مختلف مقامات سے میرے متعلق حاصل کی گئی ہونگی

رسمی سلام دعا کے بعد کامریڈ لیبیڈیف نے مجھ پر ابتدا سے سوالات شروع کئے۔ انہوں نے میرا نام پوچھا۔ مقام پیدائش پوچھا اور یہ دریافت کیا کہ میں پارٹی میں کب شامل ہوا تھا۔ وہ کوئی ایسا سوال نہ پوچھ سکے جس کا مجھے پہلے کئی مرتبہ جواب نہ دینا پڑا ہو۔ بلکہ اُنہیں تو رسم پوری کرنی تھی۔ میں بڑی بے ساختگی سے بڑے اُنساہ سے ان سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔ مجھے ان کے سہ وہ ڈھنگ سے کچھ حوصلہ مل رہا تھا اور ان کی بناوٹ پہ کچھ حیرانی ہو رہی تھی۔ آخر سوالات کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے لیبیڈیف نے پوچھا۔

"کامریڈ کراففشینکو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ غیر ملک میں کسی عہدے پہ جانا کتنا نازک معاملہ ہے۔

"جی ہاں۔ میں نے اس پہ کافی غور کیا ہے"

"پارٹی تم پہ جو اعتماد ظاہر کر رہی ہے تمہیں اُسے حق بجانب قرار دینا ہوگا"

"میں کوشش کروں گا۔ کامریڈ لیبیڈیف" میں نے عاجزی اور قدرے بے ساختگی سے جواب دیا۔

" اچھا۔ تو تمہیں۔ اگلی کارروائی سے مطلع کر دیا جائیگا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ہم جلد پھر ملیں گے"

اس بات چیت کے ۵ دن بعد مجھے محکمہ غیر ملکی تجارت میں کام کرنے والے ایک دوست کے ذریعے سے خفیہ طور پہ پتہ چلا کہ پناسٹس آئیڈانووچ میکوئیاں ممبر پولٹ بیورو، وائس چیئرمین کونسل آف پیپلز کومیسارز، ممبر سٹیٹ ڈیفنس کمیٹی اور افسر اعلٰے محکمہ غیر ملکی تجارت نے سنٹرل کمیٹی کے نام اس مطلب کی سفارش

پر دستخط کر دیئے ہیں کہ مجھے امریکہ بھیج دیا جائے۔ اس کے بعد بھی میں گلبومیٹل کا کام کاج کرتا رہا لیکن میرے خیالات اب کہیں بہت دور گھوم رہے تھے۔ زیادہ دن گذرنے نہیں پائے تھے کہ مجھے اپنے ٹرسٹ کے ہیڈ آفس کے سپیشل ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ایک پیغام پہنچایا گیا۔ اس بار پھر مجھے ایک خاص نمبر پر ٹیلیفون کرنے کو کہا گیا تھا۔ وہاں سے محکمہ غیر ملکی تجارت کی ایک لیڈی افسر بول رہی تھی۔ اُس نے مجھے اگلے دن ساڑھے گیارہ بجے دفتر میں حاضر ہونے کیلئے کہا اور فون بند کر دیا۔

اور جب دوسرے دن میں دفتر میں پہنچا تو سامنے میز پر بیٹھے ہوئے ایک افسر نے پہلے تو پورا ایک منٹ بڑے غور کے ساتھ میری طرف دیکھا اور پھر کہا۔

" مجھے اپنے متعلق کچھ نہ بتاؤ۔ ہاں مہربانی کر کے اُن باتوں کو نہ دوہرانا۔ جو میں پہلے سے جانتا ہوں۔ اور جو تم نے سوالنامے پُر کرتے وقت لکھی ہیں۔ مجھے تمہارے نظریہ اور تمہارے ذہن کی سیاسی حالت سے دلچسپی ہے "

میں نے پہلے سے اس سوال کا جواب نہیں سوچ رکھا تھا اس لئے اپنے خیالات کو منظم کر کے پیش نہ کر سکا۔ میں نے اپنے ذہن میں سے ان خیالات اور ان حقائق کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا شروع کیا۔ جو کہ پچھلی پوچھ تاچھ اور سوالناموں کے جوابات میں باسی نہیں ہو گئے تھے۔ مجھے درمیان میں ٹوک کر افسر مذکور نے اب مجھ پر سیدھا سوال کیا۔

" کیا تمہیں پارٹی کے کسی فیصلہ کی دانشمندی پر کبھی شکوک پیدا ہوئے ہیں؟ "

" نہیں! کبھی نہیں۔" میں نے فوراً جواب دیا " ایسا شک ہونے کا کبھی موقع ہی پیدا نہیں ہوا "

" اجتماعی کھیتی باڑی شروع کرانے کے دنوں میں بھی نہیں ؟ اور چھانٹیوں

کے دنوں میں بھی نہیں۔ جبکہ تمہیں خود مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا کیا تمہیں اسوقت پارٹی کی پالیسی کی عام لائنوں پر بھی کوئی شک نہیں تھے؟"

"نہیں۔ جنرل لائنوں پر بھی نہیں؟"

"لیکن ۳۷-۱۹۳۶ء میں نکولیول میں تمہیں قدرے ناخوشگوار وقت گزارنا پڑا ۔۔۔ جبکہ تمہارے خلاف تحقیقات کیجارہی تھی۔ تم پر نگرانی رکھی جارہی تھی اُسوقت تمہارا رویہ کیا تھا؟"

"ہاں۔ یقیناً اُن دنوں میں میں کچھ پریشان تھا۔ مجھے کچھ غصہ بھی تھا۔ آخر میں جانتا تھا کہ میں بے گناہ ہوں۔ لیکن پھر بھی اُن حالات سے مجھے ٹھیس لگتی تھی۔"

"یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ ایسا ہوتا ہی ہے لیکن کامریڈ کرافچینکو کیا اب بھی اُس ٹھیس کا یا اُس غصّے کا کوئی اثر باقی ہے؟"

"نہیں۔ یقیناً نہیں!" میں نے اس براہ راست سوال پر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ آج میں دل ہی دل میں گیرشگوان اور ڈورڈگوچ کا احسانمند تھا۔ جنہوں نے کہ میری بے عزتی کرکے اور مجھے مار پیٹ کر روس کے افسروں سے بات چیت کرنا سکھادیا تھا۔

یہ کامیڈی تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی۔ تحقیقات کنندہ نے جو بنیادی سیاسی سوالات اُٹھائے۔ اُن پر ہم نے "کھل کر" باتیں کیں۔ جیسے کہ روس میں ایسی بات چیت کی عام اجازت ہو۔ جیسے کہ دو کامریڈ جب پہلی بار ملیں تو انہیں غلط نعرے بازی اور طے شدہ لائن سے باہر جاکر کوئی بات چیت کرنے کا حوصلہ ہو سکتا ہو۔ بات چیت کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ مجھے اپنے آپ پر اعتماد بڑھتا گیا۔ میں نے زیادہ زور شور سے اپنی چال چلی۔ محکمہ غیر ملکی تجارت کے اس افسر کی ہر ہاں میں، اتنے زور سے ہاں ملائی۔ جس سے کہ اس کی تسلی ہو جانی ضروری تھی۔ اور اس دوران میں میرے ذہن میں کوئی اور ہی منظر اُبھر رہا تھا۔

میں فرار ہو جاؤں گا۔ عنقریب میں جبری اعتقاد کے
اس اندوہناک ماحول سے چھٹکارا پا جاؤں گا۔ اس
دہشت سے۔ اس اکیلے پن سے دور چلا جاؤں گا! میں کھلکر
کسی سے بات کر سکوں گا۔ اپنے حقوق کیلئے لڑ سکوں گا!

سوال کنندہ پر میرے جوابوں کا اچھا اثر ہوا تھا غالباً اُس نے مجھے بہت زیادہ قابل نہیں سمجھا۔ لیکن قابل اعتبار ضرور سمجھ لیا ہوگا۔ اس کے دماغ میں یہ بات بھی بیٹھ گئی ہوگی۔ کہ اس آدمی کا ذہن اگرچہ زیادہ وسیع نہیں پھر بھی اُس میں جو کچھ ہے اچھا ہے۔

"اچھا اب الوداع!" محکمہ غیر ملکی تجارت کے افسر نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا" تمہیں غالباً ۴۔ ۵ دنوں میں کنٹرول کمیٹی کے فیصلہ کا پتہ چل جائے گا۔

اور جب مجھے فیصلہ کا پتہ چلا تو یہ میرے لئے بہت پر مسرت تھا۔ اس کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اندر میں محکمہ غیر ملکی تجارت کے خام مال کی درآمد سے تعلق رکھنے والے دفتر میں حاضر ہوگیا۔ وہاں محکمانہ رپورٹوں اور ہدایات کی بڑی بڑی خفیہ جلدیں میرے حوالے کر دی گئیں، تاکہ انہیں پڑھکر میں اُدھار پٹہ سسٹم کے طریق، امریکی صنعت کے حالات اور اُن سٹیل اور کیمیکل فرموں کے متعلق تفاصیل کو جان سکوں جن سے کہ مجھے واشنگٹن میں واسطہ پڑنا تھا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر مجھے سنٹرل کمیٹی کے ہیڈ کوارٹر میں طلب کیا گیا۔ اس مرتبہ دو خفیہ پمفلٹ میرے حوالے کئے گئے۔ اور وہیں انہیں نہایت احتیاط کے ساتھ پڑھنے کیلئے کہا گیا۔ اس کے بعد وہ پمفلٹ مجھ سے واپس لے لئے گئے اور مجھے اس مطلب کے ایک فارم پر دستخط کرنے کو کہا گیا جس میں لکھا تھا کہ میں

ان پمفلٹوں کے مضمون سے واقف ہوں۔ ان پمفلٹوں میں دوسرے دیشوں میں رہنے والے پارٹی ممبروں کا ضابطہ عمل درج تھا۔ اور خاص طور پہ یہ بتایا گیا تھا کہ اس ضابطہ کی خلاف ورزی کے الزام میں کیا کیا سزائیں دی جا سکتی ہیں

غیر کمیونسٹ دنیا کے بارے میں روس کیا کہتا ہے۔ اور کتنا غلط پراپیگنڈا کرتا ہے۔ یہ ان پمفلٹوں پہ ایک ہلکا سے تبصرہ ہے۔ جن کا لب لباب ہمیشہ ذہن میں رہے گا۔

ان پمفلٹوں میں کہا گیا تھا کہ دیش سے باہر رہنے والے پارٹی ممبر کو اپنے اعلیٰ افسر کے حکم کا سخت پابند رہنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ان میں وارننگ دی گئی تھی کہ کوئی ممبر سرمایہ داری کے ان دیشوں میں کسی لالچ میں نہ آئے۔ کوئی کمزوری نہ دکھائے اور کسی کو اپنا رازدار نہ بنائے۔ ان پمفلٹوں میں دنیا کا ایک ایسا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ ایسی خوفناک اور عجیب و غریب تصویر بنائی گئی تھی جس سے ظاہر ہو کہ ساری دنیا روس کی دشمن ہے۔ اُسے ختم کرنے کے درپے ہے۔ اور اس مقصد کیلئے روس کے شہریوں پر ڈورے ڈالتی ہے۔ اور اُن سے ان کے ملک کے سرکاری راز حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف رہتی ہے مجھے یہ پمفلٹ پڑھ کر ایسے لگا جیسے غیر ملکی حکومتوں کا بڑا مقصد یہ ہو کہ جو کمیونسٹ .... اُن کے دیش میں جائیں انہیں روس کا وفادار نہ رہنے دیا جائے اور اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔

چالاک تاجروں۔ سیاسی شراب خانے اور پرکیف گیسوؤں کی دنیا میں جانے والوں کو اس بات کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ کہ وہ غیر ملکیوں کیساتھ کسی بھی موضوع پہ بلا وجہ اور غیر ضروری بات چیت کریں۔ خاص طور پر سیاسیات کے متعلق کسی سے بات کرنا تو بالکل ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ پمفلٹوں میں درج تھا کہ غیر ممالک میں اگر کوئی آدمی کسی کمیونسٹ کو یہ پیشکش کرے کہ وہ زیادہ سے زیادہ قیمت

دے کہ بھی اُس سے کوئی دستاویز خرید نے کو تیار ہے تو کمیونسٹ کو چاہیئے کہ وہ اسے فوراً" روس کے نزدیک ترین قونصل خانے میں پہنچا دے اور اگر کوئی روس میں حالات زندگی کے متعلق کچھ دریافت کرے، تو اسے خلاف انقلاب جاسوس سمجھا جائے۔

سابق روسی باشندوں اور روس کی دشمن اخباروں سے تعلق رکھنے کے خلاف قواعد بہت زیادہ سخت تھے۔ ہمیں" خلاف انقلاب" عناصر کی طرف سے شائع کیا جانیوالا لٹریچر پڑھنے کی سخت ممانعت تھی پمفلٹوں میں کہا گیا تھا کہ وہ دیشوں میں" اینٹی روس شیطان تجاروں طرف سے ہم پر حملہ کریں گے۔ ریڈیو پر روس کیخلاف" بکواس" ہو گی، پردہ سکرین پر روس کیخلاف فلمیں دکھائی جائیں گی ہمیں ان سے دور رہنا چاہیئے۔ ان کی کھلے بندوں مذمت کر دینی چاہیئے۔

پمفلٹوں میں کہا گیا تھا۔ کہ اگرچہ سرمایہ داری اندر سے گلی سڑی ہے۔ لیکن اس کی سطح بڑی چمکدار بڑی پُر کشش ہے۔ اس لئے جو کمیونسٹ دیش جائیں گے وہ اُنہیں ہر وقت اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتی رہے گی۔ اس لئے باہر جانے والے کمیونسٹوں کو اس بعد زدائی تڑک بھڑک سے متاثر نہ ہونا چاہیئے۔ اور آخر میں پمفلٹوں میں یہ بھی کہہ دیا گیا تھا۔ کہ سرمایہ دار دیشوں کے بڑے بڑے ہوٹل ایسے چکلے ہیں۔ جن پر بالکل باریک پردہ پڑا ہوا ہے اور ان میں ماتاہری جیسی سینکڑوں جاسوس عورتیں بھولے بھالے روسی مردوں کو اپنے چنگل میں پھانسنے کیلئے سج دھج کر بیٹھی ہوتی ہیں۔

* * * * *

(۳)

وہ خطرناک راز کیا تھے۔ جنہیں کہ ہمیں چھپا کر رکھنا تھا اور جنہیں کہ باہر کی دنیا حاصل کرنا چاہتی تھی؟ اس ضابطہ میں اُن کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ لیکن اس سوال کا جواب ظاہر تھا۔ کہ بیلن کو اصلی ڈر اس بات کا تھا کہ روس کے باہر "غیر دوست" مصنف اور مقرر روس کے خلاف جو پراپیگنڈا کر رہے ہیں۔ ہم کہیں اُس کی تائید نہ کر دیں۔ جن "رازوں" کی طرف ان پمفلٹوں میں اشارہ کیا گیا تھا وہ درحقیقت جبری محنت کے کیمپوں "تبدیلی کیمپوں"، حکومت کے جبر و تشدد اور روس کے اندر انسانیت کی گراوٹ کے متعلق حقائق تھے۔ ہر وہ چیز ایک راز تھی جس سے کہ پراپیگنڈا کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کی گئی روس کی خوبصورت اور دلکش تصویر بدنما ہو سکتی تھی۔ درحقیقت یہ دونوں پمفلٹ روس سرکار کے مجرم ضمیر کے آئینہ دار تھے۔

اُن میں ہر اس چال بازی اور بھدّے سے بھدّے ڈھب کو غیر ملکی حکومتوں کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا تھا۔ جو کہ روس کی خفیہ پولیس یہاں آنے والے غیر ملکیوں پر استعمال کیا کرتی تھی۔ ان میں ہمیں متنبہ کیا گیا تھا کہ امریکہ میں ہمارے سامان کی تلاشی لی جائے گی۔ ہم سے راز حاصل کرنے کیلئے ہمارے پاسپورٹ چوری کر لئے جائیں گے۔ ہمارے ٹیلیفون کی تار پر کان لگا کر کسی اور کے ساتھ ہماری بات چیت کو سنا جائے گا۔ اور ہمیں پھانسنے کیلئے بدچلن عورتیں ہمارے گرد جمع کر دی جائیں گی۔

میں نے یقین دلایا کہ میں نے ان پمفلٹوں میں درج ہدایات کی پوری

طرح سمجھ لیا ہے اور اس کے بعد یہ پمفلٹ واپس کر دیئے۔ لیکن اب بھی جان چھوٹتی نظر نہیں آتی تھی۔ مجھے سنٹرل کمیٹی کے ایک اور افسر کے سامنے حاضر ہونیکا حکم ملا۔ یہاں بھی وہی "واعظ" شروع ہو گیا۔ اس افسر کے لہجے میں ذرا سختی تھی۔ اُس نے کہا۔

"کامریڈ کرافشنکو! تم عنقریب ایک غیر ملک میں جا رہے ہو۔ تمہیں وہاں بالکل غیر ملکی ماحول میں۔ اُن سرمایہ داروں کے درمیان جن پر کہ ہم بجا طور پر اعتماد نہیں کرتے اور جن سے نفرت کرتے ہیں تجارت کرنی ہوگی۔ ہم تم سے توقع رکھتے ہیں کہ تم وہاں کی عام استعمال کی اشیا یا ایک گلے سڑے اور گرد وٹ کی انتہائی پستیوں میں گرے ہوئے سماج کے سطحی رنگ روپ کو دیکھ اپنے ہوش نہیں کھو بیٹھو گے۔ یاد رکھو کہ تم نئی روسی تہذیب کے نمائندہ بن کر جا رہے ہو اپنے اس عظیم مشن کی اہمیت کو کبھی مت بھولنا۔

"اس میں شک نہیں کہ اسوقت امریکہ ہماری مدد کر رہا ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کو نہ بھولنا چاہیئے کہ یہ مدد مجبور ہو کر دیجا رہی ہے۔ اپنی انتہائی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے امریکہ امداد دے رہا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ ہمارے اور ان کے جنگی مقاصد اسوقت کچھ ملتے ہیں۔ لیکن دو دنیائیں ایکساتھ زندہ نہیں رہ سکتیں۔ اس حقیقت کو ہمیشہ دھیان میں رکھو کہ بطور کمیونسٹ تم سرمایہ دار سماج کے دشمن ہو جس کا گڑھ آج امریکہ ہے۔ کمیونزم اور سرمایہ داری کبھی ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے"

میں نے یہاں پھر ایکٹنگ کی اور اپنے چہرے پر سنجیدگی کے وہی آثار پیدا کر لئے جو کہ موقع کیلئے ضروری تھے۔ ایک پرانے پارٹی ممبر کو اس قسم کا بنیادی پاٹھ پڑھانا ایک قسم کی بیہودگی تھی۔ لیکن اس بات کو کیا کیا جائے۔ کہ

طریقہ کار یہی تھا۔ اُس افسر کو اسی کام کی تنخواہ ملتی تھی اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ میری ہی طرح کئی آدمیوں کے سامنے ہر روز اسی قسم کی تقریریں جھاڑتا ہوگا۔ سنٹرل کمیٹی کے اس افسر نے تقریر جاری رکھی۔

" امریکہ پہنچنے کے بعد بھی تم پارٹی کے کاموں میں سرگرم حصہ لینا جاری رکھو گے لیکن یاد رکھو کہ امریکی افسروں کی اطلاع کے مطابق تم پارٹی ممبر نہیں ہو اور کبھی پارٹی ممبر نہیں رہے۔ اُن کے سامنے تمہیں یہاں تک بھی اصرار کرنا چاہیئے۔ کہ تمہیں سیاست میں کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ امریکہ میں روسی کمیونسٹ پارٹی انڈر گراؤنڈ کام کرتی ہے۔ یہاں سے تم اپنا پارٹی کارڈ ساتھ نہیں لیجاؤ گے لیکن وہاں کے کمیونسٹوں کو اس بات کی اطلاع پہنچ جائے گی۔ کہ تم پارٹی ممبر ہو۔ ظاہراً تم محض ایک انجینیئر ہو گے۔ سمجھ گئے؟"

"ہاں" میں نے جواب دیا" بالکل سمجھ گیا"

اگلے دن میں پارٹی ہیڈ کوارٹر میں واپس آیا۔ ماہ جون ختم ہونے جا رہا تھا۔ روسی اصطلاح کے مطابق پارٹی ہیڈ کوارٹرز میں میری "صفائی" ابھی جاری تھی۔ دو اور آدمی ـــــ جن میں سے ایک غالباً پولیس ایجنٹ تھا ـــــ ہیڈ کوارٹرز میں موجود تھے۔ پارٹی کا متعلقہ عہدیدار ایک موٹا تازہ آدمی تھا۔ اور دیکھنے سے بالکل غیر ملکی نظر آتا تھا۔ اُس کی واسکٹ کی اوپر والی جیب سے غیر ملکی ساخت کا ایک فونٹین پن سر نکالے اپنی نمائش کر رہا تھا۔ کلائی پر غیر ملکی ساخت کی گھڑی بندھی ہوئی تھی یہ سب ظاہر کرتی تھیں کہ وہ کسی سرمایہ دار دیش برطانیہ یا امریکہ سے آئی ہیں۔

مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے اس عہدیدار نے کہا۔

"کامریڈ کراؤشینکو! سنٹرل کمیٹی نے تمہارے امریکہ میں تقرر کی تصدیق کر دی ہے۔ تم پر جو اعتماد ظاہر کیا گیا ہے۔ اُس کی پوری اہمیت کو سمجھتے ہو؟"

"ہاں۔ بالکل سمجھتا ہوں" میں نے جواب دیا۔
"تم نے ہدایات پڑھ لی ہیں۔؟ غلطیوں یا ضابطۂ عمل کی خلاف ورزی کی سزا جانتے ہو؟"
"ہاں میں اُسے ہمیشہ یاد رکھوں گا"
"غلطی کو رد کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر پارٹی کے کام میں لگا دو اور بالشویکی خبرداری کے پابند رہو"
"یقیناً۔ میں اسے سمجھتا ہوں"
"تم ایک ایسے ملک میں جا رہے ہو۔ جہاں سرمایہ داری پوری طرح نشوونما پا چکی ہے۔ اور اپنے جوبن پر ہے۔
"فیڈرل بیورو آف انفرمیشن کی جاسوسی بہت زبردست ہے اور اُس سے کسی کا بچا رہنا ممکن نہیں۔ تمہیں اپنے ملک سے غداری کرنے کے لئے بڑے بڑے انعامات پیش کئے جائیں گے۔
"وہاں کے سرمایہ دار اور یہاں کے بھگوڑے تمہیں پھانسنے کیلئے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ انقلاب دشمن اور سرمایہ دار پریس اور خاص طور پر ہرسیٹ اور میکارنک کے اخبارات تمہارا اعتقاد ختم کرنے کیلئے پوری کوشش کریں گے"
"لیکن یاد رکھو۔ کسی ایسے آدمی کا اعتبار نہ کرنا جو اپنے آپ کو روس کا دوست ظاہر کرے۔ اُن میں سے بیشتر "دوست" بڑے سے بڑے دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ پچھلے کچھ عرصہ سے غیر ممالک کے لوگوں میں بوٹ چاٹنا ایک قسم کا فیشن سا بن گیا ہے۔ ایسے لوگوں پر اعتبار نہ کرنا۔ جو لوگ یہاں سے بھاگ کر گئے ہوئے ہیں، وہ بھی قابل اعتبار نہیں کیونکہ جو ایک دفعہ بھاگ

سکتا ہے وہ پھر بھی بھاگ سکتا ہے۔ کئی بینکر کارخانے دار اور دوسرے سرمایہ دار بھی آجکل روس کے گن گا رہے ہیں وہ بھی اعتبار کے قابل نہیں۔ اُن کا یہ گن گانا کوئی معنے نہیں رکھتا۔ وہ ایک لمحہ میں بدل سکتے ہیں۔"

میں اپنے چہرے پر ایسے تاثر پیدا کرتا رہا۔ جیسے میں تمام باتوں کو سمجھتا ہوا اُن سے اتفاق کر رہا تھا۔ غیر ملکی سرکاری جاسوسوں۔ روس سے بھاگے ہوئے بھگوڑوں اور دوغلے سرمایہ داروں کے خطرہ سے نپٹنے کے بعد اُس نے ایک نئے خطرہ کا ذکر کیا جس سے کہ اُسے زیادہ دلچسپی نظر آتی تھی عجیب و غریب طور پر جذباتی آواز میں اُس نے مجھے سرمایہ داروں کے ہتھکنڈوں ۔ بجلی کے جھمجھماتے قمقموں نائٹ کلبوں۔ اور آسانی سے قابو میں آجانے والی عورتوں سے متنبہ کیا۔

یہاں سے چھٹکارا پاکر میں ایک تیسرے "واعظ" کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں مجھے ایک کرسی مل گئی۔ دکھائی ایسا دیتا تھا کہ یہ محکمہ زیادہ ٹیکنیکل ہے۔ اسے بطور مرد مجھے پیش آنیوالے خطرات کی نسبت بطور انجینئر میرے فرائض اور میری ذمہ داریوں سے زیادہ تعلق ہے۔ یہاں کے واعظ نے مجھے بتایا کہ میرا بڑا کام یہ ہوگا۔ کہ مجھے جو بھی اقتصادی اور اگر ممکن ہو سکے تو فوجی اطلاع مل سکتی ہو میں اُسے حاصل کروں اور ان اطلاعات کو جمع کرتا جاؤں ۔ اس کے لئے مجھے ہر اُس شہر کی جہاں میں دورہ پر جاؤں فیکٹریوں کے بلا تمنگ۔ طریقہ پیداوار نئی مشینری نئے ٹیکنیکل طریقوں اور ہر اس نئی چیز کی جو ہمیں معلوم نہ ہو ٹیکنیکل تفاصیل حاصل کرنی ہوں گی۔ اس "واعظ" نے کہا۔

"امریکہ میں اپنے ملک کی آنکھیں اور کان تم ہو گے۔ واشنگٹن پہنچکر وہاں کامریڈ ایبروف کی خدمت میں حاضر ہونا۔ یہاں پارٹی کارڈ تم سے لیا جائے گا اور ایک دوسرا نشان تمہیں دیدیا جائے گا۔ یہ نشان اُن کے حوالے کر دینا ۔ باقی

سب کچھ وہ جانتے ہیں۔ سمجھے؟
"بالکل" میں نے جواب دیا۔
"ایک چیز اور" کواعنظ پھر بولا۔" یہ بات لوگوں پر ظاہر نہ کرو کہ تم غیر ملک میں جارہے ہو۔ اس کے بارے میں صرف انہی دوستوں سے بات چیت کی جاسکتی ہے جنہیں کہ تم سیاسی طور پر قابل اعتماد سمجھتے ہو۔"

جب میں گھر واپس گیا تو میری جیب میں ایک چھوٹی سی سُرخ کتاب تھی اور یہ تھا میرا پاسپورٹ۔ حالات نے کاغذ کے اس ٹکڑے کو قریب قریب نایاب بنا دیا تھا۔ میں بار بار جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھتا کہ یہ سچ مچ پاسپورٹ ہے۔ یا محض سراب۔ جب میں گھر پہنچا تو ارینا میرا انتظار کر رہی تھی میرے چہرے سے ہی اُس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ کام ٹھیک ہو گیا ہے اور میں جانتا تھا۔ کہ وہ اپنے آنسو روکنے کی زبردست کوشش کر رہی ہے۔ اُسے میرے دل کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے راز کا کوئی علم نہیں تھا۔ میں اس کی محبت کے جواب میں اسے صرف ایک ہی یقین دلا سکتا تھا۔ اور وہ یہ کہ یہاں اس کی بہت زیادہ حفاظت ہوگی۔ اور وہ اچھے دن بسر کر سکے گی۔

دل میں میں یہ جانتا تھا کہ میں اب شاید کبھی اس دیش میں واپس نہیں آؤں گا۔ اور اپنے ان ہم وطنوں کو کبھی دیکھ نہیں سکوں گا۔ اسلیئے اپنی روانگی سے پہلے کے چند دنوں میں میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُنہیں دیکھتا رہا۔ پاگلوں کی طرح انہیں گھورتا رہا۔ شائد ان کی شکلوں کو اپنے ذہن میں اتار لینا چاہتا تھا۔

درجنوں ایسے دوست تھے جنہیں کہ مجھے روانگی سے پہلے ملنا چاہئے تھا۔ لیکن میرے سفر پر رازداری کا جو پردہ ڈال دیا گیا تھا۔ اُس نے ان ملاقاتوں کو ناممکن بنا دیا۔ پھر بھی میں نے کامریڈ میشا اور دوسرے قریبی لوگوں کے ساتھ

الوداعی ملاقات کرنے کا خطرہ مول لے ہی لیا۔ میں نے اس الوداع کو عارضی ظاہر کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ میرے فیصلہ کے متعلق کوئی اندازہ نہ لگا سکیں۔ جب میں نے انہیں اپنا پاسپورٹ دکھایا تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ملک سے باہر جانا ستالن کی "خوشحال زندگی" سے چھٹکارہ حاصل کرنا۔ چاہے مختصر عرصہ کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔ سب سے زیادہ مشکل کام تھا۔ اور اسی لئے سب سے زیادہ حیران کن بھی۔۔

٭ ٭ ٭ ٭

(۳)

دو بڑی سیٹوں والے ڈبے میں میرا دوسرا ساتھی ایک چلتا پرزہ۔ سفید بالوں والا۔ خوش خلق آدمی تھا۔ جس کی آنکھوں سے مہربانی ٹپکتی تھی۔ روس کے مشکوک ڈھنگ سے ہچکچاتے ہوئے ہم ایک دوسرے کے واقف بنے۔ ہم نے اپنی خوراک ایک جگہ کر لی۔ ہماری بات چیت کا موضوع عام طور پر جنگ تھا۔ اس کے ایک دوستانہ سوال کا جواب دیتے ہوئے میں نے اُسے بتایا کہ میں ولاڈی ووسٹک جا رہا ہوں اور جب نے ایسا ہی ایک سوال کیا تو اس نے اسکا بے معنی سا جواب دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ "یورال سے آگے" جا رہا ہے۔

رات کے وقت کسی نے ہمارا دروازہ کھٹکھٹایا۔ خفیہ پولیس کا ایک لمبا تگڑا اور چست افسر ڈبے میں داخل ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی ایکدم میرا دل دھڑکنے لگا۔ اگرچہ اپنے آپ میں مجھے یقین تھا کہ میں روس کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ لیکن میرا ذہن اب بھی اسے تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اب بھی کسے کوئی خطرہ تھا۔

"اپنے کاغذات دکھائیے" پولیس افسر نے نرم لہجہ میں کہا۔
میں نے اپنا پاسپورٹ نکال کر اس کے حوالے کر دیا اُس نے بڑی احتیاط کیساتھ اسکا مطالعہ کیا۔ اُس پر لگی ہوئی فوٹو کو میری شکل سے ملا کر دیکھا اور مجھے سلیوٹ دیتے ہوئے وہ چھوٹی سی لال کتاب مجھے واپس دیدی۔ جب میرے ساتھی نے اسی قسم کا ایک پاسپورٹ نکال کر پولیس افسر کو دکھایا تو میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی ہم دونوں غیر ملک کو جا رہے تھے۔ ہم دونوں نے جھوٹ بولا تھا۔ اور اب ہم دونوں اپنے آپ پر نادم تھے۔

پولیس افسر کے چلے جانے کے بعد میرے ساتھی نے مجھ سے کہا۔

" ڈکٹر اینڈری دیچ۔ سچ سچ کہیو۔ ہمیں ایکدوسرے کے سامنے جھوٹ کیوں بولنا پڑا ! ہم ایک دوسرے سے خوف کیوں کھاتے ہیں ؟ ہم سب روس کے باشندے ہیں ہم ایسے ہی بہت سے روسیوں کو جانتے ہیں۔ پھر بھی ایکدوسرے سے خوف کھاتے ہیں ؟ مجھے سیاست سے دلچسپی نہیں۔ میں بیرونی منگولیا میں جا رہا ہوں تاکہ وہاں سے اپنے ملک کیلئے مویشی حاصل کروں اور گوشت درآمد کرنیکا انتظام کردوں اس سے زیادہ راز کی کوئی اور بات نہیں تھی۔ کتنا افسوس کا مقام ہے کہ میں نے جھوٹ بولا !"

" اور میں امریکہ جا رہا ہوں" میں نے جواب دیا "تاکہ اُدھار پٹے کے ماتحت اپنے ملک کیلئے دھات سے بنی ہوئی اشیاء کا چناؤ کر سکوں آپ مجھے جھوٹ بولنے کیلئے معاف کریں گے۔ مجھے اس پر ندامت محسوس ہوتی ہے"

" معاف کرنے کی کوئی بات نہیں۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ آہ ! یہ مستقل بداعتمادی - - - - - - یہ بچگانہ رازداری - - - - - - "

راستے میں ہمیں پتہ چلا کہ ہماری گاڑی میں بعض اہم غیر ملکی مہمان بھی

سفر کر رہے ہیں۔ مسٹر والٹر سیٹرائین کی رہنمائی میں برطانیہ کا ایک ٹریڈ یونین وفد جو روس کے دورہ پر آیا ہوا تھا۔ گاڑی میں سوار تھا۔ یہ وفد ایک سپیشل ڈبہ میں سفر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ متعدد روسی افسر اور مترجم تھے وفد کے ممبروں کے کچن کا بالکل الگ۔ انتظام تھا۔ اس کے علاوہ روسی زندگی کے حقائق کو وفد کی آنکھوں سے دور رکھنے کے اور انتظامات بھی تھے۔ لیکن اس کے باوجود بعض سٹیشنوں پر نظر آنے والے فاقہ کش اور نیم برہنہ لوگ وفد کی نظروں سے دور نہیں رکھے جاسکتے تھے۔ میں صرف یہ ہی امید کر سکتا تھا کہ سر والٹر اور اُن کے ساتھی ان دردناک مناظر سے تلخ حقائق کا اندازہ لگا لیں گے۔

اس سارے سفر کے دَوران میں مجھے زبردست ذہنی پریشانی رہی جگہ جگہ دستاویزات کی پڑتال ہوئی اور ہر پڑتال کے موقعہ پر میرا دل غیر منطقی خدشات کی وجہ سے دھڑکنے لگ جاتا تھا۔ اِسی گھبراہٹ میں مجھے نیند نہ آئی اور جب بالآخر میری آنکھ لگی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ خفیہ پولیس کے آدمی مجھے گھسیٹ کر گاڑی میں سے اُتار رہے ہیں۔ ایسے ہی ایک اور خواب میں کسی نے میرے کان میں آکر کہا۔

”تو کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم کچھ نہیں جانتے؟۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم تمہیں فرار ہونے کی اجازت دیدیں گے۔ ۔ ۔ ۔ “ میں نے یہ الفاظ سُن کر اِدھر اُدھر دیکھا تو سامنے گیبر شگوارن نظر آیا۔ لیکن ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ کیونکہ سردی کافی بڑھ گئی تھی۔

ولاڈی ووسٹک میں، میں انٹورسٹ ہوٹل میں ٹھہرا۔ ہوٹل میں ایک آرکسٹرا مسلسل رقص کی دُھنیں بجا رہا تھا۔ شراب کے جام پہ جام لنڈھائے جا رہے تھے۔ اور خفیہ پولیس کی ایجنٹ عورتیں تیزی سے ۲ بنے کام میں مصروف

تھیں۔ میں شہر کی کھلی مارکیٹ میں گیا۔ جہاں کہ خوراک اور کپڑے۔ انتہائی بلیک مارکیٹ کے نرخوں پر فروخت ہو رہے تھے۔ سارے روس میں اشیا کے اتنے نرخ میں نے کہیں نہیں دیکھے تھے۔ اس سامان کا بیشتر حصہ امریکن نظر آتا تھا۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں تھا۔ کہ یا تو یہ ادھار پٹے کے ماتحت آئے ہوئے سامان میں سے چرایا گیا ہے یا باہر سے آنے والے روسی جہاز ران اسے چوری چھپے یہاں لاتے ہیں۔

پھر وہ صبح آئی جبکہ مجھے اور بحر الکاہل کے پار جانے والے دوسرے مسافروں کی موٹر میں سوار کرا کے بندرگاہ کے کسٹم ہاؤس میں لیجایا گیا۔ ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک کر کے اپنے اپنے سامان کے ساتھ ایک بند کمرے میں بھیجا گیا۔ پولیس کے تین سپاہیوں نے جن میں سے ایک سادہ کپڑوں میں تھا۔ ایک ایک کر کے ہمارے سوٹ کیسوں اور دوسرے سامان کی تلاشی لی۔ انہوں نے سوٹ کیسوں کی جیبیں تک دیکھیں اور کپڑوں کی تہیں اُلٹ اُلٹ کر انکی بھی تلاشی لی۔ اس کے بعد انہوں نے میری جامہ تلاشی لی۔ ایک ایک جیب کو اُلٹ اُلٹ کر دیکھا گیا۔ ان کی تجربہ کار انگلیوں نے میری جیکٹ کی ہر تہہ اور ہر پٹی کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا۔ ایک کانسٹیبل تمام اشیا کو ایک کاغذ پر درج کئے جا رہا تھا۔ اور ساتھ ہی ہمارے ٹیلیفون نمبر بھی نوٹ کر رہا تھا۔

میری جیب سے ایک لفافہ نکلا جس میں میرے کنبے کے ممبروں کے فوٹو تھے۔ نہ جانے کیوں یہ پولیس اور کسٹم افسروں کی توجہ کا مستحق بن گیا۔ مجھے ان تمام تصویروں کے متعلق تفصیل سے بتانا پڑا کہ یہ کس کس کی ہیں۔

"اور یہ افسر کون ہے؟" سویلین کسٹم آفیسر نے ایک فوٹو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا"

"یہ میرے بھائی کانسٹنٹائن کی فوٹو ہے"

"وہ کہاں ہے۔؟"

"وہ کاکیشیا کے محاذ پر لڑتا ہوا مارا گیا تھا"

"آپ اتنے فوٹو اپنے ساتھ کیوں لیجا رہے ہیں؟"

"یہ سب میرے رشتہ داروں کے فوٹو ہیں۔ آخر میں وہاں ان سب سے دور بالکل اکیلا ہونگا۔ اسلئے!"

"لیکن آپ کو واپس روس آنا ہے؟"

میرا دل ایکدم بیٹھنے لگا۔ مجھے اس کا جواب دینے کیلئے ایک لمحہ کے واسطے ہمت باندھنی پڑی۔ لیکن ویسے یہ ریمارک محض اندھیرے میں چلائی جانے والی گولی کے مترادف تھا۔

میں پاس کر دیا گیا۔ اور کسٹم حکام کی طرف سے مجھے سرٹیفکیٹ مل گیا اس کے بعد میں واٹکو ڈورکینیڈا جانیوالے جہاز کو آئیلز کے تختہ پر پہنچ گیا جہاز میں تقریباً ۲۰ اور ایسے مرد اور عورتیں تھیں جنہیں کہ امریکہ میں تعینات کیا گیا تھا اور جو کام سنبھالنے کیلئے اسی جہاز پہ روانہ ہو رہی تھیں۔

جہاز میں افسروں کیلئے مخصوص کیبنوں میں سے ایک چھوٹا سا کیبن مجھے دیدیا گیا۔ تختہ جہاز پر سے میں نے اپنے آپ کو سرزمین روس سے دور ہوتے ہوئے دیکھا۔ میں اپنے اس ملک کو آخری مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ جہاں کہ لاکھوں کروڑوں دکھی لوگ ایک ایسی حکومت کے جبر و تشدد کے نیچے کراہ رہے تھے جس کی بیرحمی اور منظم و سلسلہ دار سختی کی مثال تاریخ میں ملنی مشکل تھی۔ حکمران ٹولے کی سختگیری میں جنگ کی ہولناکیوں نے اور اضافہ کر دیا تھا۔ میں زیادہ دیر تختہ پہ نہ رہ سکا۔ برے برے خیالات اور جذبات مجھ پر

1.40 92

غالب آ رہے تھے۔ دل سے میں اپنے دوستوں۔ اپنے گھر والوں اور اپنے ماضی کو الوداع کہہ رہا تھا۔ اس کا مجھے دکھ تھا۔ اس لئے پریشان ہو کر میں اپنے کیبن میں چلا گیا۔ جہاں کہ میں اکیلا بیٹھ کر کچھ سوچ سکتا تھا۔

فرار ہونے کا اور ایسی آزادی حاصل کرنے کا خیال جس میں کہ میں روس کی خفیہ باتوں اور اس کی سیاسی غلامی کے متعلق تلخ حقائق سے دنیا کو روشناس کرا سکوں اور اپنے دیش کی نجات کیلئے جدوجہد کر سکوں دل میں اتنا آہستہ۔ آہستہ پیدا ہوا کہ مجھے خود بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے کب قطعی شکل اختیار کی ہے۔ لیکن گزشتہ چند سالوں سے یہ خیال ایک باقاعدہ پلان کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اور میں صرف مناسب موقع کے انتظار میں تھا۔ لیکن اب جبکہ وہ موقع ہاتھ آیا تو مجھے دکھ ہو رہا تھا۔ مجھے یہ احساس تھا کہ جسطرح مر جانے والا آدمی پھر اپنے رشتہ داروں کو نہیں مل سکتا اسی طرح میں بھی اب انہیں کبھی مل نہیں سکوں گا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ جہاز میں کیں امریکہ نہیں جا رہا۔ بلکہ میرا جنازہ لیجایا جا رہا ہے۔ اس مرحلہ پر اپنے دیش اور اپنے ہموطنوں سے میرا پیار ابھر پڑا۔ میرے جذبات ان پر مرکوز ہو کر رہ گئے اور مجھے ان کی جدائی کو برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔

اپنے بچپن کے۔ جوانی کے اور بالغ زندگی کے مناظر نگاہوں کے سامنے آنے لگے۔ خوشی کے وہ لمحات بھی اگرچہ تھوڑے ہی تھے۔ لیکن اس قطعی فرقت کے وقت میں انہوں نے اس مصیبت اور جبر و تشدد کو ذہن سے اتار دیا جس سے کہ مجھے اپنی زندگی میں دو چار ہونا پڑا تھا میں نے پہلے قحط میں۔ اجتماعیت کے دور میں۔ دوسرے اور انسان کے پیدا کردہ قحط میں چھانٹیوں میں اور نکولیل کے خفیہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں اپنے تجربات

پر نگاہ دوڑائی۔ اس بھوک اور اس سردی کا احساس کیا جس نے روس کے لاکھوں فاقہ کش اور نیم برہنہ لوگوں کو اُن کی زندگیوں سے محروم کر دیا تھا۔ مجھے اُن قیدی کیمپوں کا خیال آیا جو ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ اپنے اُن درجنوں بلکہ سینکڑوں دوستوں کا خیال آیا۔ جو کہ جیلخانوں یا جبری محنت کے کیمپوں میں زندگی کے دن پورے کر رہے تھے۔

میری شفیق اور بلند حوصلہ ماں کہاں تھی؟

کسی بھی حالت میں راستی کو ترک نہ کرنے والے اور اپنے آزادی کے تصور کے سخت پابند بابا کہاں تھے؟ کیا وہ جرمن فوجوں کی حراست کے دوران میں زندہ رہ سکیں گے؟ کیا اُنہیں میرے اس فیصلہ کی وجہ سے دکھ اُٹھانا پڑے گا! اور اریناسے کیا میری اس کارروائی کی سزا اُسے ملیگی؟ کیا وہ مجھے اپنے ارادوں کو اُس سے بالکل چھپا کر رکھنے کیلئے معاف کر دیگی؟ میرا بھائی الوگن جیسے سیاسیات سے بالکل کوئی دلچسپی نہیں میرے فرار کے بارے میں کیا سمجھے گا؟

میں اپنے آپ سے ہی باتیں کرنے لگا۔ اپنے رشتہ داروں عزیزوں دوستوں کا خیال آتے ہی میرے ذہن میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ اپنے آپ میں بڑبڑاتے ہوئے میں نے کہا۔

میرے عزیزو دوستو۔ کیا تم سمجھو گے کہ میں تمہیں چھوڑنے پہ کیوں مجبور ہو رہا ہوں؟ کیا تم اس بات کو مانو گے کہ تمہارے زیادہ نزدیک آنے کیلئے مجھے تمہیں چھوڑ ہی دینا چاہیئے تھا؟ اس طرح میں تمہارے متعلق زیادہ کھل کر بات کر سکوں گا۔ تمہارے لئے دنیا کے پاس فریاد کر سکوں گا۔ اس دنیا کے پاس جس کی آنکھیں بیہا پگینڈا کی وجہ سے چندھیا گئی ہیں۔ اور جسے خوش فہمیوں نے اندھا کر دیا ہے۔

روسی جہاز پر سفر کرتے ہوئے اصطلاحی طور پہ میں اب بھی روس میں تھا غیر معقول اور بلا وجہ پریشانی اب بھی میری راتوں کی نیند حرام بنا رہی تھی۔ کسی جاسوس کا کیا جو کہ یہاں اس جہاز پہ بھی ہمارے درمیان موجود تھے ایک ہی ریڈیو گرام میری تمام اُمیدوں اور مسرتوں پہ پانی پھیر سکتا تھا۔

اسی طرح دن گذرتے گئے۔ ایک دن ہمارا جہاز جاپان کے قریب سے گذرا۔ دو جاپانی تباہ کن جہاز وہاں سے ہمارا پیچھا کرنے لگے۔ دوسرے دن جاپان کا ایک جنگی ہوائی جہاز ہمارے جہاز پہ منڈلاتا ہوا دیکھا گیا۔ اس سے کچھ تشویش ہوئی۔ لیکن ہم بخیر و عافیت گذر گئے۔ کئی دن بعد ہمیں دور زمین نظر آئی۔ کپتان کی طرف سے بتایا گیا کہ وہ ایک جزیرہ ہے۔ جہاں ہمیں امریکن لوگ ملیں گے۔ امریکی مقبوضہ علاقہ کو پہلی بار دیکھنے کے خیال نے مسافروں اور جہاز کے عملہ سب میں زبردست اشتیاق پیدا کر دیا جزیرہ کے قریب آکر میں نے دیکھا کہ چند بکھرے ہوئے مکانات پہ ایک امریکن جھنڈا لہرا رہا ہے۔

سفر کے ۱۹ ویں دن ہمیں دور سے کینیڈا نظر آنے لگا۔ جب ہم اور نزدیک پہنچے تو کینیڈا کا ایک افسر ہمارے جہاز پہ آیا اُس نے اپنے چہرے پہ پوری مسکراہٹ لاتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی روسی زبان میں ہمارا سواگت کیا۔ اور کچھ ہی وقت میں ہم وانکوور کی بندرگاہ میں پہنچ گئے۔ وہاں ۲۰ منٹ کے اندر اندر کسی شور شرابے کے بغیر ہمیں تختۂ جہاز پہ جمع کر لیا گیا۔ کینیڈا کے کسٹم افسر جہاز پہ آئے اُن میں ۲ سویلین تھے اور ایک بحری افسر تھا۔ ہم نے ایک لائن میں کھڑے ہو کر اپنے پاسپورٹ اُنہیں دکھائے اُنہوں نے پورے غور سے اُن پاسپورٹوں کا معائنہ کیا۔ اور پھر ہمیں جانے کی اجازت دے دی کسی نے ہمارے سوٹ کیس کی تلاشی نہ لی۔ کسی نے ہماری جیبوں کو اُلٹ کر نہ دیکھا۔ کسی نے ہماری کوٹ

اور واسکٹ کی تہوں کو نہ ٹٹولا اور سب سے بڑی بات یہ کہ کسی آدمی نے ہم سے کسی معاملہ میں بھی کچھ نہ پوچھا۔ مختصر یہ کہ ہمارے دل میں جو خدشات پیدا کئے گئے تھے، اُن میں سے کوئی بھی درست نہ تھا۔ ہمیں خبردار رہنے کیلئے بار بار جو ہدایت کیگئی تھیں اس کی ایک بھی وجہ جواز یہاں نہ مل سکی۔

ایک گھنٹہ سے بھی کم عرصہ کے اندر ہمیں ساحل پہ جانے کی اجازت دیدی گئی۔ ہم میں جو کٹر ترین کمیونسٹ تھے۔ وہ بھی اس سلوک سے حیران رہ گئے۔ دل سے انہیں کچھ مایوسی ہوتی —— وہ اپنے آپ کو ایسے محسوس کر رہے تھے۔ جیسے دھوپ کے وقت برساتی پہن رکھی ہو یا سر پہ چھتری لے رکھی ہو۔ یہاں انہیں سرمایہ داروں کی مزدور دشمنی کہیں نظر نہ آتی تھی۔ لوگ بڑی خوش خلقی سے انہیں ملتے تھے۔ کسی کے چہرے پر گھبراہٹ کے کوئی آثار نہیں تھے۔

وانکوور میں داخل ہونے سے پہلے پہلے میں ایک لمحہ کیلئے ٹھٹکا۔ مجھے اس لمحہ کی اہمیت کا گہرا اور بالکل دیانتدارانہ احساس تھا۔ اپنی زندگی کے ۳۸ سالوں میں پہلی مرتبہ میں روس سے باہر قدم رکھ رہا تھا۔ اور اپنی بالغ زندگی کے دوران میں میں پہلی مرتبہ سٹالن اور خفیہ پولیس کی پہنچ سے باہر ہو رہا تھا۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

باب نمبر ۲۶

سٹالن کے غلام غیر ممالک میں

وانکوڈور۔

میرا سر چکرا رہا تھا۔ میرے خیالات میں اُتھل پتھل مچی ہوئی تھی۔ میں اب آزاد تھا! یہ الفاظ نہ جانے کس نے کہے ہیں کہ آزادی کی اہمیت کو وہی سمجھ سکتے ہیں۔ جنہوں نے کہ غلامی کے دن دیکھے ہوں واقعی میں اب آزادی کی اہمیت کو سمجھ رہا تھا۔ جہاز کے کچھ اور مسافروں کے ساتھ شہر کے بازاروں میں گھومتے ہوئے مجھے ایسے لگا جیسے میں نے اتنے زیادہ، بے خوف، خوش اور کام سے فارغ لوگوں کو کبھی ایک ہی وقت ایک ہی مقام پر نہ دیکھا ہو۔

جس چیز کو دیکھ کر ہمیں سب سے زیادہ خوشی ہوئی وہ دکانوں کے شوکیس اور کھڑکیاں تھیں۔ ہم کھانے۔ پینے اور استعمال کرنے کی اشیا کو اتنی بھاری مقدار میں ان دکانوں کے اندر پڑا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سرمایہ دارانہ دیش میں پہلی مرتبہ کوئی چیز خریدنے کیلئے ہم اِن دکانوں کے اندر گئے۔ جی چاہتا تھا کہ ان کے اندر پڑی ہوئی تمام ڈبل روٹیوں۔ قمیضوں۔ چاکلیٹوں

اور دوسری ہر چیز کو خرید لیں۔ لیکن یہ مشکل تھا یہاں مختلف اشیاء کے نرخ بھی روس کی بنسبت بےحد کم تھے۔

ہم نے ہوٹلوں کی ایک دوکان کے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔ دوکاندار نے مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا سواگت کیا اور بڑے خوشگوار لہجہ میں ہمیں سامنے لگی ہوئی آرام دہ سیٹوں پر بیٹھ جانے کیلئے کہا۔ ہمارے گروپ میں سے ایک آدمی نے کہا۔

"یہ لوٹ فروش جانتا ہے کہ ہم غیر ملکی ہیں۔ اور وہ اس کے مطابق حرکات کررہا ہے"

جہاز پہ واپس آکر ہم نے جو جو چیز خریدی تھی۔ ایک دوسرے کو دکھائی، اور شہر کے متعلق اپنے اپنے تاثرات ایک دوسرے کو بتائے۔

رات کو دیر گئے تک ہم جنگ کے باوجود امیر رہنے والی اس دنیا کی شان شوکت کے متعلق بات چیت کرتے رہے۔ لیکن سیاسی طور پر اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے ہم میں سے ہر ایک نے یہی کہا کہ یہ چمک دمک محض سطحی ہے اور اس کے پیچھے لوٹ کھسوٹ گراوٹ۔ دیگر ہولناکیاں اور مستقبل کا وہ کرائسس چھپا ہوا ہے جو کہ ہماری "سٹالنی" دنیا کے نظریہ کے مطابق سرمایہ داری کو عنقریب پیش آئیگا۔

چند دن بعد ہمیں جہاز سے اتار کر ایک ریلوے گاڑی میں سوار کرا دیا گیا۔ اس سفر کے دوران میں میں نے دیکھا کہ دن کی گاڑیوں میں بھی لوگ اچھی پوشاکیں پہن کر سفر کر رہے ہیں۔ میں نے اُن مردوں اور عورتوں کو دیکھا جو محض کلرک تھے یا کسان، یا مزدور۔ لیکن ان سب نے چمڑے کے مضبوط بوٹ اور چست کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ مجھے یہ سب کچھ اب بھی کچھ غیر حقیقی نظر آتا تھا میں اب بھی یہی سمجھتا تھا کہ میری نگاہیں دھوکہ کھا رہی ہیں۔

اگلے دن ایک باوردی امریکن افسر ایک سادہ کپڑوں میں ملبوس امریکن افسر کے ہمراہ ہمارے ڈبے میں داخل ہوا۔ اس نے ہمارے پاسپورٹ دیکھے کسی کسی کو

چیک بھی کیا۔ لیکن کوئی شک ظاہر نہ کیا۔ اور مسکراتے ہوئے پاسپورٹ ہمیں واپس دیدیئے۔

ہم امریکن افسر کی اس "قطعی نااہلیت" کو دیکھکر بھونچکا سے رہ گئے اور ہمیں اسبات پر زبردست حیرانی ہوئی کہ اس افسر نے ہم سے کوئی پوچھ تاچھ کی بھی آزادی تو نجر ہوئی۔ لیکن ہمیں اس افسر کے طرزِ عمل سے بالکل نراج اور گڑبڑ کی بو آتی تھی جیسے یہاں کوئی حکومت ہی نہ ہو۔ یہ دونوں افسر روس کے باشندوں کو دیکھ کر خوش ہوئے اور چند منٹ تک ہمیں دیکھتے رہے اور پھر الوداع کہہ کر مسکراتے ہوئے چلے گئے۔ کچھ بھی ہو۔ میں نے تو یہ تصور باندھ رکھا تھا کہ امریکہ میں داخل ہونے کا طریقہ بڑا لمبا ہوگا۔ بار بار ہمارے سامان کی تلاشی لیجائیگی۔ ہمارے کاغذات کا معائنہ کیا جائیگا اور شائد بند کمروں میں ہم سے پوچھ تاچھ بھی کی جائیگی۔ لیکن یہاں ایسا نہیں تھا۔

واشنگٹن تک کا سفر میرے لئے بڑا اشتیاق تھا۔ میں اس نئی سرزمین کا بیحد شوق سے نظارہ کر رہا تھا۔ ہر نئے شہر پہ حیرت بھری ۔۔۔۔ نگاہیں ڈال رہا تھا۔ کھڑکیوں سے نظر آنیوالی بڑی بڑی چوڑی سڑکوں کو دیکھ رہا تھا اور یہ احساس کر رہا تھا کہ یہاں کے کھیتوں میں کام کرنیوالے کسان ہمارے روس کے کسانوں سے کتنے مختلف ہیں۔ میں اس ڈھنگ سے بیحد متاثر ہوا جس سے کہ عورتیں اور مرد آپس میں کھلے بندوں بات چیت شروع کر دیتے ہیں۔ بچوں جیسی آزادی کیساتھ گھل مل کر ایک دوسرے سے ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔

۱۹ر اگست ۱۹۴۲ء کو میں امریکہ کی راجدھانی میں پہنچا۔ جہاں کہ ریلوے سٹیشن پر سوویٹ پرچیزنگ کمیشن کا ایک نمائندہ مجھے لینے کے لئے موجود تھا۔ ایک امریکن کنبے کیساتھ میری رہائش کیلئے ایک کمرہ پہلے سے کرایہ پر

لیا جاچکا تھا۔ کمرہ صاف ستھرا اور آرام دہ تھا۔ اس میں کھل کر دھوپ آتی تھی۔ غسلخانہ الگ تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ میرے میزبان ایک غیر ملکی کو اپنے ساتھ رکھ کر خوش ہیں۔۔ خاص طور پر ایک روسی باشندے کو۔ انہوں نے مجھ سے میرے کاغذات وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا شاید انہیں کسی ہاؤس کمیٹی کے پاس میری رپورٹ نہیں کرنی تھی۔

اگلے دن صبح میں کام پر حاضر ہو گیا۔ ہمارے واشنگٹن ہیڈ کوارٹر کا اندرونی حصہ بہت حد تک "روسی" نظر آتا تھا۔ امریکہ میں آزادی کا جو احساس پایا جاتا تھا وہ ہمارے ہیڈ کوارٹر کے اندر نہیں تھا۔

اگرچہ ٹائپسٹ سٹینو گرافر قلی چپڑاسی وغیرہ چھوٹے چھوٹے ملازمین امریکہ کے رہنے والے ہی تھے۔ لیکن یہاں کی فضا روسی تھی۔ یہاں کا پُر خفت پُر تشویش اور سازشی ماحول روس کا ہی ایک نمونہ تھا۔

کامریڈ سیر دف ایک اچھی وضع قطع کے بارعب انسان تھے۔ قد لمبا۔ رنگ کالا۔ جسم مضبوط۔ اور اس پر نئی امریکن پوشاک انہیں اچھی لگتی تھی۔ اُنہوں نے بڑا سرد مہری سے میرا سواگت کیا۔ شکوک بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا ان کا طرز عمل ظاہر کرتا تھا۔ کہ وہ ایک ہوشیار افسر ہیں۔ میں نے وہ کوڈ ان کے حوالے کر دیا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ میں پارٹی ممبر ہوں۔

"نمبر"؟ اُنہوں نے بارعب انداز میں پوچھا۔

میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "۲۴۸۶۴۷۵"

کسی کمیونسٹ کے لئے اپنا نمبر بھول جانا ایک جرم ہے۔ یہ اسکے متزلزل اعتماد کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اُنہوں نے چند اور سوال کئے۔ اور اطمینان بخش جواب پا کر انہیں تسلی ہو گئی کہ میں ہی وہ کرافٹنکو ہوں جسے کہ اُن کی

زیرِ نگرانی کام کرنے کیلئے یہاں بھیجا گیا ہے۔ اس سے انکے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ انہوں نے مجھ سے سفر کے متعلق پوچھ تاچھ کی اور کیبریاسکو کے متعلق چند باتیں کہیں۔ لیکن اس ساری بات چیت کے دوران میں بھی وہ گہری نظروں سے میرا مطالعہ کرتے رہے۔

پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا براہ راست نمائندہ ہونے کی وجہ سے کامریڈ سیرووف امریکہ میں سب سے بڑے کمیونسٹ ڈپلومیٹ تھے۔ امریکنوں کیساتھ اُن کا براہ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ روس اور امریکہ کے افسروں کی بات چیت میں خود حصہ نہ لیا کرتے تھے۔ اور جہاں تک دفتر کے ریکارڈ کا تعلق ہے وہ کمیشن میں محض ایک اسسٹنٹ تھے۔ لیکن درحقیقت وہ امریکہ میں روس کے سب سے زیادہ با اختیار ایجنٹ تھے ان کا ایک لفظ کمیشن کے ہر روسی ملازم کے لئے وہ چاہے چپراسی ہو اور چاہے کوئی فوجی اقتصادی یا دوسرا نمائندہ ہو قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں سیرووف کی آواز پارٹی کی آواز تھی۔ اور پارٹی ہی دراصل روس کی حقیقی گورنمنٹ ہے۔ امریکہ میں متعین روس کا سفیر صرف محکمہ خارجہ کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس کے مقابلہ پر سیرووف کی پوزیشن بہت بلند تھی۔ امریکہ میں رہنے والے روسیوں کے لئے سیرووف ہی امریکہ کا سٹالن تھا۔

یہاں سیرووف نے بھی مجھ پر وہی لیکچر جھاڑنا شروع کر دیا جسے سنتے سنتے میں تنگ آچکا تھا۔ وہی پرانی باتیں۔ امریکہ میں رہنے کے خطرات ---- یہاں کے کام کی اہمیت اور پارٹی کی طرف سے کیا گیا اعتماد۔ اگرچہ سب کچھ وہی تھا۔ پھر بھی اس بار مجھے اس سے پہلے کی نسبت کم ذہنی کوفت ہوئی اب میں اندر ہی اندر اس وعظ پر ہنس سکتا تھا۔ اس اطمینان کی وجہ سے کہ اب میں جلد ڈکٹیٹریت کی غلامی سے نجات حاصل کر لوں گا۔ میں نے

اس وعظ کی زیادہ پرواہ نہ کی۔ جو کچھ ہدایات اور کچھ دھمکیوں کا مجموعہ تھا۔ سیوونڈ نے مجھے اُسی دن رات کو ایک سٹاف میٹنگ میں ملک کے حالات کے متعلق رپورٹ پیش کرنے کو کہا لیکن اب مجھ میں اتنا حوصلہ پیدا ہو چکا تھا کہ میں نے تھکاوٹ کا بہانہ پیش کر کے اس سے انکار کر دیا۔ میں سرکاری پراپیگنڈا کے سوا جو کہ جمہوریت کا پلندہ تھا اور کچھ بھی کیا سکتا تھا۔

سیرونڈ نے مجھے بتایا کہ میں براہِ راست کامریڈ الیکزینڈر راسٹراشنک کی دیکھ ریکھ میں کام کروں گا۔ وہ کمیشن کے میٹل ڈویژن کے چیف تھے۔ اس ڈویژن میں میرے سمیت کل اُمٹیا نیکل سپیشلسٹ تھے اُدھار پٹے کے ماتحت کروڑوں ڈالر کی مالیت کا دھات کا سامان روس بھیجا جا رہا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ اس میں سے بیشتر سامان کا معائنہ کرنا میرا فرض ہوگا۔ مجھے اس بات کی تصدیق کرنی ہوگی۔ یہ سامان روس میں استعمال کے قابل ہے۔ روس کی ضروریات کی فہرست مرتب کرنا اور زیادہ قیمتی اشیا کا خرید چناؤ کرنا بھی میرے فرائض میں شامل کیا گیا تھا۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

(۳)

ہمارا کمیشن عملی طور پر خالص ڈکٹیٹر شپ کا مرکز تھا یہ ایک ایسا نالا تھا۔ جو کہ "دریائے ماسکو" سے نکل کر یہاں آکر رُک گیا تھا۔

واشنگٹن میں جو کہ دُنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے عین درمیان میں واقع تھا۔ ہم کچھ سو مرد اور عورتیں روس کی سب سے بڑی ڈکٹیٹر شپ کے شہریوں کی سی

پابند زندگیاں بسر کر رہے تھے۔ ہم اگر آزاد لوگوں کے درمیان میں رہتے احکام کرتے تھے۔ پھر بھی ہماری زندگیاں اتنی جکڑی ہوئیں اور خوفزدہ تھیں۔ جتنی کہ ایک پولیس سٹیٹ کے باشندوں کی ہوتی ہیں۔

ہمارے خیالات کیا ہیں! ہم کیا پڑھتے ہیں۔ ہم کس سے ملتے ہیں ان تمام باتوں کی اُسی طرح نگرانی ہوتی تھی۔ جیسے کہ ہم اب بھی روس کے اندر ہی ہوں ہمارا ہر لفظ اور فعل جاسوسوں کے کانوں اور اُن کی آنکھوں میں رہتا تھا۔ کمیشن کے اندر ایک پارٹی کمیٹی تھی۔ ایک پارٹی یونٹ تھا۔ ایک سپیشل یا خفیہ ڈیپارٹمنٹ تھا گویا وہ تمام سیاسی پابندیاں اور خفیہ پولیس کی نگرانی یہاں بھی تھی جس کہ اپنے وطن میں خوفزدہ ہوتے تھے۔ یہاں بھی وہ ایسے ہی پُراسرار سیفٹ افسروں کے قبضہ میں رہتے تھے۔ جیسے کہ روس میں تھے۔ اور ان میں بھی ہم میں سے ہر ایک کے متعلق اطلاعات یا شکایات جمع ہوتی تھیں۔

میری بنیادی تنخواہ ۳ سو ڈالر ماہوار کے قریب تھی۔ لیکن چونکہ میں تمام سفر وغیرہ سرکاری خرچ پر کیا کرتا تھا اور تجارت کے سلسلہ میں بوقت ضرورت مجھے اپنی مرضی کے مطابق رقم خرچ کر سکنے کا اختیار حاصل تھا اسلئے حقیقتاً میری کمائی اس تنخواہ سے بہت زیادہ تھی۔ امریکہ میں آنے کے بعد مجھ پر جو سب سے بڑی پابندی عاید کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ میں امریکنوں کے ساتھ زیادہ تعلقات پیدا نہیں کر سکتا۔

اب میں جن لوگوں کے درمیان میں رہتا انہیں دیکھ دیکھ کر مجھے حیرانی ہوتی تھی وہ روس کے لوگوں سے بالکل مختلف نظر آتے تھے۔ یورپ کے رہنے والوں سے بھی مختلف تھے۔ فرق صرف نسل کا ہی نہیں۔ بلکہ عادات و طرزِ معاشرت کا بھی تھا۔ لیکن ہمیں اُن کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی سخت ممانعت تھی ہم اگر ان سے مل سکتے تھے تو صرف تجارت سے تعلق رکھنے والے معاملات کے سلسلہ میں ہی۔ کبھی

امریکن کے ساتھ اپنی واقفیت پیدا ہونے پر ہمارے لئے یہ ضروری تھا کہ ہم اس کے متعلق تفصیلی رپورٹ اپنے چیف کو دیں جس میں اُس کے کام کاج اور اس کی شخصیت کا ذکر کرنا ہی کافی نہ تھا۔ بلکہ یہ بھی ضروری تھا کہ ہم اس کے سیاسی خیالات اور روس کے تئیں اس کے جذبات کے متعلق اپنے تاثرات بیان کریں اس واقفیت کو آگے بڑھنے کی اجازت دینا افسروں کے اختیار میں تھا۔ اس بات کا فیصلہ وہی کر سکتے تھے کہ واقفیت "پسندیدہ" ہے یا نہیں

لیکن امریکنوں کے درمیان میں رہتے ہوئے ان کے ساتھ واقفیت پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ درجنوں لوگ جو ادھار پٹے کی مختلف ایجنسیوں میں کام کرتے تھے میرے واقفکار بن گئے۔ ان کے علاوہ اُن تھوڑے سے امریکنوں کے ساتھ بھی تعلقات پیدا ہو گئے جو کہ کمیشن کے دفتر میں کام کرتے تھے۔ اُن کی خوش خلقی نے مجھے بیحد متاثر کیا۔ وہ مجھ سے کوئی چیز چھپا کر رکھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ ایک روسی افسر کیلئے جس نے سازشوں اور خوف کے ماحول میں زندگی گذاری ہو۔ امریکنوں کا یہ طرز عمل اور کسی پر شک نہ کرنے کی عادت بالکل بیگانہ سی تھی۔

ایسے امریکنوں کے ساتھ ملنا زیادہ خطرناک تھا جو کہ روسی نسل سے ہوتے یا جن کے والدین روسی نسل سے ہوتے۔ ایسی حالت میں ہمیشہ یہ ڈر رہتا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اینٹی سٹالن گروپ سے تعلق رکھتے ہوں۔

سُرخ فوج کی فتوحات کے بعد امریکہ کے اندر روس کے حق میں جو ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ وہ یہاں رہنے والے روسی شہریوں کیلئے ایک مستقل خطرہ تھا۔ امریکن لوگ اُن کے تئیں خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کرنے کیلئے بیتاب تھے۔ وہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے کلبوں میں آنے کی دعوت دیتے بار میں جا کر

ان کے ساتھ شراب پینے کیلئے زور دیتے ان کی اس مہربانی کو ٹالنا آسان نہیں ہوتا تھا۔ اگر دوسری طرف ان کے اصرار پر ان کی دعوت قبول کرتے تو مشکل کھڑی ہو جاتی۔ اسلئے ہم ہمیشہ حقائق افسروں کے سامنے رکھکر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

امریکنوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کی ممانعت ان لوگوں کے لئے نہیں تھی۔ جنہیں کہ بیوپار اور سیاسیات سے متعلقہ معاملات میں، جاسوسی کرنے کیلئے خاص طور پر متعین کیا گیا تھا۔

کوئی تاجرانہ فائدہ اٹھانے کیلئے بھی امریکنوں کیساتھ تعلق پیدا کیا جاسکتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس مقصد کیلئے تو ہمیں ایک سپیشل فنڈ دیا گیا تھا۔ جسے ہم ان امریکنوں کی تفریح طبع کے لئے استعمال کر سکتے تھے جن سے کہ ہمیں کام ہوتا۔ ہمیں ہدایت تھی کہ اس رقم کو ہم کھلے دل سے استعمال کریں بلکہ اپنی فراخدلی کی نمائش کریں ہمیں یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہم ایک "نئی دنیا" کے لوگ ہیں اور ایک امیر، طاقتور اور فراخدل ملک کی نمائندگی کرتے ہیں

کسی سودے کے متعلق اندرونی معاملات کی جانکاری حاصل کرنے کے کیلئے ہم جنسیات کو بھی بروئے کار لاسکتے تھے۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ کمیشن کے ایک بہت بڑے افسر نے مجھے طلب کیا اور ایک ایسا مسئلہ میرے سامنے رکھا جس کی وجہ سے کہ وہ پریشان ہو رہا تھا۔ اس افسر نے مجھے بتایا کہ اسے "وار پروڈکشن بورڈ" میں ایک معاملہ کا بہت جلد فیصلہ کروانا مقصود ہے۔ اور اس بورڈ میں جو افسر با اختیار ہے۔ وہ ایک نوجوان عورت ہے۔

"میں چاہتا ہوں وکٹر اینڈریوچ، کہ تم اس عورت سے ملو" کمیشن آفیسر نے کہا" اور اس سے دوستی پیدا کرو۔ اسے نائٹ کلبوں میں اپنے ساتھ

لے جاؤ۔ تحفے خرید کر دو۔ اور اُس سے محبت جتاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ پھر باقی کام خود بخود ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔

لیکن جب میں نے یہ کام کرنے سے انکار کیا تو وہ افسر بھونچکا سا رہ گیا۔ میں نے اُسے بتایا کہ ایک تو دیکھیے میں عورتوں کو پھانسنے کا فن نہیں جانتا اور دوسرے آسانی کیساتھ انگریزی نہیں بول سکتا۔ اس طرح کمیشن کے اس بڑے افسر کو ٹرخا کر میں نے اپنی جان بچائی۔

ہم عام طور پہ یہی ظاہر کرتے تھے کہ امریکیوں کو جو آزادی حاصل ہے ہم اُس سے بے بہرہ ہیں۔ امریکی طرزِ معاشرت کی تعریف کرنا تو کجا اُسے برداشت کرنا بھی سیاسی خودکشی کے مترادف تھا۔

میں جانتا تھا کہ ہمارے لئے ایسا رویّہ اختیار کرنا آسان نہیں۔ جیسے امریکن پسند کرتے ہوں یا حقیقی مانیں۔ کامریڈ مِتیا کے المناک تجربہ کی موجودگی میں وہ یہ یقین کر بھی کیسے سکتے تھے۔ وہ یہاں روس کے تجارتی ادارہ "ایمٹروگ" میں کام کر رہے تھے۔ ایک دن میں سرکاری کام پر نیویارک گیا اور بلا اطلاع وہاں مِتیا کے ہوٹل میں چلا گیا۔ وہاں میں نے اُسے روسی زبان میں شائع ہونے والے ایک "انقلاب دشمن" میگزین کو پڑھتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہمیں یہ میگزین پڑھنے کی ممانعت تھی۔

"ہوں! تو آپ یہ میگزین پڑھتے ہیں"۔ میں نے اس انداز میں یہ الفاظ کہے جیسے مجھے اس میگزین کو دیکھ کر سخت صدمہ پہنچا ہو۔

میرے دوست کا رنگ ایکدم زرد ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ وہ جانتا تھا کہ اب اُسکی قسمت میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر میں اُس کے خلاف رپورٹ کر دیتا تو اُس کا واپس روس بُلا لیا جانا یقینی تھا۔

اور اُس کے بعد پارٹی سے اُس کا اخراج تو ہین - اور شاید اُس کے سارے خاندان کیلئے مُصیبت کوئی بڑی بات نہ ہوتی - اُس نے اپنی صفائی پیش کرنیکی کوشش کی - اُسے الفاظ نہیں مِل رہے تھے - بڑی مُشکل سے رُکتے رُکتے اُس نے مجھ سے درخواست کی کہ مَیں اُسے معاف کر دوں -

"آپ یقین کریں اینڈرسی ویچ کرافتینکو! مَیں اپنے کمیونسٹ ہونے کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ مَیں اِس میگزین کو صرف یہ جاننے کیلئے پڑھ رہا تھا کہ یہ بدمعاش ہمارے متعلق کیا لکھتے ہیں - میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے اِس قصور کو نظر انداز کر دیں - ہم دونوں کئی سالوں سے ایکدوسرے کو جانتے ہیں - اگر آپ نے میرے خلاف رپورٹ کی تو میری زندگی تباہ ہو جائیگی"

اُسے اِس طرح پریشان اور خوفزدہ دیکھ کر میرے دِل میں اُس کے تئیں رحم پیدا ہو گیا - مَیں نے اُسے یقین دِلایا کہ میں اُس کے خلاف رپورٹ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا - میں نے اُسے یہ بھی بتایا کہ مَیں خود بھی یہ میگزین پڑھا کرتا ہوں

ایکبار میری طبیعت کچھ علیل ہو گئی اور میں چند دِن کے لئے بستر پر پڑ گیا - کمیشن کے کئی امریکن ملازمین نے اِس دوران میں مجھے دوستانہ خط بھیجے جس میں یہ خواہش اور اُمید ظاہر کی گئی تھی - کہ میں جلدی اچھا ہو جاؤں - اُن کا یہ اقدام انسانیت کا ایک ثبوت تھا - اور اِس سے میرے دِل میں اُن کے تئیں دوستی اور بیغہ وارانہ رغبت پیدا ہو گئی - لیکن جب میں دفتر واپس آیا تو مجھے اُن کے اِس اظہارِ محبت کیلئے پچھتانا پڑا - بات یوں ہوئی - کہ چونکہ میں اتنی انگریزی نہیں جانتا تھا - کہ اُن کے خطوط کو پڑھ کر پوری طرح سمجھ سکوں - اسلیئے میں وہ خطوط دفتر لے آیا - اور میں نے دفتر کے ایک آدمی کو روسی زبان میں اِن خطوط کا ترجمہ کرنے کو کہا -

اس کے بعد میں اس سارے معاملہ کو بھول گیا اور اس گناہ کا احساس مجھے تب ہی ہوا جبکہ اچانک ایک دن کامریڈ مارکوف نے مجھے اپنے دفتر میں طلب کیا۔ انہوں نے ان تمام امریکنوں کے ساتھ میرے تعلقات کے متعلق زبردست جرح کی جنہوں نے کہ مجھے یہ خطوط لکھے تھے۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ ایک ذمہ دار پارٹی ممبر کے ساتھ ان مزدور دشمنوں کے اتنے بھائی چارے کی تہہ میں کیا ہے۔ آخر میں انہوں نے مجھے کڑی وارننگ دی اور کہا کہ ہمارے گرد سرمایہ دار دنیا نے جو گڑھے کھود رکھے ہیں ہمیں ان میں گرنے سے بچوں۔

ہمارے کمیشن کی عمارت کے اندر ایک لائبریری بھی تھی۔ ایک شام کو میں نے لائبریری میں جاکر وہاں کے انچارج سے دو کتابیں مانگیں۔ ان میں سے ایک کتاب "I Love" اینڈ ڈینیر کی تصنیف تھی۔ اور دوسری کتاب ورٹ نامی ایک مصنف کا تاریخی کارنامہ تھا جس میں کہ جنرل تُخاشیفسکی کا ذکر آیا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی کتاب مجھے نہ مل سکی۔ اس پر میں کچھ اور کتابیں لیکر چلا گیا۔ اس واقعہ کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔ اور اسلئے تھوڑے ہی عرصہ میں یہ میرے ذہن سے اتر گیا۔

لیکن ابھی زیادہ دن نہ بیتے تھے کہ پارٹی کے عہدیداروں نے مجھ سے جواب طلب کر لیا۔ ایسا نظر آتا تھا کہ میں نے بہت زیادہ غلطیاں کیں جو کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے لیکر بڑے بڑے جرائم تک کی مظہر ثابت ہو سکتی ہیں۔ جنرل تُخاشیفسکی جسے کہ غدّار ہونے کے الزام میں پھانسی پر چڑھا دیا گیا تھا کے کارناموں میں میری دلچسپی بیحد "خوفناک" جرم تھا۔ پارٹی عہدیدار اس بات کو بھی جرم سمجھتے تھے کہ مجھے یہ علم نہیں کہ روس میں یہ کتاب ممنوع قرار دی جا چکی ہے۔ میری لاعلمی کوئی بہانہ نہیں سمجھی جا سکتی تھی۔ ایک اچھے کمیونسٹ کیلئے یہ جاننا

ضروری ہے کہ عوام کے دشمن کون ہیں۔ جہاں تک ناول "I LOVE" کا تعلق ہے۔ کسی وقت یہ رُوس میں بہت مقبول تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے ممنوع قرار دیدیا گیا۔ اور اب یہ بھی بلیک لسٹ پر آچکی تھی۔ اسلئے یہ سوال بھی اُٹھا کہ مجھے خاص طور پر ان دنوں میں اِس کتاب پڑھنے کی خواہش کیوں پیدا ہوئی؟ مختصر یہ کہ پارٹی کی پاکیزگی کے محافظوں کی نظر میں مَیں قطعی طور پر مشکوک ہو چکا تھا۔

درحقیقت یہ لائبریری ہمارے ذہنی رجحانات کا پتہ چلانے کا ایک اہم ذریعہ تھی۔ چونکہ ہم لوگ امریکنوں سے مِل نہیں سکتے تھے۔ اسلئے ہمیں کتابیں وغیرہ پڑھ کر اپنا وقت گزارنا پڑتا تھا۔ زیادہ انگریزی نہ جاننے کے سبب ہم رُوسی کتابیں پڑھنے پر مجبور تھے۔ اور لائبریری میں موجود جاسوس اِن بات پر کڑی نگاہ رکھتے۔ جن کتابوں کو ہم صرف اُٹھا کر دیکھتے۔ اُن کے متعلق بھی افسروں کو رپورٹ بھیجی جاتی۔ اِن سب چیزوں کو ہمارے ذہنی رجحانات کی آئینہ دار سمجھا جاتا تھا۔ اسلئے یہ باقاعدہ ہماری ذاتی فائلوں میں نوٹ کی جاتی تھیں۔

غیر ممالک میں رہنے والے رُوسی افسروں کو جس وسیع اور پیچیدہ جاسوسی کے ماحول میں رہنا پڑتا ہے۔ وہ بیحد پریشان کُن ہے۔ ہم میں سے ہر آدمی سے یہ توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ پارٹی کا وفادار ممبر ہونے کے ناطے ہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کیلئے دوسروں کے شکوک پیدا کرنے والے الفاظ اور اُن کے عمل کی رپورٹ اعلیٰ حکام کو کرے۔ ماسکو ہو یا ولاڈی فوسٹک اور واشنگٹن ہو یا ٹنگاگو۔ کمیونسٹ ممبروں کا ضابطۂ عمل ایک ہی تھا۔

لیکن اس کے علاوہ پارٹی نے کمیشن کے اندر اپنے جاسوسوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ جو کہ ظاہراً تو مختلف ٹیکنیکل کام کرتے تھے لیکن درحقیقت اُن کا کام

گردونواح کے لوگوں پر جاسوسی کرتا تھا۔ اس بھی زیادہ خوفناک جال خفیہ پولیس کے جاسوسوں کا تھا۔ جنہیں ہم جانتے بھی نہ تھے اور جن کا پیشہ ہی جاسوسی کرنا تھا۔ پولیس کے اس کنٹرول سے تو کمیشن کے ہیڈ جنرل اور کامریڈ سیروف بھی مستثنٰے نہ تھے۔

چونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ کون جاسوس ہے ـــــ یہی نہیں بلکہ کوئی جاسوس بھی نہیں جانتا تھا کہ کمیشن میں اور کون آدمی جاسوسی کر رہا ہے۔ ان حالات میں اپنے بچاؤ کا بہترین طریقہ یہ تھا۔ کہ آدمی اپنے انتہائی گہرے دوستوں کو چھوڑ کر سب کو جاسوس سمجھے۔

اگر دفتر میں کام کرنے والا کوئی ساتھی ہمارے ساتھ غیر معمولی دوستی دکھلائے تو ذہن میں فوراً یہ خیال پیدا ہو جاتا تھا کہ یہ کہیں کسی خاص مقصد کیلئے ہمارا اعتماد حاصل تو نہ کرنا چاہتا ہو۔ ہم یہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ مخبر یا پیشہ دارانہ جاسوس ہم پر امریکی ماحول کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے خطرناک موضوعات پر بات چیت شروع کیا کرتے ہیں۔

کافی عرصہ تک روسی لیڈروں کے ڈربہ میں رہنے اور خاص طور پر سوفنارکوم کے ایک اعلےٰ عہدے پر رہ چکنے کے سبب بہت سے بارسوخ روسی افسروں اور لیڈروں کے ساتھ میری ذاتی جان پہچان تھی۔ اور مجھے حیرانی ہوئی جب میں نے دیکھا کہ وہ واشنگٹن میں معمولی عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ لیکن یہاں رہتے ہوئے مجھے یقین ہو گیا۔ کہ جن عہدوں پر وہ تعینات ہیں درحقیقت وہ ان کا اصلی کام نہیں۔ امریکہ میں چونکہ امریکہ اور روس کے معاہدہ کے مطابق ڈپلومیٹک افسروں کی ایک محدود تعداد ہی آسکتی تھی۔ اسلئے جاسوسی کیلئے جو "فالتو افسر" بھیجے گئے ان پر اقتصادی مشیروں اور ماہرین کا پردہ ڈال دیا گیا تھا۔

ایک مرتبہ کمیشن کی بلڈنگ کے اندر میرا اور روس سرکار کے ایک اعلیٰ افسر کا جسے کہ میں جانتا تھا۔ سامنا ہو گیا۔ اُسے دیکھتے ہی ایکدم مجھے وہ وقت یاد آگیا جبکہ میں نے اس افسر کو دو پولیس جرنیلوں کی رہنمائی میں ایک کھیل THE FRONT کے افتتاح کے موقع پر دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر پہلے تو اُس افسر نے ایسا ہی ظاہر کیا جیسے کہ وہ مجھے جانتا ہی نہیں۔ لیکن بعد میں اُس نے نگاہ اٹھا کر میری طرف دیکھا اور مجھے وارننگ دی کہ اس بات کا کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہیئے۔ کہ میں اُسے جانتا ہوں یا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ خاص کام پر یہاں آیا ہوا ہے۔ اسلئے اُس کے اصلی عہدہ کی بات لوگوں تک نہیں پہنچنی چاہیئے۔ امریکی سرکار کیلئے غالباً وہ کمیشن کا ایک معمولی افسر تھا۔ لیکن درحقیقت بہت بڑا افسر اور پارٹی کی ماسکو کمیٹی کا ممبر تھا

امریکہ میں روس کے اقتصادی نمائندہ کے فرائض چاہے کچھ مقرر ہوں اُس کا ایک بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ امریکی تجارتی فرموں ٹیکنالوجی۔ فوجی معاملات اور سائینسی تجربوں وغیرہ کے معاملہ میں پوری واقفیت اور پورے اعداد و شمار حاصل کرے۔ روس سے روانگی سے پہلے مجھے اپنے کام کے متعلق جو واضح ہدایات دی گئیں۔ یہ کام سرانجام دینا اُن کا ایک حصہ تھا۔ کمیشن کے افسر اس ہدائت کو بار بار دہراتے رہتے تھے۔ پارٹی کی خفیہ میٹنگوں میں ہم اس چیز کو چھپاتے نہیں تھے کہ جب ہم امریکی فیکٹریوں یا دفاتر میں جاتے ہیں تو اقتصادی اعداد و شمار اور دوسری تمام مفید واقفیت حاصل کرنے کا مقصد ہمارے سامنے رہنا چاہیئے۔

مجھے بار بار یہ وارننگ دی جاتی تھی کہ جنگ کی ہنگامی ضروریات نے ہمیں امریکہ اور برطانیہ کا اتحادی بنا دیا ہے۔ لیکن ہمیں اب بھی کسی امریکن پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ جمہوریتیں ہمارے نظام کو تباہ کرنے کے

لئے ہر موقع سے فائدہ اُٹھائیں گی۔ اس سلسلہ میں مجھے وارننگ دیتے ہوئے کامریڈ سیروف نے پہلی ملاقات میں ہی کہا تھا۔

" امریکہ کے ساتھ ہمارے تعلقات کے بارے میں تمہیں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔ آج ہم سرمایہ دار امریکہ کے ساتھ تعلق قائم رکھنا ڈپلومیٹک اور فوجی لحاظ سے مفید سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے مفاد کبھی ایک ہو سکتے ہیں۔ خود جنگ میں اور اس کے بعد آنیوالے زمانۂ امن میں ہماری اور امریکہ کی منزل مختلف ہے۔ ہمارے راستے ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ اس بُنیادی بات کو دھیان میں رکھ کر تم آسانی سے سمجھ سکو گے۔ کہ ہمیں امریکنوں سے دُور دُور اور خبردار رہنا چاہیئے۔ اور کیوں اُن کی ہر بات پر شک کرنا چاہیئے۔"

---

(۳۷)

امریکہ میں جہاں کہیں بھی مَیں گیا۔ "بہادر روسی اتحادیوں" میں سے ایک ہونے کی وجہ سے ہر جگہ میری سراہنا کی گئی۔ اور سواگت کیا گیا۔ امریکن لوگ مجھے دیکھ دیکھ کر ایسے خوش ہوتے کہ کئی بار مجھے اپنے آپ پر فخر محسوس ہونے لگتا۔ اس کے ساتھ یہ جان کر بھی دل بہت خوش ہوتا کہ روسی جنتا کی قربانیوں کی قدر کی جا رہی ہے۔

لیکن امریکنوں کا یہ سواگت اور تعریفی کلمات میرے لئے کئی بیحد تلخ تجربات کا سبب بھی بنے۔ کیونکہ امریکیوں کے اس جوش و خروش نے ایک نئی شکل اختیار کر لی تھی۔ وہ اپنے جنون میں نہ صرف روس کی فتوحات کو بلکہ اس کی شکستوں کو بھی روسی نظام کے درست ہونے کا ثبوت ماننے لگے تھے۔ مثلاً کہہ جملے لئے جرف یہ نباہ

کیا تھا۔ کہ حملہ آور طاقتور ہے۔ لیکن سٹالن کے جوابی حملے نے امریکنوں کیلئے اس بات کی تصدیق کردی کہ بالشویک ازم ایک درست راستہ ہے۔

روس کے عوام نے جنگ کے دوران میں زبردست بہادری دکھائی ہے اس بات کا مجھے امریکنوں کی نسبت زیادہ علم تھا۔ کیونکہ میں یہ بھی جانتا تھا کہ روس کی غلط کار اور نوکر شاہی حکومت کی وجہ سے عوام کو بہت ہی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔ اسکے باوجود میں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ کہ ہم اپنے ملک کے اندر اپنی کبھی ختم نہ ہونے والی جن شکتی، اپنی صنعتوں کی پوری طاقت اور امریکی ٹیکنالوجی کی پوری امداد کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ روس کی ان فتوحات کا جن میں کہ اسے زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ کریڈٹ بالشویک ازم کو کیوں دیا جائے۔ چونکہ میں روس سرکار کا نمائندہ تھا۔ اور پھر ہر وقت مجھ پر نگرانی رہتی تھی۔ اسلئے میں زبان نہیں کھول سکتا تھا۔ اور توڑ مروڑ کر پیش کئے جانیوالے حقائق کو غلط ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ہزاروں مرتبہ اپنے کانوں سے سنا کہ روسی عوام کی کامیابیوں کا کریڈٹ روسی ڈکٹیٹر شپ کو دیا جا رہا ہے۔ لیکن خاموش رہنا پڑا۔

روس کے اندر ہم ہٹلر اور سٹالن کے معاہدہ پر اسقدر شرمندہ تھے کہ اس کا نام تک زبان پر لانے سے ہچکچاتے تھے۔ لیکن امریکہ پہنچ کر یہی معاہدہ سٹالن کی دانشمندی کا ایک اور ثبوت بن گیا تھا۔ ایک ہی لمحہ میں لوگ میونخ میں ہٹلر کو خوش کرنے کی کوشش کی تو مذمت کرتے لیکن ماسکو میں اسی کوشش کو سراہتے۔ اس بات کے لئے اتحادیوں کی تو مذمت کی جاتی کہ انہوں نے خود وقت حاصل کرنے کیلئے نازی فوجوں کی پولینڈ اور روس کے ساتھ مٹھ بھیڑ کرا دی ہے۔ لیکن کریملن کے اس قدم کو اس کی دانشمندی کا ایک ثبوت قرار دیا جاتا۔ جو اس نے جرمنی کو فرانس اور برطانیہ پر حملہ کرنے کی شہ دینے کے لئے ہٹلر۔ سٹالن معاہدہ کی شکل میں اٹھایا تھا۔

امریکنوں میں کچھ ایسا رجحان نظر آتا تھا کہ ہر اچھی بات سٹالن سے اور ہر برائی جمہوریتوں سے وابستہ کی جائے۔ کریملین کی ہر ڈپلومیٹک غلطی نازیوں کے ساتھ اس کی سودے بازی، جنگ کیلئے ملک کو تیار نہ کرنے کی حماقت، اس کی لغزشیں جن کی بدولت کہ روسیوں کے خون کے دریا بہے۔ امریکی اخبارات اور عام امریکنوں کی بات چیت میں ایک خاص خوبی اور باریک بینی قرار دی جاتی تھیں۔

مجھے توقع تھی کہ میرے عوام کی قربانیوں کا پتہ چلنے پہ باہر کی دنیا اُن کے مصائب کا احساس کرے گی۔ لیکن یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ میں جمہوری ممالک کے باشندوں سے یہ سننے کی توقع رکھتا تھا کہ

" بہادر روسی عوام کم از کم آزادی اور جمہوریت کے مزدور مستحق ہیں۔" لیکن یہاں حالات کو برعکس پایا۔ روسی عوام کی ٹریجڈی سے کسی کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچی تھی۔ کوئی آزاد شہری تڑپا نہیں تھا۔ اس کی بڑی وجہ اُن کی لاعلمی تھی جو کہ قابلِ معافی ہے۔ لیکن ایک وجہ اُن کی لاپرواہی بھی تھی۔ جسے کہ میں روسی جنتا کے لئے توہین آمیز سمجھتا تھا۔ کوریا یا ہنگری کے لوگوں کے جذبۂ آزادی و جمہوریت کی تو یہاں حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ لیکن روسیوں کا یہی جذبہ غداری کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

یہاں آمد کے چند ہفتے بعد ہی میں نے یہ محسوس کر لیا تھا۔ کہ سٹالن کے حق میں پراپیگنڈا یہاں کارگر ہوا ہے۔ اور لوگوں کو روسی عوام کی حالت کے متعلق کوئی علم نہیں۔ اُن کو آزاد کرانے کے خیال کی بجائے یہاں عام طور پہ یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ روسی دھکے شاہی حق بجانب ہے۔ مجھے یہ جان کر زبردست صدمہ ہوا کہ روسیوں کی طرح امریکنوں کے ذہن پر بھی سٹالن چھایا ہوا ہے۔

ایکبار میں نے ایک نئے امریکن دوست سے کہا۔

"برطانیہ بھی تو اتحادی ہے۔ لیکن پھر بھی میں نے تمہیں اُس پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے سنا ہے۔ اگلے روز تم نے باتوں باتوں میں کہا تھا۔ کہ برطانوی عوام کو ٹوریوں اور سامراجیوں کے خلاف ضرور بغاوت کر دینی چاہیئے۔ تم اسی طرح کھلے بندوں روس پر کیوں نکتہ چینی نہیں کرتے؟"

"اوہ۔ روس کا معاملہ بالکل مختلف ہے"۔ میرے امریکن دوست نے جواب دیا۔

"تو تمہارا مطلب ہے کہ دُنیا میں صرف رُوس ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں کے لوگوں کو انقلاب لانے کا حق نہیں ہے؟"

"تُم تو مجھے بحث میں گھسیٹنے لگے ہو وِکٹر!"

میری ایسی کوئی خواہش نہیں تھی لیکن پھر بھی میں نے اُس کے دِل کی بات جاننے کیلئے ایک اور چال چلی۔ میں نے کہا۔

"ہم روسی لوگ جرمنی کیخلاف پہلی جنگ میں بھی بہادری سے لڑے تھے۔ اور لاکھوں کی تعداد میں اپنی جان پر کھیل گئے تھے۔ کیا تم امریکنوں نے اُس وقت بھی زار اور اُس کے ظلم وستم کی تعریف کی تھی؟ کیا اُس وقت بھی تم لوگوں نے یہ کہا تھا ۔۔۔ کہ رُوسی عوام کی یہ قربانیاں اپنی زنجیروں اور جیلخانوں کے ساتھ اُن کے پیار کا ثبوت ہیں؟"

"نہیں۔ وہ معاملہ ہی اور تھا۔"

میرے امریکن دوست کا وہم دلیل یا منطق سے دُور نہیں ہو سکتا تھا اُس کی تہہ میں خوشحال اور کامیاب سوشلسٹ قوم کی وہ خوبصورت تصویر تھی۔ جو کہ انسانی تاریخ کی بہترین پراپیگنڈا مشینری نے بیرونی دُنیا کے دل میں بٹھا رکھی تھی۔ اور اگر اس تصویر میں چھپے ہوئے غیر انسانی افعال اور سماجی بھدے پن کو ظاہر کرنے کیلئے تصویر کا ذرا سا بھی رنگ اُتارنے

کی کوشش کی جاتی تو بیشتر امریکن اسکے خلاف پروٹسٹ کرتے۔ جیسے کہ اُن کے اہم مذہبی اعتقادات خطرہ میں ہوں۔

امریکہ کے لوگوں میں ایک بالکل غلط خیال بیٹھ چکا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ روسی ڈکٹیٹرشپ وہاں کے عوام کی نمائندہ ہے۔ کمیونسٹ اپنے دیش کے لوگوں میں ابھی تک یہ خیال پیدا نہیں کر سکے تھے کہ ڈکٹیٹرشپ اُن کی نمائندہ ہے۔ چھانٹیوں اور لاکھوں قیدیوں کو بیگار کیمپوں میں بھیجنے کے باوجود ابھی تک اُنہیں اس کام میں کامیابی نصیب نہ ہوئی تھی۔ لیکن امریکہ میں وہ کامیاب ہو گئے تھے۔ امریکہ میں برطانیہ پولینڈ۔ چیکوسلوواکیہ۔ چین وغیرہ اتحادی ملکوں پر نکتہ چینی کیطرف پوری توجہ دیجاتی تھی۔ لیکن روسی ڈکٹیٹروں کے مفادات اور اُن کے وقار کی حفاظت کیلئے امریکہ میں آزادی تقریر و تحریر پر ایک قسم کی اخلاقی پابندیاں عائد تھیں۔ میں نے وہاں ایسے آدمیوں کو بھی دیکھا جو خود پریذیڈنٹ روزویلٹ کو ڈکٹیٹر قرار دیا کرتے تھے۔ لیکن جب کوئی سٹالن کو ڈکٹیٹر کہدیتا تو آگ بگولا ہو جاتے۔

روس کے اندر جنگ کی وجہ سے سرمایہ داروں کے خلاف پراپیگنڈا میں بالکل معمولی کمی آئی تھی۔ برطانیہ اور امریکہ کی جنگی پالیسیوں پر نکتہ چینی جاری تھی۔ اور بعض اوقات انتہائی شدید شکل بھی اختیار کر لیتی تھی لیکن امریکہ میں میں نے دیکھا۔ کہ کریملن کی داخلہ یا خارجہ پالیسیوں پر کسی قسم کے شکوک جیسے ممنوع ہوں۔ ایک لبرل پبلشر نے تو یہاں تک بھی اپیل کر دی تھی کہ جن کتابوں کو روس سرکار پسند نہیں کرتی۔ وہ مارکیٹ سے نکال دی جائیں۔ میں نے سُنا کہ دوسرے پبلشر بھی چاہے وہ اپنی مرضی سے کرتے ہیں چاہے حکام کے کہنے پر۔ بعض کتابوں کی اشاعت سے انکار کر رہے تھے۔ صرف اسلئے کہ اُن سے

سٹالن کے جذبات کو ٹھیس پہنچنے کا احتمال تھا۔ صرف چند رسالے ہی وہ آرٹیکل شائع کرنے کی جرأت کرتے تھے جنہیں کہ امریکہ میں اینٹی رُوسی قرار دیا جاتا تھا۔

امریکی اخبارات کے ماسکو میں متعیّن نامہ نگار اُنہیں جو "خبریں" بھیجتے وُہ بے معنی ہوتی تھیں۔ امریکی نامنگار صرف ماسکو کے اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کا خلاصہ ہی بھیجا کرتے تھے۔ خبریں حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ اُن کے پاس نہیں تھا۔ ہم تو اپنے مُلک میں ان خبروں سے اصلی حالات کا اندازہ لگانا سیکھ چکے تھے۔ لیکن امریکہ کے لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا۔ وُہ جو کچھ اِن خبروں میں لکھا ہوتا۔ اُسے درست مان لیتے۔ اسطرح کریملین کا ہر جھوٹ یا ڈپلومیٹک فراڈ کامیاب ہو جاتا۔ اور امریکی جنتا اُسے ویسے ہی درست مان لیتی۔ جیسے وُہ اپنی سرکار کے اعلانات کو مانتی تھی۔ رُوس کے اَندر اُن اعلانات پر کسی کو یقین آئے نہ آئے۔ امریکہ میں ضرور آ جاتا تھا۔ جمہوری روایات والے مُلک کے لوگوں کو کوئی یہ کیسے سمجھائے کہ سرکاری طور پر سنسر شدہ "خبریں" عام طور پر نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں!

رُوسی نظام کی حیران کُن کامیابیوں کے متعلق امریکہ میں جو خیالات پھیلے ہوئے تھے وُہ واقعی غیر معمولی تھے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ کمیونسٹ نظام کے حقائق ـــــ جبری محنت۔ پولیس ڈکٹیٹر شپ۔ وقت وقت پر ہونے والی اجتماعی چھانٹیوں انتہائی طور پر گرے ہوئے معیارِ زندگی ۳۳-۱۹۳۲ء کے خوفناک قحط اجتماعیت کی ہولناکیوں اور سرکاری طور پر بچوں سے لی جانے والی بیگار ـــــ کی طرف اُن کی توجہ نہیں گئی تھی۔ روس کے اندر ہر آدمی ان تمام چیزوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ انہیں ضروری نا گزیر حتیٰ کہ اچھی بھی قرار دیں۔ لیکن کوئی ان سے انکار نہیں کر

سکتا - اور جب کبھی، راز دار امریکنوں کے سامنے میں اِن کا نام لینے کی جرأت کرتا - تو وہ میری طرف ایسے دیکھتے جیسے کہ انہیں اعتبار نہ آتا ہو - اُن میں سے بعض لوگ تو پورے یقین کے ساتھ انہیں غلط قرار دینے لگتے

یہ بات اب میرے ذہن میں گھر کر گئی کہ رُوس کی سب سے بڑی کامیابی اُس کے پراپیگنڈے کی کامیابی ہے - اور آہستہ آہستہ میرا یہ یقین ایک فارمولا کی شکل اختیار کر گیا اور وہ یہ کہ

اگر آئندہ ۲۰ سالوں میں رُوس کی حالت اُس سے نصف بھی اچھی ہو جائے جتنی کہ اُسکے امریکن مدّاح آج سمجھتے ہیں تو یہ تاریخ کی سب سے بڑی سماجی کامیابی ہو گی -

اُن لوگوں میں جو کہ رُوسی نظام کے ماتحت زندگی کے تھوڑے بہت حقائق سے واقف تھے - میں نے ایک عجیب و غریب خوش فہمی پائی وہ یہ کہ سٹالن کے بعد سوشلسٹ جمہوریت پھلنے پھُولنے لگے گی - وہ تمام برائیوں کے لئے سٹالن کو ذمہ دار سمجھتے تھے - اور سٹالن - - - - وہ غیر فانی نظر آتا تھا - رُوس میں بھی میں نے تمام برائیوں کو ایک آدمی کا قصور قرار دینے کا رجحان دیکھا تھا لیکن امریکہ میں یہ زیادہ وسیع پیمانے پر تھا - بدقسمتی سے یہ بُرائیاں رُوسی نظام کا جزو بن چکی تھیں - اور ہم پر یہ واضح تھا کہ سٹالن کی موت کے بعد یہ نظام ختم نہیں ہو گا - کوئی اور ڈکٹیٹر یا ڈکٹیٹری گروہ - طاقت سنبھال لیگا -

ایک مرتبہ مجھے ایک چھوٹے سے امریکن صنعتی قصبہ میں جانے کا اتفاق ہوا جہاں کہ کچھ پورے کنزرویٹو اور مزدور دشمن سرمایہ دار میرے ساتھ تھے - اُنہوں نے میرے ساتھ کھُل کر باتیں کیں - اور مجھے بتایا کہ وہ رُوسی نظام کے خلاف ہیں اُن سے نفرت کرتے ہیں - اور اُنہیں خطرہ ہے کہ کہیں امریکنوں

کے خیالات پر بھی اِس کا اثر نہ ہو جائے۔ میں سوچنے لگا کہ آخر وُہ اِس نظام سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟ اُنکے دماغ میں اِس نظام کا نقشہ کیا ہے؟ مَیں نے اُن کے خیالات کو جاننے کیلئے بات آگے بڑھائی اور یہ جان کر حیران رہ گیا کہ وُہ رُوس کو ایک ایسا مُلک سمجھتے ہیں جس پر کہ مزدوروں کی حکومت ہے۔ جہاں کہ کسان ایک "کوآپریٹو سوسائیٹی کے طور پر" رہتے اور کام کرتے ہیں۔ جہاں ہر آدمی برابر ہے! چونکہ ایک اور رُوسی افسر بھی ہمراہ تھا اِسلئے میری ذہنی پریشانی اور بڑھ گئی مُجھے اپنی زبان پر جبر کرنا پڑ رہا تھا۔ مَیں ان بھولے بھٹکے لوگوں کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ رُوس میں حکومت پر مزدوروں کا کنٹرول ٹریڈ یونین کا رسُوخ، کوآپریٹو کھیتی باڑی۔ اور شخصی آزادی کسی طرح بھی امریکہ سے زیادہ نہیں۔ بلکہ جتنی آزادی امریکہ میں حاصل ہے۔ اُس کا رُوسی جنتا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی۔

کمیشن کی لائبریری میں مَیں نے ہینری اے۔ ویلیس کی کئی تقریروں کے پمفلٹ دیکھے۔ اُن میں جہاں جہاں رُوس کا ذکر آیا تھا۔ وہاں وہاں نشان لگے ہوئے تھے۔ انگریزی اور رُوسی دونوں زبانیں جاننے والے ایک آدمی سے مَیں نے اُنہیں پڑھوایا۔ اور جب وُہ آدمی پڑھ رہا تھا تو میں یُوں سمجھتا تھا جیسے میرے کان بج رہے ہوں۔ مُجھے اُن الفاظ پر یقین نہیں آتا تھا۔ ایک جمہوری حکومت کا نائب صدر سٹالن کی پولیس سٹیٹ کو "اقتصادی جمہوریت" قرار دے۔ اور اُس کی تعریف کرے ۔۔۔ واقعی عجیب بات تھی۔ مسٹر ویلیس شاید اِس بات سے واقف نہیں تھے کہ رُوس کی فیکٹری میں سپیشل ڈیپارٹمنٹ اور خفیہ ڈیپارٹمنٹ ہوتے ہیں۔ ٹریڈ یونینوں پر سرکاری کنٹرول ہوتا ہے صحیح معنوں میں اجتماعی سودا بازی نہیں ہو سکتی، ہڑتالیں اور ایجی ٹیشن

کرنے والے مزدوروں کی موت کی سزا دی جاتی ہے۔ سٹاکھنوف سسٹم پر مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے۔ مزدور اپنی لیبر بک کے بغیر کہیں ملازمت حاصل نہیں کر سکتے، ۲۰ منٹ سے زیادہ لیٹ آنے والوں کو بھوکوں مار دیا جاتا ہے۔ اور بیگار کیمپ وسیع پیمانہ پر کھلے ہوئے ہیں۔ سچ مچ یا تو وہ اِن حقائق سے واقف نہیں تھے اور یا انہیں" اقتصادی جمہوریت" کے مختلف پہلو تصوّر کرتے ہونگے۔

مَیں نے وینڈیل وِلکی کی کتاب ONE WORLD پر مغز پچی شروع کی۔ وہ جب رُوس کے دورہ پر گئے تو میں اُن دِنوں سوفنارکوم میں کام کر رہا تھا۔ اور مجھے علم تھا کہ اُن پر رُوس کی خوش حال زندگی کے متعلق اثر ڈالنے کے لئے کوئی ایسا پراپیگنڈا سٹنٹ نہیں جو استعمال نہ کیا گیا ہو۔ انہیں کسی ایسی جگہ جانے ہی نہیں دیا گیا۔ جہاں کہ وہ حالات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے۔ انہیں جو کچھ بھی دِکھایا گیا خاص اہتمام کے ساتھ دِکھایا گیا۔ اور یہ کتاب پڑھتے پڑھتے میں حیران رہ گیا کہ ہماری وہ کوششیں اور پلان کتنے کامیاب ہوئے تھے حیرانی اس بات پر تھی کہ اتنے مختصر سے عرصہ میں کسی آدمی کو کتنی کامیابی سے دھوکہ دیا جا سکتا ہے

مسٹر وِلکی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا تھا کہ اُسنے ماسکو کے جرنلسٹوں کے ایک گروپ کو کس طرح ماسکو کے ایک ہوٹل میں بُلایا۔ اس ملاقات کا مقصد آپس میں کھل کر بات چیت کرنا تھا جو کہ کسی قسم کی اشاعت کیلئے نہیں تھی، جرنلسٹوں نے ہوٹل میں پہنچکر اندر سے دروازہ بند کر لیا اور پھر کھل کر باتیں شروع ہوئیں، میں سوچنے لگا کہ اگر اسوقت میں غیر ملکیوں اور جلد دھوکہ میں آجانے والے معصوم امریکنوں کے کیریکٹر کو پیش کرنے کیلئے کوئی ڈرامہ لکھ رہا ہوتا تو مسٹر وِلکی اور روسی جرنلسٹوں کی ملاقات کے اس منظر کو جوں کا توں اُس میں جوڑ دیتا۔ مجھے حیرانی تھی کہ کیا مسٹر وِلکی اور ان کے امریکی ساتھی سچ مچ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سرکاری افسروں کی عدم موجودگی میں اندر سے دروازہ بند کر کے روشنی

جرنلسٹوں سے انکی دیانتدارانہ رائے حاصل کر سکتے ہیں!
کیا سچ مچ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہر روسی جرنلسٹ ۔ انجینئر یا سیاحوں کا گائیڈ۔ ایک سرکاری "افسر" ہے۔ کسی روسی باشندے کیساتھ "آف دی ریکارڈ" بات چیت یا کھل کر باتیں کرنیکا خیال ہی ڈکٹیٹر یت کے حقائق سے لاعلمی کا اظہار ہے۔ خاص طور پر اسوقت جبکہ کوئی اور روسی باشندہ اس بات بات چیت کو سن رہا ہو یا کمرے کے اندر خفیہ طور پر ریکارڈنگ مشین موجود ہونے کا امکان ہو ان میں سے تمام جرنلسٹوں نے مسٹر ولکی کے ساتھ اپنی اس بات چیت کی رپورٹ حکام کو پیش کی تھی۔ جس میں بتایا تھا کہ انہوں نے پوری وفاداری کیساتھ روسی نظام کی سراہنا کی ہے اور اسکے متعلق وہی خیالات ظاہر کئے ہیں جو کہ انہیں ظاہر کرنے کیلئے کہا گیا تھا۔
ان حالات میں مسٹر ولکی کے پاس اور چارہ بھی کیا تھا۔ روس میں تو ہر جرنلسٹ بڑا صنعت کار یا عام شہری جس کے کام سے غیر ملکیوں کو کوئی دلچسپی ہوتی پہلے ہی سے تاڑ میں رکھا جاتا تھا اس سے ایک حلف نامہ پر دستخط کروائے جاتے تھے کہ وہ غیر ملکیوں کے ساتھ اپنی تمام ملاقاتوں اور ان میں ہونیوالی بات چیت کی تفاصیل کی رپورٹ خفیہ پولیس کو کیا کرے گا۔ مسٹر ولکی کیساتھ جرنلسٹوں نے کھل کر جو بات چیت کی تھی اور جس پر انہیں اتنا فخر تھا۔ اس کا علم خفیہ پولیس کے محکمہ خارجہ اور دیگر تمام متعلقہ محکموں کو ملاقات کے فوراً ہی بعد ہو گیا تھا۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس سے زیادہ ریکارڈ میں آنیوالی "آف ریکارڈ" کانفرنس شاید کبھی نہیں ہوئی ہوگی۔
امریکہ میں اپنی سب سے زیادہ پریشان کن اور خوفناک شام میں نے شاید واشنگٹن کے ایک سنیما گھر میں گذاری۔ ہال کے اندر اندھیرا ہونیکی وجہ سے میرے چہرے پر نمایاں بےچینی اور گھبراہٹ کے آثار دوسرے لوگوں کو نظر نہیں آرہے تھے۔ میرے ساتھ موجود دوسرا روسی افسر اور پارٹی ممبر بھی اپنی سیٹ میں سکڑ کر بیٹھا ہوا تھا اور مجھے اسمبات میں

کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بھی میری ہی طرح خوفزدہ تھا۔ یہ اُس شام کا ذکر ہے۔ جبکہ ہم MISSION TO MOSCOW نام کی فلم دیکھنے کیلئے سینما گئے ۔ ماسکو میں امریکہ کے سابق سفیر جوزف ای ڈیوینر کی اسی نام کی کتاب کی بناپر بنائی گئی اس فلم میں روسی قوم کی زبردست توہین کیگئی تھی ۔ روس کے انقلاب کا ایک مضحکہ خیز سا اور ٹوٹا پھوٹا ڈھانچہ پیش کیا گیا تھا۔ اور روس کی طرز معاشرت کا مذاق اُڑایا گیا تھا۔

اصلی کتاب تو روسی نظام سے بھی زیادہ غلط تھی۔ اس میں لاعلمی۔ تضادات صاف لفظوں میں بیہودگی بھری پڑی تھی لیکن اسکی بناپر جو فلم تیار کیگئی اُس میں یہاں وہاں کچھ تبدیلیاں کیگئی تھیں جن پر کہ سچائی کی "ٹیپ" چڑھی ہوئی تھی۔ اس میں بعض ایسے سین دکھائے گئے تھے جن کا کہ کتاب میں کوئی ذکر نہ تھا۔ ہالی وڈ کے "تاریخ دانوں" کو جہاں کہیں حقائق اور بیہودگی قیاس میں سے کوئی چیز منتخب کرنی پڑی انہوں نے بیہودگی اور قیاس کو منتخب کیا۔ فلم میں سائبیریا کی ایک فیکٹری میں چھانٹی کا ایک مقدمہ دکھایا گیا تھا۔ اتفاق سے مجھے اس مقدمہ اور اس فیکٹری کے متعلق پوری واقفیت تھی۔ میں یقین کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہالی وڈ نے اس فیکٹری کو جس شکل میں پیش کیا تھا۔ اُس سے زیادہ کارٹون نما شکل میں پیش نہیں کیا جاسکتا تھا۔ روس کی کسی پراپیگنڈا فلم میں بھی حقائق کو اس قدر توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی جرأت نہیں کیجاتی تھی۔ لیکن پراپیگنڈا کے امریکی ماہرین شاید اپنے لوگوں کی لاعلمی سے فائدہ اُٹھاکر گھڑے ہوئے "حقائق" ان کے سامنے رکھ رہے تھے۔ اس لحاظ سے یہ فلم امریکنوں کیلئے بھی اتنی ہی توہین آمیز تھی جتنی کہ روسیوں کے لئے۔ اگر ماسکو کے اخبار "پراودا" نے مسٹر ڈیویز اور ان کی اس کتاب کی تعریف کی تو اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں "پراودا" نے تو اس کتاب سے حوالے دے کر یہ ثابت کیا تھا۔ کہ روس کا انصاف نہایت شاندار ہے۔ وہاں چھانٹیوں کے ذریعے پانچویں کالم کا صفایا کیا گیا ہے۔ اور بالشویک انقلاب کے بانیوں کا قلع قمع بالکل حق بجانب ہے۔ ہوشمند

روسیوں کے لئے "پراودا" کی یہ تحریر اگر عجیب نہ ہو تو اور کیا ہو۔

اور اس شام کو پریشانی اور خوف کے یہ تین گھنٹے ختم ہونے کے بعد جب میں سینما گھر سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ میری ہتھیلیوں پہ کئی جگہ زخم ہو گئے ہیں اور ہاتھ لہولہان ہیں۔ پریشانی کے عالم میں میں ناخنوں سے ہتھیلیوں کو کھرید تا رہا تھا۔ اور یہ زخم اسی کا نتیجہ تھے۔ میں اور میرے ساتھی افسر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بس دیکھنا ہی کافی تھا۔ الفاظ کی ضرورت نہیں تھی۔ گھر پہنچ کر رات بھر میں بستر پر کروٹیں لیتا رہا۔ آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔

ذہن میں بار بار یہ سوال اٹھ رہا تھا۔ کہ امریکن لوگ اس بات پہ کیوں بضد ہیں، کہ سٹالن کا روس ایک جنت بن چکا ہے؟ وہ سٹالن شاہی کی ہر تبدیلی اور بالشویکی نظام کی ہولناکیوں پہ پردہ کیوں ڈالنا چاہتے ہیں؟

بیرونی دنیا میں سٹالن شاہی کا پراپیگنڈا ہماری توقعات سے بھی زیادہ کامیاب ہوا تھا۔ ایک خوشحال "سوشلسٹ" ملک کا نعرہ روس کے اندر تو محض ایک فریب سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بیرونی دنیا میں ان لوگوں نے جو کہ رائے عامہ کو بنانیوالے تھے اسے بالکل ایک مذہبی عقیدے کی طرح قبول کر لیا تھا

:— — — : — — — : — — — :

باب نمبر ۲۷

ناانصافی سے فرار

روسی حکومت کے ساتھ میرے قطع تعلق کی جو خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں اُن میں کہا گیا تھا کہ امریکی جمہوریت کو دیکھ کر میں سٹالن کے کمیونزم سے متنفر ہو گیا ہوں۔ اُن خبروں میں کہا گیا تھا یا کم از کم اُن کا مطلب یہ تھا کہ میرے روسی پرچیز نگ کمیشن کو چھوڑنے کی وجہ امریکی جمہوریت کا براہِ راست تجربہ ہوتا ہے۔

ان خبروں نے میری کہانی کو اور ڈرامائی شکل دیدی اور یہ شکل امریکہ کیلئے ایک زبردست خراج تحسین تھی لیکن مجھے اعتراف ہے کہ یہ درست نہیں۔ کیونکہ میں نے جہاں کبھی اور جب کبھی ممکن ہوا اس تانا شاہی غلامی کا جوا گلے سے اتار پھینکنے کا فیصلہ بہت پہلے سے کر رکھا تھا۔ اگر مجھے امریکہ کی بجائے چین یا ہسپانیہ گوئٹیا بھی بھیجا جاتا تب بھی میں اپنے مقصد کے حصول کیلئے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ میرا مقصد سٹالن شاہی کے غلط پراپیگنڈا کا بھانڈہ پھوڑنا تھا۔

یہ کام اپنے ذمہ لینے کا فیصلہ میں نے خود کیا تھا اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں کہ یہ فیصلہ میں نے کب کیا۔ یہ اُن جذبات کا نتیجہ تھا جو کہ آہستہ آہستہ میرے دماغ

میں اُبھرتے رہے اپنے حالات اور خیالات سے مجبور ہو کر میں نے یہ قدم اُٹھایا۔ پاپا کے آدرش، دادا اور دادی کے مضبوط مذہبی اعتقاد کے زیر سایہ گذرنے والے بچپن کا بھی اس میں بہت ہاتھ تھا۔۔۔ نیکی اور انسانیت کیلئے اُن کی محبت اگرچہ مختلف اقسام کی تھی لیکن پھر بھی ان کی تہہ میں ایک ہی جذبہ کام کر رہا تھا اور یہی وہ بنیادی جذبہ تھا۔ جو جوان اور بالغ ہونے کے بعد مجھ میں بھی رہا۔

میری اس حرکت کی تہہ میں اُس قوم کی سپرٹ بھی تھی جس نے اپنے نازک ترین دنوں میں اور انتہائی ظالم اور جابر حکمرانوں کے عہد میں بھی بڑے بڑے باغی اور انقلابی پیدا کئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر روس کے اندر رہ کر آزادی کیلئے جدوجہد کرنا ممکن ہوتا تو وہیں رہتا۔ اگر بہتری کی کوئی اُمید ہوتی۔ ملک کے اندر لوگوں کو جمہوری قسم کی سیاسی اور اقتصادی آزادی نصیب ہونے کا کوئی امکان ہوتا، اور کمیونسٹ لیڈروں کو کسی طرح اپنا بین الاقوامی ہوکر ہم ترک کرنے پر تیار کیا جا سکتا تو میں کبھی روس سے نہ بھاگتا لیکن بدقسمتی سے روسی حکومت سال بہ سال اُن انسانی آدرشوں سے دور جا رہی تھی جن کے حصول کیلئے کہ انقلاب لایا گیا تھا۔

روس کے مستقبل کے متعلق اُمیدیں زیادہ سے زیادہ مدھم ہوتی جاتی تھیں۔ اقتصادی آزادی اور جمہوری گارنٹیوں کا صفایا ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی یاد بھی اب مٹنی شروع ہو گئی تھی۔ کُلی اختیارات کا ناجائز استعمال خوفناک ڈھنگ سے بڑھ رہا تھا۔ جنگ کے دوران میں ایک وقت ایسا بھی آیا۔ جبکہ ہم سمجھتے تھے کہ اٹلانٹک چارٹر کے اصولوں اور چار بنیادی آزادیوں کا اطلاق ہم پر بھی ہوگا۔ لیکن اس امید پر جلد پانی پھر گیا۔ جہاں تک ہمارے ملک اور وہاں کے لوگوں کا تعلق ہے انہوں نے ایسا محسوس کیا کہ یہ دستاویزات اُن کے لئے کاغذ کے چند ٹکڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ واشنگٹن میں آمد کے بعد سات ماہ تک میں نے ڈکٹیٹر بیت

کی غلامی کا جوا کیوں پہنے رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے یہ خوفناک چھلانگ لگانے سے پہلے نیچے کی سطح کا جائزہ لینے اور اپنی ہمت باندھنے کیلئے وقت کی ضرورت تھی۔ عین اُسی طرح جس طرح کوئی قیدی فرار ہونیکا فیصلہ کرنے کے بعد گردونواح کے علاقہ اور پہریداروں کی عادات وغیرہ کے متعلق جانکاری حاصل کرتا ہے۔

روس کے ڈکٹیٹری نظام میں پرورش پانے والا کوئی روسی شہری جب پہلی مرتبہ آزاد دنیا میں آئے تو وہ وہاں کے حالات دیکھ کر حیران ہوتا ہے اور ان نئے حالات کا عادی نہ ہونے کے سبب اُسے کچھ سوجھتا نہیں۔ اُسے باہر آکر پتہ چلتا ہے کہ اُس کے سوچنے کا ڈھنگ اور گرد کے لوگوں سے مختلف ہے اس کے احساسات بھی اُن سے مختلف ہیں۔ اس پر جو ڈکٹیٹرشپ کے اثرات ہوتے ہیں انہیں دور کرنے میں اُسے کچھ وقت لگتا ہے اور ان اثرات کو دور کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں۔

کتاب کے آغاز میں میں تفصیل کیساتھ ذکر کر چکا ہوں کہ اپینگیننگ سے میں نے کیسے قطع تعلق کیا۔ درحقیقت میں ایک بے وطن بن کر رہ گیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو امریکی کمیونسٹوں اور ان کے اپنے آپ کو درست سمجھنے والے ہمسفروں کے غیض و غضب کا نشانہ بنا لیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اپنے اس اقدام کی بدولت میں نے اپنے آپ کو دنیا کی اس مضبوط ترین حکومت کی تباہ کن نفرت کا شکار بنا لیا تھا۔ جس کے بدل جانے کا بہت کم امکان تھا میرا مستقبل تاریک تھا۔ خوفناک نتائج کا علم ہوتے ہوئے بھی میں نے جان بوجھ کر غلامی میں "آرام کی زندگی" بسر کرنے کی بجائے مشکلات اور خطرات بھری آزادی کو منتخب کیا تھا۔ آج کل کی کسی ڈکٹیٹری پولیس سٹیٹ کا کوئی باشندہ ہی اُس خوف کا اندازہ لگا سکتا ہے جو کہ اس کی حکومت کی طاقت، اس کی بے رحمی اور اس کی غیر اخلاقی پالیسیاں کسی آدمی کے دل میں پیدا کر سکتی ہیں۔

جس وقت میں واشنگٹن سے روانہ ہوا۔ مجھے علم تھا کہ مجھے کمیشن کے سٹاف

ہیں ایک مستقل عہدہ پر لگانے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ماسکو نے اس کی تصدیق کر دی ہے اس فیصلہ کی بدولت مجھے کافی ترقی ملنے والی تھی۔ ماسکو کے آشیرواد کے ساتھ صرف چند دن بعد ہی یعنی ۱۳ اپریل کو مجھے اپنے نئے عہدے کا چارج لینا تھا۔ اس کے بعد ہو سکتا تھا کہ مجھے واپس وطن بھیج دیا جاتا اور غیر ملکی تجارت کا تجربہ ہونے کے علاوہ پولٹ ڈفائی آندھیوں میں بھی پوری طرح سٹالن کا وفادار رہنے کے انعام کے طور پر وہاں کوئی اعلےٰ عہدہ دیدیا جاتا۔ وہ عہدہ کتنا بڑا ہوتا۔ اس کی کوئی حد تصور نہیں کیجا سکتی تھی

لیکن اس بلندی پر پہنچ کر بھی میں اپنے سے اعلےٰ لوگوں کا غلام رہتا۔ اپنے عوام کی کوئی خدمت نہ کر سکتا۔ بلکہ اُن پر جبر و تشدد کرنے والوں کا ساتھی ہوتا اسلئے جان بوجھ کر میں نے باہر ہی رہنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے سٹالن شاہی کیخلاف لڑنے کیلئے آزادی کی ضرورت تھی۔ اسلئے میں نے بے شمار خطرات، اقتصادی مشکلات اور جسمانی تکالیف کو سامنے دیکھتے ہوئے بھی آزادی کی طرف قدم بڑھایا اور جس وقت یہ قدم بڑھا وکٹر کراوشینکو اسی وقت ختم ہو گیا۔ اُس کی پہچان ختم ہو گئی اب وہ اٹلی کا یوگوسلاویہ کا پرتگال کا یا کسی اور ملک کا باشندہ ہو سکتا تھا۔ اگر نہیں ہو سکتا تھا تو روس کا۔

مانہٹن کے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں جہاں کا ماحول اچھا نہ تھا۔ میں نے اپنا وہ بیان تیار کیا جس کے کچھ حصے ۴ اپریل ۱۹۴۴ء کے نیویارک ٹائمز اور دوسرے اخبارات میں شائع ہوئے اب جبکہ فتح حاصل ہونے کے بعد جنگ ختم ہو چکی ہے اس بیان کو پڑھ کر میں اس میں کوئی ترمیم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا بلکہ اسکے برعکس یہ سمجھتا ہوں کہ وقت نے میرے خدشات کو درست ثابت کر دیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ میں نے اسوقت آزاد دنیا کو جو وارننگ دی تھی وہ بالکل اور سو فی صدی درست تھی۔

میں نے اس بیان میں الزام لگایا تھا کہ ظاہراً تو روس برطانیہ اور امریکہ کا اتحادی

ہے لیکن وہ ایسے مقاصد کیلئے کام کر رہا ہے جو کہ اس اتحاد کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ میں نے لکھا تھا کہ " دکھاوے کیلئے تو روس نے کمیونسٹ انٹرنیشنل کو توڑ دیا ہے لیکن وہ اب بھی کمیونسٹ تحریک کی ہر جگہ رہنمائی کر رہا ہے " پولینڈ۔ بلقان کے دیشوں چیکوسلوواکیہ آسٹریا، ہنگری، اور دیگر ممالک کے متعلق روس کی پالیسیوں کا ذکر کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا کہ اُن کا مقصد غیر جمہوری ہے وہ صرف ان دیشوں کو غلام بنانا چاہتا ہے اسکے ساتھ ہی میرے بیان میں یہ فقرے بھی شامل تھے۔

' روسی حکومت جہاں فیسی ازم سے آزاد کرائے جانے والے ممالک میں جمہوریت قائم کرنے کا دم بھرتی ہے وہاں وہ اپنے ملک کے اندر لوگوں کو ابتدائی آزادیاں دینے کیلئے ایک بھی بڑا قدم اُٹھانے میں ناکام رہی ہے۔"

' روسی عوام پہلے کی طرح ناقابلِ بیان جبر و تشدد اور ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں۔ اور وہاں کی خفیہ پولیس اپنے ہزاروں جاسوسوں کی مدد سے ان پر نہایت سخت کنٹرول رکھے ہوئے ہے۔ نازی حملہ آوروں کے قبضہ سے آزاد کرائے گئے علاقوں میں روس سرکار پھر سے اپنی تشدد اور ناقانونی کی بنیادوں پر قائم حکومت منظم کر رہی ہے۔ اُدھر جیلخانے اور بیگار کیمپ پہلے کی طرح ہی قائم ہیں "

جنگ کے آغاز میں رُوسی جنتا نے سیاسی اور سماجی اصلاحات کے متعلق جو اُمیدیں باندھی تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں "

" ...... مجھے اسبات پر اصرار ہے کہ روسی عوام کو ابتدائی سیاسی حقوق کی سب سے زیادہ ضرورت ہے ـــــ انہیں آزادی تقریر و تحریر اور خوف و قلت سے آزادی حاصل کرنے کی ضرورت ہے روس کی حکومت نے اب تک ان آزادیوں کے متعلق محض زبانی جمع خرچ ہی کیا ہے۔ سالوں تک وہ زبردست خوف اور اقتصادی بدحالی میں مبتلا رہے ہیں۔ روسی عوام نے اپنی بیشمار قربانیوں

سے نیا نام پیدا کیا ہے۔ اِن قربانیوں نے روس اور اس کی موجودہ حکومت کو بچا لیا ہے فاسسزم کو زبردست اور فیصلہ کن دھکا پہنچایا ہے اور جنگ کا رُخ پلٹ دیا ہے"

میرے یہ الفاظ لکھنے کے بعد کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا جس سے حالات تبدیل ہو گئے ہوں۔ سٹالن کی ڈکٹیٹرشپ اب بھی روس میں سب کچھ ہے تمام اختیارات کی مالک ہے۔ اُسکے دہشت زدگی کے طریقے وہی ہیں میں ایک جمہوری ملک کے شہری سے یہ توقع نہیں رکھ سکتا کہ وہ ڈکٹیٹری جمہوریت کے ظلم و ستم کا اندازہ لگا سکیگا جن لوگوں نے نازی جنگی قیدیوں کے بیانات قلمبند کئے اُنہوں نے نازی حکومت کا جو ذکر کیا ہے وہ کچھ کچھ روسی حکومت سے ملتا جلتا ہے۔ انکی کتابیں وغیرہ پڑھتے ہوئے میری زبان سے یہ الفاظ نکلے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ روسی نظام حکومت کا ایک خلاصہ ہے۔ اُس میں صرف کچھ نام تبدیل کرنے کی ضرورت ہے نازی کی بجائے بالشویک کر دینے کی ضرورت ہے وہ تصویر کرملین کا ڈھانچہ بن جائیگی

نازی قیدیوں کے یہ بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ فاسسٹ آدرش اور ان کے طرزِ عمل میں لیڈرشپ کے اصول کو مرکزی پوزیشن حاصل تھی اسی طرح روس میں کرملین کو مرکزی پوزیشن حاصل ہے۔ نازیوں کے ان بیانات میں کہا گیا تھا۔

"سازشیوں نے ایسی کارروائیاں کیں جن پر نازی پارٹی کے سوا تمام پارٹیوں کو ممنوع قرار دینا ناگزیر ہو گیا ۔۔۔۔۔ نازی حکومت نے جرمنی کی پارلیمینٹ کو اپنے نامزد ممبروں پر مشتمل ادارہ بنا کر رکھ دیا اور عوامی انتخابات کی آزادی کو ختم کر دیا ۔۔۔۔۔ انتخابات کے دوران میں دہشت زدگی شروع کر دی ۔۔۔ مخالفوں اور حکومت کے مفروضہ مخالفوں کیخلاف تشدد اور دہشت انگیزی کا چکر چلا دیا گیا ۔۔۔" اسمیں صرف سازشیوں یا مقلدوں کے نام مختلف تھے۔ ورنہ یہ روسی ڈکٹیٹرشپ اور دُنیا کی کسی بھی پولیس سٹیٹ کی اصلی تصویر تھی اسکے باوجود کچھ وہی لوگ جو ہٹلر اور اُس کے گروہ کی مذمت کرتے تھے عوام کی

آزادی کے خلاف سازشیں کرنیوالے روسی حکمرانوں کے متعلق چپ رہتے میں دیکھ رہا تھا کہ روس کی ہولناک حالت کے متعلق دنیا میں رائے عامہ پیدا کرنے کا کام ابھی پورا نہیں ہو سکا - اسے پورا کرنا ضروری ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

(۴)

جن خدشات کیساتھ میں نے اپنی نئی زندگی شروع کی تھی حالات نے جلد ہی انہیں صحیح ثابت کر دیا جب میرے فرار کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں تو سوویٹ پرچیزنگ کمیشن نے شروع شروع میں تو یہ ظاہر کیا کہ اُسے میرا علم ہی نہیں غالباً کمیشن کے افسر ماسکو سے ہدایات کا انتظار کر رہے تھے یہ ہدایات موصول ہونے پر کمیشن نے تسلیم کر لیا کہ میرے نام کا کوئی آدمی وہاں کام کرتا تھا - اسکے ساتھ ہی میرے خلاف پراپیگنڈا کی مہم شروع ہو گئی جو کہ ناگزیر تھی۔

میرے متعلق سب سے بڑا دعوےٰ جسکا کہ مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا یہ کیا گیا کہ میں اب بھی سُرخ فوج میں کپتان ہوں - اسکا مقصد میرے سیاسی فرار کو فوج سے فرار میں منتقل کرنا تھا - اور اسطرح میری واپسی کے مطالبہ کیلیئے وجہ جواز پیدا کرنا تھا - تاکہ سٹالن کا فائرنگ سکواڈ اپنی گولیوں سے میرا سینہ چھلنی کر سکے - لیکن حقیقت میں میری فوجی ملازمت دو سال سے کبھی پہلے ایک ہسپتال میں ہی ختم ہو گئی تھی - اسکے بعد میں ایک بالکل خالص سویلین افسر رہا تھا - بجنسہٖ اسکے کہ غیر ملکی تجارت کا محکمہ مجھے واشنگٹن سے باہر بھیجتا مجھے میری تمام فوجی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔

کمیونسٹ اور کمیونسٹ نواز اخبارات نے میرے خلاف اپنے کالموں کے کالم سیاہ کرنے شروع کر دیئے ۵ اپریل کو اخبار ڈیلی ورکر نے سٹیروبن کے نام سے ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا :-

"پارٹی کے ایک بھگوڑے کا کیس۔ ہٹلر نے اپنا آخری ریزرو دستہ طلب کر لیا"
یہ مضمون پارٹی پراپیگنڈہ کا ایک نمونہ تھا۔ لیکن سارا مضمون پڑھنے کے بعد اسکی لائینوں میں چھپی ہوئی ایک براہِ راست دھمکی کا پتہ چلتا تھا۔ کوئی عام آدمی شائد اسے نہ بھانپ سکتا لیکن مجھے پارٹی پراپیگنڈا کو سمجھنے اور اسکا مطلب نکالنے کی کافی مشق تھی اسلیئے میں نے اسے بھانپ لیا۔

مضمون میں مجھے دھمکی دیگئی تھی۔ کامریڈ سٹیروبن نے لکھا تھا کہ "کوئی آدمی جو اپنے آپکو سوویٹ پرچیزنگ کمیشن کا ایک افسر بتاتا ہے غداری کا مرتکب ہوا ہے" آگے چلکر اُس نے لکھا کہ "ٹراٹسکی سے لیکر اس کراؤشینکو جیسے گمنام لوگوں تک سب غدار کچھ عرصہ کیلیئے تو لوگوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن ..... " اب دھمکی شروع ہوتی تھی ... "لیکن پھر ترقی پسند انسانیت کا خبردار اور انتقامی ہاتھ آگے بڑھ کر انہیں پکڑ لیتا ہے اور بالآخر صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔"

یہ الفاظ پڑھ کر ٹراٹسکی کا سارا کیس میرے ذہن میں آگیا۔ جس میں کہ دستِ انتقام نے ایک کلہاڑا اُٹھا کر میکسیکو شہر میں ٹراٹسکی کی کھوپڑی توڑ دی تھی اور اُسے جان سے مار دیا تھا سیٹروبن کے مضمون میں مجھے جو پھر لمبی گالیاں دیگئی تھیں چنداور پیرے پڑھنے کے بعد مجھے مضمون میں پھر وہی پہلا رنگ نظر آیا کچھ اور آگے چلکر مصنف نے میرے امریکی رائے عامہ کی پناہ میں، جانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"ہمارے ملک میں ہمارے انحادیوں یا ہماری جنگی کوششوں کے دشمن پناہ حاصل نہیں کر سکتے ... اور یہ امر نہایت افسوسناک ہوگا۔ کہ امریکہ اس قسم کے بزدلوں اور غداروں کی پناہ گاہ بن جائے۔ جن میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ جو رونا وہ "نیویارک ٹائمز" کے کالموں میں روتے ہیں اُسے روسی عوام کے سامنے زبان پہ لا سکیں"
اسطرح "ڈیلی ورکر" نے اپنے پڑھنے والوں کو ایکبار پھر بیوقوف بنایا اُس

کا یہ کہنا کہ کوئی آدمی روسی عوام کے ساتھ براہ راست بات کرسکتا ہے۔ دُنیا کو بیوقوف بنانا نہیں تو اور کیا ہے؟ خود ہی تو مضمون نگار نے اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ روس کی خیالات پر پابندی رکھنے والی پولیس کو میری ذہنی حالت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے میں اب تک بچا رہا ہوں۔ اس پر بھی اُس کا یہ دعویٰ کہ عوام کے ساتھ براہ راست بات کی جاسکتی ہے محض فریب ہی تو ہے اور پھر یہ دھمکی بھی خوب رہی کہ مجھے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ کامریڈ سٹیرون کے ملک کے ایجنٹ نہیں بلکہ "ترقی پسند انسانیت" یہ کام کرینگی!

اس مضمون کے ذریعہ مجھ تک جو پیغام پہنچایا گیا تھا۔ اُسے سمجھنے میں مجھے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ پیغام یہی تو تھا کہ اگر میں خاموش نہ رہا تو "دستِ انتقام" اپنا کام کریگا۔ آخر میرے لئے بھی کلہاڑے مل سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ شاید اس قسم کی وارننگ کو یوں ہی نظر انداز کردیں۔ لیکن بدقسمتی سے میں کمیونسٹوں کے طریق کار سے واقف تھا اور اُن کے ایجنٹوں کی نفرت سے بھی جو کہ میں نے مذمت کی تھی۔

میں نے اپنے آپ کو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود نیویارک میں روسی جاسوسوں کو یہ پتہ چلانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ میں کہاں ہوں جس ہوٹل میں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ روسی ایجنٹوں نے جلد ہی اسکے سامنے چکر کاٹنے شروع کردیئے میں نے کئی بار ہوٹل تبدیل کئے اپنا نام بدلا لیکن یہ لوگ ہر جگہ پہنچ جاتے تھے۔ کئی بار مجھے یہ خوش فہمی ہوئی کہ اب میں اُن کی نظروں سے بچ گیا ہوں لیکن تھوڑی ہی دیر بعد میں دیکھتا کہ وہی آدمی میری نئی رہائش گاہ کے باہر منڈلا رہے ہیں کئی بار راہ چلتے چلتے میں چھوٹی چھوٹی گلیوں میں گھس جاتا اور کئی بار ٹیکسیوں پر سوار ہو کر اُنکی قہر آلود نگاہوں سے دور جانے کی کوشش کرتا لیکن ہر بار ناکامی ہوتی

کچھ عرصہ کیلئے اپنے آپ کو اس پریشانی سے بچانے کیلئے میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ بیرونی بستیوں میں کچھ وقت گذارنے کی دعوت منظور کرلی۔ یہ میرے وہ دوست تھے۔

جنہوں نے کہ اخبار "کاسمو پولیٹین" میں میرے ایک مضمون کی اشاعت کے بعد مجھے ڈھونڈ نکالا تھا اور تب سے میرے ساتھ ملتے جلتے رہے تھے۔ میں نے اپنی روانگی کے متعلق کسی سے کوئی ذکر نہ کیا اور اپنے دل میں سمجھ لیا کہ میں بڑی ہوشیاری سے کسی کی نظروں میں آئے بغیر گاڑی پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ لیکن میرا یہ خیال غلط تھا۔ میرے دوست جو کہ ریلوے سٹیشن پر انتظار کر رہے تھے میرے پہنچنے پر قدرے پریشان نظر آئے۔ انہوں نے ایک طرف کھڑے تین آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ یہ لوگ گذشتہ ۱۵ منٹوں سے ان کی نگرانی کر رہے ہیں، اور بلا مقصد اُن کے پیچھے پیچھے گھوم رہے ہیں۔

اب اسبات میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ تینوں آدمی میری تلاش میں ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک آدمی نے جو کہ لگاتار میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اپنا ایک ہاتھ اپنی دائیں جیب میں ڈالا ہوا ہے۔ جتنی دیر میں اُسے دیکھتا رہا اُس آدمی نے جیب سے ہاتھ نہیں نکالا اور جب ہم ایک کار میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہوئے تو دیکھا کہ وہ تینوں آدمی بھی ایک اور کار میں سوار ہو کر ہمارا پیچھا کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے اسبات کو چھپانے کی بھی کوشش نہ کی کہ وہ ہمارے تعاقب میں ہیں۔ اُن کی نظروں سے اوجھل ہونے کیلئے ہم نے کافی تیز رفتار سے کار کو شہر میں اِدھر اُدھر گھمایا لیکن وہ کار ہمارے پیچھے ہی رہی اس پر ہم نے ایک پولیس سٹیشن کے سامنے اپنی کار کو روک لیا۔ یہ دیکھ کر ہمارا تعاقب کرنیوالی کار آگے نکل کر غائب ہو گئی جہاں کھڑے کھڑے ہم نے اُس کار کا لائسنس نمبر نوٹ کر لیا۔ لیکن تحقیقات کے بعد پتہ چلا کہ یہ لائسنس نمبر چوری شدہ ہے۔

اسکے بعد بھی کئی دنوں تک ہم اس پر اسرار کار کو شہر کی بیرونی بستی کے اس مکان کے سامنے سے گذرتے ہوئے دیکھا جہاں کہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ان دنوں میں مجھے نیویارک سے ٹیلیفون آتے رہے۔ جن میں کہ کوئی آدمی "دوستی" کے طور پر مجھے متنبہ کیا کرتے تھے کہ میری زندگی خطرے میں ہے اسلئے مجھے کہیں چھپ جانا چاہیئے یہ آوازیں نہایت پُر اسرار

ہی تھیں۔ ایسا نظر آتا تھا کہ یہ سب کوششیں میرے میزبانوں کو خوفزدہ کرنے اور مجھے گھر سے نکال دینے پر مجبور کرنے کیلئے کیجا رہی ہیں۔ انکا ایک مقصد یہ بھی نظر آتا تھا کہ یہاں سے نکلوانے کے بعد مجھے کسی ایسی جگہ پر چھپایا جائے جہاں کہ کمیونسٹ ایجنٹ میری ہستی کو آسانی کیساتھ ختم کر سکیں ان سب چیزوں کو دیکھکر میں نے ایسا محسوس کیا کہ میں اب بھی آزاد امریکہ میں نہیں بلکہ ڈکٹیٹری روس میں رہ رہا ہوں۔ میں حیران تھا کہ کیا مجھے اپنی زندگی کے متعلق خوف سے آزاد ہو کر زندہ رہنے اور کام کرنیکا کبھی موقع نہ ملیگا!

لیکن میرے میزبان دوست اس دباؤ کے مقابلہ میں جرأت اور دلیری کیساتھ ڈٹ گئے اور میں اس کیلئے ان کا شکر گذار ہوں۔ میرا میزبان ہر رات کو ایک تیز کلہاڑا اپنے سرہانے رکھ کر سوتا تھا کہ اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو اسکا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس کے پاس گھر میں بھی ایک ہتھیار تھا۔ ملک کے دوسرے حصوں میں دیگر امریکن اور کچھ روسی باشندے بھی میری زندگی کی حفاظت کرنے کے خطرات اٹھاتے رہے انہوں نے روسی ایجنٹوں کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کی۔ اور اس دوران میں میں یہ کتاب لکھتا رہا۔

اب یہ کتاب مکمل ہو چکی ہے میں نے اپنی داستان مکمل کر لی ہے "ترقی پسند انسانیت" کی نمائندگی کا دعوے کرنیوالے قاتل کسی وقت مجھے صفحۂ ہستی سے مٹانے کے ارادہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ اس ریکارڈ کو ختم نہیں کر سکتے جو کہ روسی عوام کے مصائب کی ایک طویل داستان ہے۔ آج میں یہ اُمید کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ایکدن میرے مصیبت زدہ ہموطن بھی حقیقی آزادی اور اقتصادی جمہوریت سے مستفید ہو سکیں گے۔

جب وہ دن آئیگا تو سچ مچ ہم ایک دنیا کے آدرش کے قریب ہوں گے۔ جب تک دنیا کا چھٹا حصہ جسے اب چھوٹے چھوٹے دلیشوں کو دھوکہ سے اپنے ساتھ ملاکر وسیع کر لیا گیا ہے ڈکٹیٹرشپ کی غلامی میں ہے اور ذہنی طور پر پابند ہے تب تک امن عالم مخدوش رہیگا عالمی تحفظ کی طرف اگلا قدم کسی بین الاقوامی انجمن کا قیام نہیں۔ اگرچہ وہ کبھی

وجود میں آنی چاہیئے۔ بلکہ روسی عوام کو اس جبر و تشدد سے نجات دلانا ہے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کوئی ایسا معجزہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ روس میں جمہوریت قائم ہو جاتی ہے تو بہت سی بین الاقوامی کشیدگیاں جو آج انسانیت کیلئے خطرہ کا سبب بنی ہوئی ہیں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ اور صحیح معنوں میں بین الاقوامی تعاون ممکن ہو جائیگا کہا جائیگا کہ روس کو ڈکٹیٹری غلامی سے نجات دلانا روسیوں کا کام ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ایسا سوچنے والے سخت غلطی پر ہیں کیونکہ کئی پہلوؤں سے تہذیب کے تحفظ اور دنیا امن کے امکانات کا انحصار روس کی آزادی پر ہے اسلئے یہ ایسا معاملہ نہیں جسکا تعلق صرف روسیوں سے ہو۔

میں اتنا احمق نہیں کہ اس دور میں کسی معجزے کی توقع رکھوں لیکن ایک بات یقینی طور پر جانتا ہوں اور وہ یہ کہ میرے ملک کی آزادی کیلئے اندر سے کوئی لہر تب ہی اٹھ سکتی ہے جبکہ جمہوری دنیا روس کی حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ لے آج رائے عامہ کریملین کی ڈکٹیٹرشاہی کو مضبوط بنا رہی ہے اسے روسی عوام کے جذبۂ آزادی کو تقویت دینے اور انکی اخلاقی امداد کرنے کیطرف راغب ہونا چاہیئے۔

یہ کتاب، جو کہ ایک ایسے روسی کی داستانِ حیات کی شکل میں لکھی گئی ہے جس کا جذبۂ آزادی ابھی تک ختم نہیں ہو سکا امریکہ اور تمام دنیا کے جمہوری ضمیر سے میری ایک دردناک اپیل ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

لفظِ آخر

میں نے سوویٹ پرچیزنگ کمیشن سے اپنے فرار کے فوراً بعد یہ کتاب لکھنی شروع کر دی تھی اور مہینوں تک خوفناک حالات میں میں اسے بہ محنت کرتا رہا۔ اس دوران

میں مجھے قتل کی دھمکیاں بھی ملتی رہیں۔ مجھے شہر شہر بھاگے پھرنے بار بار ہوٹل اور پرائیویٹ رہائشی گاہیں تبدیل کرنے، نئے نئے نام اور قومیت اختیار کرنے اور امریکیوں وا اپنے کچھ ہموطنوں کے گھروں میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور کیا گیا۔ اور اس عرصہ میں جن جن لوگوں نے مجھ پر مہربانی دکھائی یا مجھے اخلاقی مدد دی ان سب کا میں یہاں تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

اگر اس عرصہ کے دوران میں میں روسی ایجنٹوں کے قابو میں آ جاتا تو شاید وہ مجھے ختم کر دیتے اور یا شاید اس سے بھی بدتر سلوک کرتے یعنی مجھے ذلیل کر کے مارنے کیلئے واپس روس بھیج دیتے لیکن خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہوا۔ آج زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے وطن کیلئے اپنے عوام کیلئے اور خود اپنے لئے زبان کھولنے کی آزادی کو محسوس کر رہا ہوں۔

جب میں نے کیفین کو چھوڑا جنگ ابھی جاری تھی۔ مغربی جمہوریتوں اور روسی ڈکٹیٹر شپ کے درمیان فوجی تعاون کی ضرورت کی وجہ سے مجھے کافی ضبط سے کام لینا پڑا۔ میں نے رضامندانہ طور پر احتیاط برتی۔ مشترکہ فتح کی ضرورت نے اور سب چیزوں کو پیچھے ڈال دیا تھا۔ لیکن اب جبکہ فتح حاصل ہونیکے بعد جنگ ختم ہو چکی ہے یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ میرا ایک لازمی فرض بھی ہے کہ میں اپنا دل کھول کر پیش کر دوں۔ اور جتنے موثر ڈھنگ سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہوں کروں۔ اسلئے یہ کتاب آزاد دنیا کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

ایک اور وجہ جس نے کہ مجھے اپنے خیالات دنیا کے سامنے رکھنے پر مجبور کیا ہے یہ ہے کہ جب سے جنگ ختم ہوئی ہے کئی ملک اور قومیں "بائیں جانب" کو جا رہی ہیں۔ کچھ تو رضامندانہ طور پر اور کچھ بیرونی دباؤ کی وجہ سے۔ میرا خیال ہے کہ یہ رجحان ناگزیر اور صحتمندانہ ہے۔ بشرطیکہ یہ کریملن کے ڈکٹیٹری کمیونزم کے ماڈل پر نہ چلے جیسا کہ کچھ کیسوں میں ہوا ہے۔ بدقسمتی سے مہذب دنیا کے وسیع علاقوں میں جہاں روسی طاقت اور روسی فلسفہ کو کوئی عمل دخل حاصل ہے ایسا ہو رہا ہے۔

میرے وطن کے عوام پولیس سٹیٹ کے شکنجے میں ہیں۔ اُنکے لئے اپنے خیالات اپنی اُمیدیں اور اپنے مصائب کی روداد دُنیا کے سامنے رکھنا ممکن نہیں۔ جہاں تک میں رُوسی ڈکٹیٹریت کی حقیقی تصویر جمہوری ممالک کی حکومتوں اور وہاں کے عوام کے سامنے رکھ سکتا تھا میں نے رکھ دی ہے۔ یہ ایک طرح سے انہیں ایک وارننگ ہے کہ وہ غلط فہمیوں اور خوش فہمیوں میں مبتلا نہ رہیں۔ ایک زیادہ عمدہ دُنیا بنانے کیلئے ہمیں مختلف حکومتوں کے درمیان ہی نہیں اس دُنیا کے عوام کے درمیان بھی مفاہمت اور گہری دوستی کی ضرورت ہے۔

رُوس میں کمیونسٹ ڈکٹیٹرشپ کیلئے رُوسی عوام یا کیلی جمہوریتوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ساری انسانیت کا مسئلہ ہے۔ دُنیا کل زمین کے چھٹے حصے پر آباد ایک عظیم انسانی نسل کی شہادت کو غیر معین عرصہ کیلئے نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اس قوم پر لیسے خود سر اور جابر لیڈروں کا ایک گروہ حکومت کر رہا ہے۔ جس کی بنیادیں پولٹ بیورو کی پارٹی مشینری اور بڑی پولیس فورس پر ہیں۔ رُوس کے کروڑوں لوگوں کی کوئی آواز نہیں۔ اپنی قسمت اُن کے ہاتھ میں نہیں۔ اور وہ دوسرے ممالک کے لوگوں اور وہاں کے ذہنی رُجحانات سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔

اگرچہ کریملن کے گُٹ نے اپنے ملک میں لوگوں کو سیاسی یا اقتصادی آزادی سے بالکل محروم رکھا ہوا ہے۔ لیکن دوسرے ملکوں میں اُن کے اور اُسکے ہمسفر یہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور دُنیا کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ رُوسی نظام آزادی کا ایک نمونہ ہے کہ یہ پرانے زمانے کی جمہوریت کے مقابلہ میں حقیقی جمہوریت ہے

قدرتی طور پر میں نے یہ کتاب اپنی آبائی یعنی رُوسی زبان میں لکھی تھی۔ اسلئے انگریزی میں اسکی اشاعت سے پہلے اسے انگریزی میں ترجمہ کرنا تھا تاکہ امریکی عوام اسے پڑھ سکیں۔ ترجمہ میں اس چیز کا خاص خیال رکھا گیا کہ تمام حقائق واقعات ذاتی تجربے سیاسی حالات۔ تصاویر اور انفرادی تذکرے پوری تفاصیل میں وہی رہیں جو کہ میرے روسی مسودہ میں تھے۔ جب انگریزی میں کتاب کا مسودہ تیار ہوگیا تو میں نے ذاتی طور پر اسے چیک کیا اور اسکی کانٹ چھانٹ کی۔

میں نے اس کتاب کو ایک ذاتی سوانح عمری کے ڈھانچے میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسلئے یہ یہ

سیاسی معاملات انتظامیہ امور پولیس نظام اور روسی راج پر بندھ کے دیگر مسائل کے متعلق بہت سے مواد کو چھوڑ دینا ضروری تھا۔ یہ اور دوسرا متعلقہ مواد میں بعد میں کسی وقت شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

کئی جگہوں پر معصوم لوگوں کو حکومت روس کے بے رحم انتقام سے بچانے کیلئے مجھے کچھ نام تبدیل کرنے پڑے ہیں۔ کچھ مقامات کا ذکر چھوڑنا پڑا ہے۔ اور کچھ حالات بدل کر بیان کرنے پڑے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جہاں مجبوراً یہ تبدیلیاں کرنی پڑی ہیں۔ وہاں بھی متعلقہ واقعات کی صداقت اور اس داستان میں ان کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

یہ کتاب میں روسی عوام کی نذر کرتا ہوں جن میں سے کہ میں خود ایک ہوں میں اسے اُن لاکھوں شہیدوں کی نذر کرتا ہوں جنہوں نے کہ تانا شاہی کے خلاف جدوجہد میں اپنی جانوں کی آہوتی ڈالی۔ اُن لاکھوں معصوم لوگوں کی نذر کرتا ہوں جو کہ کریملن کے بیشمار جیلخانوں اور بیگار کیمپوں میں گھُل گھُل کر مر رہے ہیں۔ اپنے اُن لاکھوں ہموطنوں کی نذر کرتا ہوں۔ جنہوں نے کہ بہتر مستقبل کی اُمید میں مُلک کی حفاظت کیلئے دشمن کی گولیاں کھائیں — میں اس کتاب کو دُنیا بھر کے اُن ترقی پسند اور سماجی رجحانات رکھنے والے لوگوں کی نذر کرتا ہوں جو ایک آزاد جمہوری رُوس کیلئے جدوجہد میں مدد دے رہے ہیں۔ ایک آزاد جمہوری روس کے بغیر دُنیا میں کبھی دیرپا امن قائم نہیں ہو سکتا۔

وکٹر کراؤشینکو

نیویارک۔ ۱۱ رفروری ۱۹۴۶ء

شاید امریکہ میں میرے کئی دوستوں کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ۱۹۴۶ میں امریکہ میں میری کتاب *I Choose Freedom* کی اشاعت کے بعد یہ فرانس، انگلینڈ، سوئٹزرلینڈ، ناروے، سویڈن، ڈنمارک، اٹلی، ہالینڈ، سپین، پرتگال، چین، ارجنٹائن اور کینیڈا (یوکرینین زبان میں) میں بھی شائع ہو چکی ہے اب یہ کتاب مستقبل قریب میں جرمنی، آسٹریا، جاپان، چین اور لتھوانیہ میں شائع ہوگی۔ سویڈن میں یہی کتاب ایستھونین زبان میں شائع ہوگی۔ ہندوستان میں اردو اور بنگالی زبانوں میں چھپے گی۔ اسکے علاوہ چیکوسلواکیہ میں بھی اسے شائع کیا جائیگا۔

فولادی پردہ سے باہر میری کتاب کا جو سواگت ہوا ہے۔ اُس سے مجھے بہت مسرت اور اطمینان ہوا ہے۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ کمیونسٹ جنت کی حقیقت آشکارا کرنے اور لوگوں کو کمیونسٹ پروپیگنڈا کے اثرات سے بچانے کے لئے جو قربانیاں کی گئی تھیں۔ وہ ضائع نہیں گئیں۔ اور میری محنت کے توقع سے بہت زیادہ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

امریکنوں اور باقی دُنیا کے لوگوں کی طرف سے جن میں عورتیں مرد اور زندگی کے ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں۔ مجھے ہزاروں خطوط موصول ہوئے ہیں۔ جن میں انہوں نے رُوس کے مسئلہ میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہے کمیونسٹ ڈکٹیٹرشپ کے مظالم اور سخت گیری کے خلاف سخت نفرت ظاہر کی ہے۔ اور روسی عوام کے لئے گہری ہمدردی کا پیغام دیا ہے۔ میری اس کتاب اور میری تمام قربانیوں کا مجھے جو بہترین انعام مل سکتا تھا اور ملا ہے وُہ یہ خطوط ہیں۔

میں امریکن رائے عامہ کا بہت شکر گزار ہُوں۔ کمیونزم سے تعلق منقطع کرنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو اسکی پناہ میں دیا تھا۔ مَیں امریکی حکومت کا بھی بہت ممنون ہُوں جس نے کہ مجھے روسی حکومت کے حوالے نہیں کیا۔ بلکہ مجھے پناہ دی۔ اور یہ موقع دیا کہ میں کمیونسٹ ڈکٹیٹرشپ کے ماتحت اپنے ملک اور اپنے ہموطنوں کی حقیقی حالت دُنیا کے سامنے رکھ سکوُں۔

مجھے خوشی ہے کہ میری یہ کتاب پڑھنے والے لاکھوں کروڑوں لوگوں نے نہ صرف اس خطرے کو سمجھ لیا ہے جو کہ کمیونزم روس کیلئے پیدا کر رہا ہے بلکہ اس بات کو بھی کہ اگر اُنہوں نے اپنے آپ کو پوُری سرگرمی سے اور تمام تر قوتوں کے ساتھ کمیونزم اور ہر قسم کی ڈکٹیٹریت کے خلاف جدوجہد میں نہ جھونکا تو یہ خطرہ اُن کے لئے بھی اُتنا ہی عظیم اور حقیقی ہے۔

ختم شُد

LIBRARY
14098

219

GIRLS CO...
ACC. No. 14098
LIBRARY

مطبوعات شمع، کھلونا، بانو اور مکتبۂ دینیات دہلی

بمبئی کے لئے سول ایجنٹ

علوی بک ڈپو۔ محمد علی روڈ۔ بمبئی ۳